#
Done
Catlog

تاریخ دولتِ عثمانیہ

جلد اوّل

Gmo
1218

سلسلۂ نصابیات جامعۂ عثمانیہ

تاریخ دولت عثمانیہ

(تا ۱۹۱۴ء)

جلد اوّل

تصنیف

ڈلا ژونکیئر

کا

فرانسیسی سے انگریزی

اور

انگریزی سے اُردو ترجمہ

باہتمام

مولوی محمد مارماڈیوک پکتھال صاحب مرحوم و مولوی سید ہاشمی صاحب فرید آبادی

۱۳۵۷ھ م ۱۳۴۷ف م ۱۹۳۸ء

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

یہ کتاب کتب خانہ آشیت پریس کی اجازت سے
جس کو حقِ اشاعت حاصل ہے اُردو میں
ترجمہ کر کے طبع و شایع کی گئی ہے۔

JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY
LIBRARY
No. 456940
Date 31-5-03
SRINAGAR

956.101
37

فہرست مضامین

تاریخ دولت عثمانیہ جلد اول

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا باب

مقدمہ

ترک ۔ ان کا آغاز ۔ سلجوق

مسلمان مورخوں کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ ترک یافث کے ایک بیٹے کی اولاد میں سے ہیں جس کا نام ترک تھا۔ اور جس نے ایک خلیج کے کنارے جس کو چاروں طرف سے پہاڑ گھیرے ہوئے تھے اپنا دار الحکومت بنایا تھا۔ ترک کے چوتھے جانشین الینچہ خاں کے زمانہ حکومت میں ترکوں نے بت پرستی اختیار کر لی۔ ترک کے آٹھویں جانشین قرہ خاں کی پیدائش کے وقت بہت سی تعجب خیز باتوں کا ظہور ہوا۔ قرہ خاں کی عمر ابھی ایک ہی سال کی تھی کہ اس نے سلطنت کے بہت سے اکابر کے سامنے بآواز بلند یہ اعلان کر دیا کہ اس کا نام اوغوز ہے اور یہ کہ وہ اس وقت تک اپنی ماں کا دودھ نہیں پیئے گا جب تک کہ اس کی ماں خدا کی وحدانیت تسلیم نہ کرلے۔ اوغوز کے باپ نے اپنے دیوتاؤں کا بدلہ لینا چاہا جن سے اوغوز کو جواب بڑا ہو گیا تھا سخت نفرت تھی اور اس کی گرفتاری کا حکم دیدیا۔ اس حکم کی بنا پر باپ بیٹے میں لڑائی چھڑ گئی اور اوغوز کا باپ ایک تیر کے صدمے

سے ہلاک ہو گیا۔ اوغوز کو اس موقع پر اس کے دوستوں نے جو امداد دی تھی اس کے معاوضے میں اس نے ان کو اویغور (معاون) کا خطاب دیا۔

اوغوز کے گون (دن)۔ آئی (مہینہ)۔ یلدیز (ستارہ)۔ گوک (آسمان) طاغ (پہاڑ)۔ اور دگز (سمندر) چھ بیٹے تھے۔ اس نے یہ اندازہ لگانے کے لئے کہ ان کا مستقبل کیسا ہے ان سب کو ایک دن شکار کے لئے بھیجا۔ یہ لوگ ایک کمان اور تین تیر جو ان کو ملے تھے لے کر واپس آئے۔ اور اوغوز نے تین بڑے بیٹوں کو کمان اور تین چھوٹے بیٹوں کو تیر دیدیے۔ چھوٹے بیٹوں نے ایک تیر لے لیا لیکن بڑے بیٹوں نے کمان کے قبضے کا جھگڑا چکانے کی غرض سے کمان کے تین ٹکڑے کر دیئے۔ اوغوز اپنے تین بڑے بیٹوں کو جنھیں کمان ملی تھی بوزوق (تباہ کار) اور چھوٹے بیٹوں کو جن کے حصے میں تیر آئے تھے اوچ اوق (تین تیر) کے نام سے پکارنے لگا۔ بوزوق فوج نے میمنے کو لے کر مغرب کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور اوچ اوق یسار پر قابض ہو کر مشرقی ترک بن گئے۔ اوغوز کے ہر ایک بیٹے کے چار چار بیٹے تھے جو آگے چل کر چوبیس ترکی قبائل کے سردار بنے۔

یہاں تک تو کہانی تھی لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ تاریخ کیا لکھتی ہے۔ بحر خزر، جبل ارال۔ التائی، خطائی اور ہمالیہ کے درمیان جو وسیع خطۂ ارض ہے اور جس کے ایک حصے کو آج بھی ترکستان کہا جاتا ہے اس میں وہ تمام ممالک داخل ہیں جہاں تاتاری قوم آباد تھی۔ یہی وہ گہوارۂ اقوام ہے جہاں سے وہ تمام وحشی گروہ جنھوں نے ابتدائی صدیوں میں مغرب پر حملہ کیا تھا آئے تھے۔ ترک۔ تاتاری مغل۔ قدغز اور قلموق (قلماق) بھی اسی جگہ سے آئے تھے۔ بعض معتبر مورخین کا خیال ہے کہ کسی زمانے میں ان تمام واحد الاصل قوموں کو ترک کہا جاتا تھا۔ آل عثمان جنھیں آج کل ترک کہا جاتا ہے اس نام کو اپنی توہین سمجھتے ہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک ترک اور وحشی کے ایک ہی معنی ہیں[1]

---

[1] یہ خیال اب باقی نہیں رہا ہے، آج کل ترک کا لفظ عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اور لفظ عثمانی (Osmanli) عثمانلی) متروک ہو گیا ہے۔ (مترجم)

قدیم ترین زمانے سے سنٹرل ایشیا دو بڑی قوموں کا میدانِ جنگ بنا رہا ہے جن میں سے ایک آرین قوم میں ایک قسم کی تہذیب و تنظیم پائی جاتی تھی درانحالیکہ دوسری یعنی آرالی التائی یا تورانی ایک خانہ بدوش اور وحشی قوم تھی۔ ترکوں کی تمام ابتدائی تاریخ آرین قوم کے خلاف تورانی قوم کی لڑائیوں پر مشتمل ہے جس کی ایک ممتاز شاخ میں ترک بھی داخل ہیں۔ قدیم زمانے کے مستند اور معتبر رومی اور یونانی مورخوں نے ترکی قوموں کے متعلق بہت کم واقعات لکھے ہیں۔ ہیرودوٹس نے جن سی ڈین (اسکائی) قوموں کا ذکر کیا ہے وہ بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان سے تعلق رکھتی ہیں جس سے کہ ترکوں کا تعلق ہے۔ ان اسکائی قوموں نے دارائے گشتاسپ کے زمانے میں سغد۔ باختریہ کی سرحدوں پر بہت کچھ فساد برپا کیے تھے۔ پارتھیا کے بادشاہ فرارطیس اول (Phrrates I) نے ان لوگوں کو انطیا قوس سدلطیس شاہ شام کے خلاف اپنی مدد کے لیے بلایا تھا۔ لیکن یہاں آکر یہ لوگ اس سے برگشتہ ہوگئے اور پارتھیا کا بادشاہ ان کو سغد اور باختر میں آباد ہونے سے کسی طرح نہیں روک سکا پلینی اور پمپونوس میلانے بھی ایک قوم کا تذکرہ کیا ہے جس کو وہ ترکس (Turace)[1] کے نام سے پکارتے ہیں۔ چینی روایتوں میں ترکی قبائل کے متعلق ہر قسم کے واقعات کثرت کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں لیکن یہ روایتیں بالعموم اس قدر پیچ در پیچ ہیں کہ ان سے کسی قسم کا نتیجہ اخذ کرنا بالکل ناممکن ہے۔ چینی روایات میں جس قدیم ترین ترکی قبیلے کا

("Dandari. Tussagetæ, Turcæ usquead soletudines Saltuosis Convallibas asperas uttraquos Cerymphæi qui ad Rephæos pertin erst montes")

اندار ی جغتائی۔ اور ترک ناہموار اور کوہستانی صحراؤں تک پھیلے ہوئے ہیں جن کے بعد سیر مفای۔ رفیانی پہاڑوں تک پھیلے ہوئے ہیں)

پلینی اصغر۔ جلد نمبر باب۔ Geloni urbeu Cigneum habitant : guxta

Tassagetae Turca que Naitas syluas ocicupant olemturque venandor.)

(گلونی ایک چوبی شہر میں آباد ہیں، جس کے قریب جغتائی اور ترک وسیع جنگلوں پر قابض ہیں)

تذکرہ کیا گیا ہے وہ ہیون یو (Hyun Yu) یا ہونگ نو (Hyung nou) ہے جس کے سب سے پہلے بادشاہ کا زمانہ ۶۳ سنہ قبل مسیح ہے۔ عیسوی سنہ کے آغاز سے دو صدی پہلے اس قبیلے نے تاتار کے تمام ملک کو فتح کر لیا تھا اور ان کے مقبوضات کوریا (Corea) تک پھیلے ہوئے تھے۔ ہیون یو کی بادشاہی بہت قلیل مدت تک قائم رہی۔ ٹھیک اس وقت جب کہ ملک میں ہر طرف خانہ جنگیاں ہو رہی تھیں چینیوں نے حملہ کر کے ان کی بچی کھچی طاقت کو پامال کر دیا۔ اور ہیون یو کے بقیۃ السیف افراد کوہ التائی کی طرف الٹے قدم پھر گئے جہاں سے ان کی اولاد ٹوکیو (Tukiu) نے خروج کر کے ایک نئی سلطنت قائم کر لی۔ جو ان کے آبا واجداد کی قائم کی ہوئی سلطنت سے کہیں زیادہ طاقتور تھی۔

بعض مستشرقین کا بیان ہے کہ ٹوکیو دراصل لفظ "ترک" کا جس کو ہیویون یو نے اختیار کر لیا تھا چینی ترجمہ ہے۔ ٹوکیو نے بہت تھوڑی مدت میں اس قدر طاقت حاصل کر لی کہ چین۔ فارس اور سلطنت رومہ کو ان کی طرف سے خطرہ پیدا ہو گیا۔ سنہ ۵۶۹ء میں جستینان ثانی نے ان کے خان۔ زابل (Dizabul) کے پاس ایک سفارت بھیجی جس نے بادشاہ ایران کے سفیروں سے کوہ التائی کے علاقے میں ملاقات کی۔

ٹوکیو کی سلطنت بہت تھوڑی مدت میں کئی خودمختار ریاستوں پر جو ایک دوسرے کی دشمن تھیں منقسم ہو گئی۔

اسی زمانے میں ایک دوسرے ترکی قبیلے یوے چی (Yuay-chi) نے جس کو ہیویونوں نے اپنے ملک سے نکال دیا تھا قوقند پر قبضہ کر لیا اور کاشغر میں آباد ہو گیا۔ ازوم (Vzume) نے ان لوگوں کو یہاں سے بھی نکال دیا اور یہ خوزر اور جیحون کے درمیان بس گئے اسی زمانے میں ایک دوسری قوم بھی جس کو صحیح طور پر ترک کہا جا سکتا ہے جیحون پر آ پہنچی اور ہیاب پیلٹز (Hayabpelitz) کی سلطنت کو جو خوارزم اور ماوراء جیحون پر قائم کی تھی تباہ کر کے کابلستان اور بالائے وادی جیحون کے پہاڑوں کی طرف بھگا دیا۔

ایک صدی کے بعد ایک دوسرے ترکی قبیلے ادیغور نے جس کو مورخ ہوائی ہی کہتے ہیں اور جو کسی زمانے میں ہیویون یو کے ماتحت تھا ان ترکی قبائل کو

جو مشرقی ترکستان میں آباد ہو گئے تھے بحر ارال و خزر کی طرف دبانا شروع کیا اور اپنی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ ارال و التائی نسل کی قوموں میں اویغور سب سے زیادہ مہذب تھے۔ یہ لوگ زیادہ تر بدھ مذہب کے پابند تھے مگر ان میں بہت سے ایسے لوگ بھی تھے جو ارمزو (Armuz) کی پرستش کرتے تھے اور عیسائیوں کے ملحدانہ ٹینیز اور نسطوری کے بھی پابند تھے۔ ابتداً ترک بت پرست تھے ٹوکیو ایک اعلیٰ اور ارفع ذات کی پرستش کرتے تھے جس کو وہ ٹوری (Tori) کہتے تھے اور جو کائنات پر مالکانہ حیثیت سے حکومت کرتی تھی۔ اس ذات کے ماتحت کئی دیوتا تھے جن میں سب سے اہم پوٹوری (Potori) تھا جس کو خدائے زمین اور روح فلک تصور کیا جاتا تھا۔ اہل ارمینیہ کے اثر سے ترکی قبائل نے رفتہ رفتہ مجوسی اور بدھ مذہب کو اختیار کر لیا۔ یہی وجہ تھی کہ قدرتاً غیر زرتشتی مذہب کا دل سے پابند تھا۔ ساتویں صدی کے ایک چینی مصنف ہیون سانگ کا اہم اسٹینی سلاس جولین نے قول نقل کیا ہے کہ:- "ترک آگ کی پرستش کرتے ہیں۔ وہ لکڑی کو بالکل استعمال نہیں کرتے اس لئے کہ لکڑی میں آگ ہوتی ہے یعنی وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں آگ ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ احترام کی وجہ سے بیٹھتے نہیں"۔

آٹھویں صدی میں ہوک خاں نے ہیو یون یو اور ٹوکیو کی قدیم سلطنت پر دوبارہ قبضہ کر لیا اس سے اویغور کی طاقت میں اضافہ ہوا اور کاشغر ایک نہایت وسیع ترکی سلطنت کا دارالحکومت بن گیا۔ ہوک خاں کے ایک جانشین قرہ بغیہ خاں نے اسلام قبول کر کے بزور شمشیر اس کی اشاعت کی۔ ترکی قبائل نے نہایت دلیری کے ساتھ قرہ بغیہ خاں کا مقابلہ کیا اور مسلمانوں کے خلاف چینی فوج سے امداد طلب کی۔ لیکن ان تمام کوششوں کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ اسلام کی فتح ہوئی اور ترکی و تاتاری قبائل کو اسلام کا حلقہ بگوش ہونا پڑا۔ ایرانی اور تاتاری قبائل کے جو مجوسی تھے عربی مسلمانوں سے تقریباً پچاس سال تک ان کی لڑائی جاری رہی۔ اور آخر میں سامی مذہب کو زرتشتی مذہب پر فتح حاصل ہوئی کیونکہ اس نے فاتح اور بت پرست ترکوں کو بھی اس وجہ سے کہ ان کی سنگ پرستی پر

اس کو فوقیت حاصل تھی۔ اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ اس طرح اسلام ان ملکوں کے لیے زوال اور تباہی کا باعث بن گیا۔ جن کا محل وقوع اور باشندوں کی دماغی اور مادی صلاحیت بظاہر اس بات کی مقتضی تھی کہ وہ تمدن پھیلانے کی کوئی بہتر و اعلیٰ خدمت انجام دیتے۔[1]

ہوک خاں کی وفات نے اس کی قوم کی رفتار ترقی کو بہت کچھ سست کر دیا لیکن ۹۹۹ء میں ہوک خاں نامی ایک دوسرے سردار نے سامانی بادشاہ عبدالملک کو دھوکا دے کر اس کے مقبوضات پر قبضہ کر لیا اور سامانیوں کے آخری بادشاہ المنتصر ابن ابوالقاسم کے قبیلے نے تمام وسطی ایشیا اویغور کو سونپ دیا۔ صرف چند ایرانی سرداروں نے جیحون کے بالائی پہاڑوں اور مغربی ہندوکش میں اپنی خود مختاری کو برقرار رکھا اگرچہ ان کی حالت بھی نہایت سقیم تھی۔

گیارھویں اور تیرھویں صدی کے درمیان اویغوری سلطنت کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ مغرب میں خوارزمی سلطنت قائم ہوئی اور مشرق میں قرہ خطائی چنگیز خاں نے وسطی ایشیا کو زیر و زبر کر دیا اور اویغوری سلطنت تباہ ہو گئی۔ چودھویں صدی میں ازبکیوں نے جو اویغور خاندان کی ایک شاخ تھی اور جنھوں نے یہ نام فتحمند مغلوں کے ایک سردار کی یادگار کے طور پر اختیار کر لیا تھا اس سلطنت کی دوبارہ شیرازہ بندی کی۔

بنی عباس اور بنی امیہ کی لڑائیوں میں ترکوں نے بنی عباس کا ساتھ دیا اور یہی وہ زمانہ ہے جب کہ انھوں نے سنیوں کے عقائد اختیار کیے۔ خلفائے بغداد کے لئے انھیں لوگوں نے سب سے زیادہ بہادر سپاہی مہیا کیے تھے۔[2]

---

[1] Girard de Rialle : Memorisur l' Asia Central.

مصنف کا یہ خیال محض تعصب پر مبنی ہے۔ (مترجم)

[2] ان لوگوں نے یونانیوں کے لیے بھی اجیر فوجیں فراہم کی تھیں۔ گیارھویں صدی میں تھرفیلومس نے جیحون پر وارداری ترکوں کی ایک نو آبادی قائم کی تھی اور

خلیفہ معتصم نے چیدہ ترکی غلاموں کی ایک محافظین کی فوج قائم کی تھی جس میں ہمیشہ ترکستان سے بھرتی کی جاتی تھی۔ ہارون الرشید کے تیسرے بیٹے خلفائے عباسیہ کے نااہل جانشینوں کے زمانے میں ان فوجوں نے حسکم کی حیثیت اختیار کرلی اور انھیں کی جنبش ابرو پر تخت نشینی کا انحصار ہو گیا۔ ۸۶۲ء سے لے کر ۸۷۰ء تک ان لوگوں نے یکے بعد دیگرے چار خلیفہ بنائے اور بگاڑے۔ ۸۷۹ء میں ایک ترکی سردار احمد ابن طولون نے مصر میں خود مختار بادشاہی قائم کرلی۔ اور بنی فاطمہ کی فتح تک (۸۷۹ء تا ۹۶۰ء) اس کے تین جانشینوں نے ایک دوسرے کے بعد حکومت کی۔

دسویں صدی میں ایک ضعیف العقل خلیفہ القادر باللہ نے اپنے ارکان وزارت میں امیر الامرا کے نئے عہدے کا اضافہ کیا۔ اس کو فوجوں کی سپہ سالاری۔ مداخل و مصارف صلح و جنگ غرض ہر ایک قسم کا اختیار عطا کر دیا سوائے نام کے اس کو سارے شاہی اختیارات حاصل ہو گئے۔ ترکی سردار اب ملک کے اصلی حکمراں بن گئے۔ اور عیش پرست خلفا کے نام سے حکومت کرنے لگے۔ لیکن ان کا ظلم وستم اس درجہ ناقابل برداشت تھا کہ بغداد میں بغاوت برپا ہو گئی۔ اور باغیوں نے ایران کے خاندان بویہ سے امداد طلب کی۔ ترکوں کو ملک سے نکال دیا گیا اور امیر الامرا کا عہدہ ایک صدی تک فاتح آل بویہ کے قبضے میں رہا۔ خلفا اپنے محل میں اطمینان کے ساتھ بیٹھ کر اس لڑائی کا تماشہ دیکھتے رہے۔ انھوں نے نہ تو اس میں کوئی حصہ لیا اور نہ اپنی کھوئی ہوئی طاقت کو حاصل کرنے کے لئے ہی ہاتھ پاؤں ہلائے یہ لوگ ایک دفعہ غلام بننے کی ذلت گوارا کر چکے تو پھر انھیں اس سے کوئی بحث نہ رہی کہ ان کے آقا کون لوگ ہیں اور وہ کس کے غلام ہیں؟

اس صدی کے آخری سنین میں ترکِ وطن کی ایک تحریک ترکستان کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ ان لوگوں سے فوج کا کام لیا جاتا اور اضلاع تھسلونیکا و استریلان کی حفاظت و مدافعت ان کے ذمے تھی ان وارداری ترکوں ہی نے جیحون کا نام واردار رکھا تھا۔

ترکی قبائل کو اپنے علاقے سے باہر کھینچ لائی۔ ان کا ایک گروہ بخارا پر قابض ہو گیا۔ جہاں اس وقت سامانیوں کا ایرانی خاندان حکمراں تھا۔ دوسرے گروہ نے فارس کو فتح کیا اور غزنوی سلطنت کی بنیاد ڈالی جو ۹۶۰ء سے ۱۱۸۹ء تک باقی رہی۔ طغرل بیگ ترکستان کے سلجوق بادشاہ کے پوتے نے سلجوقیوں کی قسمت کو جو آگے چل کر شرق پر کامل قبضہ حاصل کرنے والے تھے چمکا دیا۔ اس نے غزنویوں کو مار کر ہندوستان کی طرف نکال دیا اور فارس پر قابض ہو گیا۔ چار برس تک زور آزمائی کر کے آل بویہ نے شکست کھائی۔ اور بغداد نے نئے فاتح کے واسطے دروازے کھول دیے۔ خلیفہ نے آل بویہ کے پنجے سے رہائی پا کر اپنے نئے آقا کو سلطان کا خطاب عطا کر دیا۔ آل بویہ کا سردار مصر کے فاطمی خلیفہ سے امداد حاصل کر کے دوبارہ صف آرا ہوا مگر اس کو شکست ہوئی اور وہ لڑائی میں مارا گیا۔ طغرل بیگ نے اب خلیفہ کے نام سے حکومت کی باگ سنبھالی اور خلیفہ کی حیثیت صرف ایک ایسے محترم بزرگ کی سی باقی رہ گئی جس کو مذہبی اقتدار حاصل تھا۔

سلجوقی سلاطین نے ابھی ابھی اسلام قبول کیا تھا۔ اس لئے ان میں ویسا ہی جوش وجذبہ تھا جو ایک نئے چیلے میں ہوتا ہے۔ ان کو فتوحات کے سوا اور کسی چیز کی دھن نہیں تھی۔ طغرل بیگ کے بعد اس کا بھتیجا الپ ارسلان (ہزبر قوی) اس کا جانشین ہوا۔ گرجستان، ارمینہ اور کپادوشیا کو فتح کر کے وہ فریجیا میں در آیا اور بزنطیہ کے بادشاہ رومانوس دیوجانس کو شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ الپ ارسلان کے جانشین ملک شاہ کے زمانے میں سلجوقی سلطنت اپنے منتہائے عروج پر پہنچ گئی (۱۰۷۲ء تا ۱۰۹۲ء) خراسان عراق عجم۔ خلفائے بغداد کے تمام مقبوضات اور ایشیائے کوچک کا ایک بڑا حصہ رفتہ رفتہ اس کے قبضے میں آ گیا۔ فاطمی خلفا سے اس نے شام اور فلسطین کو بھی چھین لیا۔ علوم وفنون کا بھی وہ ایک روشن خیال سرپرست تھا۔ اور اس لئے اس کے تمام ہمسایہ بادشاہ اس فکر میں رہتے تھے کہ کسی طرح اس کے ساتھ اتحاد قائم کر لیا جائے۔ لیکن اس کی وفات پر وراثت کے مسئلے پر اس کے

بیٹوں میں لڑائی چھڑ گئی اور سلطنت کی تقسیم اس کے زوال اور بدنظمی کا باعث ہوئی۔ ان کثیر التعداد ریاستوں کے علاوہ جہاں امیر اور اتابک سلجوقی شہزادوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ خود ملک شاہ کی وسیع سلطنت فارس۔ حلب۔ شام اور ایشیائے کوچک کی سلطنتوں پر منقسم ہو گئی؛

پھر شام کی سلطنت کے بھی دو ٹکڑے ہو گئے جن میں ایک حلب کی سلطنت تھی اور دوسری دمشق کی۔ ایشیائے کوچک میں داؤد اور قزل ارسلان۔ ملک شاہ کے بھتیجوں نے جن کا باپ اپنے لئے ایک خودمختار بادشاہت قائم کرنے کی کوشش میں ہلاک ہوا تھا۔ قونیہ میں یا روم کی سلطنت کا دارالحکومت قائم کیا اور پھر بنی فاطمہ نے فلسطین پر دوبارہ قبضہ کر لیا؛

صلیبی لڑائیاں۔ مغلوں کا حملہ۔ خلافت بغداد کی تباہی

یہی وہ زمانہ تھا جب کہ مشرق و مغرب میں جد وجہد کا از سر نو آغاز ہوا لیکن اس مرتبہ اسلام کو اپنی مدافعت کرنی پڑی اور "خدا کی یہی مرضی ہے" کا نعرہ ہی تھا کہ صلیبی لڑائیوں نے عیسائی مجاہدین کو اسلامی غازیوں کے دو بدو لا کھڑا کیا۔ ہارون الرشید نے افرنجی بادشاہ شارلمین اعظم کو کلیسائے تربت مقدس کی جو کنجیاں بطور تحفے کے عطا کی تھیں اس کو شام کے عیسائی خلیفہ بغداد کی خوش اخلاقی تصور نہیں کرتے تھے بلکہ وہ افرنجی بادشاہوں کو اپنا حقیقی محافظ سمجھنے لگے تھے۔ انھیں بادشاہوں کے سامنے وہ اپنی تمام شکایتیں پیش کرتے تھے اور اپنے کلیساؤں کی واگذاشت اور زائرین کی حفاظت کے لئے انھیں سے مدد چاہتے تھے۔ جب شام نے قاہرہ کے سامنے سر خم کر دیا تو اس وقت ہارون الرشید کا تحفہ اور شارلمین سے اس نے جو جو معاہدے کئے تھے وہ سب منسوخ ہو گئے۔ ظلم و ستم کی انتہا باقی نہیں رہی۔ لیکن تقریباً

دسویں صدی تک عیسائیوں کی شکایتوں پر یورپ نے کوئی اعتبار نہیں کیا۔

اسی زمانے میں پاپائے روم جو اب تک شہنشاہوں کا غلام بنا ہوا تھا اپنی خود مختاری کو دوبارہ حاصل کرنے اور اس کے عالم گیر تسلط کی بنیاد کے مضبوط کرنے میں مصروف تھا۔ اسی کے ساتھ مذہبی عقائد سچے عیسائیوں کو اپنے گناہوں کی بخشش کے لئے ارض مقدس کی زیارت پر مجبور کر رہے تھے۔ یہ زیارتیں صرف افراد ہی تک محدود نہیں بلکہ لوگوں نے گروہ در گروہ فلسطین کو جانا شروع کر دیا تھا ۱۰۶۴ء میں زائرین کی تعداد سات ہزار تھی اور مینس کا صدر اسقف سیجفرائی ان کا قافلہ سالار تھا۔ فرانس اور جرمنی کے بہت سے سردار مع اپنی فوجوں کے اس کے ہمراہ تھے کیونکہ یہ سفر خطرے سے خالی نہیں تھا۔ خونخوار اور وحشی بلغاری ذلیل سارق اور حریص یونانی اور متعصب اہل اسلام زائرین کو لوٹ لیا کرتے تھے اور ان کو گرفتار کرکے بیچ ڈالتے تھے۔ اکثر شدید لڑائیاں واقع ہوتی تھیں۔ جن میں عیسائی اپنی تعداد کے کم ہونے کی وجہ سے پس جاتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ کاروانوں کو راستے میں روک کر لوٹ لیا جاتا تھا اور بہت کم لوگ بچ کر زندہ سلامت یورپ واپس آتے تھے۔ یہ بدنصیب گاؤں گاؤں اور شہر شہر بلکہ گھر گھر اپنی بے بسی اور مصیبت کے قصے روتے پھرتے تھے۔ ان کی صورتوں پر لوگوں کو ترس آتا تھا۔ ان کے قصے لوگوں میں غم و غصہ پیدا کر دیتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصے میں سخت ناراضی نے خواہش انتقام کی صورت اختیار کر لی۔ جنگ کی ایک ہنگامہ خیز دہائی اس سرے سے اس سرے تک گونج اٹھی اور اس نے مغربی باشندوں کو لڑائی کے لئے تیار کر دیا۔ ۱۰۰۰ء میں پوپ سلوسٹر ثانی تمام عیسائی بادشاہوں کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کی دعوت دے چکا تھا اور ترکوں کے قسطنطنیہ کی فصیلوں تک پہنچ جانے پر گریگوری ہفتم نے عیسائیوں کو جنگ مقدس کے لئے مدعو کیا تھا اور یورپ کے بادشاہوں کے نام یہ مراسلہ بھیجا تھا کہ! ”عیسائیوں نے سمندر پار سے مجھے مدد کے لئے بھیجا ہے کہ عیسائی مذہب ان کے ملکوں میں بالکل نیست و نابود نہ ہو جائے۔ میرا غم و غصہ اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ میں اپنی موت کی دعائیں مانگتا ہوں

اس لئے کہ میں ان لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دینے پر مر جانے کو ترجیح دیتا ہوں اور میں تمام عیسائیوں کو قسم دیتا ہوں کہ وہ مسیح ابن مریم کے مذہب کی مدافعت کریں اور اپنے دینی بھائیوں کے لئے جان قربان کر دیں۔ ربانی القا نے فرانسیسیوں اور اطالویوں کو میرے مشورے ماننے پر آمادہ کر دیا ہے اور پچاس ہزار سے زیادہ عیسائی اس شرط کے ساتھ ہتھیار سنبھالنے پر بالکل تیار ہیں کہ اس مہم میں ان کا سپہ سالار رہوں۔" لیکن پوپ کو صلیبی لڑائیوں کے شروع کرنے اور مجاہدین کی سپہ سالاری کا فخر حاصل نہیں ہوا۔ جب جنگ مقدس کے خیال نے لوگوں کے دلوں میں جگہ کرلی اور جب ہر شخص کو یقین ہو گیا کہ مشرق میں جا کر لڑنا اس کا فرض ہے تو صرف ایک راہب کی آواز ایشیا پر تیر و تبر کے طوفان کے دروازے کھول دینے کے لیے کافی تھی۔

معمولی لوگوں کے لیے صلیبی لڑائیاں صرف مذہبی لڑائیوں کی حیثیت رکھتی تھیں لیکن بادشاہوں کے لیے وہ جتنی مذہبی تھیں اسی قدر سیاسی لڑائیاں بھی تھیں۔ وہ یہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ مغرب کو مسلمانوں کے حملے سے بچانے کے لئے مشرق کے ایک حصے کو فتح کر لینا ضروری ہے۔ پوپ اربن ثانی کلیر مانٹ کی کونسل میں فرانسیسی سرداروں کو مخاطب کر کے تقریر کرتے ہوئے چلا اٹھا تھا کہ:۔ "او پہاڑوں کے اس پار کی قوم! او خدا کے پیارے اور نوازے ہوئے لوگو! جس کا ثبوت تمھارے کارہائے نمایاں ہیں اپنے مذہب اور احترام کی بنا پر جس کے ساتھ تم کلیسا کو گھیرے ہوئے ہو۔ تمام قوموں میں اور سب سے زیادہ ممتاز قوم! خدا کرے کہ تمھارے دلوں میں تمھارے آبا و اجداد کی یاد تازہ ہو جائے۔ مسلمانوں نے تمھارے قدیم ممالک پر حملہ کیا اور اگر تمھارے آبا و اجداد اس موقع پر شجاعت اور بہادری نہ رکھتے تو آج یورپ میں اسلامی شریعت کے پھریرے اڑتے ہوتے۔ ان کے خطرات اور ان کی عظمت کو یاد کرو۔ انھوں نے مغرب کو غلامی سے بچا لیا اور اب تم ایشیا اور یورپ دونوں کو بچاؤ گے۔"

فاتح صلیبیوں نے فلسطین میں عیسائی ریاستیں قائم کرلی تھیں۔ یروشلم اور انطاکیہ کی ریاستیں اور ایڈیسہ اور طرابلس کے اضلاع بھی انھیں میں داخل تھے لیکن ان کی حیات چند روزہ تھی ان کی تباہی کے جہاں اور اسباب و علل ہیں وہاں سلطنت بازنطہ کے رومیوں کی جن کو ان کی بقا سے بہت کچھ فائدہ تھا غداری اور بیوفائی بھی سب سے بڑا سبب شمار کی جائے گی؛

الکسس کمنینوس نے متواتر مغربی محاربین سے امداد کی درخواست کی تھی اور کاونٹ آف فلانڈرس کو جو مراسلت اس نے بھیجی تھی اس میں سیاسی اور مذہبی مباحث کے علاوہ اور دلیلیں بھی پیش کی گئی تھیں جن کی نسبت اس کو یقین تھا کہ لاطینی سرداروں کے عزم وارادہ پر ان کا قطعی اور یقینی اثر پڑے گا۔ وہ یہ تھیں کہ :۔ "ان ملکوں میں ہُن برستا ہے۔ یہاں سونے کی نہریں بہتی ہیں۔ تم یہاں یونانی عورتوں کو اپنے تصرف میں لاسکو گے جو دنیا میں سب سے زیادہ حسین اور خوبصورت ہیں اور جو تمھارے کارہائے نمایاں کا بہترین صلہ ہوں گی"؛

لاطینی اقوام کو یہ نہیں معلوم تھا کہ رومی کس حد تک فریب جھوٹ اور مکاری سے کام لے سکتے ہیں۔ اس کا اندازہ ان کو اس وقت ہوا جب پانی سر سے گذر گیا۔ مرکزی فوج نے جس میں صرف فرانس اور اطالیہ کے نارمن لوگ تھے مقدونیہ اور ایپرس میں بزور شمشیر اپنا راستہ پیدا کیا لیکن جب الکسس نے ہیبتناک بہادروں کو اپنے دارالحکومت کی دیواروں کے نیچے خیمہ زن دیکھا تو اس نے دوستی اور شکر گذاری کی نمائش شروع کی۔ سرداروں پر تحفے تحائف کی بھرمار کردی گئی اور یہ لوگ آسانی کے ساتھ اس مکار بادشاہ کے فریب میں آگئے۔ فاتح ناپولی کے بیٹے بوہیمانڈ نے رومیوں کی خلاقی اور سیاسی حالت کی قلعی کھول کر ان کو فریب سے نکالنا چاہا مگر اس کی ایک بھی نہ چلی۔ اس نے گاڈفرے ڈی بوئی لان سے اصرار کیا کہ قسطنطنیہ پر قبضہ کرکے استقلال کے ساتھ وہاں قدم جمالئے جائیں مگر کسی نے اس کی نہیں سنی متقی دربن ایک اسی فعل کی سیاسی پیش بینی کو نہیں سمجھ سکا جس کے آیندہ بہت کچھ نتیجے نکل سکتے

تھے اس نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر لینے کی تجویز کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ ہم نے صرف اس لئے ہتھیار سجے ہیں کہ مزار مسیح علیہ السلام کو آزاد کرائیں۔ الکسیس کے فریب اور باتوں میں آکر اور چاپلوسی اور تحفہ تحائف کی امیدوں پر پست ہو کر صلیبی سردار اس سے صلح کرنے پر رضامند ہو گئے اور وہ شہر جو پہلے سلطنت بای زنطہ میں داخل تھے انھیں واپس کر دینے کا اقرار کر لیا لیکن صلیبیوں کو ہو عودہ کمک دینے کی بجائے رومیوں کے اپنے حلیفوں کو ریگستان اور پہاڑی خندقوں کی طرف بھٹکا دیا جہاں تک ترک جن کو اس تدبیر کی پہلے ہی سے خبر کر دی گئی تھی ان کا انتظار کر رہے تھے۔ صلیبی محاربین بہرحال ہر مشکل پر غالب آگئے۔ سلطان روم قزل ارسلان۔ کو نیسے اور ڈوریلیہ پر ہزیمت ہوئی۔ اور سلاطین حلب اور دمشق نے انطاکیہ کے مقام پر فاش شکست کھائی۔ اور آخر کار یروشلم اور تمام فلسطین ان کے قبضے میں آگیا؛

عیسائیوں کے حملے سے فائدہ اٹھا کر عماد الدین زنگی اتابک عراق عجم نے موصل اور دمشق ان کے حوالے کر دیا (۱۱۲۲ء) اور جب عیسائیوں نے اس پر حملہ کیا تو عماد نے ان کو شکست دے کر ایڈیسہ کو تباہ کر دیا۔ دوسرا صلیبی حملہ جس کی کمان پر لوئی چہار دہم۔ شاہ فرانس اور کانراڈ۔ شاہ جرمنی تھے رومیوں کی بد اخلاقیوں کی وجہ سے ناکام رہا۔ اس ذلیل قوم کا اخلاقی معیار اس قدر پست ہو گیا تھا کہ ایک رومی مورخ نے ان کی دغابازی کی ان فخریہ الفاظ میں تعریف کی ہے "کوئی ایسا فعل شنیعہ نہ تھا جس کو بادشاہ بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے ایک نظیر قائم کرنے کی غرض سے خود نہ کرتا ہو یا صلیبیوں کو اس کے کرنے پر مجبور کیا جاتا ہو"؛

صلیبی فوج کی تباہی سے نور الدین بن زنگی کو شام کی تمام اسلامی ریاستوں کو بے غل وغش اپنے زیر اقتدار لانے اور مصر کو فتح کر لینے کا موقع مل گیا جہاں فاطمی خلفا اپنے وزیروں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن کے برائے نام بادشاہی کرتے تھے۔

خلیفہ کے انتقال پر صلاح الدین عامل مصر نے کسی جانشین کو تسلیم

نہ کیا بلکہ خلیفۂ بغداد اور سلطان شام کے نام سے حکومت کی باگ خود اپنے ہاتھ میں لے لی (۱۱۷۱ء)۔ نور الدین کو اپنے نائب کی بڑھتی ہوئی قوت سے حسد شروع ہو گیا تھا مگر اس کے انتقال نے شدنی قضیہ کی روک تھام کر دی اور صلاح الدین نے فوراً سلطان مصر کا لقب اختیار کر کے خاندان ایوبی کی بنیاد ڈالدی۔ نور الدین کے بیٹے اور دوسرے عیسائی امیروں کو شکست ہوئی اور شام۔ مصر کے قبضے میں آ گیا جنگ صور یروشلم کی تباہی اور شہر مقدس پر قبضے کا باعث ہوئی (۳ جولائی ۱۱۸۷ء) اور اب عیسائیوں کے پاس طرابلس صور۔ اور انطاکیہ کے علاوہ کوئی شہر باقی نہ رہا؛

ان مصیبتوں نے ایک تیسری صلیبی لڑائی کا فلپ اغسطوس اور رچرڈ شیر دل کے زیر سرکردگی راستہ صاف کر دیا۔ لیکن صلیبیوں نے اب بھی یونانیوں کو اپنے راستے میں سد راہ پایا۔ رومیوں کی غداری کے باعث جرمنی کی ایک فوج جس کا سپہ سالار شاہ فریڈرک باربروسہ تھا ایشیائے کوچک میں بالکل تباہ ہو گئی۔

اس واقعے سے پہلے قسطنطنیہ میں جو لاطینی باشندے آباد ہو گئے تھے ان کو بلوائیوں کے ایک گروہ نے جن کے سرغنہ پادری لوگ تھے ہلاک کر دیا تھا عورتیں اور بچے بھی ان کے ہاتھ سے جانبر نہ ہو سکے اور جو بد قسمت لوگ بچ بچا کر بھاگ نکلے تھے اور جن کی تعداد چار ہزار تھی ان کو بھی گرفتار کر کے ترکوں کے ہاتھ بیچ دیا گیا (۱۱۸۲ء)۔

شہر بطلیموس کے محاصرے نے صلیبیوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا اور کثیر التعداد لڑائیوں کے بعد جن میں دونوں حریفوں نے خوب داد شجاعت دی۔ ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے عیسائیوں کو تمام ساحلی شہر مل گئے اور یروشلم کی زیارت کے لئے بھی راستہ صاف ہو گیا (۱۱۹۲ء) اس معاہدے کے دوسرے سال صلاح الدین کا انتقال ہو گیا اور اس کی سلطنت کو اس کے بیٹوں اور اس کے بھائی ملک عادل سیف الدین نے جو شجاعت کی داستانوں میں بہت کچھ نام پا چکا ہے آپس میں تقسیم کر لیا؛

اسلامی سلطنت رفتہ رفتہ زوال کے منازل طے کر رہی تھی قونیہ کی سلطنت صرف برائے نام زندہ تھی۔ یہ کئی چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں پر منقسم ہو گئی تھی جو ایک دوسرے کی سخت دشمن تھیں۔ خوارزمیوں نے ترکستان میں غزنی۔ خراسان اور عراق عجم پر دوبارہ قبضہ کر لیا تھا۔ ملک عادل نے اپنے بھتیجوں کو مغلوب کر کے صلاح الدین کی سلطنت کو اپنے زیر علم ایک مرتبہ پھر متحد کر دیا۔ لیکن وہ اپنے بیٹوں کو سلطنت کے حصے بخرے کرنے سے باز نہیں رکھ سکا۔ ملک کامل سلطنت قاہرہ میں ملک عادل کا جانشین ہوا اور اس نے پانچویں صلیبی حملے کو جو فرانسیسی اور المانی سرداروں کے زیر سرکردگی ہوا تھا پسپا کیا (۱۲۲۱ء) اس کے جانشین ملک سہیل کے زمانے میں خوارزمیوں نے جن کو مغلوں نے ان کے وطن سے باہر نکال دیا تھا شام پر حملہ کیا یہ لوگ یروشلم پر قابض ہو گئے اور باشندوں کو بلحاظ مذہب قتل کرنا شروع کر دیا (۱۲۴۴ء)۔ خونخوار حملہ آوروں کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر مسلمان اور عیسائی دونوں قومیں مدافعت کے واسطے متحد ہو گئیں سلطان دمشق اور عیسائی بادشاہ خوارزمیوں کے خلاف جنگ کے لیے بڑھے لیکن خوارزمیوں کی مدد پر قاہرہ کا سلطان تھا اور اس لئے انھیں کامل فتح حاصل ہوئی۔ لیکن بہت جلد خود سلطان قاہرہ اور خوارزمیوں میں بھی جنگ چھڑ گئی۔ اور دو لڑائیوں میں خوارزمی تباہ ہو گئے۔ شام اب پھر سلطنت قاہرہ کا ماتحت ہو گیا؛

مصر میں سینٹ لوئی کی صلیبی لڑائی نے فلسطین کی عیسائی نو آبادیوں کے زوال کو کچھ عرصے کے لئے روک دیا۔ لیکن اس کی وجہ سے مصر میں ایک ایسا انقلاب برپا ہو گیا جس کے نتائج انیسویں صدی تک محسوس کئے جاتے تھے۔ سلطان نجم الدین نے سواروں کا ایک منتخب دستہ قائم کیا تھا اور اس میں وہ غلام بھرتی کئے جاتے تھے جن کو بچپن میں گرجستان اور چرکستان میں خریدا جاتا تھا یہ مملوک تھے جنھوں نے اس قسم کی تمام شاہی فوجوں کی طرح سرکشی اختیار کر لی اور ان کے آقا کو اپنی ناعاقبت اندیشی کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ منصورہ کی لڑائی کے بعد نجم الدین کا انتقال ہو گیا اور اس کے جانشین نے صلیبیوں کے ساتھ

معاہدہ کر کے مملوکوں کو ناراض کر دیا۔ اسی بنا پر بغاوت برپا ہو گئی ایوبی خاندان کا آخری بادشاہ جس نے دریائے نیل کے کنارے ایک برج میں پناہ لی تھی شعلوں میں گھر کر ہلاک ہوا اور باغیوں کا سردار بے برس۔ ایوبی دولت و اقتدار کا مالک بن گیا (۱۲۶۰ء) مملوکوں کا تسلط انیسویں صدی کے آغاز تک قائم رہا؛

صلیبی محاربین سے زیادہ شدید ایک دوسرا دشمن مسلمانوں پر حملہ کر کے عنقریب ان کی ریاستوں کو تہہ و بالا کرنے والا تھا۔ یہ شدید دشمن مغلوں کی قوم تھی جس نے چنگیز خاں کے ساتھ دنیا میں خروج کیا اور شہروں کو جلا جلا کر پوری پوری انسانی آبادیوں کو فنا کر ڈالا۔ اور جو چیز ان کے راستے میں حائل ہوتی تھیں اس کا نام و نشان مٹا مٹا کر اپنی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا۔ قوموں کو تباہ کر دینے والے مشرک و کافر مغل خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کے شدید خونخوار دشمن تھے ادھر خلیفۂ بغداد کی ناعاقبت اندیشی نے اس کو مغلوں کے سردار منگو کے غیظ و غضب اور فوجوں کا شکار بنا دیا؛

اسلام کے سینے میں جو بے شمار فرقے پرورش پا رہے تھے ان میں سب سے زیادہ دلیر اور بے باک باطنیہ فرقہ تھا جن کو قاتلین[1] بھی کہتے ہیں ان لوگوں نے دو صدی تک برابر عیسائیوں اور مسلمانوں کو سراسیمہ رکھا۔ ان کے پیشوا حسن نے اپنے ذمے خود ہی مظالم کی تلافی اور جرائم کی سزا کا فرض عاید کر لیا تھا۔ جس کی تکمیل اس طرح کی جاتی تھی کہ وہ اپنے فدائیوں کو ہر اس شخص کے قتل پر روانہ کرتا تھا جو اس کی دانست میں مجرم ہو یہ شیخ الجبل عراق و عجم کے پہاڑوں میں رہتا تھا اور اس کے پیرو جو مغربی ایشیا میں پھیلے ہوئے تھے اس کے احکام کی اندھا دھند تعمیل کرتے تھے منگو نے ان قزاقوں کی تباہی کا بیڑا اٹھایا۔ یہ لوگ

---

[1] اس فرقے کا صحیح نام حشیشیئن یعنی حشیش پینے والا فرقہ تھا۔ یہ ایک نشّی شربت ہے جو افیون سے بنایا جاتا ہے نشے کی حالت میں باطنیہ فرقے والے یہ خیال کرتے تھے کہ ان کو جنت کی تمام نعمتیں حاصل ہیں۔ وہ اپنے سرداروں کے تمام احکام کی آنکھیں بند کر کے تعمیل کرتے اور ان کی غرض یہ تھی کہ وہ تمام خوشیاں حاصل ہو جائیں جن کی ایک جھلک اس نشے کی حالت میں دکھائی دیتی ہے؛

ہر طرف سے گھر کر نہایت بے رحمی کے ساتھ قتل کئے گئے اور ان کا آخری سردار اطاعت پر مجبور ہو گیا؛

خان مغل نے اپنی اس مہم کے لئے جس کا تمام بادشاہوں کی سلامتی سے تعلق تھا خلیفہ بغداد سے امداد طلب کی تھی۔ اس کے انکار کر دینے پر اس نے اپنے بھائی ہلاکو خاں کو بغداد کے محاصرے کے لئے روانہ کیا۔ مغلوں کے اس انقلاب نے ہر طرف شہر میں خون کی ندیاں بہادیں اور عباسیوں کا آخری خلیفہ مستعصم معہ اپنے خاندان کے قتل کر دیا گیا (۱۲۵۸ء) ایشیائے کوچک نے ڈر کر اطاعت قبول کر لی اور مغلوں کی ماتحتی میں قونیہ کے سلجوقیوں کا صرف نام ہی نام باقی رہ گیا؛

منگو خاں کے بعد مغلوں کی وسیع سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ چین پر ایک علٰحدہ خاندان نے قبضہ کر لیا اور فارس اور مغربی ایشیا میں ایک جداگانہ سلطنت قائم ہو گئی؛

یہ موخر الذکر سلطنت زیادہ مدت تک قائم نہیں رہی تاتاریوں کی تمام تر توجہ بہت جلد فارس کی طرف مبذول ہو گئی۔ یہ حالت دیکھ کر جو صوبے دارالسلطنت سے دور دراز فاصلے پر واقع تھے ان کے عاملوں نے بغاوت کر دی اور سلطان روم کے نام سے مسلمان امیروں نے باقاعدہ ریاستیں قائم کرنے کی کوششیں شروع کر دیں؛

قونیہ کے سلاطین نے اپنا اقتدار دوبارہ حاصل کرنے کے لئے بہت کچھ ہاتھ پیر مارے لیکن ان کو مایوسی ہوئی ان کی طاقت جو مغلوں کے گاہ بگاہ حملوں کے بعد بھی کسی قدر باقی رہ گئی تھی وہ چھوٹے چھوٹے بادشاہوں کے ساتھ پیہم جنگ و جدال میں تباہ ہو گئی اور اسی طوائف الملوکی اور انتشار کی بدولت آل عثمان کی طاقت کا ظہور ہوا؛

دوسرا باب

سلطنت عثمانیہ کا آغاز

ارطغرل۔ عثمان۔ ارخان۔ ینی چری۔ آل عثمان یورپ میں (۱۳۵۷ء)۔ جزیرہ نمائے بلقان کا محل وقوع۔ مراد اول۔ تیمار و زعامت۔ فتح سربستان (۱۳۸۹ء)۔ بایزید اول۔ فتح بلغارستان و ایشیائے کوچک (۱۳۹۶ء)۔ تیمور لنگ۔ جنگ انقورہ (۱۴۰۲ء)۔

ارطغرل۔ عثمان۔ ارخان۔ ینی چری۔

جس زمانے میں چنگیز خاں نے خوارزمیوں کی سلطنت کو تہ و بالا کیا،

سلیمان شاہ، کے الپ کا بیٹا، جو ترکستان کے ایک اوغوس تاتاری قبیلہ کا سردار تھا، پچاس ہزار رفیقوں کے ساتھ خراسان سے چل پڑا اور ارمینہ میں دریائے فرات کے کنارے پر، ارزنجان اور اخلاط کی قوموں میں مل جل کر آباد ہو گیا۔ (۱۲۲۴ء)۔ چند سال کے بعد وطن کی یاد نے ستایا تو اس گروہ نے پھر رہ نوردی اختیار کی، اور اس کا سردار، فرات کو عبور کرتے وقت دریا میں ڈوب گیا (۱۲۳۱ء)۔ اس کا مزار، فرات کے کنارے اب تک موجود ہے اور اس کو ترکو مزاری، یعنے 'مزار ترک'، کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

امیر کی وفات نے قبیلے کو تتر بتر کر دیا۔ اس کا ایک کثیر حصہ دو بڑے بیٹوں کے حکم کے مطابق خراسان کو واپس آگیا۔ اور ایک قلیل حصے نے جو چار سو خاندانوں پر مشتمل تھا، دوسرے دو بیٹوں، دندار اور ارطغرل کا ساتھ دیا۔ کچھ عرصے تک یہ گروہ بالائی اریکسیز (رود اراس) کی وادی اور ارض روم کے میدان میں آوارہ پھرتا رہا۔ اور پھر زیادہ زرخیز زمین کی تلاش میں اس نے مغرب کی طرف نقل و حرکت کی۔ اثنائے سفر میں ارطغرل نے ایک میدان میں دو فوجوں کو مقابلہ کرتے ہوئے دیکھا۔ اس کی فطری فیاضی نے اس کو کمزور کی مدد پر آمادہ کر دیا، اور اس کی بہادری نے لڑائی کا جلد خاتمہ کر دیا۔ ارطغرل نے جس فریق کو دشمن کے نرغے سے بچایا تھا، وہ سلطان علاء الدین سلجوق تھا، جس نے ارطغرل کو پہچان کر، جنگی خدمات کے معاوضے میں کچھ جاگیر عطا کر دی جو کوہ اولمپس کے مشرق میں، قراچہ داغ، 'تومان' اور ارمنی کے پہاڑی علاقے اور زنسگاریہ کے کنارے سگند کے میدانوں پر مشتمل تھی۔ ارطغرل کی مزید مہمات نے کچھ اور علاقہ بھی اس کی جاگیر میں شامل کر دیا۔ سلطان نے بوسینی کا ضلع بھی اسے بخش دیا، جو مینی شہر سے کچھ زیادہ دور نہیں تھا۔ اور اس کے بہادر سپاہیوں کی جو سلطان کی فوج میں ہمیشہ مقدمۃ الجیش کا کام دیتے تھے یہ عزت بڑھائی کہ ارطغرل کو سلطان اینی (یعنی ناصیہ سلطانی) کے نام سے مخاطب کرنے لگا۔

ترکوں کی قوت کے آغاز کے متعلق روایتوں کی کچھ کمی نہیں ہے۔

عثمانی نوشتوں میں بیان کیا گیا ہے کہ عثمان پسر ارطغرل نے ایک دن خواب دیکھا جس میں اس کی قوم کا مستقبل اس پر روشن کر دیا گیا تھا۔ اس نے دانشمند و تقدس مآب شیخ ادب علی کی حسین دختر ملک خاتون سے شادی کرنے کی کوشش کی تھی اور اس میں کامیابی نہیں ہوئی تھی جب کہ اسی مہمان نواز شیخ کے مکان میں بحالت خواب اس نے ملک خاتون کے سینہ سے ہلال طلوع ہوتے ہوئے دیکھا، جو فوراً خم کھا کر اس کے سینے میں غروب ہو گیا۔ پھر اس کے صلب سے ایک تناور درخت پیدا ہوا جو رفتہ رفتہ بلند تر اور زیادہ خوبصورت ہوتا گیا اور جس نے ملکوں اور سمندروں پر اپنا سایہ پھیلا دیا اور قاف، اطلس، طور، اور حموص جیسے پہاڑوں کو اپنے سایہ میں لے لیا، جن کے دامنوں سے۔ نیل، فرات۔ دجلہ، اور طونو کی ندیاں نکلیں اور اپنی سطح پر بہت سے جہاز لیئے ہوئے، زرخیز ممالک کو سیراب کرتی ہوئی۔ سرسبز شہروں سے گزر رہی تھیں۔ پھر یکایک ایک شدید طوفان برپا ہو گیا اور اس درخت کی پتیوں کا رخ، جو تلوار کی طرح تھیں، بستیوں، خصوصاً قسطنطین کے شہر کی طرف پھر گیا، جو دو سمندروں کے سنگھم پر اسی طرح واقع تھا جیسے دو زمردوں کے بیچ میں ایک ہیرا جڑا ہوتا ہے اور اس انگشتری کا نگینہ بنا ہوا تھا، جس میں تمام عالم کو زیر نگیں کر دینے کی خاصیت پنہاں تھی[۱]؛

اس عجیب و غریب خواب نے شیخ ادب علی کے تمام اندیشے رفع کر دیئے اور ملک خاتون، ارخان، کی ماں بن گئی۔ ارطغرل کے تین بیٹوں میں سے سب سے بڑے بیٹے عثمان نے اپنے باپ کے حال پر سلطان قونیہ کو دوبارہ مہربان کر دیا (۱۲۸۱ء) ملک میں یونانی اب تک بہت سے قلعوں پر قابض تھے جن کے سردار ایسے خودمختار امرا تھے جن کو فوجی خدمات کے معاوضے میں جاگیر عطا کی گئی تھی۔ ان میں سے بعض مسلمانوں کے دشمن تھے اور بعض دوست[۲]؛

---

[۱] Hammer : History of the Ottoman Empire.

[۲] The chronicle of Digénis Akritas.

سردار بیلو کوما اور اس کے یار وفادار، مائیکل کیوز، سردار شہر منکیہ کی مدد سے عثمان نے سقاریہ کے ایک اہم قلعہ یعنے قلعہ قرہ حصار پر قبضہ کرلیا (۱۲۸۸ء)۔ علاء الدین نے اس کی مہمات کے صلے میں، وہ تمام علاقے عثمان ہی کو بخش دئے جو اس نے تازہ فتح کئے تھے۔ ساتھ ہی "بے" کا خطاب اور تمغہ، اور سکہ ضرب کرنے کے تمام حقوق اور جمعہ کے دن خطبوں میں اپنا نام پڑھوانے کی اجازت بھی اس کو عطا کردی گئی؛

ان عنایتوں نے اس پوشیدہ نفرت کو اور بھڑکا دیا، جو امرا سلطان کے منظور نظر کے ساتھ رکھتے تھے۔ یونانی سردار، نئے بے کی اولو العزمیوں سے بدظن ہوکر امراسے مل گئے اور نئے سردار کے خلاف ایک عظیم الشان سازش کی گئی۔ سردار بیلو کوما نے عثمان کو دام میں پھنسانے کی ذمہ داری اپنے سر لی۔ اس نے عثمان کو اپنی شادی کی ضیافت میں مدعو کیا اور یہ قرار پایا کہ اس موقعے پر شرکائے سازش اپنے دشمن کو ٹھکانے لگادیں۔ مائیکل کیوز کے ذریعے سے ان تمام باتوں سے مطلع ہو جانے پر، عثمان نے یہ ظاہر کیا کہ گویا وہ اپنے کو بالکل محفوظ سمجھے ہوئے ہے۔ اپنے دشمن کو اچھی طرح دھوکا دینے کی غرض سے اس نے اپنے غدار حلیف سے استدعا کی کہ وہ اس کے خزانے کو قلعہ بیلہ جیک میں اپنی حفاظت میں رکھے۔ اس پیشکش کو خوشی خوشی منظور کرلیا گیا۔ لیکن خزانے کے ساتھ عثمان کے چالیس وفادار جنگجو بھی بوڑھی عورتوں کے بھیس میں قلعے میں آگئے۔ ان لوگوں نے قلعے کی سپاہ پر یکایک حملہ کردیا اور قلعے پر قابض ہوگئے۔ غدار سردار کو قتل کردیا گیا، اور اس کی منگیتر، شہزادی نیلوفر کو عثمان کے بیٹے کے ساتھ بیاہ دیا گیا۔ سازش کے اصل بانی، سرداران یار حصار اور عینہ اجل کو لڑائی میں شکست ہوئی اور ان کے قلعے مسمار کردئے گئے۔ موخر الذکر قلعے کی فتح اس لئے اہم تھی کہ یہاں سے ارمنی کی گھاٹیوں پر جو بروصہ کے زرخیز میدانوں تک رسائی کا ذریعہ تھیں، پوری نگرانی قائم ہوئی تھی۔

مغلوں کے ایک نئے حملے نے سلجوقی سلطنت کا خاتمہ کردیا (۱۳۰۰ء) اور اپنے باغی سرداروں کے ایسے وقت میں منہ پھیر لینے کی وجہ سے علاء الدین ثالث نے

جو آخری سلطان روم تھا شاہ یونان، مائیکل کے یہاں پناہ لی مگر اس نے علاء الدین کو قید میں سڑا کر مار ڈالا؛

تخت کے اس طرح خالی رہ جانے پر سلطان نے اس موقع کو اپنی تخت نشینی کے لئے نہایت موزوں تصور کیا۔ اس کی جنگی ساکھ نے اس کو سپاہیوں کی مدد کا یقین دلا دیا اور اس کی دولت نے اس کے لئے مزید سپاہ فراہم کر دی۔ ساتھ ہی مخلوق بھی جو ہمیشہ عجائب پرست ہوتی ہے ان پیشینگوئی اور خوارق کی وجہ سے جن کے استعمال سے عثمان کا سیاسی تدبر بخوبی واقف تھا، اس کی گرویدہ ہو گئی؛

اس نے صرف سلجوقیوں کی وراثت کے حصول پر ہی اکتفا نہیں کیا، سلطنت قونیہ کے کھنڈروں سے بے شمار خود مختار ریاستیں پیدا ہوئیں، ریاستہائے کرمان کپوروشیا اور سلیشیا کی بھی ابتدا یہیں سے ہوئی، جس کا مرکز حکومت قونیہ تھا۔ اسی طرح کرمیانہ، فریجیہ میں۔ قدہ سی، میسیا میں، ایدینہ، آئیونیا میں۔ قستمونی، پیفلیگونیا میں، اسنوف سواس اور سمون کے ساتھ معرض وجود میں آئیں۔ اور پسیدیا میں حمید، قاریہ میں منتش اور پمفیلیا میں لیشیا اور تقی کا ظہور ہوا۔ اور اس لحاظ سے کہ عثمان بیتھنیا کے تمام علاقوں، گلیشیا اور فریجیہ کے بعض حصوں اور سقاریہ کی بالائی کھاڑی کا واحد مالک تھا، اس کا شمار ان لوگوں میں نہیں تھا جن کی طاقت کم درجے کی شمار کی جاتی تھی۔ اس نے سلطان آل عثمان کا لقب اختیار کیا اور ینی شہر کو اپنا مستقر قرار دیکر اس کو قلعہ بند کر لیا اور خوب آراستہ کیا۔ یہاں وہ نکومیڈیا اور نیشیا پر تاک لگا کر بیٹھ گیا، جن پر قبضہ کر لینے کی اس کو بڑی آرزو تھی؛

اس خونخوار فاتح کے ظلم کی بدولت اس کے سپاہیوں پر اس کے احترام کا سکہ بخوبی بیٹھ گیا۔ اس کے چچا، وندار نے، جو (۹۰) برس کا بوڑھا آدمی تھا، اس کی فتوحات کے منصوبوں کے متعلق اس سے ایک مرتبہ رد و کد کرنے کی جرات کی تھی مگر عثمان غصے میں دیوانہ ہو گیا اور اس نے وندار کو تیر مار کر ہلاک کر دیا؛

نئے بادشاہ کی قابلیتیں اس کی سلطنت کی محدود فضا میں زائل ہو رہی تھیں۔

اس نے نکومیڈیا پر حملہ کیا اور فیوم حصار پر مزالو، بائزنطیوم گارڈ کے جنرل کو فاش شکست دی لیکن نیشیا میں اس کو ناکامیابی ہوئی اور مجبوراً پسپا ہونا پڑا۔ ۱۳۰۱ء میں اس نے اس مقاومت کا انتقام لیا۔ اس نے سواحل پروپون ٹائن پر حملہ کرکے خلیج مدانیہ کے کناروں کو تاراج کر دیا۔ چند سال تک آرام لینے کے بعد جس میں وہ اپنی جدید فتوحات کی تنظیم میں مصروف رہا، عثمان نے پھر توسیع مملکت کا کام ہاتھ میں لیا؛ اس نے ایشیائے کوچک کے تمام یونانی سرداروں کے پاس ایک پیام بھیجا، جس میں ان کے سامنے تین باتیں پیش کی گئیں اور انھیں موقع دیا گیا کہ یا تو وہ اسلام قبول کرلیں یا خراج ادا کریں ورنہ پھر جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔ عثمان کے یار وفادار مائیکل کیوز نے عیسائی مذہب کو چھوڑ دیا اور اس تبدیل دین کے صلے میں عثمان نے اس کو خوب نوازا۔ سرداران لوفقے اور اقہ حصار نے اپنے کو عثمان کا باج گزار تسلیم کرلیا۔ بادشاہ کی ترقیوں میں مغلوں کا وہ حملہ بھی حائل نہ ہوسکا جو اہل بائزنطہ کے ایما پر انھوں نے کیا تھا۔ عثمان کا بیٹا ارخان، مائیکل کیوز، کوہ نورالپ اور عبدالرحمٰن کے ساتھ، جنھیں عثمان کی طرح 'غازی' کے لقب سے پکارا جاتا تھا، مغلوں کا مقابلہ کرنے کے لئے بڑھا اور انھیں میدان جنگ میں کاٹ کر ڈال دیا۔ پھر اس نے بروصہ کا محاصرہ کرلیا۔ بروصہ کی زیادہ عرصے تک مدافعت کی جاسکتی تھی لیکن اندرانیقوس نے اس کے تخلیے کا حکم دیدیا۔ سپہ سالار نے نہایت خوشی کے ساتھ اس عاقبت اندیشانہ حکم کی فوراً تعمیل کی اور تیس ہزار ڈوکٹ پیش کرکے اپنے تمام مال و اسباب کے ساتھ قلعے سے چلے جانے کی اجازت حاصل کرلی۔ اس طرح ایشیار کوچک کے ایک مستحکم ترین مقام پر بغیر کسی قسم کی لڑائی کے عثمان کا قبضہ ہو گیا (۱۳۲۶ء)۔

ارخان ابھی اپنی فتوحات کی خوشی منانے ہی میں مصروف تھا کہ ایک

لہ۔ اس کی اولاد کئی صدیوں تک سلطنت عثمانیہ میں مائیکل اغولی کے نام سے اعلیٰ عہدوں پر ممتاز رہی۔

اشد ضروری پیام کے ذریعے سے اس کو اپنے باپ کے بستر مرگ پر طلب کیا گیا؛
آل عثمان اب تک اپنے اس بادشاہ کا احترام کے ساتھ تذکرہ کرتی ہے۔ اس کی صفات عالیہ اور عالی ہمتی کی تعریف و توصیف اور اس کی ان ہمہ گیر قابلیتوں کی عزت کی جاتی ہے جن کے ذریعے سے سلطنت کی ٹھوس بنیادیں قائم کی گئی تھیں۔ عثمان کے مزاج میں صحابہ کی طرح سادگی اور پرہیزگاری تھی۔ اس کی وفات پر خزانہ میں نہ جواہرات باقی تھے اور نہ سونا۔ اس نے اپنی دولت اپنے رفیقوں کو، ان کی بہادری اور خدمات کے، صلے میں صرف کر دی اس کی دولت کی کل کائنات ایک زردوز کفتان۔ ایک عمامہ۔ سرخ ململ کے چند تھان۔ ایک چمچہ۔ ایک نمکدان۔ چند قیمتی گھوڑے اور بھیڑوں کے چند گلے تھے[1]

علاءالدین، عثمان کا بڑا بیٹا، عثمان کا اصلی جانشین تھا۔ لیکن نوجوان شہزادے کے علمی ذوق اور تنہائی پسندی نے عثمان کو اس اصولی قانون کے نظرانداز کر دینے پر مجبور کر دیا، جس کے مطابق مسلمانوں میں جانشینی کے مسائل کا تصفیہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے دوسرے بیٹے کو اپنی وراثت تخت و تاج کے لئے نامزد کر دیا؛

نئے سلطان نے اپنے طرز عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ وہ واقعی اسی قابل تھا کہ تخت و تاج کے معاملے میں اسے ترجیح دی جائے۔ اس نے نہایت فیاضی کے ساتھ اپنے اعلیٰ اقتدارات میں علاءالدین کو برابر کا شریک بنا لینے کی تجویز پیش کی۔ لیکن فیاضی اور سیرچشمی کے اس مقابلے میں، علاءالدین بھی ہزیمت ماننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ چنانچہ اس نے پیشکش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور محض اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ عثمان کی متروکہ بھیڑوں کے گلوں میں

[1] ۔ بھیڑوں کی اسی نسل کو بروصہ کے میدانوں میں اب تک محفوظ رکھا گیا ہے۔ دوباڑ کی تلوار (ذوالفقار) اور علم جو علاءالدین نے عثمان کو ہدیہ کے طور پر دئے تھے۔ خزانہ سلطانی میں موجود ہیں؛

بھی اپنا آدھا حصہ لینا پسند نہیں کیا اور صرف یہ درخواست کی کہ اس کو نیلوفر[1] کے کنارے کسی گاؤں میں گوشہ نشینی کی اجازت دیدی جائے۔

بالآخر مجبور ہو کر ارخان نے اپنے بھائی سے درخواست کی کہ "چونکہ آپ گھوڑے، گائیں، اور بھیڑیں، جو میں پیش کر رہا ہوں، کچھ قبول نہیں کرتے ہیں۔ اس لئے آپ میری رعایا کے گلہ بان بن جائیے اور وزارت قبول کر لیجئے"، اپنے متعلق اپنے بھائی کے اس اعتماد سے بے انتہا متاثر ہو کر علاء الدین نے وزارت اعظمیٰ کا منصب قبول کر لیا۔ چنانچہ اس کو باقاعدہ طور پر وزارت کا عہدہ تفویض کر دیا گیا اور یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے پاشا کے لقب کو اپنے نام سے عزت بخشی۔ نوجوان شہزادہ اب نوخاستہ سلطنت کی تنظیم اور تاحد امکان ایک مکمل نظم و نسق قائم کرنے کی تدبیروں میں ہمہ تن مصروف ہو گیا۔

علاء الدین نے سب سے پہلے جو تدبیریں اختیار کیں وہ سکے سے متعلق تھیں: عثمان نے اپنی زندگی میں کبھی اپنے نام سے سکہ رائج نہیں کیا تھا اور وہ اپنے اس حق کو استعمال کرنے کے لئے اپنے مربی کی وفات کا منتظر تھا۔ ارخان کی تخت نشینی کے تیسرے سال، وزیر نے سونے اور چاندی کے سکے ڈھلوانا شروع کر دئے، جن پر شاہی طغرا اور قران کی ایک آیت کندہ تھی۔ اس نے اخراجات کے متعلق قوانین وضع کئے مگر ان پر صرف ارخان اور اس کے جانشین کے عہد حکومت میں عمل درآمد ہوا۔ اس کے نافذ کئے ہوئے قواعد و ضوابط میں سب سے زیادہ اہمیت جس چیز کو حاصل ہے وہ ایک مستقل فوج کا قیام ہے۔ اس نے ایک پلٹن قائم کی، جس کو روزآنہ باقاعدہ طور پر ایک اقچہ[2] دیا جاتا تھا۔ یہ پلٹن دس، سو اور ہزار ہزار آدمیوں کے مختلف دستوں میں تقسیم کی گئی تھی۔ لیکن ان سپاہیوں کی سرکشیوں اور نافرمانیوں نے بہت جلد

---

[1] ۔ نیلوفر ندی بروصہ کے میدان میں سے گذرتی ہے۔

[2] ۔ ایک چھوٹا چاندی کا سکہ۔

ارخان کو ان کے معدوم کر دینے پر مجبور کر دیا۔ پھر فیصلہ کیا گیا کہ ایک نئی فوج مرتب کی جائے، جو اس وجہ سے کہ اس میں عام لوگوں کو بھرتی نہیں کیا جائے گا، رعایا کے لئے بالکل اجنبی ہوگی اور اس لئے بغاوت کا امکان باقی نہیں رہے گا۔ ساتھ ہی مملوکوں کی طرح سلطنت کے اندر ایک دوسری قوت کی پرورش بھی نہیں ہو سکے گی۔ خلیل جندارلی نے تمام عیسائی بچوں کو گرفتار کر کے مسلمان کر لینے اور پھر ان کو سپاہی بنانے کی صلاح دی[1]۔ خلیل نے کہا کہ "یہ ان کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہوگی کہ ان کو سچے مذہب میں داخل کیا جائے اس لئے کہ جناب رسالتمآب صلعم کے ارشاد کے مطابق تمام انسان پیدائش کے وقت مسلمان ہوتے ہیں۔ ان کا نہ کوئی خاندان ہوگا اور نہ آپس میں اور نہ رعایا کے ساتھ کوئی رشتہ داری ہوگی اور اس لئے یہ سپاہی کامل طور پر سلاطین کے ہو کر رہیں گے جن کے وہ ہر حیثیت سے مرہون منت ہوں گے۔" اس مشورے کو پسند کر لیا گیا اور ینی چری (جاں نثاری) کا قیام عمل میں لایا گیا۔ محترم شیخ حاجی بکتاش، بکتاشی درویشوں کے بانی سلسلہ نے اس فوج کے حق میں دعا کی اور ارخان سے مخاطب ہو کر کہا کہ "تم نے جو فوج قائم کی ہے اس کو ینی چری کے نام سے پکارا جائے گا، یہ تمام لڑائیوں میں فتحیاب رہے گی، اس کا چہرہ[2] سپید ہوگا، اس کے بازو ہیبت ناک، اس کی شمشیر بران، اور اس کے تیر تیز ہوں گے۔"

ہر جاں نثار کو تین اچھے روزانہ اور دو روٹیاں، دو سو ڈرام[3] گوشت سو ڈرام چاول، اور تیس ڈرام مکھن بطور خوراک دیا جاتا تھا۔ افسروں اور نائب افسروں کے درجوں کا نام باورچی خانہ کے ملازمین کے ناموں پر رکھا گیا تھا۔ جاں نثاریوں کے آغا کو شوربہ جی باشی (شوربے کا صدر) قاسم[4]

---

[1]۔ یہ واقعہ صحیح نہیں ہے (مترجم)
[2]۔ مسلمانوں میں سپید چہرہ عزت کی نشانی سمجھا جاتا ہے۔ اور کالے چہرے کو منحوس جانتے ہیں۔
[3]۔ ایک ڈرام تقریباً پونے دو ماشے کا ہوتا ہے۔ مترجم
[4]۔ سلطان کی حیثیت ایک باپ کی سی تھی جو اپنے وفادار ملازمین کے لئے خورد و نوش

کہا جاتا تھا۔ اس کے بعد آقاچی باشی (صدر باورچی) اور سقا باشی (صدر بہشتی) کے درجے تھے۔ قازن (دیگچی) جان نثاریوں کے لئے وہی معنے رکھتی تھی جو رجمنٹ کے لئے جھنڈا رکھتا ہے۔ قازن کے گرداگرد مجلس مصاف کو قائم کیا گیا تھا۔ دیگچی کا نقصان اس پلٹن کے لئے، جس کی وہ ملک ہوتی تھی، ایسی شرم و عار کا باعث ہوا کرتا تھا کہ اس سے زیادہ ناقابل برداشت کوئی ذلت نہ تھی؛

اس فوج کی ابتدائی ساخت میں اعتدال کو ملحوظ رکھا گیا تھا۔ شروع میں اس پلٹن میں صرف ایک ہزار سپاہی تھے لیکن ہر سال اس کی تعداد میں اضافہ کرنے کی غرض سے ایک ہزار عیسائی بچوں کو گرفتار کیا جاتا تھا۔ یہ فوج اسی طرح برابر بڑھتی رہی یہاں تک کہ ایک سال میں چالیس ہزار بچوں کو اس میں بھرتی کر دیا گیا؛

سلطان محمد چہارم کے زمانے تک فوج میں بھرتی کرنے کا اس کے علاوہ اور کوئی دوسرا طریقہ نہ تھا۔ تمام یورپین مورخوں نے اس طریقے کے خلاف نہایت سخت رائیں قائم کی ہیں اور بہ لحاظ اخلاق اس فعل کو شد و مد کے ساتھ مردود قرار دیا ہے؛

لاویلی کے الفاظ یہ ہیں "انسانی گوشت کا یہ نہایت مہیب خراج ہے جو ایک فتح مند مذہب نے ایک مفتوح مذہب سے حاصل کیا ہے۔ اس سے اس پست ترین حالت کا اندازہ ہوتا ہے جس میں کہ فاتحین کے ظلم و جور نے عیسائی آبادی کو لا ڈالا تھا"۔ لیکن فوج میں بھرتی کرنے کا یہ طریقہ جس نے آل عثمان کو عیسائی آبادی کے شجیع ترین حصے کو اخذ کر لینے اور عیسائیوں کے ہاتھوں میں ہتھیار دئے بغیر اپنی فوجی طاقت کو المضاعف کر لینے کا موقعہ دیا۔ محترم شیخ بختاش کی ایجاد نہ تھا۔ بلکہ دراصل یہ طریقہ صدیوں سے چلا آرہا تھا اور

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ کے ذرایع مہیا کرتا تھا اور اس لیے جن لوگوں کے ذمہ اس نے نگرانی کا فرض عاید کیا تھا۔ انھوں نے اپنے مدارج کو باورچی خانہ کے ناموں سے موسوم کئے جانے کو بالکل درست تصور کیا۔ عیسائی مواضعات کے حکام اعلیٰ کو آج بھی شرباجی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

اس کو سلطنت بائزنطہ کے یونانیوں نے، ہر موقع پر جب کہ وہ فتحیاب ہوئے مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنے میں پوری کدوکاوش سے کام لیا تھا[۱]۔ بختاش نے اس میں عمومیت اور باقاعدگی پیدا کر دی۔ ورنہ بائزنطینی فوج کی منتخب پلٹنیں، وی ویجلس (محافظین)، دی اکسکیو بائٹس دی آئی کینٹس (غیر فانی) خاص طور پر مشہور و ممتاز تھیں اور ان سب میں مسلمانوں کے بچوں کو نہایت کثرت کے ساتھ بھرتی کیا گیا تھا جو حملوں اور غارتگری کے دوران میں گرفتار کئے گئے تھے۔ یہ بچے نہایت کم عمری میں بائزنطہ لائے گئے تھے۔ ان کو باقاعدہ بپتسمہ دیا جاتا تھا اور ان کو دیندار بے سی لیوزکی وفادار رعایا بنایا جاتا تھا بہادر اور نامور سیف الدین، امیر ہمدان کے مستقر حکومت، حلب کی تسخیر کے بعد ۹۲۶ء میں شاہ نیکیفور دس فوقوس دس ہزار بچوں کو گرفتار کر کے لے گیا، جن کی قسمت میں سپاہی بننا اور آگے چل کر اپنے بھائیوں اور اپنے آبا کے خلاف جنگ کرنا لکھا تھا۔ وطن پرست، مائیکل تورزیز اور اسٹرانوپیڈارقی پیٹر فوقاز کے ہاتھوں انطاکیہ کی فتح کے بعد ۹۶۹ء میں دس ہزار بچوں کو جو نہایت حسین بچوں میں سے منتخب کئے گئے تھے، محفوظ کر لیا گیا۔ ان میں سے بعض کی نسبت یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ ان کو بازار میں فروخت کیا جائے کچھ شاہی گارڈ میں داخل کر دئے گئے اور کچھ محل اور حرم سرا کی خدمات کے لئے مختص کر دئے جائیں۔ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ جان نثاریوں (ینی چری) میں بھرتی کا طریقہ ترکوں کا ایجاد کردہ نہیں تھا بلکہ انھوں نے صرف بائزنطینی بادشاہوں کی تقلید کی تھی، یہ مثالیں کافی ہیں۔

پیدل فوج از سر نو قائم کی گئی لیکن اس کے فرائض میں صرف جنگی امور داخل تھے۔ سرحدی علاقے، جو دشمنوں سے فتح کئے گئے تھے، وہ ان سپاہیوں میں تقسیم کر دئے گئے تاکہ ان کی توجہ اپنی اپنی زمینوں کی طرف منعطف رہے اور ساتھ ہی ان میں مزید فتوحات کی امنگ پیدا ہو۔

[۱] کیا ایسی صورت میں لا دینی کے الفاظ بائزنطہ کے یونانیوں کے حسب حال نہیں ہو سکتے ہ؟ (مترجم)

ان دو مقدم الحقوق پلٹنوں کے علاوہ تمام فوج کو جس کے پاس نہ جاگیریں تھیں اور نہ مال، بے قاعدہ سمجھا جاتا تھا اور اسے عذب (آزاد یا خفیف) کہتے تھے؛

سوارہ فوج سپاہیوں (جنھیں صحیح طور پر سوار کہہ سکتے ہیں) سلحداروں علوفہ جی (تنخواہ یاب سوار) غربا (رسالۂ اجانب) اور مسلمان (یعنے وہ لوگ جنھیں محاصل سے مستثنےٰ کر دیا گیا تھا) پر مشتمل تھی۔ اور یہ سب دستے معمولی سوار فوج میں داخل تھے۔ جنگ کے زمانے میں اول الذکر دو فوجیں سلاطین کی فوج رکاب کا کام دیتی تھیں اور علم مقدس بھی انھیں لوگوں کے تفویض کیا جاتا تھا؛

اقنجی یا اسکاوٹس بیقاعدہ سوارہ فوج میں داخل تھے۔ صدیوں تک اقنجی فوج کے سپہ سالار کی خدمت مائیکل گیوز، میکال اوغلو کے خاندان میں موروثی رہی؛

بروصہ کی جائے وقوع کی عمدگی دیکھ کے ارخان نے اپنی حکومت کا مستقر اسی جگہ قائم کر دیا اور اس کے سرداران فوج آقچہ خواجہ اور کوہ نورالپ نے ارمنی بازاری، عیانہ گوٹی اور قندھاری کے قلعے یونانیوں سے چھین لئے اور وادی سقاریہ پر قبضہ کر لیا۔ گورنر عیدوس کی بیٹی کی غداری نے، جو عبدالرحمٰن کی حسین صورت پر فریفتہ تھی، اس اہم قلعے کو بھی آل عثمان کے قبضے میں دیدیا۔ نکومیڈیہ اور نیشیہ کا کامل طور پر محاصرہ کر لیا گیا اور ان کی قسمت کے آخری فیصلے کے متعلق کسی قسم کا کوئی شبہ باقی نہیں رہا۔ نکومیڈیہ نے ارخان کی اطاعت قبول کر لی اور نیشیہ جو یونانی سلطنت میں دوسرے نمبر کا شہر اور ایشیا میں آل عثمان کے لئے آخری دربند تھا، دو سال کے محاصرے کے بعد فتح ہو گیا۔ سینٹ سفیا ڈ کے گرجا کو، جہاں وہ مشہور کونسل منعقد ہوئی تھی جس نے کیتھولک فرقے کے اصول و عقائد مرتب کئے تھے، مسجد بنا دیا گیا۔ تمام باشندوں کو امن دیدیا گیا اور ان کو یہ اجازت مل گئی کہ وہ چاہے شہر میں مقیم رہیں چاہے مع اپنے تمام مال و اسباب کے شہر سے چلے جائیں۔ یہ اجازت، اس زمانے کے لحاظ سے

رواداری کی ایک نادر مثال ہے جسے اس مسلمان فاتح کے لئے بجائے خود ایک اعزاز سمجھنا چاہیئے۔ مذہبی اور قانونی تعلیم کے لئے ایک یونیورسٹی دوسرے مدارس، غربا کے لئے ایک شفاخانہ جہاں ہر غریب آدمی کو روزانہ ایک روٹی گوشت کی دو قابیں، گرم ترکاری کی ایک رکابی اور کچھ روپیہ تقسیم کیا جاتا تھا، نیشیہ میں قائم کئے گئے؛

سلیمان پاشا کو فوج کی سپہ سالاری عطا کی گئی، جس نے اپنے چچا علاءالدین کی میراث کو جمع کرنے میں تاخیر سے کام نہیں لیا۔ یہ نیا وزیر سرگرمی کے ساتھ جنگی مصروفیتوں میں منہمک ہو گیا اور رطارقلی، نوینیقہ، مودرنو گوملک سب اس کی حکومت میں ضم ہو گئے؛

سلاطین روم کے تخت پر قبضہ کر لینے میں آل عثمان کا یہ منشا بھی تھا کہ اپنے نام اور فائدے کے لئے سلجوقی سلطنت کو از سر نو زندہ کریں۔ وہ صرف کسی عمدہ موقع کے منتظر تھے، جو بہت جلد ان کو حاصل ہو گیا چنانچہ اجلربے، شاہ قرہ سی کی وفات اور اس کے دو بیٹوں کی خانہ جنگیوں کی بنا پر ارخان کو مداخلت کا موقع مل گیا اور پرگوما در نیشیہ کا تمام علاقہ اس کی سلطنت میں شامل ہو گیا (۱۳۳۶ء)؛

قرہ سی کی فتح کے بعد بیس سال تک امن قائم رہا۔ اس زمانے کو ارخان نے علاءالدین کے مرتب کئے ہوئے قواعد وضوابط کو مستحکم کرنے میں صرف کیا اور اپنے مذہبی کاموں کے ذریعے سے اس کو دوسرے عہدوں سے ممتاز کر دیا۔ بروصہ پر اس سلسلے میں سب سے زیادہ توجہ مبذول کی گئی۔ اولمپس کی شاداب وسرسبز وادیوں میں درویشوں اور خانہ بدوش فقیروں کو آباد کیا گیا۔ یہیں غیرلک بابا (یعنے بارہ سنگھوں کا باپ) جن کو اس نام سے اس لئے پکارا جاتا تھا کہ وہ بارہ سنگھے پر سوار ہوتے تھے۔ دوغی بابا، جو صرف دہی پر زندگی بسر کرتے تھے، عبدالمراد اور عبدالموسے کا بھی مسکن تھا، جو بروصہ کی فتح کے موقع پر ارخان کے ساتھ۔ چنانچہ اول الذکر لکڑی کی تلوار سے لڑ رہے تھے اور ثانی الذکر دہکتے ہوئے انگاروں کو ردی پر اٹھائے ہوئے تھے۔

علما اور شعرا پر بھی کچھ کم نوازش نہیں کی جاتی تھی۔ ملا داود۔ اکساروی اور ملا تاج الدین کرونیشیہ کے مدرسئہ عالیہ کے مہتمم تھے۔ اور سنیان فارسی پر بخشش وعطایا کی بارش ہو رہی تھی۔ اس زمانے میں بھی جب کہ وہ سلطنت کا پایہ تخت نہیں تھا، بروصہ کو اسی طرح علوم و فنون، علما، وفضلا اور فقرا وصوفیہ کا مرکز تسلیم کیا جاتا تھا۔ اس کی مسجدوں میں سلطنت کے چھ تاجدار اپنی بیویوں، بیٹیوں اور اپنے خاندان کے چھبیس شہزادوں کے ساتھ سرمدی خواب میں مصروف ہیں۔ ان سلاطین کے برابر نہایت ممتاز وزرا اور بیگلر بیگ، تقریباً پانچ سو پاشا، شیوخ، علما شعرا اور فقہا اپنی آخری نیند لے رہے ہیں اور گویا کہ موت میں بھی اپنے بادشاہوں کی رفاقت کر رہے ہیں۔ حقیقت میں بروصہ سلطنت عثمانیہ کا مقدس ترین شہر ہے؛

آل عثمان یورپ میں (۱۳۵۷ء)

جزیرہ نمائے بلقان کا محل وقوع

۱۳۴۵ء میں امن وعافیت کے زمانے میں ارخان کے پاس شہنشاہ بازنطہ جون پیلیولوگو نے ایک سفارت بھیجی اور سلطان کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کا پیغام دیا۔ ساتھ ہی اہل سربیہ کے خلاف اس سے بھی مدد چاہی۔ دوشانہ نے جو زار مقدونیہ تھا اور حضرت مسیح سے بے انتہا محبت رکھتا تھا تمام یا گو اسلافی قبائل کو اپنے علم کے نیچے مجتمع اور بلغاریہ کو فتح کر لیا تھا اس نے اب قسطنطنیہ پر حملہ کرنے اور یونانیوں کو مار کر نکال دینے کی تیاریاں کیں۔ لیکن دوشانہ کی اچانک موت کی وجہ سے یونانی سلطنت بچ گئی اور اس نے جس کام کا آغاز کیا تھا وہ اس کے بعد جاری نہیں رہا۔ آل عثمان یہ دیکھ رہے تھے کہ یونانی کس قدر کمزور اور زوال کی کس قدر پست حالت میں گر گئے ہیں۔ سلاطین نے یونانیوں کی دعوت پر یورپ میں

اپنا قدم جمایا تھا اور اس لیئے یہ بالکل قدرتی بات تھی کہ وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھ سکتے تھے جب تک کہ ان دولتمند ملکوں کے مالک نہ بن جائیں جن کی انھوں نے ایک جھلک دیکھ لی تھی اور جن کی ان کے مالک حفاظت و مدافعت کرنے کی قابلیت نہیں رکھتے تھے۔

۱۳۵۷ء میں سلیمان پاشا نے اپنے ساٹھ فدائی بہادروں کے ساتھ رات کے وقت "چوگھڑوں[1]" کے ذریعے سے بوغاز چنک[2] کو عبور کیا قصبۂ زنپی پر اچانک حملہ کیا اور اپنے ساتھ اتنی کشتیاں گرفتار کر لایا جو تین ہزار آدمیوں کی حمل ونقل کے لئے کافی تھیں۔ عناصر قدرت بھی مسلمانوں کی مدد پر تھے۔ ایک زلزلہ نے گیلی پولی کی دیواروں کا کچھ حصہ منہدم کر دیا۔ یہ لوگ اس شگاف میں داخل ہو گئے اور اس کے بعد سے یورپ میں ان کی آیندہ مصروفیتوں کے لئے ایک بنیاد قائم ہو گئی ان کی کامیابی اسی جگہ ختم نہیں ہوئی بلکہ کوہ نور، بلائر، ملغارہ، اپسالہ اور روڈسٹو جن کی مدافعت قسطنطین کے نالائق جانشین کرنی نہ جانتے تھے سلیمان کے قبضے میں آ گئے۔ جون پیلیالوگ کے اعتراضات کا، جس نے صلح کے زمانے میں اپنے حلیف کے اس حملے کی شکایت کی تھی، ارخان نے استہزا کیا۔ مگر سلیمان پاشا زیادہ عرصے تک اپنی فتح سے بہرہ اندوز نہیں رہا۔ ۱۳۵۹ء میں وہ گھوڑے سے گر کر ہلاک ہو گیا اور ارخان کو اس عزیز بیٹے کی وفات نے کہیں کا نہ رکھا اور وہ اس صدمے کی تاب نہ لا کر ایک سال کے بعد خود بھی دنیا سے چل بسا۔

سلیمان پاشا کی اچانک موت نے اس کے چھوٹے بھائی مراد کو تخت کا وارث بنا دیا جس کی اس وقت تک مشرقی رسم ورواج کے مطابق بالکل تنہائی میں تربیت کی گئی تھی اور جس کو اپنے مستقبل میں غلامانہ اطاعت یا قبل از وقت موت کے کوئی دوسری چیز نظر نہیں آتی تھی۔ لیکن تخت نشین ہونے کے بعد اس نے یہ دکھلا دیا کہ اس کی ذات میں اپنے باپ اور بھائی کی جنگی

---

[1] Raft. کلک۔ [2] ہیلسپانٹ

قابلیتوں کے ساتھ اپنے چچا علاء الدین کی انتظامی قوت بھی موجود ہے:
شاہ قرہ مانہ نے آل عثمان کی ترقی سے خوف زدہ ہو کر ارخان کی موت سے فائدہ اٹھانا چاہا اور اس کی ترغیب کی بنا پر اقی بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ لیکن مراد کی مستعدی نے دشمن کی تدبیروں کو خاک میں ملا دیا:
انقرہ فتح کر لیا گیا اور علاء الدین نے خوشی خوشی اپنی بیٹی کی شادی سلطان کے ساتھ کر دی:

سلیمان پاشا نے اپنی قوم کے لئے یورپ کا راستہ کھول دیا تھا۔ اس کی مراد پر بھائی کی وفات کے بعد جو ذمہ داری عاید ہوئی وہ اس کی تکمیل میں ناکامیاب نہیں رہا۔ بیگلر بیگ (امیر الامرا) لالہ شاہین نے ادرنہ پر حملہ کر کے والی کو شکست دیدی اور قلعے کی فوج نے بغیر مدافعت کے یونانی سلطنت کا آخری مورچہ آل عثمان کے حوالے کر دیا۔ اس شہر کی اہمیت سلطان کی حقیقت شناس نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہی اور اس نے اپنا مستقر حکومت اس جگہ تبدیل کر دیا:

آل عثمان کو فتح پر فتح حاصل ہو رہی تھی۔ بورینوس نے گم لجینہ اور در ور پر قبضہ کر لیا۔ لالہ شاہین نے فلپ پوپولی کو فتح کر لیا اور اپنے ہراول کو بلقان تک بڑھا لایا لیکن صلح نے اس کی دلیرانہ پیش قدمیوں کو روک دیا مراد نے اس صلح سے فائدہ اٹھایا اور اپنی سلطنت کے نظم و نسق کی طرف متوجہ ہو گیا:

مراد چونکہ قانون کا نہایت سختی کے ساتھ پابند تھا اس لئے اس نے مفتی مولائے قناری کے طعن و تشنیع پر فوری توجہ کی جس نے سلطان کو لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک نہ ہونے پر جو مسلمانوں کو دن میں پانچ مرتبہ ادا کرنی چاہیئے بہت کچھ ملامت کی تھی۔ اس نے اپنے گناہوں کا کفارہ ادرنہ میں ایک عظیم الشان مسجد کی تعمیر سے کیا جو آج تک اس کے نام سے مشہور رہے:

غنیمت کی تقسیم کے متعلق قران کریم میں قاعدہ مقرر کر دیا گیا ہے "جان لو کہ اگر تم غنیمت حاصل کرو تو اس کا ایک خمس خدا اور رسول کا حق ہے اور

دوسرا خمس مساکین، یتامیٰ اور مسافروں کا حصہ ہے"؛

یونانی سلطنت ذلت اور انحطاط کے انتہائی درجے تک پہنچ چکی تھی۔ اس کا زوال بے پایاں اور ناممکن العلاج تھا۔ بائی زنطینی سلطنت کا صرف نام ہی نام باقی رہ گیا تھا۔ اس کی طاقت صرف ایک پرچھائیں تھی، جو نظر آتی تھی قیصر بائی زنطہ محض ایک نمود بے وجود اور ایسے لوگوں پر حکمراں تھا، جو درماندہ ہو چکے تھے اور جن کے قوائے عمل شل ہو گئے تھے۔ الغرض یہ لوگ غلامی کے لئے بالکل تیار تھے وہ صفت، یعنی جنگی جوش، جو سب کے اخیر میں کسی قوم سے رخصت ہوتی ہے بالکل زائل ہو چکی تھی۔ فوجیں صرف مزدوروں یا غیر ملکوں کے سپاہیوں پر مشتمل تھیں۔ ان گروہوں نے خود سلطنت کے وجود کو اپنی بغاوتوں سے خطرے میں ڈالدیا تھا، جن میں سب سے زیادہ مشہور کے ٹلن کے عسکر اجانب کی بغاوت ہے جس کا سرغنہ روجر ڈی فلور تھا۔ یونانی اپنے ضرورت سے زیادہ شائستہ تمدن، اپنی عیش و عشرت اور مہذب اخلاقی خرابیوں پر نازاں تھے۔ وہ محض بے نتیجہ اور مجہول مکتبی مناقشات میں پھنسے ہوئے تھے۔ ماضی کی یاد کے مزے نے انہیں حال و مستقبل سے بالکل بے خبر کر دیا تھا۔ وہ اپنے سوا تمام قوموں کو وحشی سمجھتے تھے اور سب کے ساتھ یکساں نفرت و حقارت کا برتاؤ کرتے تھے وہ ان مغربی عیسائیوں سے متنفر تھے جن سے انھوں نے پہلے امداد کی استدعائیں کی تھیں، جن کے ساتھ انھوں نے اکثر غداری کی تھی اور جن کی غیر مغلوب جرائت نے ان کو عاجز اور خوف زدہ کر دیا تھا۔ بے لگام اور نفس پرست عوام کے احمقانہ تعصب سے یونانیوں کی اس نفرت میں اور بھی اضافہ ہو گیا تھا اور یہ اس حد تک ترقی کر گئی تھی کہ اہل بائی زنطہ یونانیوں پر مسلمانوں کو ترجیح دینے لگے تھے"؛

شاتو بریان کا قول ہے کہ دنیا میں ایسے بادشاہ بھی پائے جاتے ہیں، جو اپنی حرکات سے بادشاہی کو شرما دیتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ بادشاہوں کی اس ناخلف اولاد کے متعلق، جو عیسائیت، یونان، اور

رومہ کے نام پر بٹہ لگا رہی تھی، اس سے زیادہ صادق الحال کوئی فقرہ کبھی نہیں کہا گیا تھا؛ وہ ناقابل بیان برائیوں اور اخلاقی خرابیوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ اور پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ یہ بادشاہ جو یہ نہیں جانتے تھے کہ حکومت کس طرح کرتے ہیں، جو یہ نہیں جانتے تھے کہ مرتے کس طرح ہیں، جن کی سیاست مکاری ذلت اور بد اخلاقی پر مبنی تھی اور جن کے ذرائع مدافعت فریب و دغا اور قتل و غارت پر مشتمل تھے، اپنے کو مشرق کا شہنشاہ کہتے تھے اور ان کے غرور کا جواب صرف ان کی بزدلی تھی؛

ان کا اقتدار محدود تھا ان کی حکومت مغرب میں اسٹریمان اور شمال میں ہیموز سے آگے نہیں چلتی تھی قصر بلیقرنیز کی کھڑکیوں سے وہ التونہ قرنہ[1] کے اس پار کی چیزیں دیکھ سکتے تھے۔ لاطینی صلیب ان کو پیرا اور غلطہ پر جو اب تک جنیوا والوں کے قبضے میں تھے، لہراتی نظر آتی تھی؛

جنوب میں فرانسیسوں اور اہل وینس کی حکومت تھی۔ ۱۱۵۳ء ہی میں روجر ثانی شاہ سسلی نے ان ملحدوں کو ملک سے نکال دینے کا بیڑا اٹھایا جو عیسائیت اور المسیح علیہ السلام کی تربت کی حفاظت کرنا نہیں جانتے تھے اور جن کی بزدلی آئندہ چل کر قسطنطنیہ کو شرقیین کے قبضے میں دیدیتے اور ان کے لئے مغرب کا راستہ کھول دینے والی تھی۔ ضرورت وقت، جذبات وطن پرستی اور مذہب تینوں کا تقاضا تھا کہ غداروں کی اس بستی کو اب دنیا میں باقی نہ رہنے دیا جائے؛

روجر کی فتوحات اس کے بعد باقی نہیں رہیں تاہم نارمنوں نے اپنی حکومت کی بنیاد ارنا وطلعہ میں اس قدر استحکام کے ساتھ قائم کرلی تھی کہ مرڈائٹس آج بھی ایسا لباس پہنتے ہیں، جو صلیبی لڑائیوں کے لباس کی یاد تازہ کرتا ہے اور فرانسیسیوں کا ہم اصل ہونے کا مدعی ہے؛

صلیبی جنگجوؤں کے قسطنطنیہ پر قبضہ کر لینے سے (۱۲۰۴ء) خیال تھا کہ

لہ۔ گولڈن ہارن۔

مشرق کی آیندہ تاریخ پر بہت بڑا اثر پڑے گا لیکن یہ محض بے نتیجہ مہم ثابت ہوا۔ اہل فرانس نے بائی زنطہ کے تخت پر، اسلحہ کی عظیم الشان نمائش اور اپنی سپاہ گری کا تماشا تو دکھایا جس کی ایک مثال پرنیٹزا کی لڑائی ہے، کہ یہاں صرف تین سو فرانسیسی سواروں نے بیس ہزار یونانیوں اور بلغاریوں کو شکست دی بایں ہمہ وہ اٹھاون سال سے زیادہ قابض نہیں رہ سکے۔ البتہ یونان میں ان کی حکومت مختلف نشیب و فراز کے ساتھ ڈھائی سو برس تک برقرار رہی؛

پہلی پونیز کے سائیکلیڈس مع جزائر از میر کے، ولیاروُون کے قبضے میں آجانے پر اکائیہ کی ریاست قایم ہو گئی۔ فرانسیسی امرا پے لے ٹاینس آف زینٹی مارکوئس آف بوڈرٹیزا، بیرنس آف کیتینی۔ ڈیوکس آف ایتھنز اور کاونٹس آف تھیبیز تھے۔ وینس والوں کو جزائر کنیڈیا نیگروپانٹ، اور بحر الجزائر اور بحر از میر کے سواحل پر جو قصبات واقع تھے، عطا کر دیئے گئے، جن پر وہ سترھویں صدی تک قابض رہے؛

صربستانہ کا شمالی حصہ بلاد بوسانیہ، بلغاریہ اور رومانیہ کے خود مختار بادشاہوں میں منقسم تھا۔ مغربی صوبوں پر آل عثمان کا پہلے ہی سے قبضہ تھا یا پھر وہ ارنا و طلعہ کا جزو تھے؛

اہل صربستانہ، جو عظیم الشان اسلافی خاندان کے رکن تھے، یا گو سلافی شاخ سے تعلق رکھتے تھے جو آج کل صربستانہ[1]، بلاد البوثنانہ[2]، ہرزیگووینہ قرہ داغ[3] (جبل اسود) کروشیا، ڈالمیشیا، سلیوونیا، سرمیا اور بنبط کے بعض حصوں میں آباد ہیں؛

یہ لوگ سترھویں صدی کے وسط میں بالائی میزیہ میں آباد ہوئے تھے پھر ان کو عیسائی بنا لیا گیا اور انھوں نے مشرقی کلیسا کے ملحدانہ عقاید کو اختیار کر لیا تھا؛

---

[1] سربیہ۔ [2] بوسینا۔ [3] مانٹی نگرو۔

یہ لوگ کچھ عرصے تک سلاطین بازنطہ کی رعایا بنے رہے۔ اس کے بعد باری باری سے یونانیوں اور بلغاریوں کو خراج ادا کرتے رہے مگر اسٹیفن نمینیا کے زیر قیادت ان لوگوں نے کامل خود مختاری حاصل کرلی، جس کا خاندان تین سو برس (۱۱۴۳ء) تک قائم رہا؛

دوشانہ نے سربیہ کی طاقت کو منتہائے کمال تک پہنچادیا۔ تمام یاگوسلافی قوم کو اپنے زیر حکومت متحد کرکے اس نے بلغاریہ، مقدونیہ، ارناوطلعہ اور اٹولیا پر قبضہ کرلیا اور پھر قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے لیے روانہ ہوا، مگر موت نے اس کے جلیل القدر مقاصد حیات کو یکایک ختم کردیا اور ایک ایسی تدبیر کے روبہ عمل آنے میں حائل ہوگئی جس نے غالباً دنیا کی صورت کو بدل دیا ہوتا (۱۳۵۶ء)۔

اس کے بیٹے، اوروش خامس کی کمسنی کے زمانے میں صربستانہ کی بادشاہت کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ مفتوحہ ممالک نے اپنے آپ کو پھر آزاد کرلیا اور طاقتور باجگذار اپنی اپنی جگہ خود مختار رئیس بن گئے۔ بلا والبو تنامہ جو پہلے سلطنت بازنطہ کی ایک باجگذار ریاست تھی، دوکان کے زیر حکومت ایک خود مختار بادشاہت بن گئی۔ ہنگری سے کبھی مغلوب ہوکر اور کبھی آزاد ہوکر، صربستانی شارلیمین کی سلطنت کا ایک جز بنی رہنے کے بعد، یہ ریاست، دوشانہ کی موت پر، ازسرنو ایک مستقل بادشاہی بنی اور محمد ثانی کے زمانے تک قائم رہی؛

ارناوطلعہ میں جو الیریا کے کچھ حصے اور ایپی رس کے تمام علاقے سے مل کر بنا تھا دو مختلف اور ایک دوسرے سے ممتاز قومیں آباد تھیں۔ ان میں سے ایک گیو جنیز تھے جو بالائی ارناوطلعہ میں آباد تھے اور دوسرے ٹسکن لوگ تھے جو زیرین ارناوطلعہ میں بسے ہوئے تھے۔ ان لوگوں کو اسکومبسی یا اگنیشین کی سڑک نے ایک دوسرے سے علیحدہ کردیا تھا اور یہ خود مختار قبائل میں منقسم تھے؛

اس ملک کے باشندوں کی خصوصیات، جو اعلیٰ درجے کے پہاڑی،

اور جزیرہ نمائے بلقان میں سب سے زیادہ تند خو اور مخلوط قوم تھے، ان کے جنگلی اور بے ہنگم ملک کے بالکل مطابق تھیں۔ وہ خوبصورت تھے، تنومند تھے، قوی ہیکل تھے، جنگجو تھے، اور آتش مزاج تھے۔ لیکن ان اسکائی پیٹیارس (کوہستانی باشندوں) نے ایک ایسی رویئں تن قوم کو پیدا کردیا تھا، جو اتنی ہی سخت تھی جتنی کہ خود وہ چٹانیں، جو ان لوگوں کے لئے قلعوں اور مکانوں کا کام دیتی تھیں۔ ان لوگوں کو "ان کی آزادی اور جنگ پسندی، ان کے جوش انتقام اور خون آشامی نے اور بھی چار چاند لگا دئے تھے اور وہ وحشی سپاہی اور چڑھے دم ڈاکو بن گئے تھے۔ وہ اپنا خون سب سے زیادہ قیمت دینے والے کے ہاتھوں بیچ ڈالتے تھے۔ وہ زندہ دل، خوش مزاج، مہم جو اور سلیم الطبع تھے، فیاض تھے اور اپنے ملک، اپنے قبیلے اور اپنے خاندان کی حفاظت کے معاملے میں نہایت دلیر اور بے باک تھے[لہ]" وہ اسکندر اعظم پیرہیس، ڈالیو کلیئین اور سلاطین قسطنطنیہ کے بہترین جنگجو سپاہی تھے۔ اوینس کی ملازمت میں اسٹراڈ یوٹیز کے نام سے، اطالیہ کی لڑائی میں انھوں نے بہت کچھ ناموری حاصل کی تھی۔ فرانسیسی بادشاہ کے کارکن، مرڈائٹ قبیلوں میں سے کیتھولک مذہب والے لوگوں کو فوج میں بھرتی کیا کرتے تھے۔ اور اب بھی کچھ عرصہ پہلے تک شاہ نیپلس، کے "مقدونی محافظین" کی فوج میں ایک البانی رسالہ موجود تھا۔

اہل بلغاریہ تورانی قوم کی اولاد تھے۔ تین صدیوں تک وہ سلطنت بائی زنطہ کے لئے باعث ہیبت بنے رہے۔ جان زمی سس کے ہاتھوں پامال ہو کر اور عیسائی مذہب قبول کرنے کے بعد (۹۷۱ء) میں انھوں نے بہت جلد اپنی خود مختاری کو دوبارہ حاصل کرلیا (۹۸۱ء) ان کی خون آشامی اور مظالم نے ان لوگوں کو اس حد تک بدنام کردیا کہ فرانسیسی میں ان کے نام کو کلمہ اہانت کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔ دو شانہ سے مغلوب ہو کر

لہ Goegraphie Militaire.

ان لوگوں نے اس کی موت پر، اپنے قومی سرداروں کے زیر قیادت، ایک خود مختار ریاست قائم کر لی، لیکن ان کا زوال شروع ہو چکا تھا، اور ان کی جنگی قدر و قیمت روز بروز گھٹ رہی تھی۔

ولاشینس، جو زمانۂ قدیم کی ڈیکین قوم کی اولاد تھے، رومہ کے مستعمرین کے ساتھ آئے اور ملداویہ، ولاشیہ، بکووینا اور بسرابیہ میں پھیل گئے اور پھر دسویں صدی عیسوی میں ہنگری کے باجگذار بن گئے تھے۔

ان تمام قوموں میں سب سے زیادہ زبردست اور باوقعت اہل صربستانہ تھے، جن کی حالت سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی عظیم الشان کام کے لئے دنیا میں بھیجے گئے ہیں۔ لیکن اس قوم نے، جو اس قدر بہادر اس قدر نازک خیال اور رغم نا آشنا تھی کبھی تہذیبِ قدیم کے باقی ماندہ اجزا میں گھل مل جانے کا خیال تک نہیں کیا اور اس لئے یہ سزا ملی کہ سب نے ان کو بالکل علیحدہ کر دیا اور مغرب کی کیتھولک دنیا ان سے نفرت کرنے لگی۔

مراد اول: شمار و زعامت فتح سربیہ: ۱۳۸۹ء

مسلمانوں کی گذشتہ فتح نے اہل سربیہ، اہل بلغاریہ اور ناؤطکوان[1] کا ہمسایہ بنا دیا تھا۔ بلقان کے دوسری جانب جو عیسائی آباد تھے، انھوں نے اس خطرے کو محسوس کیا اور پوپ اُربین پنجم نے ایک صلیبی جنگ کی تبلیغ شروع کر دی۔ لیکن مغربی کمک کا انتظار کئے بغیر، اوروش خامس شاہ سربیہ نے جس کی کمک پر بوسینہ اور ولاشیہ کے واٹوو تھے اور جس کے ساتھ ہنگری کی ایک امدادی فوج تھی، ادرنہ پر اس وقت حملہ کر دیا جب کہ مراد میزیہ میں بغا کے محاصرے میں مصروف تھا۔ حاجی البقی، جسے مورخین شیر مصاف کے نام سے موسوم کرتے ہیں، اہل سربیہ سے جنگ کرنے کی غرض سے بڑھا

---

[1] اہل البانیہ (مترجم)۔

اور دریائے میرٹزا کے کنارے پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ عیسائیوں کی اس غفلت سے فائدہ اٹھا کر جو وہ اپنی حفاظت میں برتتے تھے، حاجی البقی نے ایک تاریک رات میں ان پر یکایک حملہ کر کے انھیں شکست دیدی۔ اس میدان کو اب تک "صرب زندغی" (شکست اہل سربیہ) کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ۱۳۶۳ء

اس فتح میں قیدیل آغاچ اور ینبولی تیمورتاش کے ہاتھ لگے اور لالہ شاہین نے اشتیمان اور سماکوی پر قبضہ کر لیا۔ مراد اس موقعے پر سرگرمی اور بہادری میں اپنے سرداران فوج سے بھی سبقت لے گیا اور اس نے قرنیہ آباد، ایدوس، سزبولی (اپولینان) اور قرق کلیسہ پر قبضہ کر لیا (۱۳۶۵ء تا ۱۳۷۰ء) اور روشش قتل کر دیا گیا اور لزارس گربلیانوویش کو ایک خانہ جنگی کے بعد اعلیٰ اقتدار حاصل ہو گیا۔ لزارس نے سیسمان شاہ بلغاریہ کے ساتھ اتحاد قائم کر لیا اور چند معمولی لڑائیوں کے بعد دونوں بادشاہوں نے، سالانہ خراج پر صلح کر لی اور مراد نے سیسمان کی بیٹی سے عقد کر لیا۔ (۱۳۷۹ء)

تیمورتاش نے، جس کو لالہ شاہین کی وفات کے بعد بیگلربیگ کا خطاب مل گیا تھا، علاء الدین کی روایتوں کو برقرار رکھا اور نہایت سرگرمی کے ساتھ فوج کی تنظیم میں مصروف ہو گیا۔ اس نے سپاہیوں کو جوقوں (اسکواڈرنس[1]) میں تقسیم کیا، اور ہر حصے کو ایک بولوک بے کے تحت کر دیا۔ سپہ سالار اعظم سپاہی آغا کے ماتحت چار سپہ سالار (جنرل افیسرز) تھے۔ جناب رسالتمآب نے اپنے علم کے لیے زرد رنگ، جو سورج کا رنگ ہے پسند فرمایا تھا۔ بنی امیہ نے سپید رنگ کو، جو دن کا رنگ ہے منتخب کیا تھا۔ بنی فاطمہؓ نے سبز رنگ، جو زمین کا رنگ ہے، اختیار کیا تھا۔ بنی عباس نے سیاہ رنگ کو، جو رات کا رنگ ہے، ترجیح دی تھی۔ مگر آل عثمان نے اپنے لئے سرخ رنگ کا، جو خون کا رنگ ہے، انتخاب کیا۔ چنانچہ سپاہیوں کے جھنڈے کا رنگ سرخ تھا۔

---

[1] رسالے کا ایک حصہ جس میں کم سے کم ایک سو بیس اور زیادہ سے زیادہ دو سو سوار ہوتے ہیں (مترجم)

ہر سپاہی کو ایک جنگی جاگیر عطا کی گئی۔ جس کی کاشت مالکان اراضی کے ذمے تھی اور انھیں رعایا کہتے تھے۔ عام اس سے کہ وہ مسلمان ہوں یا عیسائی۔ یہ مالکان اراضی جاگیر دار سپاہی کو آمدنی کا دسواں حصہ ادا کرتے تھے۔ رعایا کی اولاد اپنے والدین کی میراث کی مالک ہوتی تھی لیکن وارث حقیقی کی غیر موجودگی کی صورت میں یہ جاگیر صرف شکمی حصے دار کو سپاہی کی اجازت سے کچھ معاوضہ دینے پر مل سکتی تھی۔ ایسی صورت میں کہ کوئی وارث مجازی بھی موجود نہ ہو، ساری ملکیت ہمسایہ کا حق ہو جاتی تھی اور صاحب جاگیر سپاہی کو اس کی منتقلی کے متعلق کسی قسم کا کوئی تصرف نہیں حاصل ہوتا تھا۔ صلح کے زمانے میں سپاہی اپنی زمین کی آمدنی پر بسر اوقات کرنے کے لیے مجبور رہتے تھے اور جنگ کے زمانے میں کرایہ کی بابت، ہر تین ہزار واجب الادا اصفر کے معاوضے میں وہ ایک جبیلی (زرہ پوش سپاہی) فراہم کرتے تھے۔ جن جاگیروں کی آمدنی بیس ہزار اصفر سے کم تھی ان کو تیمار کہا جاتا تھا اور جن جاگیروں کی آمدنی بیس ہزار اصفر سے زیادہ تھی، انھیں زعامت کہتے تھے؛

یہ جاگیریں ابا عن جد موروثی تھیں۔ ایسی صورت میں کہ اولاد نرینہ موجود نہ ہو وہ سرکاری ملک ہو جاتی تھیں اور پھر کسی دوسرے سپاہی یا کسی دیرینہ فوجی ملازم کو عطا کر دی جاتی تھیں۔ اس قاعدے سے سلیمان اول کے زمانے تک سلطنت کو بڑے بڑے فائدے پہنچے لیکن اس عظیم الشان ہستی کی وفات کے بعد، قابضان جاگیر، رفتہ رفتہ فوج مہیا کرنے کے متعلق اپنے اس فرض کو نظر انداز کرنے لگے جو قانوناً ان پر عاید کیا گیا تھا؛

یہ فوجی جاگیریں دراصل بازنطینی تنظیم کی ایک وسیع پیمانے پر ہو بہو نقل تھیں۔ سلطنت بازنطہ کے سرحدی علاقوں میں اسٹراپیٹیوٹیز آباد تھے اور انھیں رومن امپائر کے ملٹیز لیمیٹانی (سرحدی فوج) کا جانشین سمجھنا چاہیے۔ ان لوگوں کو قسطنطنیہ کے بادشاہ ویسی لیونز نے زمینیں دے رکھی تھیں جن کے معاوضے میں فوجی خدمت کے علاوہ ان لوگوں پر اور کوئی پابندی نہیں تھی۔ یہ جاگیریں جو صرف اولاد نرینہ کو ابا عن جد ملتی تھیں

بیٹیوں کو صرف اس صورت میں دی جا سکتی تھیں کہ وہ کسی ایسے جنگجو بہادر سے شادی کریں جو اپنی زمین کی حفاظت کر سکتا ہو۔ مسلمانوں نے اس معاملے میں یونانیوں کی بلا تامل تقلید کی۔ امرا کے پاس پہلے ہی سے بائی زنطینوں کی طرح ان کے اسٹرا ٹو ئیز موجود تھے اور اس لئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں تھی کہ مراد نے ان فوجی جاگیرداروں کو جنھوں نے سلطنت بائی زنطہ کی لڑائیوں اور عالم اسلامی میں اس قدر اہم حصہ لیا تھا ان کے نام بدل کر برقرار رکھا؛

ایشیائے کوچک کے حکمرانوں کے ساتھ جو آل عثمان کے شدید دشمن تھے اچھے تعلقات قایم کرنے کی غرض سے مراد نے اپنے بیٹے بایزید یلدرم کی شادی والی کرمیانہ کی بیٹی کے ساتھ کر دی جس کی بنا پر قتاہیہ اور فریجیا کا ایک دوسرا قصبہ شہزادی کے جہیز کے طور پر مراد کے قبضے میں آگیا؛

سلطان کی اولوالعزمیاں اس کی فتوحات کے ساتھ ساتھ بڑھ رہی تھیں اس نے شہزادۂ حمید کو اپنی ریاست بیچ ڈالنے پر مجبور کیا اور تیمورتاش نے، اس بہانے سے کہ خراج اب تک واجب الادا ہے، بلغاریہ اور سربیہ پر حملہ کر کے موناسیٹر، پرل پا اور اسٹپ پر قبضہ کر لیا۔ ادھر انجہ بلب ایک طویل محاصرے کے بعد صوفیا میں داخل ہو گیا (۱۳۸۱ء تا ۱۳۸۳ء) سلطان کے خلاف اس کے بیٹے سعودجی کی برپا کی ہوئی ایک سازش کو باغیوں کی شکست و استیصال کر کے مٹا دیا گیا؛

تھیسیلونیکا نے وزیر اعظم خیرالدین کی طاقت کے سامنے سر ڈال دیا، جس نے اسی آخری مہم میں اپنی فتوحات اور اقتدارات کی طویل زندگی کو خیرباد کہا۔ خالد جندارلی، علاءالدین کے دست راست نے عثمان اور ارخان دونوں کی خدمات انجام دی تھیں اور اٹھارہ سال تک وہ وزیر اعظم رہا تھا۔ یہ منصب اس کے خاندان میں قسطنطنیہ کی فتح تک موروثی رہا؛

خیرالدین پاشا کی موت نے مراد کے دشمنوں کی امیدوں کو از سر نو زندہ کر دیا۔ ایشیا میں شاہ قرہ مانہ آل عثمان کے خلاف ایک سازش کا سرگروہ بنا ہوا تھا ادھر لیزارس نے جس کو بلغاریہ کی حمایت حاصل تھی

یورپ میں عثمانی مقبوضات پر حملہ کر دیا۔ مراد نے اپنے تمام دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ شاہ قرہ مانہ کو تیمور تاش نے قونیہ کے میدان میں شکست دی (۱۳۸۶ء) اور وہ فاتح کے قبضے میں آگیا مگر اس کی بیگم کی وساطت کی بنا پر جو سلطان کی بیٹی تھی اس کا پایۂ تخت اور اس کی سلطنت اس شرط کے ساتھ اس کو پھر واپس دیدی گئی کہ وہ خراج ادا کرتا رہے۔ ایشیا میں امن قائم کرنے کی غرض سے اپنے سرداران فوج کو چھوڑ کر مراد تیزی کے ساتھ یورپ کو روانہ ہو گیا، جہاں واقعات اس کی موجودگی کا مطالبہ کر رہے تھے۔

ایک عثمانی فوج کو اہل سربیہ نے بالکل تباہ کر دیا تھا۔ بیس ہزار سپاہی میدان جنگ میں کام آچکے تھے (۱۳۸۷ء) اور لزارس "سیس مان" "قرال" (شاہ) بلغاریہ کے ساتھ اتحاد قائم کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ ان دو فوجوں کے اتصال کو روکنے کی غرض سے وزیر علی پاشا بلغاریوں کے خلاف جنگ کے لئے بڑھا۔ تیرنوبہ اور شوملہ دونوں اس کے قبضے میں آگئے اور سیسمان نے نکوپولی میں پناہ لی۔ (۱۳۸۸ء)۔ اس نے ایک مرتبہ پھر قسمت آزمائی کی مگر کامیابی نہیں ہوئی لڑائی میں اس نے شکست کھائی اور وہ قید کر لیا گیا۔ اس نے اپنی آدھی ریاست کو آل عثمان کے قبضے میں جاتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ (۱۳۸۹ء) مراد نے اس کی جان بخشی کی اور اس کے درجے کے لائق اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ غرض سیسمان کے بیٹے کا درجہ اس واقعے کے بعد سلطان کے ایک ادنیٰ فوجی جاگیر دار سے زیادہ نہیں رہا۔

باوجودیکہ لزارس کے حلیف کو شکست پر شکست ہو رہی تھی، خود لزارس برابر فتوحات حاصل کر رہا تھا لیکن مراد کے آجانے پر وہ کمک کا انتظار کرنے اور ارناؤطلعہ کے بادشاہوں کے ساتھ پورا اتصال کرنے کی غرض سے پسپا ہو گیا۔ لڑائی میدان کساوہ (میدان زاغان) میں واقع ہوئی۔ جنگ طویل اور نہایت شدید تھی بایزید نے اس لڑائی میں بہت ہی ناموری اور عظمت حاصل کی ایسی حالت میں کہ فتح مشتبہ تھی، ووک بران کو دیش،

لزارس کے داماد نے سلطان کی مدد سے سربیہ کا بادشاہ بن جانے کی امید میں، دس ہزار سواروں کے ساتھ اپنی فوج سے علیحدگی اختیار کر لی جس سے سربیہ کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔ لزارس زخمی ہو کر قید ہو گیا اور اس کی بقیۃ السیف فوج نہایت بے ترتیبی کے ساتھ میدان جنگ سے فرار ہو گئی؛

جنگ کے بعد سلطان نے میدان جنگ کا معائنہ کیا، وہ اپنی فتح پر اپنے کو مبارکباد دے رہا تھا کہ یکایک ایک خون آلود لاش، جو اس کے قدموں میں پڑی ہوئی تھی، اٹھ کھڑی ہوئی اور ایک خنجر اس کے سینے میں بھونک دیا گیا۔ قاتل جاں نثاریوں کے تابڑ توڑ وار کھا کر زمین پر گر پڑا۔ اس نے اپنی زندگی کو نہایت گراں قیمت پر فروخت کیا اور مرتے وقت یہ اطمینان اپنے ساتھ لے گیا کہ وہ اپنے ملک اور اپنی قوم کے آزار دینے والے کو قتل کر چکا ہے؛

آج تک سربیہ کی نظموں میں فیلوس کوبی کو وِیش کی بہادری کے راگ گائے جاتے ہیں اور برانکو وِیش کے نام کو نہایت نفرت اور حقارت کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے (۱۳۸۹ء)۔ مراد اگرچہ سخت مجروح ہوا تھا لیکن وہ لزارس کی صعوبتوں اور اذیتوں کو اپنی آنکھ سے دیکھنے کے لئے کافی عرصے تک زندہ رہا اور بالآخر اپنی فتح کی مسرت میں غرق ہو کر دنیا سے چل بسا؛

سربیہ کے وقائع نگار اور بائزنطہ کے مورخ مراد کی موت کی ایک دوسری وجہ بیان کرتے ہیں:۔ لڑائی کی رات کو بادشاہ اپنے سرداروں کے ساتھ ایک پیالے میں جس کو اسٹراویزاز کہتے تھے شراب پی رہا تھا کہ لزارس نے فیلوس سے مخاطب ہو کر کہا "باوجودیکہ تم پر غداری کا الزام لگایا جاتا ہے لیکن تم اس پیالے کو میرے جام صحت کے طور پر چڑھا جاؤ" فیلوس نے جواب دیا۔ شکریہ وہ کل کا دن میری وفاداری کو ثابت کر دے گا؛" دوسرے دن فیلوس ایک طاقت دار گھوڑے پر سوار ہو کر دشمن کے

کیمپ میں داخل ہوا اور اپنی فوج کے ایک غدار کی حیثیت سے سلطان کی قدمبوسی کی اجازت طلب کی جو عطا کر دی گئی اور اس روایت کے مطابق اس وقت فیلوس نے موقع پا کر مراد کو ہلاک کر دیا؛

بایزید اول فتح ایشیائے کوچک و بلغاریہ (۱۳۹۶ء)

تیمور لنگ (۱۴۰۲ء)

مراد نے مشکل سے اپنا آخری سانس ختم کیا ہو گا کہ فوج نے اس کے بڑے بیٹے بایزید کو، جس کی اعلیٰ بہادری نے اس کے لئے یلدرم (بجلی) کا خطاب حاصل کر لیا تھا، بادشاہ بنا دیا۔ نئے بادشاہ نے اپنی حکومت کی ابتدا اپنے بھائی یعقوب کے قتل سے کی۔ وہ اپنی عظمت کے اس رقیب کو سپاہیوں کی محبت میں برابر کا حصے دار ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس کے دل میں یہ خطرہ پیدا ہوا کہ ممکن ہے یعقوب تخت کو قبضے میں لانے کی کوشش کرے۔ ساتھ ہی اس کو ارخان کا واقعہ یاد آ گیا، جس کو اپنے بڑے بھائی پر ترجیح دی گئی تھی چنانچہ اس نے نوجوان شہزادہ کو کمان کی زہ سے پھانسی دے کر مار ڈالا[1] بایزید کا یہ فعل پھل لا کر رہا۔ اس کے تمام جانشینوں نے اس کی پیروی کی اور سلاطین کے بھائیوں کی ہلاکت یا حراست سلطنت کا قانون بن گئی۔ جب کسی نوجوان شہزادے کی جان بخشی کی جاتی تھی تو اس کی حرم سرا میں صرف ایسی کنیزیں رکھی جاتی تھیں جن کو ایسی دواؤں کے

[1] پھانسی کا یہ طریقہ احترام اور اعزاز کی علامت سمجھا جاتا تھا اور صرف اکابر ملک کے لئے مخصوص تھا۔ یہ ان کے دنیاوی احترام اور اعزاز کی آخری علامت تھی جس طرح کہ پہلے یورپ میں صرف شرفا کو یہ حق حاصل تھا کہ ان کی گردن اڑا دی جائے۔

ذریعے سے ناقابل اولاد بنا دیا جاتا تھا جو خاص اس غرض سے تیار کی جاتی تھیں۔ اگر اس کے باوجود ان کے اولاد ہو جاتی تو اس کو بے رحمی کے ساتھ قتل کر دیا جاتا تھا؛

سربیہ کی طاقت اور خودمختاری کا کساوہ کے مقام پر خاتمہ ہو گیا تھا لیکن نئے سلطان نے، اس خوف سے کہ مبادا یہ مغرور قوم بالکل مایوس ہو کر انتہائی تدابیر اختیار کرنے پر مجبور ہو جائے، لزارس کے بیٹے اسٹیفن کو اپنا باجگذار بنا کر اور اس کی بہن سے شادی کر کے اس بارے میں اپنا اطمینان کر لیا۔ اور سربیہ کا بادشاہ سالانہ خراج ادا کرنے اور ایک معین تعداد میں فوج فراہم کرنے کے لیئے مجبور ہو گیا؛

پیلیولوگوز نے دست بہ شمشیر ہو کر یونانی سلطنت کے متعلق جس کا اب گھٹتے گھٹاتے صرف ایک صوبہ باقی رہ گیا تھا نزاع برپا کر دی۔ یہ لوگ اپنے زبردست ہمسائے سے یکے بعد دیگرے مدد کی التجا کرنے میں ذرا بھی نہ شرمائے۔ اور اس کی اعانت حاصل کرنے کی غرض سے انھوں نے بیدریغ روپیہ صرف کیا اور بزدلی اور کمینہ پن کے کسی فعل سے بھی پہلوتہی نہیں کی؛

ایشیا میں یونانیوں کے قبضے میں صرف ایک شہر الاشہیر (فلاڈیلفیا) باقی رہ گیا تھا جس کے گورنر نے وحشیوں کے لیے شہر کے دروازے کھولنے سے انکار کر دیا۔ بایزید نے اس واقعے سے برافروختہ ہو کر شاہ جان اور شاہ اے نول پیلیولوگ کو اس کے تباہ کر ڈالنے کا حکم دیدیا۔ یہ دونوں بادشاہ اس حد تک عاجز ہو چکے تھے کہ انھوں نے مجبوراً خود اپنے ہی شہر پر حملہ کیا اور اس کے جلتے ہوئے کھنڈروں کو اپنے خطرناک حلیف کے سپرد کر دیا؛

شاہ ایدین اپنی ریاست سے سلطان کے حق میں دست بردار ہو گیا اور خود تیرہ کو چلا گیا۔ منتشں اور سروخاں کے سردار شاہ سینیوپ و قسطمونی کے یہاں پناہ حاصل کرنے کی غرض سے چلے گئے اسی زمانے میں تنجیہ کی

ریاست بھی ضبط کر لی گئی؛

علاء الدین شاہ قرہ مانہ نے اپنے تاج کو بچانے کی غرض سے اپنی ریاست کا ایک حصہ بایزید کو دیدیا اور دریائے چہار شنبہ کو اپنی سرحد قرار دے لیا؛

بایزید کے سامنے سب نے سر جھکا دیا اس نے بوغاز[1] کو پھر ایک مرتبہ عبور کر کے اسے نول پیلیو لوگ پر حملہ کیا۔ یوبیہ اور اٹیکا کو تباہ کر ڈالا۔ قسطنطنیہ کی ناکہ بندی کرنے کے لئے ایک فوج متعین کر دی اور پھر نہایت تیزی کے ساتھ دریائے طونو[2] پر بڑھا اور رومانستانہ[3] پر حملہ آور ہوا۔ ڈیوک مانسز، جو ان لوگوں میں شامل تھا جن کو کساوہ کے مقام پر شکست ہوئی تھی ایک معاہدہ منظور کرنے کے لئے مجبور کیا گیا، جس کی رو سے سلطان نے ریاست کو "اپنے زبردست قوانین کے ماتحت خراج ادا کرنے اور انہی کے مطابق حکومت کرنے پر مجبور کیا۔ (۱۳۹۳ء)

علاء الدین نے اس موقعے کو موافق مرام سمجھکر ایک آخری کوشش کی غرض سے ہتھیار سنبھال لئے اس نے بیگلر بیگ تیمور تاش کو گرفتار کر لیا۔ اور انقرہ تک بڑھ آیا بایزید نے اپنی مستعدی سے دشمن کی تمام تدبیروں کو غارت کر دیا۔ اس نے ہیلیس پائنٹ کو عبور کیا اور یلغار کرتا ہوا اقہ چائی کے میدان میں علاء الدین سے آملا۔ اس کو اور اس کے دو بیٹوں کو گرفتار کر لیا۔ قرہ مانہ اس واقعے کے بعد دوبارہ سلطنت میں شامل کر لیا گیا؛

قاضی برہان الدین شاہ توقات وسیواس کے مقبوضات بھی اس کبھی سیر نہ ہونے والے فاتح کے ہاتھوں لٹ گئے لیکن سلجوقی سلطنت کے کھنڈروں میں ابھی ایک ریاست ایسی باقی تھی جس نے اب تک آل عثمان کی اطاعت قبول نہ کی تھی۔ کوتورمہ بایزید شاہ قسطمونی، جس کے دربار میں بایزید یلدرم کے ستائے ہوئے لوگوں نے پناہ لی تھی، زیادہ

---

[1] درد انیال [2] ڈینیوب [3] ولاشیہ

عرصے تک اس سیاہ بختی سے بچے رہنے کی امید نہیں کر سکتا تھا جو اس کے ہمسایوں کو نصیب ہوئی۔ سلطان نے شاہان منتشں اور ایدین کے بیٹوں کا مطالبہ کیا اور کو تورمہ کی طرف سے انکار ہو جانے پر بایزید نے اس کی ریاست پر حملہ کر کے سمسون، جنک اور عثمان جنک پر قبضہ کر لیا۔ مقاومت کی تاب نہ لا کر شاہ قسطمونی نے اپنے پناہ گزینوں کے ساتھ خان مغول، تیمور لنگ کے دربار میں پناہ لی؛

اس روز افزوں اقبال مندی نے سلطان کے غرور میں بہت کچھ اضافہ کر دیا وزیر اعظم علی پاشا کی نصیحت کے بالکل خلاف اس نے کھلے بندوں کثرت کے ساتھ شراب پینی شروع کر دی اور نہایت خطرناک عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا۔ سلطان کے اس فعل کے المناک نتائج ظہور پذیر ہوئے۔ اس خرابی نے جو اعلیٰ طبقے میں پیدا ہوئی تھی، قوم کی اخلاقی حالت کو تباہ کرنے میں کچھ زیادہ عرصہ نہیں لگایا۔ لیکن سلطان کے داماد امیر سعید کے دلیرانہ طعن و تشنیع نے بہر حال سلطان کو پھر اس کے فرائض کی طرف متوجہ کر دیا؛

ایک دن امیر سعید اور بایزید اس مسجد کو دیکھنے کے لیے گئے، جو بروصہ میں تعمیر کی جا رہی تھی۔ سلطان کے یہ دریافت کرنے پر کہ آیا مسجد اس کے مذاق کے مطابق ہے، امیر سعید نے جواب دیا "جی ہاں"۔ لیکن اس کو ہر طرح مکمل بنانے کے لیے ایک چیز کی ضرورت ہے جس کے بعد اس عمارت کی جہاں پناہ کی آنکھوں میں ایک بالکل جداگانہ حیثیت اور قدر و قیمت ہو جائے گی۔"

"وہ کیا چیز ہے" بایزید نے جلدی سے پوچھا۔

امیر نے جواب دیا کہ "میرے نزدیک مسجد کے چاروں کونوں کے تیار کرانے کی ضرورت ہے۔ ان سے عمارت کی خوبصورتی اور نفاست میں بھی اضافہ ہو جائے گا اور جہاں پناہ کے دل میں بھی اپنے رفیقان ہم پیالہ و ہم نوالہ کے ساتھ اکثر یہاں تشریف فرما ہونے کا شوق پیدا ہو گا؛

اس گفتگو میں جو سبق پنہاں تھا وہ بایزید نے حاصل کر لیا اور اس بات کا عہد کیا کہ آیندہ کبھی شراب نہیں پیئے گا۔ چنانچہ اگر اس نے اپنی اس قسم کو قائم نہیں رکھا تو کم سے کم اتنا ضرور کیا کہ کبھی یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ شراب پیئے ہوئے ہے۔ اس نے زر پرستی کی اس بری خصلت کو یک لخت دور کر دیا جو اخلاق کی خرابی کا نتیجۂ لازم تھی۔ اس نے منصفوں کی تنخواہوں میں باقاعدگی پیدا کر کے ان میں اضافہ کر دیا اور ان کو کافی آمدنی کا یقین دلا دیا (سنہ ۱۳۹۶ء)؛

ان تمام بدنامیوں کی تلافی کرنے کی غرض سے جو اس کے افعال کا نتیجہ تھیں، بایزید نے شیخ بخاری سے بیعت کر لی جو امیر سلطان کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ سلطان کے جنگی جوش میں اس کی عیاشی سے ذرا بھی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ وہ اپنے اس مقصد کو اپنی تمام مسرتوں اور اپنی ریاست کے تمام امور پر مقدم رکھتا تھا؛

بایزید نے اب یہ فیصلہ کیا کہ بلغاریہ کو سلطنت میں شامل کرنے کا زمانہ آگیا ہے قرال بلغاریہ، سیسمان کو ہلاک کر دیا گیا اور اس کے بیٹے نے مسلمان ہو کر اپنی جان بچائی۔ اس بزدلی کے صلے میں اس کو سمسون کی صوبے داری مل گئی (۱۳۹۴ء) سگسمانڈ شاہ مجرستانہ[1] نے اب اس معاملے میں مداخلت کی اور سلطان سے اس امر کا جواب طلب کیا کہ اس نے کس حق کی بنا پر بلغاریہ پر قبضہ کیا ہے۔ بایزید نے اس کا جواب دینے کے بجائے مجری سفیروں کو ان اسلحہ کا ایک انبار دکھا دیا جو مفتوح ممالک سے آئے تھے۔ اس جواب نے جنگ کا فیصلہ کر دیا۔ سگسمانڈ نے عیسائی بادشاہوں سے امداد کی درخواست کی اور پوپ نے ایک صلیبی جنگ کی تبلیغ شروع کر دی۔ ڈیوک آف برگنڈی نے اپنے بیٹے کو صلیب لینے پر مجبور کیا اور کاونٹ آف نیورس چھ ہزار آدمیوں کے ساتھ مجرستانہ کو آزادی دلانے کے لیے روانہ ہوا۔ اس صلیبی فوج کی تعداد میں والیان بویریہ اور اسٹریا اور بیت المقدس کے

[1] ہنگری۔

سینٹ جان کے سورماؤں کی شرکت سے اور بھی اضافہ ہو گیا۔ کاونٹ آف یو، کانسٹیبل آف فرانس، ڈیوکس آف بوربون، ہنری اور فلپی ڈی بار، شاہ فرانس کے بھائی، امیر البحر جین ڈی وائنی، مارشل ڈی بوسیکالٹ سرداران لائڈی مائلی اور ڈی کوسی، فرانس کے شرفا کی فوج کے سردار بن کر روانہ ہوئے۔ اس متحدہ فوج نے جس میں ساٹھ ہزار آدمی تھے دریائے طونو کو عبور کر کے نکوپولی کا محاصرہ کر لیا بایزید اس مقام کو دشمنوں سے بچانے کے لیے فوراً روانہ ہوا اور ایک خطرناک جنگ واقع ہوئی؛

عثمانی فوج کی تعداد اب دو لاکھ تک پہنچ گئی تھی اور اس کے عہدوں پر اہل سربیہ، بوسینہ اور یونان کے اکثر افراد، عثمانلی سرداروں کی حیثیت سے شریک تھے، جو بجائے خود سرپٹیکس[1] کے لیے باعث ننگ تھا۔ فرانسیسی رسالہ سگسمانڈ کے مشوروں اور کوسی اور گرانڈ ماسٹر آف رھوڈس کی روک تھام سے تنفر ہو کر، فوج کے اصل دستے کا انتظار کیے بغیر عثمانی فوج پر جا پڑا۔ اس نے مقدمۃ الجیش کو منتشر کر دیا، سپاہیوں پر غلبہ حاصل کر لیا، لیکن چاروں طرف سے گھر جانے کی وجہ سے اس کو پسپا ہونا پڑا اور عثمانی فوج نے اس کو مجرستانی فوج پر دھکیل دیا۔ اس وقت جب کہ فرانسیسی رسالہ بے ترتیبی سے پسپا ہو رہا تھا، میمنے کی فوج جو غدار لز گو ویش، والئ ڈی آف ٹرانسلویانہ کے زیر کمان تھی بھاگ کھڑی ہوئی، میسرے کی سپہ سالاری مینیز کے ہاتھ میں تھی وہ دلاشینس کے ساتھ میدان سے ہٹ گیا صرف قلب، جس میں مجرستانہ اور جرمنی کے بارہ ہزار آدمی تھے قائم رہا یہ لوگ نہایت بہادری کے ساتھ آگے بڑھے جنگ تیزی کے ساتھ پھر شروع ہوئی اور باوجود اس قدر غیر متناسب تعداد کے اگر اہل سربیہ مداخلت نہ کرتے تو فتح عیسائیوں ہی کی ہوتی۔ ایٹ یانی لیزار دویش اس شخص کا بیٹا جس کو

[1] وہ لوگ جو اختلاف رائے کی وجہ سے گرجا سے علٰحدگی اختیار کر لیتے ہیں (رعنا)

کسادو کی لڑائی میں شکست حاصل ہوئی تھی اب تک دریائے اسما کے کنارے پر کھڑا ہوا لڑائی کا تماشہ دیکھ رہا تھا اب یکایک تیس ہزار سربی سپاہ کو لے کر اس شخص کی مدد کے لیے جھپٹا جس کا باپ اس کے باپ کا قاتل تھا۔ صلیبیوں کی تباہی اب مکمل تھی لیکن فتح نہایت گراں قیمت پر حاصل کی گئی۔ ساٹھ ہزار مسلمان اس لڑائی میں کام آئے۔ بایزید نے انتقام کی قسم کھائی اور دس ہزار جنگی قیدی فاتح کی آنکھوں کے سامنے قتل کر دیے گئے۔ صرف کاونٹ ڈی نیورس جس نے اس لڑائی میں جین سینس پیر کا نام حاصل کیا تھا اور اس کے علاوہ فرانس کے اعلیٰ خاندانوں کے چوبیس سرداروں کی جان بخشی فدیہ کے متعلق کثیر رقم کی توقع میں کی گئی۔ جب کاونٹ ڈی نیورس کو اپنا اور اپنے رفقا کا فدیہ ادا کرنے پر آزادی مل گئی تو بایزید نے اس سے مخاطب ہو کر کہا:

"میرے خلاف ہتھیار نہ اٹھانے کی تم نے جو قسم کھائی ہے میں اس سے تمہیں معاف کرتا ہوں اس لئے کہ تم مجھے کسی دوسرے طریقے سے اتنا خوش نہیں کر سکتے جتنا کہ عیسائیت کی تمام فوجوں کو میرے مقابلے میں لا کر کر سکتے ہو، اس لئے کہ تم اس طریقے پر میرے لیے نئی نئی فتوحات کا راستہ کھول دیتے ہو۔"

جان پیلیو لوگ نے چھ ہزار طلائی کراؤن سالانہ پر صلح خریدی اور اپنے پایۂ تخت میں ایک مسجد اور ایک محکمۂ عدالت قائم کرنے کی ذمہ داری اس شرط کے ساتھ لی کہ ایک قاضی اور ایک امام بھی ان سے متعلق کر دیے جائیں گے۔

جنگ انقرہ (۱۴۰۲)

ایک یونانی مورخ کی رائے ہے کہ وہ سلطان کی قسمت کا درخت ان پھلوں کے بوجھ سے ٹوٹ پڑا جو پرندوں کی خوش الحانیاں سن سن کر رونق پک

جاتے تھے"!!

بروصہ کی عزلت نشینی میں یہ درخت سلطان کی فتوحات سے خوب پھلا پھولا اور بروصہ میں سب سے الگ تھلگ خوب رنگ رلیوں میں منہمک ہو گیا ہر قسم کا عیش وطرب اس کے لیے مہیا کیا گیا۔ سلطان کے نام سے ہر طرف خوف طاری ہو جاتا تھا۔ اس کے منہ سے ابھی یہ الفاظ ہی نکلے تھے کہ میرا گھوڑا رومہ میں پہنچ کر دانا کھائے گا کہ ایطالیہ خوف سے تھر تھرانے لگا۔ لیکن طوفان ہر طرف سے اٹھ اٹھ کر ایک خاص مقام پر سمٹ رہا تھا۔ اور بجلی عنقریب اس مغرور شہنشاہ پر گرنے والی تھی۔ تیمور قریب آرہا تھا!!

تیمور نے چنگیز خاں کی سلطنت کو از سر نو قائم کیا تھا۔ اور بایزید نے جن بادشاہوں کو تباہ کیا وہ سب اس کے تخت کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ ادھر بایزید نے بھی احمد جلیر شاہ بغداد و عراق کو اپنے یہاں پناہ دیدی جس کا تخت و تاج شاہ منگولیا نے چھین لیا تھا۔ تیمور کے پیام کا جس میں اس نے اپنے مفرور دشمن کی سپردگی کا مطالبہ کیا تھا۔ بایزید نے نہایت حقارت کے ساتھ جواب دیا اور ایک لمحے کے لیے بھی اپنے عیش کو منغص نہیں ہونے دیا۔

یکایک سلطان کو اطلاع ملی کہ مغلوں نے اس کے علاقے پر حملہ کر دیا ہے اس کی فوجیں تباہ ہو گئیں ہیں سو اس فاتح کے قبضے میں آکر خون میں ڈبو دیا گیا ہے اور اس کا بیٹا ارطغرل عین لڑائی کے وقت گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا ہے۔ اس شور و شغب کو سن کر شیر نے انگڑائی لی اور اپنی تمام فوجوں کو جمع کر کے بایزید نے فتحمند تاتاری کا مقابلہ کیا اور انقرہ کے میدان میں لڑائی واقع ہوئی۔ لڑائی صبح چھ بجے سے شروع ہوئی اور رہیں رات کو ختم ہوئی۔ بایزید نے اپنے کو یلدرم کے خطاب کا کبھی اس سے پہلے اتنا سزاوار ثابت نہیں کیا تھا۔ اس نے کبھی اس قدر جرات اور بہادری نہیں دکھائی تھی جتنی تیمور کے مقابلے میں اس سے ظاہر ہوئی مگر فتح اس تک پہنچتے پہنچتے تھک گئی تھی۔ لڑائی کے شروع ہوتے ہی اضلاع ایدین منتیش

سروخساں، اور کرمیانہ کی فوجیں، جن کے بادشاہ تیمور کی طرف سے مصروف جنگ تھے، دشمن سے جاملیں۔ سلطان دس ہزار جاں نثاروں (مینی شری) اور سربیہ کی امدادی فوجوں کے ساتھ دن بھر دشمن کا مقابلہ کرتا رہا اور صرف اس وقت جب کہ اس نے اپنی وفادار فوج کے آخری سپاہیوں کو میدان میں کام آتے ہوئے دیکھا۔ اس دلیر جنگجو نے فرار کو قرار پر ترجیح دی۔ لیکن وہ گھوڑے سے گر کر دشمن کے قبضے میں آگیا (۲۰ جولائی ۱۴۰۲ء) اس کے پانچ بیٹوں میں سے جو جنگ میں شریک تھے، موسیٰ، اپنے باپ کے ساتھ گرفتار ہوگیا۔ سلیمان، محمد، اور عیسیٰ فرار ہوگئے اور مصطفیٰ اس ہنگامے میں لاپتہ ہوگیا؛

تیمور نے اپنے قیدی کو عزت کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ لیا اور فرار کی تین کوششوں کے بعد اس نے بایزید کے ساتھ سختی برتی اور اس کو بیڑیاں پہنادیں۔ یہ بیان کہ بایزید کو ایک آہنی پنجرے میں قید کیا گیا تھا محض ایک افسانہ ہے اور تفنن طبع کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اصل واقعہ جو بہت ممکن ہے کہ اس افسانے کی وجہ ہو، یہ ہے کہ چونکہ سلطان تاتاریوں کو دیکھ دیکھ کر سخت پیچ وتاب کھاتا تھا۔ اس لیے تیمور نے اسے ایک ایسے میانے میں بٹھا کر سفر کرایا جس کی کھڑکیوں میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ اس قسم کے میانے کو اصطلاح میں قفس کہتے ہیں۔ اس لفظ کے اصلی معنے پنجرے کے ہیں۔ غیر زبان والے مورخین کو اس لفظ سے دھوکا ہوا اور انھوں نے مشہور ومعروف آہنی پنجرے کا قصہ مشہور کردیا؛

غم وغصہ نے قیدی کو کھالیا اور اس کو قبر تک پہنچانے میں کچھ زیادہ عرصہ نہیں لگا (۹ مارچ ۱۴۰۳ء)

تیمور لنگ نے موسیٰ کو اپنے باپ کی لاش برو صہ لے جانے کی اجازت دیدی جہاں اس کو مقبرہ شکرغہ میں مراد کی قبر کے برابر دفن کردیا گیا؛

بایزید کے عہد میں اخلاقی خرابیوں کی ابتدا ہوئی۔

منصفوں[1] کی زر پرستی اس حد تک ترقی کر گئی تھی کہ سلطان نے صرف ایک دن میں اسّی دروغ باف منصفوں کو موت کی سزا دی لیکن ان شرمناک افعال کا سب سے زیادہ ذمہ دار جو شخص تھا، وہ وزیر اعظم، علی پاشا تھا۔ جو اپنے مالک کے آتشین جوش و غضب کو بھڑکانے، ترقی دینے اور حق بجانب ثابت کرنے میں ہر ممکن تدبیر سے کام لیا کرتا تھا؛

[1] ۔ جج

تیسرا باب

جنگ انقرہ سے فتح قسطنطنیہ تک

سلطنت کی نازک حالت۔ محمد اول (۱۴۰۲ء تا ۱۴۲۱ء)۔ مراد ثانی۔ ہنیادی اور سکندر بیگ۔ محمد ثانی (۱۴۵۱ء)۔ فتح قسطنطنیہ (۱۴۵۳ء)

سلطنت کی نازک صورت حال
محمد اول (۱۴۰۲ء تا ۱۴۲۱ء)

بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سلطنت عثمانیہ تباہی کے قریب آلگی ہے تمام تازہ مفتوحہ ریاستیں بلغارستانہ، صربستانہ اور رومانستانہ، پھر خود مختار ہوگئیں۔ قسطنطنیہ اپنے کو محفوظ سمجھنے لگا۔ ادھر تیمور کی مدد سے شاہان کستمونی، سارو خانہ، کرمیانہ، ایدینہ، منتشہ اور قرہ مانہ پھر اپنے اپنے

تخت و تاج کے مالک بن گئے اور ادھر بایزید کے بیٹے اپنی آبائی میراث کے باقیماندہ اجزائے پریشان کے لیے ایک دوسرے سے بر سر پیکار ہو گئے۔ ایک طرف سلیمان کو جو ادرنہ میں خانہ نشین ہو گیا تھا ان فوجوں نے جو یورپ میں موجود تھیں، سلطان تسلیم کر لیا دوسری طرف محمد نے پہاڑوں میں پناہ لی۔ اور تیمور کے سرداروں کے خلاف جنگ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور طفقات اور اماسیہ پر قبضہ کر لیا۔ بایزید کی وفات کی خبر سن کر بیگلربیگ تیمورتاش نے عیسیٰ کے سلطان ہونے کی منادی کرادی جو بروصہ میں پناہ گزیں تھا۔ تیمور نے تینوں عثمانی بادشاہوں کے سفیروں کا اپنے یہاں خیر مقدم کیا اور ان کے دعاوی کی الگ الگ تائید کی۔ اس شاطرانہ حکمت عملی نے آل عثمان کی طاقت پر ایک مہلک ضرب لگائی ہوتی لیکن تیمور اپنی اس چال کو آخر تک نہیں نباہ سکا؛

پورے ایک سال تک تمام ایشیائے کوچک میں اپنی ہیبت اور دہشت کے آثار قائم کرنے کے بعد وہ چین کی طرف روانہ ہو گیا اور موسیٰ کی حفاظت کے لیے کرمیانہ کے بادشاہ کو چھوڑ گیا۔ تیمور کی یہ وہی آخری مہم ہے جس میں اس نے قبل از وقت اپنی زندگی کو خیرباد کہا؛

محمد اپنے مدمقابل سے لڑنے کے لیئے روانہ ہوا۔ لڑائی ارمنی کی گھاٹیوں میں واقع ہوئی اور عیسیٰ سلیمان کے پاس ادرنہ میں پناہ لینے پر مجبور ہوا۔ سلیمان نے اس کو کچھ اور فوج دیدی جس کو ساتھ لے کر وہ پھر ایشیا میں داخل ہو گیا اور از سر نو جنگ شروع کی لیکن دوبارہ پھر مغلوب ہو کر آخر عیسیٰ نے اپنی زندگی اپنے خوش قسمت حریف کی تلوار پر نثار کر دی؛

سلیمان جو ہمہ تن عیش و عشرت میں مصروف تھا اس لڑائی کا صرف تماشا دیکھتا رہا۔ اس نے یونانی بادشاہ اسے میتول ثانی کے ساتھ جس کی بھتیجی سے اس نے شادی کر لی تھی ایک معاہدۂ اتحاد کر لیا تھا۔ سالونیکا کے استرداد اور استریکان کے قلعوں اور بحر اسود کے ساحلی مقامات کی تحویل اس بے نتیجہ اور بے ثمر اتحاد کا نتیجہ تھی۔ محمد کی فتح اور ازمیر اور قرہ جنید کے

گورنر کی دغابازی کی خبر نے اس کو خواب خرگوش سے چونکا دیا۔ جنید نے ایدین کی ریاست فتح کرنے کے بعد اپنے کو خود مختار بنا لیا تھا اور شاہان کرمیانہ اور قرہ مانہ کے ساتھ اتحاد قائم کیا تھا۔ لہٰذا پچیس ہزار آدمیوں کے ساتھ سلیمان نے بوغاز جنگ کو عبور کیا۔ برصہ کو فتح کر لیا اور گیموسس کی طرف بڑھا قرہ جنید نے اطاعت قبول کر لی اور صدر اعظم علی پاشاہ نے انقرہ پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا اور محمد کو پسپا ہونا پڑا۔ اس پر موسیٰ نے جس کو شاہ کرمیانہ کی قید سے محمد نے آزادی دلائی تھی اپنے بھائی کی عطا کی ہوئی مدد کے ساتھ سلیمان کے مقبوضات پر حملہ کر دیا۔ اس نے صربستانہ کے ستم شعار بادشاہ اور حاکم رومانستانہ کو اپنی مدد کے لئے بلایا لیکن اس کو شکست ہوئی اور وہ اپنی جان لے کر میدان سے بھاگ جانے پر مجبور ہو گیا۔

سلیمان نے اپنی صفات نادرہ کی ان شرمناک بے اعتدالیوں سے سخت تذلیل کی جن میں وہ پھنس گیا تھا۔ موسیٰ کے میدان جنگ سے فرار ہو جانے کے بعد اس نے اپنی قابلیتوں کو فنا کر دیا اور حد درجے عیش و عشرت میں مصروف ہو کر اپنی صحت کو بگاڑ لیا۔ اس کے وفادار مصاحبین نے اس کو ان خطرات سے آگاہ کرنے کی کوششیں کیں جو اس عیش و عشرت کی بنا پر پیش آنے والے تھے مگر اس نے ایک نہ سنی۔ وہ ان کے مشوروں کی تحقیر کرتا تھا اور ان کی دانشمندانہ نصائح کے جواب میں سب و شتم سے کام لیتا تھا۔ موسیٰ ادرنہ کی دیواروں کے نیچے پھر نمودار ہوا اور سلیمان جس کا ساتھ تمام امرا نے چھوڑ دیا تھا۔ گمنامی کی حالت میں ایک تیر انداز کے نشانے سے ہلاک ہو گیا (۱۴۱۰ء)۔

یورپ میں اپنا کوئی مدمقابل نہ پایا تو موسےٰ نے صربستانہ پر حملہ کر دیا اور قتل و غارت کر کے اس میں آگ لگا دی پھر شاہ مجارستان (ہنگری) کو شکست دی، جس نے اہل صربستانہ کی مدد کی تھی اسے منویل نے خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا اور اپنی مدد کے لیے محمد کو طلب کیا موسیٰ نہایت تیزی کے ساتھ بڑھا، اور قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا اور محمد کو شکست دی۔

اس کے بعد ایک اتحاد قائم کیا گیا جس میں شہنشاہ قسطنطنیہ، صربستانہ کا خودمختار بادشاہ اور خود موسیٰ شریک تھے۔ لیکن موسیٰ کے ساتھ اس کے سرداران سپاہ نے غداری کی اور فوج نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا جس کی وجہ سے وہ اپنے بھائی کے قابو میں آگیا اور اس نے کمان کی زہ سے پھانسی دیکر موسیٰ کو ہلاک کر دیا (۱۴۱۳)۔

محمد اب سلطنت کا واحد مالک تھا لیکن یہ بادشاہی زوال پذیر تھی۔ اس کے مقبوضات گھٹ گئے تھے اور اس کی طاقت صرف ہو چکی تھی۔ صدمہ اس قدر شدید تھا کہ عمارت اب تک چرچرا رہی تھی اور اس بادشاہ کا عہد صرف لگاتار بغاوتوں ہی کے فرو کرنے ہی میں ختم ہو گیا؛

ان خدمات کے معاوضے کے طور پر جو اسے مینوئیل نے انجام دی تھیں اس نے وہ تمام شہر رومیوں کو واپس کر دیئے جنھیں موسیٰ نے قریبی زمانے میں ان سے چھین لیا تھا اور وہ جب تک زندہ رہا مصلحت اور حکمت عملی کے لحاظ سے رومیوں کا حلیف بنا رہا؛

بایزید کے بیٹوں کی باہمی نااتفاقیوں سے فائدہ اٹھا کر شاہ قرہ مانہ نے بروصہ کا محاصرہ کر لیا تھا اور جنید جس نے کبھی اپنے پرغرور منصوبوں کو ترک نہیں کیا تھا افی سوس، ازمیر اور برگیماس پر قابض تھا کہ اپنے لیے علیحدہ سلطنت تیار کرے۔ لیکن پہلے اقدام کے بعد کی کوششیں کامیاب ثابت نہ ہوئیں۔ جنید کو شکست ہوئی اور وہ اپنے کو سلطان کے حوالے کر دینے پر مجبور ہو گیا جس نے اس کی خطا بخشی کر کے صوبیدار (گورنر) نیکوپولی کے نام سے موسوم کر دیا؛

شاہ قرہ مانہ کو بھی شکست ہوئی اور اس نے آیندہ سلطنت کے حلیف رہنے کا حلف اٹھا کر امان پائی۔ لیکن ابھی سلطان نے مشکل سے منہ پھیرا ہو گا کہ اس بے وفا حلیف نے پھر ہتھیار سنبھال لیے۔ محمد نے پھر اپنے دشمنوں کی خطائیں معاف کر دیں اور یہ الفاظ جن کی کتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے، زبان سے ادا کیے "تم جیسے ذلیل انسان کی سزا میرے عزت و جلال کو زنگ آلود کر دے گی۔ اگر تمہاری فریب کار فطرت نے تمھیں اپنے

مواعید سے پھیر دیا ہے تو میری فطرت مجھے ایسے امر پر آمادہ کرتی ہے جو میرے نام کے شایانِ شان ہے۔ تم زندہ رہو گے"۔ (۱۴۱۵ء)

۱۴۱۶ء اور ۱۴۱۹ء کے درمیان کا زمانہ بندقیین کے ساتھ لڑائی میں گزرا۔ اس میں مسلمانوں کا ایک بیڑا گیلی پولی پر تباہ ہوا۔ اس کے علاوہ انھوں نے ہنگری پر بھی ایک یورش کی مگر سگِسمونڈ اور ریلادین پیٹرفی نے سلطان کا حملہ رد کر دیا؛

لیکن ایک نہایت شدید خطرہ سلطان کے لیے پیش آنے والا تھا۔ ایک وسیع سازش کی تنظیم جو عثمانی سلطنت کے خد و خال کو بدل دینے والی تھی چپکے چپکے عمل میں آ رہی تھی۔ بجر الدین، جو اس عہد میں سب سے زیادہ مشہور فاضل گزرا ہے جو فقہ اور دینیات کی کتابوں کا مصنف تھا اور جس کو موسیٰ نے قاضی عسکر کے اعلیٰ عہدے پر فائز کر دیا تھا اس سازش کا روحِ رواں تھا۔ اس سازش کو مشرقی تاریخ میں خصوصیت اس لیے حاصل ہوئی کہ صرف یہی ایسی سازش تھی جس کے بانی مذہبی لوگ تھے اور جس کی بنا اصول حریت و مساوات پر قائم تھی۔ اپنے مربی، موسیٰ کی وفات کے بعد، بجر الدین کو نکیہ میں جلا وطن کر دیا گیا تھا، جہاں سے وہ کسی طرح فرار ہو گیا اور پھر اس نے اپنے اصول و عقاید کی اشاعت شروع کر دی۔ عورتوں کے علاوہ باقی اور تمام املاک کے متعلق اس نے کامل مساوات کا سبق دیا۔ ایک نومسلم یہودی طورلقہ کمال نے بہت سے درویشوں کے ساتھ تمام ایشیا کا سفر کیا وہ اس نئے ہادی کے سب سے زیادہ جوشیلے معتقدین میں شمار کیا جاتا تھا؛

حریت اور مساوات کے الفاظ (جو ان کے لیے بالکل نئی بات تھی) سن سن کر مظلوم، مفلوک اور عام مخلوق کا دل اچھلنے لگتا تھا، اور یہ لوگ اس نئے فرقے میں نہایت جوش و خروش کے ساتھ شامل ہو جاتے تھے۔ اس فرقے کی ترقی سے پریشان ہو کر محمد نے ان کی گوشمالی کرنے کا ارادہ کیا اور سیمان، شاہ بلغارستانہ، کے بیٹے کو جو اپنے آبائی مذہب

سے منحرف ہو گیا تھا، اور سیمسون کا گورنر تھا، ان پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ لیکن سیمان کو شکست ہوئی اور وہ بحرالدین کے ایک منظور نظر مرید، بورکلوجی مصطفےٰ کے ہاتھ سے مارا گیا۔

فتح کے نشہ میں مست ہو کر بحرالدین اور بھی زیادہ دلیر اور بے باک ہو گیا۔ اس نے ایسی اصلاحات کی تبلیغ شروع کر دی، جو احکام قرآنی اور اصول اسلامی کے سراسر خلاف تھیں۔ اس نے عیسائیوں سے، انھیں یہ باور کرا کے، ساز و باز کرنا چاہا کہ وہ بھی اسی ایک خدا کی پرستش کرتے ہیں۔

ایک دوسری فوج کو بھی، جو اس نئے فرقے کے خلاف روانہ کی گئی تھی، ہزیمت ہوئی۔ اب سلطان کا تاج و تخت ہی اس فرقے کی وجہ سے خطرے میں نہیں تھا بلکہ خود اسلام کی بقا معرض خطر میں نظر آتی تھی۔ محمد نے اپنی تمام فوجوں کو ایک جگہ جمع کیا، اور صدر اعظم بایزید پاشا نے قرہ پر نو کے قریب نواح ازمیر میں، باغیوں کو ایک فیصلہ کن لڑائی میں، پامال کر ڈالا۔ مصطفےٰ گرفتار ہوا اور نہایت خوفناک اذیتیں دے کر مارا گیا لیکن شدید سے شدید تکلیف بھی اس کے استقلال میں فرق نہ ڈال سکی۔ اور وہ اپنے اعتقاد پر برابر قائم رہا۔ اس کے سپاہیوں میں سے بھی کسی نے رحم کی التجا نہیں کی اور اپنے سردار کی نظیر سے اپنے ارادوں میں اور بھی راسخ ہو کر انھوں نے اپنے کو خود تلواروں پر گرا دیا۔ طورلقہ کمال، میگنیشیا کے قریب شکست کھا کر اور بحرالدین، سیریس کے مقام پر، مقدونیہ میں گرفتار ہو کر پھانسی پر لٹکا دیئے گئے (۱۴۱۶ء تا ۱۴۱۷ء)۔

ابھی درویشوں کی یہ بغاوت مشکل سے فرو ہوئی ہو گی کہ ایک دوسرا دشمن، جو ان سے کسی طرح کم خطرناک نہیں تھا، پیدا ہو گیا۔ سلطان کے بھائی مصطفےٰ نے، جو جنگ انقرہ کے بعد سے غائب ہو گیا تھا، یکایک ظاہر ہو کر تخت کا دعویٰ کیا۔ قرہ جنید، گورنر نیکوپولی سلطنت کے مدعی کی جماعت میں شریک ہو گیا، جس نے اب شاہ رومانستانہ کی مہیا کی ہوئی کمک کے ساتھ تھسلی پر حملہ کر دیا۔ سالونیکا پر ہزیمت پا کر اس نے اس شہر میں پناہ لی

اور جب یہاں کے رومی سردار سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ وہ اپنے ہاں پناہ لینے والے کو سلطان کے حوالے کر دے تو اس نے نہایت جوانمردی کے ساتھ ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ امپیر رائمی تول نے بھی اپنے سردار فوج کے اس فعل کی توثیق کر دی اور اُس نے اس بارے میں سلطان کی تمام درخواستوں کو مسترد کر دیا۔ البتہ یہ ضرور عہد کر لیا کہ جب تک محمد زندہ ہے مصطفےٰ کو آزاد نہیں کیا جائے گا۔ سلطان نے اپنے حلیف کے اس جواب کو خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کر لیا۔ اس اقرار سے اس کی تشفی ہو گئی اور وہ مصطفےٰ کو تین لاکھ اصفر[1] کا سالانہ وظیفہ دینے پر راضی ہو گیا۔

سلطان نے اپنے اس فیاضانہ معاہدے میں غدار قرہ جنید کو بھی شریک کر لیا جس کی تین پے در پے بغاوتوں کو وہ اس سے پہلے بھی نظر انداز کر چکا تھا، اس کے علاوہ اپنے بھائی کے تیس دوسرے خاص خاص شرکاء و معاونین کے ساتھ بھی اس نے یہی سلوک کیا (۱۴۱۸ء تا ۱۴۱۹ء)۔

اس عہد کا یہ آخری ہنگامہ تھا۔ اور اس کے بعد سلطنت کو سکون و آسائش میسر آئی۔ سلطان ہر قسم کی ملکی بدنظمیوں کو مٹانے کی طرف متوجہ ہو گیا، لیکن کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ یکایک اس پہ ادرنہ میں سکتے کا دورہ پڑا (۱۴۲۱ء)۔

ہوش میں آنے کے بعد اس نے اپنے بیٹے مراد کو جو اس وقت اماسیہ میں تھا اپنے باوفا صدر اعظم بایزید پاشا کے سپرد کر دیا اور اس کے

[1] مسلمان مورخ اس مصطفےٰ کے متعلق بالعموم یہ رائے رکھتے ہیں کہ وہ کوئی دوسرا شخص تھا جس نے اپنے آپ کو مصطفےٰ مشہور کر دیا تھا۔ لیکن فی شیر کی رائے جو عثمانی مورخین میں سب سے زیادہ معتبر مورخ ہے، اس کے خلاف ہے۔ یونانی مورخین بھی بالاتفاق اس شخص کو بایزید کا اصلی بیٹا ہی تصور کرتے ہیں اس کا جو وظیفہ مقرر کیا گیا تھا خود اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ سلطان نے اسے پہچان لیا تھا اور وہ دراصل مصطفےٰ پسر بایزید ہی تھا۔

دوسرے دن جان بحق تسلیم ہو گیا۔ ابراہیم اور بایزید نے مراد کے تخت پر قابض ہو جانے تک اس کی موت چھپانے کا ارادہ کیا۔ لیکن سلطان کی علالت کی خبر ہر جگہ پھیل گئی اور قریب تھا کہ سپاہیوں کے اصرار سے جو اپنے بادشاہ کی صورت دیکھنے پر مُصر تھے یہ راز منکشف ہو جائے۔ ان کی تشفی کرنے کی غرض سے ادرنہ کی محل سرائے کی ایک کوشک کی کھڑکیوں کے سامنے سے فوج گزارا گیا۔ سپاہیوں نے نہایت جوش و خروش اور مسرت کے ساتھ اپنے مالک و آقا کو سلام کیا جسے وہ بہت فاصلے پر تخت پر بیٹھا ہوا دیکھ رہے تھے لیکن درحقیقت یہ سلطان کی لاش تھی جس کے ہاتھوں کو ایک دوسرا شخص جو لاش کے پیچھے چھپا ہوا تھا حرکت دے رہا تھا؛ اکتالیس دن اس طرح گزر گئے اور اس عرصے میں مراد نے بروصہ آکر تخت پر قبضہ کر لیا؛

فنون لطیفہ سے دلچسپی اور اس کی خوش مذاقی نے جس نے اس کو دوسرے سلاطین سے ممتاز کر دیا تھا محمد کو چاندی کے برتنوں میں کھانا کھانے پر آمادہ کیا اور اس نے قدیم آداب طعام کو بالائے طاق رکھ دیا یہ قرآن کے اوامر تو اہی سے انحراف تھا اور اس لیے اس کے جانشین نے بایزید ثانی کے زمانے تک اس کی تقلید کرنے کی ہمت نہیں کی؛

درویشوں کی بغاوت کا بوجوہ احسن مقابلہ کرنے کی غرض سے محمد نے مذہبی پیشواؤں کو بہت کچھ مال و دولت دیکر اپنا طرفدار بنا لیا۔ یہی وہ پہلا سلطان ہے جس نے شریف مکہ کو بہت سی اشرفیاں بھیجیں کہ مساکین میں تقسیم کر دی جائیں۔ اسی رقم کو شُفرہ (بمعنی زاد) کے نام سے یاد کرتے تھے؛

اس نے ابتدائی ادبی کوششوں کی ہمت افزائی کی اور علمی شوق لوگوں میں پیدا کیا اس کے دربار میں بہت سے شعرا اور فضلا جمع تھے۔ سنیان شیخ اس کا طبیب، ایک فارسی نظم خسرو شیریں کا مشہور و معروف مترجم تھا جمالی نے جو سنیان کا بھتیجا تھا سب سے پہلے ترکی زبان میں ایک نظم لکھی جس کا نام خورشید اور فرخ شاد تھا۔ اس کے علاوہ اس نے

ایک ہجو نامہ بھی تصنیف کیا جس کو کتاب الحمیر کہتے تھے اس کتاب میں اس نے اپنے دشمنوں کا خوب خوب مضحکہ اڑایا ہے۔ عرب شاہ شامی نے جو محمد کے بیٹوں کا اتالیق تھا "تاریخ تیمور لنگ" کے علاوہ متعدد کتابیں عجیب و غریب ناموں کے ساتھ تصنیف کی تھیں جن میں سے دو کے نام "عجبت الشورکی" اور "بدع البدور" ہیں۔

اس سلسلے میں شیخ امیر بخاری جو امیر سلطان کے نام سے زیادہ مشہور ہیں شیخ عبداللطیف مقادیر، مصنف 'تحفات' اور سب سے زیادہ بحرالدین کا بھی تذکرہ لازمی ہے جس کی تصنیفیں اتنی ہی مشہور تھیں جتنی کہ اس کے درویشوں کی بغاوت؛

مراد ثانی

ہنیاوی اور اسکندر بیگ

مراد کی عمر مشکل سے اٹھارہ سال کی ہوگی۔ اس نے سب سے پہلے شاہ قرہ مانہ کے ساتھ صلح نامہ مرتب کرنے اور شاہ مجرستان کے ساتھ پانچ سال کے لیے التوائے جنگ کا معاہدہ کرنے پر توجہ مبذول کی۔ لیکن اے مے نول نے محمد کے عہد و پیمان پر بھروسہ کرکے اپنے دو بھائیوں کو جو بطور یرغمال اس کے یہاں تھے آزاد کرنے کا مطالبہ کیا۔ بایزید پاشا نے اپنے بادشاہ کی طرف سے اس درخواست کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اس پر ایمی نول نے بایزید یلدرم کے بیٹے مصطفےٰ کو رہا کر دیا اور وہ کچھ فوج لے کے جس کے ساتھ دس کشتیاں تھیں اور جس کی کمان پوڈیا۔ جی۔ ٹریس لاسکاریس تھا، گیلی پولی کے محاصرے کے لیے روانہ ہوا۔ قلعے کے علاوہ تمام شہر فتح ہو گیا۔ ادرنہ کے قریب مصطفےٰ کا بایزید پاشا کے فوجوں سے مقابلہ ہوا۔ لڑائی شروع ہونے والی ہی تھی کہ مصطفےٰ تنہا آگے بڑھا اور اپنے حریف کی فوجوں کو مخاطب کرکے ان کو ہتھیار

ڈالدینے کا حکم دیا۔ سپاہیوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور بایزید پاشا قتل کر دیا گیا۔ مصطفےٰ پھر تیزی کے ساتھ مراد کی طرف بڑھا جو علو آباد کے دریا کے عقب میں مورچہ بند تھا لیکن جنید کی غداری کی وجہ سے جو صرف ناہمواری میں شہرت و امتیاز کا مستحق ہوا اور متجائل اوغلو کی آوازہ پرسالے کا ساتھ چھوڑ دینے کی وجہ سے اس کو گیلی پولی فرار ہوجانا پڑا اور اس کے گرفتار کرنے والوں نے مصطفےٰ کو اس کے بھتیجے کے حوالے کر دیا جس نے اس کو پھانسی دیدی۔ مصطفےٰ کی شکست و موت نے اسے قسطنطنیہ کو تن تنہا عثمانی حملوں کا نشانہ بنا دیا۔ اس نے گفت و شنید شروع کر کے اس خطرے سے بچ جانے کی کوشش کی۔ لیکن مراد نے ایک نہیں سنی اور بیس ہزار آدمیوں کو ساتھ لے کر قسطنطنیہ پر حملہ کر دیا۔ شیخ اعظم امیر سلطان بخاری نے جن کی دعاؤں سے لوگ علو آباد کی فتح کو منسوب کرتے تھے قبل از قبل اس بات کا اعلان کر دیا کہ قسطنطنیہ ۲۴ اگست کو فتح ہو جائے گا۔

جنگ "اللہ" اور "محمد" کے نعروں کے ساتھ شروع ہوئی ادھر رومیوں نے کرسٹوس پے ناغیہ کی صدائیں بلند کیں۔ لڑائی خوں ریز اور شدید تھی۔ فتح ابھی غیر متیقن تھی کہ ایک دوشیزہ بنفشئی رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے سنہری شعاعوں سے گھری ہوئی یکایک فصیلوں پر نمودار ہوئی اور حملہ آوروں پر شد و مد کے ساتھ وار کرنے لگی اور اس طرح قسطنطنیہ فتح ہونے سے بچ گیا۔

رومی مورخ جنھوں نے اس کرامت کو بیان کیا ہے شیخ امیر سلطان کو گواہی میں پیش کرتے ہیں لیکن یہ امر قابل قیاس ہے کہ اپنے بھائی مصطفےٰ کی بغاوت اور کامیابی کی خبر سن کر سلطان نے محاصرہ ہٹا لیا ہو۔

اپنے معتمد الیاس کی غداری سے جس کو سلطان کی دولت نے اپنی طرف کھینچ لیا تھا مصطفےٰ اپنے بھائی کے حوالے کر دیا گیا اور اس نے نبی علیہ السلام کے اس مقولے کی بنا پر اس کو کمان کی زہ سے پھانسی دیکر

ہلاک کر دیا جب دو خلیفہ صاحب امر بن جائیں تو ان میں سے ایک کو ہلاک کر دینا چاہیے۔ اس کے بعد اب مصطفےٰ کے خلفا کی باری تھی۔ شاہ کسطمونی کو اپنی آدھی ریاست بچانے کی غرض سے آدھی ریاست سلطان کی نذر کر دینی پڑی اور اس نے اپنی بیٹی کو بھی اپنے فاتح کے نکاح میں دیدیا (سنہ ۱۴۲۳ء) اس کے دوسرے سال جنید نے غیر محفوظ ادانہ کی ریاست پر پھر قبضہ کرلیا۔ ہر طرف سے گھر جانے پر یہ پرانا جنگ جو یہ باور کرتا ہوا کہ اس کی جان بخشی کر دی جائے گی مطیع ہو گیا۔ لیکن بایزید پاشا کے بھائی حمزہ بے نے اس کو قید خانے میں کمان کی زہ سے پھانسی دلوا کر مروا ڈالا (۱۴۲۶ء)؛ ادانہ اور سارو خانہ پھر ہمیشہ کے لیے عثمانی عصائے شاہی کے تحت آگئے اور شاہان منتشہ اور تکیہ جن کو تیمور نے بحال کر دیا تھا دوبارہ جلاوطن کر دیئے گئے؛

محمد بے شاہ قرہ مانہ کو شکست ہوئی اور وہ ہلاک کر دیا گیا۔ اس کے بیٹے ابراہیم کو سلطنت عثمانیہ کا باجگذار تسلیم کر لیا گیا اور حمید کا علاقہ بھی اس کو مل گیا۔ شاہ کرمیانہ کا انتقال ہو گیا اور اس نے اپنی ریاست کے باقیماندہ حصے کو مرتے وقت مراد کے نام ہبہ کر دیا (۱۴۲۵ تا ۱۴۲۸ء)؛

ایک طرف فوجی سردار سلطنت کی حدود کو وسیع کر رہے تھے اور دوسری طرف عثمانی شہنشاہ امور نظم ونسق میں منہمک تھا۔ امور سیاسی پانچ وزرا کی زیر نگرانی تھے لیکن مراد نے اس میں تخفیف کر کے صرف ایک وزیر کو باقی رکھا۔ ابراہیم پاشا وزارت پر برقرار رہا۔ عمر بے اور علی بے پسران تیمور تاش کرمیانہ اور سارو خانہ کے صوبے داروں (گورنر) کے نام سے موسوم ہوئے۔ لیکن ان کے بھائی اور وبخہ کی اس شبہے میں کہ وہ تخت پر قبضہ کرنے کی ہوس کرتا ہے، آنکھیں نکال ڈالی گئیں؛

اب انقرہ کی تباہی کی تقریباً تلافی ہو چکی تھی۔ اکثر ممالک جو تیمور نے آل عثمان سے چھین لیے تھے پھر ان کے زیر اقتدار آ گئے،

فقط شاہ قرہ مانہ جس کا درجہ گھٹ کر ایک باجگذار حکمراں کے برابر رہ گیا تھا اور شاہ اسنوف جس کی صرف آدھی ریاست باقی رہ گئی تھی ابھی تک خود مختار تھے۔ ایشیا فتح ہو چکا تھا اور مراد اس قابل ہو گیا تھا کہ وہ اپنی تمام کوششیں یورپ کے لئے وقف کر دیے؛

جارج براں کو ویش، لزارس کے بدنصیب بیٹے اسٹیفن لزار وویش کا جانشین ہوا۔ شاہ ہنگری سے مقبوضات قلنیاز کے متعلق قابل اطمینان معاہدہ ہو گیا تھا۔ لیکن وہاں کے گورنر نے اس کو مسلمانوں کے ہاتھ بیچ دیا اور یہی واقعہ آئندہ لڑائی کا سبب بن گیا۔ ایک ہنگامی قرارداد کے مطابق شاہ ہنگری (مجرستان) دریائے طونو کے بائیں کنارے کی طرف ہٹ گیا۔ اس کی آدھی فوج دریا کو عبور کر چکی تھی کہ مسلمان تیزی کے ساتھ ان دستوں پر جا گرے جو دائیں کنارے پر رہ گئے تھے اور ایک خطرناک مقابلہ شروع ہو گیا۔ برانکو ویش اب پچاس ہزار ڈوکاٹ ادا کرنے اور ہنگری سے قطع تعلق کر کے سلطان کے لیے ایک امدادی فوج بہم پہنچانے اور کروس ہی وائز کو جو صربستان کا مرکزی مقام تھا حوالے کر دینے پر راضی ہو گیا۔ تھسالونیکا کو مراد اول نے ۱۳۸۶ء میں بایزید نے ۱۳۹۴ء میں اور محمد نے ۱۴۱۳ء میں فتح کیا تھا۔ اب وہ چوتھی مرتبہ آل عثمان کے قبضے میں آ گیا اور اس کے بعد سے سالونیکا کے نام سے موسوم ہو کر ان کی سلطنت کا جزو لاینفک بن گیا (۱۴۳۰ء)؛

قسطنطنیہ پر حملہ کرنے سے پہلے سلطان ان تمام متفرق صوبوں پر اچھی طرح قابو حاصل کر لینا چاہتا تھا جو ابتدائً مشرقی سلطنت کے حصے تھے چنانچہ اس نے اپنے ہتھیاروں کا رخ ارناؤطلعہ اور رومانستان کی طرف پھیر دیا؛

ارناؤطلعہ پر بیک وقت دو تسلط قائم تھے۔ جنوب اٹولیا اور ایکارنیتی کے ساتھ فلورین ٹائن، او باش کارلو ٹو کی ورثا کے قبضے میں تھا جن کی وراثت کے متعلق نزاع برپا تھی۔ شمال میں جان کسٹریاٹ

کی حکومت تھی جو یالسہ یا یاج کے پروونیکل خاندان کی نسل سے یا ان کا
وارث تھا؛

یانینہ اور خاص خاص قلعوں نے اس شرط پر اطاعت قبول کر لی کہ اہل قلعہ اپنے مذہب اور اپنے قوانین پر قائم رہیں گے۔ جان کسٹریاٹ کو اپنے چار بیٹوں کو یرغمال کے طور پر پیش کرنے پر مجبور کیا گیا اور جب وہ مرا تو سلطان نے اس کی ریاست پر قبضہ کر لیا (۱۴۳۱ء)؛

ولاد طراقول (خبیث) رومانستانہ کے غاصب نے سلطان کی سیادت کو اس لیے تسلیم کر لیا کہ اسے قشون عثمانی کی مدد ملنے لگے (۱۴۳۲ء)؛

ہنگری کی ترغیب پر شاہان قرہ مانہ صربستانہ اور رومانستانہ نے علم بغاوت برپا کر دیا۔ ابراہیم بے کو مکرر شکست حاصل ہوئی اور اس کی زندگی اس کی بیوی کی وجہ سے جو سلطان کی بہن تھی بچ گئی۔ طراقول نے دور اندیشی سے کام لے کر اطاعت قبول کر لی اور جارج برانکوویش نے اپنی بیٹی کی شادی مراد کے ساتھ کر کے اپنے کو طوفان سے بچا لیا۔ شاہ ہنگری نے جو لڑائی جاری رکھنے کے لیے تیار رہ گیا تھا مجرستانہ (ہنگری) کو مسلمانوں کے ہاتھوں تباہ ہوتے ہوئے دیکھا اور وہ ستر ہزار قیدی گرفتار کر کے لے گئے (۱۴۳۸ء)؛

عثمانی فوج ابھی روانہ بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ جارج برانکوویش نے پھر ہتھیار سنبھال لیے۔ سمندریہ تین مہینے کے محاصرے کے بعد مراد کے قبضے میں آ گیا اور برانکوویش نے البرٹ شاہ ہنگری کے جانشین کے یہاں پناہ لی۔ ادھر عثمانی فوج نے بلغراد کا محاصرہ کر لیا لیکن اس مقام کی نہایت بہادری کے ساتھ مدافعت کی گئی اور مراد تین مہینے کے بعد محاصرے سے دست بردار ہونے پر مجبور ہو گیا (۱۴۳۹ء)؛

جان ہنیادی رومانستانہ کا شہسوار سپید اور شاہ اردل نے مزید بے مراد کے خاص سردار رسالے کو ہرمانشٹڈ کے سامنے شکست دی۔ بیس ہزار عثمانی سپاہی اپنے سردار کے ساتھ میدان میں کام آئے۔

شہاب الدین پاشا اسی ہزار آدمیوں کو لے کر اپنے ہم چشم کی شکست کا انتقام لینے کے لیے تیزی کے ساتھ بڑھا۔ ہنیادی نے پندرہ ۱۵ ہزار آدمیوں کے ساتھ دشمن کو منتشر کر دیا اور شہاب الدین کو وسفہ کے مقام پر مع ساڑھے پانچ ہزار سپاہیوں اور دو سو جھنڈوں کے گرفتار کر لیا۔ مراد کے بہترین سرداران سپاہ اس خونریز جنگ میں مارے گئے جن میں عثمان بے بیرہ تیمورتاش، فیروز بے اور یاقوت بے بھی شامل تھے (۱۴۴۲ء) فتح اس مجرستانی بہادر کے ہمراہ رکاب تھی۔ پانچ مہینے کی لڑائی میں جس کو اہل مجرستانہ جنگ طویل کہتے تھے اس نے پانچ مقاموں پر فتح پائی اور اتنے ہی شہروں پر قبضہ کر لیا۔ خود مراد کو بھی نیسیہ میں زک پہنچی۔ اس کے دو ہزار آدمی مارے گئے۔ چار ہزار قیدی اور نو جھنڈے گرفتار ہوئے اور بلقان کے عقب میں پسپا ہونے پر مجبور ہو گیا (۱۴۴۳ء) ایک مہینے کے بعد (دسمبر ۱۴۴۳ء) ہنیادی نے سردی کے باوجود بلقان کی گھاٹیوں میں پھر لڑائی شروع کر دی اور تین لڑائیوں میں مسلمانوں کو شکست دے کر پالو و یکنز کے میدان میں ان کی جنگی طاقت کو تباہ کر دیا۔ مراد نے صلح کرنے کا ارادہ کیا۔ اس نے رومانستانہ طراقول کو دیدیا۔ برانکوویش کو اس کے دونوں بیٹے اور سمندریہ، پیروٹ اور کروشی واپنرد واپس کر دے اور مجرستانہ کے ساتھ دس سال کے لیے صلح کر لی (۱۲ر جولائی ۱۴۴۳ء)؛

معاہدۂ سکدیہ نے صربستانہ اور رومانستانہ کو مجرستانہ کا ماتحت بنا دیا۔

صلح کا ابھی آغاز ہی ہوا تھا کہ سلطان کو ایک اور مصیبت پیش آگئی۔ اس کا نہایت عزیز بیٹا علاء الدین مر گیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے متنفر ہو کر مراد اپنے بیٹے محمد کے حق میں جس کی عمر (۱۴) سال تھی تخت سے دست بردار ہو گیا اور میگنیشیہ میں گوشہ نشینی اختیار کر لی؛

وہ ابھی میگنیشیہ پہنچا بھی نہ تھا کہ ایک ناگہانی واقعے نے اس کو پھر واپس بلا لیا۔ صلح منقطع کر دی گئی تھی اور کارڈنل جیسزرینی سفیر پاپائے روم نے شاہ لاوسلاس کو معاہدہ چاک کر دینے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس لیے کہ کافروں کے ساتھ جو وعدہ کیا گیا وہ ناجایز تھا؛

ہنیادی نے پندرہ ہزار آدمیوں کے ساتھ بلغاریہ پر حملہ کیا اور وارنہ کا محاصرہ کر لیا۔ مراد نے اپنے بیٹے کے تخت و تاج بچانے کی غرض سے گوشہ نشینی ترک کر دی اور چالیس ہزار آدمی ساتھ لے کر محصور شہر کو نجات دلانے کے لیے روانہ ہوا۔ سلطان نے جو ینی چری کے بیچ میں کھڑا ہوا تھا، اصلی معاہدے کو جس کی عیسائیوں نے خلاف ورزی کی تھی ان کے سامنے پیش کیا۔ لڑائی نہایت شدید ہوئی۔ ہنیادی عثمانی صفوں کو چیرتا ہوا سلطان کے خیمے تک آ گیا لیکن لاوسلاس کے مارے جانے کی وجہ سے فوج بد دل ہو گئی اور اپنے سالار سپاہ کی کمال بہادری کے باوجود فرار ہو گئی؛

دوسرے دن ترکوں نے عیسائیوں کے پڑاؤ پر جس کے چاروں طرف خندقیں کھدی ہوئی تھیں حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ کارڈنل جیسزرینی بہادری کے ساتھ لڑتا ہوا عزت کے ساتھ مارا گیا تاکہ ایک ایسی مصیبت کے بعد دنیا میں باقی نہ رہے جس کا باعث خود اس کی ذات تھی (نومبر ۱۴۴۴ء)؛

مراد نے پھر تخت کو چھوڑ دیا اور اپنے پیارے بیٹے کی یاد میں آنسو بہانے کے لیے میگنیشیہ چلا گیا۔ لیکن اس کی موجودگی ناگزیر تھی اور خانہ جنگیاں پھر اس کو گوشہ نشینی سے باہر نکال لائیں؛

ینی چری نے ایک بچے کی حکومت سے متنفر ہو کر بغاوت برپا کر دی اور ادرنہ کو تاراج کر دیا۔ ایسی حالت میں صرف مراد کی موجودگی ہی امن قایم کر سکتی تھی (۱۴۴۵ء)؛

اس کے ساتھ فتح کا فرشتہ بھی واپس آ گیا ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ اس نے کورنتھ اور پیٹراز پر قبضہ کر لیا۔ پیلوپونیز کو تباہ کر ڈالا

اور شاہ قسطنطین کو خراج ادا کرنے پر مجبور کیا۔ اس کے بعد اس نے ارنا وطلعہ کی طرف رخ کیا جہاں ہنیاوی کی سی عظمت حاصل کرنے کا متمنی ایک شخص موجود تھا؛

شمالی ارنا وطلعہ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ سربستانہ کا مطلق العنان بادشاہ اپنے چار بیٹے سلطان کے حوالے کر دینے پر مجبور کیا جا چکا تھا جن میں تین بڑے بیٹے کم سنی میں ہلاک ہوئے اور کہا جاتا ہے کہ انھیں زہر دے کر مار اگیا۔ چوتھا بیٹا جارج جس کی تربیت اسلامی مذہب کے اصول پر سلطانی دربار میں کی گئی تھی مراد کا منظور نظر بن گیا جس کو اس نے اس کی بہادری کی وجہ سے اسکندر بے کا نام عطا کر دیا تھا؛

یہی وہ نام ہے جس کو اہل مغرب نے بدل کر اسکندر بیگ بنا دیا ہے؛

سلطان کی نوازشوں سے گھرے ہونے کی حالت میں بھی یہ نوجوان اپنے ملک اور اپنے تباہ حال باپ کو کبھی نہیں بھولا۔ انتقام کی آگ اس کے سینہ میں بھڑک رہی تھی۔ جنگ طویل میں عثمانیوں کی پہلی شکست کے موقع کو اس نے اپنی تجاویز کے بروئے کار لانے کے لیے مناسب سمجھا۔ نیسیہ کی بدنظمی سے فائدہ اٹھا کر اسکندر نے رئیس آفندی کے گلے پر تلوار رکھدی اور اسے مجبور کیا کہ وہ ایک ایسے حکم پر دستخط کر دے جس میں اقہ حصار کے حاکم اعلیٰ کو شہر اسکندر کے حوالے کر دینے کی ہدایت کی گئی تھی۔ اس خیال سے کہ کہیں اس کا راز فاش نہ ہو جائے اس نے جس وزیر سے فرمان حاصل کیا تھا اس کو قتل بھی کر ڈالا اور تیزی کے ساتھ اقہ حصار کی طرف بڑھا۔ پہلے اس نے یہاں کی کنجیاں حاصل کیں اور پھر قلعے کی فوج کو حالت خواب میں قتل کر ڈالا۔ اسکندر بیگ نے سرداران ارناوط کو اپنے پاس طلب کیا۔ بیڑیلہ، بیڑیلیہ اور اسٹیلوشیہ پر قبضہ کر لیا اور اپنے آباؤ اجداد کی ریاست میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوا۔ اپی ارس کے تمام رؤسا نے اس کو اپنا سردار تسلیم کر لیا اور پندرہ ہزار

کوہستانیوں سے اس نے علی پاشا کے چالیس ہزار آدمیوں کو کامل شکست دیدی (۱۴۴۴ء)؛

مراد کے سلطنت سے دست بردار ہو جانے سے اسکندر بیگ کو اپنی فوجوں کی تنظیم اور لڑائی کی تیاری کا موقع مل گیا۔ فیروز پاشا اور مصطفےٰ پاشا کو باری باری سے شکست ہوئی اور وہ ایپرس کے تخلیے پر مجبور ہو گئے اسی کے ساتھ اسکندر بیگ نے بندقیین (= اہل وینس) پر بھی حملہ کر دیا جو وائنہ میں محصور ہو گئے تھے۔ لیکن مصطفےٰ کے ورود نے اس کو بندقیہ کے ساتھ صلح کرنے پر آمادہ کر دیا۔ خود مصطفےٰ مغلوب ہو کر قید ہوا اور لڑائی میں دس ہزار آدمی کام آئے؛

یہ ہلال کی سخت توہین تھی۔ لہذا مراد ایک لاکھ فوج لے کر اس بے باک شخص کے مقابلے کے لیے بڑھا جو اس کے منہ آرہا تھا۔ سفیطغراد اور دبزہ تسخیر ہو گئے لیکن مراد نے اپنے شہر پر بیس ہزار آدمی دیکر قبضہ حاصل کیا (۱۴۴۷ء)؛

ہنیادی نے سلطان کی پریشانی سے فائدہ اٹھا کر وارنہ کی شکست کا انتقام لینا چاہا۔ چوبیس ہزار فوج کے ساتھ جن میں دس ہزار رومانی بھی شامل تھے اس نے دریائے طونو کو عبور کیا اور صربستانہ پر حملہ کر دیا جس کا بادشاہ اب تک مراد کی وفاداری کا دم بھرتا تھا۔ مراد اپنے باجگذار کی مدد کے لیے نہایت تیزی کے ساتھ بڑھا اور اس کا مجرستانی فوج سے کسادو کے میدان میں مقابلہ ہوا؛

پھر ایک مرتبہ یہ مقام جزیرہ نمائے بلقیہ کی قسمت کا فیصلہ کرنے والا تھا؛

اپنی قسمت پر بھروسہ کر کے اسکندر بیگ کی کمک کا انتظار کئے بغیر ہنیادی نے لڑائی شروع کر دی۔ لڑائی تین دن تک جاری رہی۔ جنگ خشمناک تھی اور مراد کی ڈیڑھ لاکھ فوج کے مقابلے میں پچیس ہزار

عیسائی ایک قدم پیچھے ہٹائے بغیر لڑ رہے تھے مگر رومانیوں کی غداری کی وجہ سے جنھوں نے ہنیادی کا ساتھ چھوڑ دیا تھا مسلمان فتح یاب ہوئے۔ تاہم مجری جنگجو اپنا انتقام لیے بغیر ہلاک نہیں ہوئے اور عثمانی فوج کے چالیس ہزار آدمی مارے گئے (۱۷، ۱۸ اکتوبر ۱۴۴۸ء)۔

اب عثمانی سلطنت کی تمام طاقت کا رخ اسکندر بیگ کی طرف پھر گیا۔ مسلمانوں نے اپی رس کو فتح کر لیا۔ اقچہ حصار کا محاصرہ کر کے ہر طرف سے اس کی ناکہ بندی کر دی گئی کمانڈر یورے کینٹل نے جو اتنا ہی نڈر تھا جتنا کہ بے لوث، سلطان کے تمام تحفوں کو حقارت کے ساتھ واپس کر دیا اور ایک دن یکایک قلعے سے باہر نکل کر دشمن کے تمام آلات محاصرے کو جلا ڈالا۔

اسکندر بیگ مسلمانوں کو برابر پریشان کرتا رہا اور کئی مرتبہ ان پر شبخون مارے اپنے دشمن کے اس شرمناک طریقۂ جنگ سے تنگ آکر جس سے اس کی فوج بالکل خستہ ہو گئی تھی اور اس کے بہترین سپاہی ہلاک ہو چکے تھے۔ مراد نے اسکندر بیگ کو ایک لاکھ ڈوکٹ کی شرط پر باغی ممالک باب عالی کے ماتحت دیدینے کی تجویز پیش کی۔ اپیرس کے بادشاہ نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور سلطان مجبوراً محاصرہ اٹھا کر پھر ادرنہ کو روانہ ہو گیا۔ لیکن اسکندر بیگ پہاڑوں کی گھاٹیوں میں چھپا ہوا اس کا انتظار کر رہا تھا اور سلطان نے مافوق الفطرت کوششوں کے ساتھ اپنے لیے جبراً راستہ تو پیدا کر لیا مگر اس نے اپنی بقیہ فوج کے آدھے سے زیادہ حصے کو بھی تلف کر دیا (۱۴۴۸ء تا ۱۴۵۰ء)۔

اس کے بیٹے کی شادی سلیمان بے کی بیٹی کے ساتھ جو ایک ترکمانی بادشاہ تھا ابھی ہونے بھی نہ پائی تھی کہ سلطان پر سکتے کا دورہ پڑا اور عین جشن شادمانی میں اس کا انتقال ہو گیا (فروری ۱۴۵۱ء)۔

محمد ثانی (۱۴۵۱)

فتح قسطنطنیہ (۱۴۵۳)

محمد ثانی کی تخت نشینی کے بعد ایشیائے کوچک میں بہ استثنائے قرہ مانہ، اسنوف اور طرابزون سلطان کی اطاعت قبول کرلی گئی۔ یورپ میں رومی حکومت میں گھٹتے گھٹاتے صرف قسطنطنیہ اور اس کے مضافات باقی رہ گئے تھے۔ مورۃ، بندقلین اور دوسری بے شمار چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں جو رومی، یا لاطینی سرداروں نے صلیب پرستوں کے ہاتھوں قسطنطنیہ کی فتح کے وقت قائم کی تھیں منقسم تھا۔ اپیرس اور ارناؤطلعہ نے اپنی خودمختاری بہادر اسکندر بیگ کے سپرد کردی تھی۔ بشنامہ نے جو اب تک عثمانی حملے سے بچا ہوا تھا اپنے اختیاراتِ اندرونی کو برقرار رکھا تھا صربتانہ کو جو سلطنت کی ایک باجگذار ریاست تھی فتح کرنے کا قبل از قبل ارادہ کیا جاچکا تھا۔ جزیرہ نمائے بلقان کا باقی حصہ مسلمانوں کے قبضے میں تھا۔ محمد نے اپنے آبا و اجداد کے مقصد کو پورا کرنے اور ان تمام ملکوں کو سلطانی علم کے نیچے پھر متحد کرنے کی ذمہ داری لے لی۔ قسطنطنیہ نے اس کی توجہ کو سب سے پہلے اپنی طرف جذب کیا۔ بایزید یلدریم نے بوغاز کی ایشیائی سمت میں ایک نہایت مضبوط قلعہ کوزل حصار تعمیر کرایا تھا۔ محمد نے اب دوسری جانب اپنے کو بحر اسود کا مالک بنانے کے لیے ایک ایسا ہی قلعہ تعمیر کرنے کا ارادہ کیا۔ اس خبر کو سن کر شاہ قسطنطین نے محمد کے پاس اپنی طرف سے خراج ادا کرنے کے متعلق تقدیم کی اور ایک سفارت بھیج کر التجا کی کہ وہ اپنی اس مہم سے دست بردار ہو جائے سلطان نے متکبرانہ غیظ و غضب کے ساتھ اس کا جواب دیا اور سفیروں کو دھمکی دی کہ اگر پھر وہ ایسا پیام لے کر آئیں گے تو ان کو زندہ جلا دیا

جائیگا۔ قلعہ بہت جلد تیار ہوا اور محمد نے اپنے مذہبی عقاید کی بنا پر یہ خواہش کی کہ اس کی شکل محمد کے نام کے عربی حروف کے مجموعے کی طرح ہونی چاہیے[1]؛

عارضی صلح کو منقطع کر دینے کے لیے بہانہ ڈھونڈ لینا کوئی مشکل کام نہ تھا مسلمانوں نے رومیوں کے علاقے کو جنھوں نے مقاومت کرنے کی کوشش کی تباہ و برباد کر دیا اور پھر سلطان نے بوغازہ کے سرحدی مواضعات کے رومیوں کو قتل کر ڈالا اور بالآخر لڑائی کا اعلان ہو گیا؛

قسطنطین نے بغیر کسی قسم کی مشیخت اور بغیر کسی قسم کی کمزوری کا اظہار کیے ہوئے لڑائی منظور کی اور سلطان کے نام یہ تحریر بھیجی کہ "چونکہ قسمیں معاہدات اطاعت غرض کوئی چیز صلح کا یقین نہیں دلا سکتی اس لیے سوائے لڑائی کے چارہ نہیں۔ میرا اعتماد خدا پر ہے اگر تمھارے دل کو نرم کر دینا اس کی مصلحت میں داخل ہے تو میں تمھاری طبیعت کے اس مستحسن انقلاب پر خوشی مناؤں گا۔ اگر قسطنطنیہ کی فتح اس کی مشیت ہے تو میں اس کی مشیت کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے ادا کیے بغیر سر نیاز خم کر دوں گا۔ لیکن اس وقت جب تک کہ دنیا کے بادشاہوں کے بادشاہ نے اپنا فیصلہ صادر نہیں فرمایا ہے مجھے قطعی زندہ رہنا یا اپنے رعایا کی مدافعت میں مرجانا چاہیے"۔ زمانہ دراز کے بعد ایک بازنطینی بادشاہ کی قلم سے اس قسم کے الفاظ تحریر میں آئے ہیں؛

محمد نے اپنے ارادوں میں کامیابی حاصل کرنے کی غرض سے اس موقعے پر کسی چیز کو نظر انداز نہیں کیا تھا اس نے ایک غدار اور مرتد مجری کو توپیں بنانے کے لیے ملازم رکھا اور یہ حکم دیا کہ توپیں اتنی بڑی ہونی چاہئیں کہ ان میں سب سے بڑی توپ پتھر کے ایک ہزار بارہ قنطال وزنی گولے پھینک سکے۔ اس خطرناک آلے کی تیاری میں سات سو آدمی مصروف تھے ان ہیبتناک آلات کے نظارے نے مسلمانوں کی سرگرمیوں میں

[1] محمد

اور بھی اضافہ کر دیا اور ان میں خود اعتمادی پیدا کر دی؛
رومیوں میں اس کے برخلاف شدید اخلاقی خرابیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ شہر کے اندر بری بری پیشین گوئیاں کی جارہی تھیں۔ لوگوں کو اس امر کا یقین ہو چکا تھا کہ ان کی تباہی کی گھڑی آگئی ہے۔ محاصرے کے نتیجے کے متعلق کسی قسم کا شک وشبہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس وسیع شہر میں اس قدر سخت خطرے کے موقع پر قسطنطین کو صرف (۴۹۷۳) آدمی ایسے مل سکے جو لڑنے پر تیار تھے مگر صرف ایک آدمی کی بہادری تاریخ کی آنکھوں میں ایک پوری قوم کی بزدلی کا کفارہ ہونے والی تھی۔ اور رعایا کی رذالت خود بادشاہ کی شان عظمت میں زیادہ آب وتاب پیدا کرنے والی تھی؛
اپریل ۱۴۵۳ء کے شروع میں ڈھائی لاکھ عثمانیوں نے قسطنطنیہ کو گھیر لیا۔ چودہ مورچے خشکی پر قائم کیے گئے اور (۱۸۰) جہازوں کا ایک بیڑا سمندر میں متعین کر دیا گیا؛
شاہ قسطنطین پیلیولوگ نے یورپ کی عیسائی دنیا سے مدد طلب کی مگر کچھ نتیجہ نہیں نکلا "عیسائیت اس زمانے میں صرف ایک جسم تھی بغیر روح کے ایک جمہوریت تھی بغیر عمال کے' اور پوپ بجلی کی چمک کی طرح صرف تصور میں وجود رکھتا تھا" روحی شہرت ونام کی "آخری آب وتاب کے آخری وارث کے پاس" فوج بھیجنے کے بجائے پوپ نے ایک سفیر بھیجا اور اس میں شک نہیں کہ صلیبی جنگ کی تبلیغ کا وعدہ کیا مگر اس شرط کے ساتھ کہ دونوں مختلف العقاید کلیسا پھر ایک دوسرے سے متفق ہو جائیں؛
جینوا کو جو قسطنطنیہ کی تجارت کا اجارہ دار تھا اور غلطہ میں جس کی بہت سی تجارتی کوٹھیاں تھیں اس شہر کی تقدیر سے بڑا تعلق تھا لہذا وہاں سے جہازوں کا ایک دستہ بہادر جیوسٹ تیانی کی سرداری میں رومیوں کی مدد کے لیے بھیجا گیا؛
عثمانی بیڑے نے التونہ قرنہ کی ناکہ بندی کر دی اور باوجود اس قدر غیر متناسب تعداد کے بھی جیوسٹ تیانی نے کسی قسم کا پس وپیش

نہیں کیا۔ پانچ جہازوں کے ساتھ اس نے ایک سو پچاس عثمانی کشتیوں پر حملہ کیا اور ان کو منتشر کردیا اور جلوس فتح کے ساتھ شہر میں داخل ہو گیا (۲۱۔ اپریل ۱۴۵۳ء) اور اس طرح محصورین کی ہمت بڑھا دی، بہرحال کل پانچ ہزار اجنبی قلعے کی فوج میں اضافہ کرنے کی غرض سے آئے۔

شہر کی مایوسانہ مقاومت کو ختم کر دینے کی غرض سے سلطان نے خشکی کے راستے سے القونہ قرنہ میں اپنے جہازوں کو منتقل کر دینے کی دلیرانہ تدبیر سوچی۔ یہ کام نہایت ہوشیاری اور کامیابی کے ساتھ انجام کو پہنچایا گیا۔ دو لیگ (= کوس) تک زمین پر تختے بچھا دیئے گئے، جن پر چربی لگی ہوئی تھی اور چھوٹے اور بڑے ستر جنگی جہازوں نے ایک ہی رات میں اس راستے کو طے کر لیا۔

"ہر جہاز کے اگلے حصے پر کپتان اور پچھلے حصے پر جہاز راں موجود تھا۔ بادبان ہوا میں پھیلا دیئے گئے تھے۔ قرنا بجائی جا رہی تھی نقارے پٹ رہے تھے اور صبح کے وقت محصورین نے یکساں خوف اور تعجب کے ساتھ ستر سے زیادہ ترکی جہازوں کو اپنی بندرگاہ کے وسط میں لنگر انداز دیکھا"[1]۔

جیوسس تیانی نے اس بیڑے کو جلا ڈالنے کی بے سود کوششیں کی مسلمان ہر طرح ہوشیار تھے اور غلطہ کے ژنوفیوں کی غداریوں نے ان کو کافی سبق دیدیا تھا۔

پچاس دن کے محاصرے کے بعد محاصرہ کرنے والوں کی توپوں نے چار برج گرا دیئے اور مارومانوس کے دروازے کے قریب ایک بڑا شگاف فصیل میں ڈال دیا۔

اس نازک وقت پر رومی قیاصرہ کا وارث اپنے آباؤ اجداد کی شان وعظمت کو نہیں بھولا۔ اطاعت قبول کر لینے کا مطالبہ کئے جانے پر قسطنطین نے جواب دیا کہ میں آخری دم تک اس سلطنت کی مدافعت کروں گا

---

[1] Von Hammer

جو مجھے خدا نے عطا کی ہے؛ سلطنت بازنطہ کی خطرناک تباہی عالمگیر بداخلاقیوں اور اپنی رعایا کی ذلیل و مایوس کن خصلتوں کے باوجود بازنطہ کے اس آخری قیصر نے اپنی بہادری سے قبائے شاہی کی عظمت کو برقرار رکھا جو اتنے عرصے تک نا اہل اور نالائق بادشاہوں کے ہاتھوں زمین پر گھسٹ رہی تھی۔ ہمیشہ شکستہ مقامات پر حاضر رہنے والے ہمیشہ چوکیوں کا معائنہ کرتے رہنے والے لڑائی میں سب سے آگے اور پسپا ہونے میں سب کے پیچھے رہنے والے قسطنطین نے مختلف طریقوں سے اپنی رعایا کی ہمت بندھانے کی کوشش کی۔ شہر کی دیواروں کی مرمت کی گئی دشمن کی توپوں کی توڑی ہوئی دیواروں کے پیچھے دوسری دیواریں تعمیر کر لی گئیں۔ اور پھر امدادی فوجوں نے نہایت خطرناک مورچوں پر قبضہ کر لیا۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس عرصے میں قسطنطنیہ کے باشندے کیا کرتے رہے۔ اس کے بجائے کہ وہ ہتھیار سنبھالتے اور شہر کی فصیلوں کی طرف جھپٹ پڑتے رومی اپنا وقت ماتم میں صرف کرتے رہے اور صرف آپس کے بے نتیجہ اختلافات میں ضائع کرنے کے لیے ان کو کافی ذہانت اور طاقت حاصل تھی؛

ادھر بعض لوگ حضرت مریم کی مورت کے سامنے گھٹنوں کے بل کھڑے ہوئے گریہ کناں تھے جس کی اعجازی قوت محافظت ان کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے پہلے نجات دلا چکی تھی۔ اب بھی وہ اس کی مدد مانگ رہے تھے دوسری طرف کچھ لوگ "قدم نور" کے اوپر آوازیں کس رہے تھے کچھ حضرت مریم کی پاک دامانی کے متعلق آپس میں لڑ جھگڑ رہے تھے اور کچھ کیتھولک عقیدے کے مغربی عیسائیوں پر تبرّیٰ کر رہے تھے؛

پوپ نے لاطینی فوجوں کی مدد کا اس شرط کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ مجلس فلارنس کے عقائد کو اختیار کر لیا جائے۔ اس تجویز نے غم و غصے کا ایک طوفان برپا کر دیا تھا اور ہذیان زدہ آبادی بار بار یہ نعرے لگا رہی تھی کہ "لاطینیوں کے مقابلے میں ترک بہتر ہیں" مغربی کیتھولک مشرقی عیسائیوں کو بچا سکتے تھے مگر رومیوں نے رومہ کے دینی پیشوا کی اطاعت قبول کرنے کے

بجائے نبیؐ عربی کے جانشینوں کی غلامی کو ترجیح دی ان کی یہ خواہش عنقریب ہول انگیز خطرناک طریقے پر پوری ہونے والی تھی؛

۲۴ مئی کو محمد نے صلح کا جھنڈا محصورین کے پاس روانہ کیا اور اس بات کا وعدہ کیا کہ اگر شہر نے اطاعت قبول کر لی تو باشندوں کے جان و مال سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا اور موریہ کو ایمپرر کے قبضے میں دیدیا جائے گا؛ مگر قسطنطین نے اپنے دارالسلطنت کے کھنڈروں میں دفن ہو جانے کو ترجیح دی؛ ادھر یورش کے لیے ۲۹ مئی کی تاریخ مقرر کر دی گئی۔ جنگی جوش و خروش اور مذہبی جذبہ عثمانی فوجوں میں اپنے انتہائی نقطے تک پہنچ چکا تھا۔ صاف نظر آتا تھا کہ ایک زندہ قومیت اور ایک نوجوان مذہب کی زبردست کوششیں ایسی مفلوج قوم کو پیس کر رکھ دینے والی ہیں جو مذہبی اختلافات کی بنا پر ختم ہو چکی تھی اور ہر قسم کی برائیوں نے اس کو سڑا دیا تھا۔ سب سے زیادہ انعام ان لوگوں کو دینے کا وعدہ کیا گیا جو اس حملے میں سب سے پیش پیش رہیں۔ انعامات اور بڑی بڑی جاگیریں دسنجک) تک جانبازی کی قیمت قرار دی گئیں؛ درویش تمام کیمپ میں سپاہیوں کو اپنے سچے مذہب کے لیے جنگ کرنے پر ابھارتے پھر رہے تھے اور نبیؐ کریم کے یہ الفاظ ان کی زبان پر جاری تھے کہ "کوئی معبود نہیں ہے سوائے اللہ کے اور محمدؐ اس کے رسول ہیں۔ اللہ ایک ہے اور کوئی اس کا شریک اور ثانی نہیں ہے"؛

آخر کار وہ مبارک دن آ گیا۔ ڈیڑھ لاکھ آدمی اس شہر کی طرف جھپٹ پڑے جس کی حفاظت ایسے مٹھی بھر آدمی کر رہے تھے جو سات ہفتوں کی شدید لڑائی سے تھک چکے تھے۔ دو گھنٹے تک لڑائی عدیم النظیر اور اس شدت کے ساتھ ہوتی رہی جس کی مثال کبھی سننے میں نہیں آئی؛ حملہ آوروں کے جوش و خروش کا جواب قلعے کی فوج نے اپنی مایوسانہ سرگرمیوں سے دیا۔ رومی آتش باری نے جہازوں کو گھیر لیا۔ تیر اور پتھر عثمانیوں کے سر پر لگاتار برسائے گئے اور خندقوں کے اندر ان کو خون میں نہلا دیا گیا۔ حملہ آور اس غیر متوقع مدافعت پر

متعجب ہو کر پسپا ہو رہے تھے کہ شیخ احمد قرآنی اور شیخ اقہ شمس الدین زور زور سے قرآن کریم کی وہ آیتیں[1] پڑھتے ہوئے جو قسطنطنیہ کی فتح کے متعلق ہیں لڑائی میں کود پڑے ان دونوں بزرگوں کا تمام فوج احترام کرتی تھی۔ ان کی ترغیب اور نظیر نے حملہ آوروں کو پھر جوش دلادیا اور لڑائی بہ نسبت پہلے کے اب بہت زیادہ تیزی کے ساتھ شروع ہوئی؛

رومیوں کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر جو باب سر کو پورتہ کو بند کرنا بھول گئے تھے مسلمان آخر کار شہر میں داخل ہو گئے۔ خوف زدہ لوگ ہر طرف فرار ہونے لگے مخبوط الحواس آبادی نے ایا سوفیہ کے گرجا میں اس فرشتے کے انتظار میں پناہ لی جو ایک بھولی بسری پیشینگوئی کے مطابق ان کو مسلمانوں کے ہاتھ سے بچانے والا تھا؛

مسیحی بطریق نے اپنا مقدس لباس پہنکر نماز شروع کر دی اس کے چاروں طرف خوف زدہ لوگ جھکے ہوئے ہیں اور اپنے کانپتے ہوئے ہاتھ حضرت مسیح (علیہ السلام) کی طرف پھیلائے ہوئے ہیں کہ یکایک دروازے سے فاتحین کے جنگی تیر کھا کر گر پڑتے ہیں اور گرجا لاشوں سے پٹ جاتا ہے۔ بطریق ایک مہلک ضرب کھا کر گرتا ہے۔ اور ایا سوفیہ آلودہ ہو کر اس کے بعد سے (نبی کریم صلعم) کے مبارک نام پر متبرک بنا دیا جاتا ہے[2]؛

قسطنطین ایک سپاہی اور ایک سپہ سالار کی طرح مصروف عمل تھا۔ اجنبی فوجوں کے ساتھ وہ اب تک اس مقام پر مصروف جنگ تھا جہاں دیواریں

---

[1] ۔ فتح استنبول کی پیشین گوئی اور بشارت حدیثوں میں منقول ہے۔ قرآن شریف میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ مترجم

[2] ۔ ایک رومی افسانے میں بیان کیا گیا ہے کہ عین اس وقت جب کہ مسلمان قربان گاہ کی طرف بطریق کو قتل کرنے کے لیے جھپٹے دیوار اس کے اور نمازیوں کو راستہ دینے کے لیے شق ہو گئی۔

ایک پیشین گوئی میں بیان کیا گیا ہے کہ جس دن ترک قسطنطنیہ سے نکال دئے

شگاف ہو گیا تھا۔ اپنی رعایا کی بھاگڑ کو دیکھ کر اس نے جان لیا کہ اب خاتمہ ہے اس نے اپنے ملک کی تباہی اور اپنی رعایا کے قتل عام کے بعد دنیا میں باقی رہنا پسند نہیں کیا مٹھی بھر بہادروں کو جمع کر کے وہ عثمانی فوج کے اندر گھس گیا۔ اور بہادری کی تعجب خیز شان دکھا کر لاشوں کے ڈھیر میں گر پڑا قسطنطین حقیقت یہ ہے کہ ایک سپاہی اور ایک بادشاہ کی طرح ہلاک ہوا۔[۱]

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ جائیں گے دیوار پھر شق ہو گی اور ربطریق باہر نکل کر اس نماز کو پورا کرے گا جو چار صدی قبل ادھوری رہ گئی تھی۔

[۱]۔ (یوربین مورخین جیوسس تیانی پر یہ الزام رکھتے ہیں کہ اس نے ایسے وقت صعب میں علحدگی اختیار کر لی اور لڑائی کو چھوڑ کر چلا گیا۔ مگر یہ ایک صریح بہتان ہے جو کچھ تو وینس والوں نے جو جنیوا والوں کے پکے دشمن تھے اور کچھ خود جیوسس تیانی کے سپاہیوں نے اپنی پسپائی کے عذر کے طور پر مشہور کر دیا ہے رومی مورخین اس کی بہادری کے معترف اور اس پر بالکل متفق ہیں سری ٹو بولاز جو محمد ثانی کا ہمعصر تھا اپنی حیات بادشاہی میں لکھتا ہے کہ یکایک جیوس تیانی گولہ باری کے دوران میں ایک گولے سے سینے میں مہلک زخم کھا کر گر پڑا اور اس کے تمام سپاہی مایوس ہو کر ان مورچوں اور دیواروں کو چھوڑ کر جہاں وہ لڑ رہے تھے بھاگ کھڑے ہوئے انھوں نے صرف اپنے سردار کو جہاز میں منتقل کرنے اور خود بھی وہاں پناہ لینے کا ارادہ کیا اگرچہ شاہ قسطنطین نے ان سے اس وقت تک ٹھہرنے کی التجا اور خوشامد کی جب تک کہ لڑائی ختم نہ ہو جائے لیکن اس کے عزیز سپاہیوں نے ایک نہ سنی اپنے سردار کی لاش اٹھائی اور دوسروں کا خیال کئے بغیر وہ تیزی کے ساتھ جہازوں کی طرف بھاگ گئے"۔

تھریکس تھری نوز اپنی منظوم ترکی تاریخ میں جو ۱۵۹۷ء میں مرتب کی گئی تھی بیان کرتا ہے۔" لیکن ایک آدمی نے حسد سے بہادر کپتان جیوس تیانی کے ایک بندوق سے گولی ماری اور اس عظیم الشان ہستی کی ہلاکت کا باعث ہوا کہا جاتا ہے کہ جس شخص نے اس پر نوی کے لیے مکاری کا یہ دام تیار کیا تھا جیسا کہ اشرار کا طریقہ ہے وہ خود شہر کے رومیوں ہی میں کا ایک شخص تھا"۔)

فتح کے نشہ میں مدہوش ہو کر فاتحین نے کسی شئے کا بھی احترام نہیں کیا تین دن تک شہر میں لوٹ مار مچی رہی اور قسطنطنیہ بے قابو سپاہیوں کا شکار بنا رہا۔ بادشاہ کے چھوٹے بیٹے نوتاراس کے علاوہ اس کے تمام بیٹوں، خاص خاص غیر ملکی سرداروں اور متعدد رومی امرا کو قتل کر دیا گیا؛

قسطنطنیہ کی تسخیر نے سلطنت بازنطہ کے تمام قدیم ممالک پر وحشت اور خوف طاری کر دیا۔ "ساری سلطنت رومہ کو محسوس ہوا کہ اس پر یکایک تباہی اور بربادی نازل ہو گئی ہے۔ مورۃ اور جزائر میں لوگ بغیر یہ جانے ہوئے کہ کہاں جا رہے ہیں جدھر منہ اٹھا بھاگ کھڑے ہوئے۔ سمندر کی سطح ان جہازوں سے ڈھک گئی جن پر بھاگنے والے رومیوں کا مال اسباب لدا ہوا تھا۔ اور پہاڑوں، جزیروں یا ان خانقاہوں میں منتقل کیا جا رہا تھا جہاں وینس اور جنیوا والوں نے پناہ لی تھی۔ ایک وقائع نگار کا قول ہے کہ یہ بربادی اور تباہی بالکل ویسی ہی تھی جیسی کہ بیت المقدس کی فتح کے بعد یہودی قوم پر نازل ہوئی تھی"؛

جب سپاہی مال یغما اور قتل و غارت سے اکتا گئے تو محمد نے ایسے سیاسی آئین و قوانین کے ذریعے سے اپنی فتح کو مستقل بنانا چاہا جو اس کی نئی رعایا کے طور طریق اور عادتوں کے مناسب حال ہوں؛

ایک فرمان کے ذریعے سے تمام ان رومیوں کو جو عثمانی سلطنت میں ہر طرف پھیلے ہوئے تھے پھر قسطنطنیہ میں واپس آجانے کا حکم دیا گیا اور ان سے وعدہ کیا گیا کہ وہ آزادی کے ساتھ اپنے مذہبی اعتقادات اور رسم و رواج کی پابندی کر سکیں گے اور یہ کہ ان کو ان کی جائدادیں واپس کر دی جائیں گی؛

چنانچہ رومیوں نے ان تمام گرجاؤں کو محفوظ کر لیا، جو کلیسائے ارمینیہ سے لے کر باب الادرنہ تک واقع تھے سلطان کے حکم سے ایک نیا بطریق ان تمام رسموں کے ساتھ جو اس موقعے پر عمل میں لائی جاتی تھیں منتخب کیا گیا۔ اور جب جارج اسکولیریس (جنیڈیس) کے سر پر تاج رکھا گیا تو سلطان نے اس سے مخاطب ہو کر کہا؛

"تم بطریق ہو، خدا تمھاری حفاظت کرے، ہر حالت میں مجھے اپنا دوست سمجھتے رہو اور ان تمام مراعات وحقوق سے بہرہ اندوز رہو جو تمھارے اسلاف کو حاصل تھے۔"

اپنے مذہب اپنی جائداد اور ان میں اپنے ہی انتظام کے حقوق حاصل کرکے رومی ایک وسیع جماعت بن گئے، جو فاتح قوم سے بالکل جدا تھی۔ وہ دُہرا دُہرا محصول سرشماری ادا کرتے تھے، ایک اپنے لیے اور ایک اپنی زمینوں کے لیے۔ بطریق، ان کا سردار تھا اور مجلس دینی (سائی نوڈ) اس کی مددگار۔ اس کو وزیر کا مرتبہ حاصل تھا اور اس کے ماتحت ملینی شرطی کا ایک دستہ تھا دیوانی اور فوجداری کے تمام مقدمات جو قسطنطنیہ کے ضلع کی رومی رعایا سے متعلق ہوتے، اس کی عدالت میں پیش کیے جاتے تھے۔ چونکہ پادریوں کے طبقے میں اس کو خاص اعزاز حاصل تھا اس لیے اس عدالت کو تمام قسم کی سزاؤں کا بشمول سزائے موت اختیار تھا اور فوجی عہدہ دار پابند تھے کہ ان سزاؤں کا نفاذ کریں۔

مجلس دینی کو قوم کی مجلس اور ساتھ ہی عدالت مرافعہ دونوں کا مرتبہ حاصل تھا اس کے ارکان پر بطریق کی طرح زمین کا خراج معاف تھا ہر بطریق کو اپنے علاقے میں وہی حقوق اور مراعات حاصل تھیں جن سے قسطنطنیہ کا بطریق بہرہ اندوز تھا۔

بڑے بڑے خاندانوں کی منضبطہ جاگیروں کو اثمار میں تبدیل کردیا گیا تھا لیکن رعایا کی جائدادیں رعایا ہی کے پاس تھیں اور انھیں صرف خراج یا مالیہ ادا کرنا پڑتا تھا۔

ہر جاگیر کا انتظام وہ مختار کرتا جس کو نامزد کردیا جاتا اور یہی وہ لوگ تھے جو مالگزاری اور دوسرے محاصل وصول کیا کرتے تھے۔

ترکوں نے مفتوحین کی مذہبی اور اجتماعی تنظیمات کے احترام ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انھوں نے ان کے انتظامی اور سیاسی طریقوں کو بھی درست کردیا۔ جس طرح ایک رومی نے رومہ کو اس کی برائیوں اور

بداخلاقیوں کے ذریعے سے فتح کیا تھا، وہی کیفیت اب بائی زنطہ کی بھی ہوئی، اس سے کوئی بحث نہیں کہ آیا صوفیہ پر صلیب چڑھی ہوئی ہے یا قسطنطین کے اس قدیم گرجا کو مسجد بنا دیا گیا ہے چاہے اس کو بائی زنطہ کہا جائے یا استانبول حقیقت یہ ہے کہ سلطنت بائی زنطہ ہمیشہ باقی رہے گی۔ سلطان کی حرم سرا میں قصر بلیقر نیتر کے طریقے برتے جاتے ہیں۔ قسطنطین پورفی روجینی ٹوز کی کتاب التقاریب کے اصول نے استانبولی دربار میں نشاۃ ثانیہ اور حیات جدیدہ حاصل کی ہے اس کی بائی زنطنی طرز کلام و محاورات کی جھلک ان مبالغہ آمیز تملّقات میں بھی پائی جاتی ہے جن سے سلطان کے حضور میں کام لیا جاتا ہے۔ بی سی لیوز جو "نہایت عظیم الشان ہے۔ جو نہایت مقدس ہے جو ہمیشہ فتحیاب رہتا ہے جو خدا کا منتخب بندہ ہے جو رسولوں کا ہم رتبہ ہے جو داؤد علیہ السلام ثانی ہے جو ایسا پال ہے جس کی ذرہ بکتر اور جس کی سپر خود خدا کی ذات ہے" یہ قدیم القاب ترک خلیفہ کے ان القاب سے کسی طرح کم نہیں ہیں "جو تمام دنیا کا مالک ہے جو مسلمانوں کی آنکھ کا تارہ ہے جو اعلیٰ خصائل رکھنے والے بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ جو مذہب کی پشت و پناہ ہے اور جو کھلا ہوا ظل اللہ ہے" آج بھی سلطانی حرم سرا اپنی عیاشیوں کے ساتھ آرام گاہ بیگمات بنا ہوا ہے اور اپنی ان سازشوں کے ساتھ برقرار ہے جو سلطنت کی قسمتوں کا فیصلہ کرنے والی ہیں۔ اور جن میں خواجہ سرا ضرورت سے زیادہ مصروف عمل نظر آتے ہیں یہ موخر الذکر ہستیاں ایک ایسے کمزور اور احمق بادشاہ کے زیر سایہ حکومت کرتی ہیں جس کی مہار یا تو کسی منظور نظر بیگم کے یا اس کی اولوالعزم ماں کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔ یہ لوگ فوجوں کی قیادت کرتے ہیں وہ جس شہزادے کی کمر سے چاہتے ہیں عثمانی تلوار بالکل اسی طرح باندھ دیتے ہیں جس طرح کہ پہلے انھوں نے اپنے منتخب کیے ہوئے بادشاہ کے شانوں پر جامۂ شاہی ڈال دیا تھا۔ وہ مصائب اور آفات جن پر سلاطین کی تاریخ ختم ہوتی ہے ویسے ہی مسلسل ویسے ہی خونیں اور ویسے ہی ہیبتناک ہیں جیسی کہ

وہ آفتیں اور بلائیں تھیں جنھوں نے قیاصرہ کو سرفرازانہ اور تہ وبالا کر دیا تھا اور یہ ایوانِ شاہی کی انھیں سازشوں کا ایک سلسلہ ہے جن کا سمجھنا سخت مشکل ہے اور جو ہمیشہ سفاکانہ مظالم پر ختم ہوتی ہیں "

چوتھا باب

محمد ثانی (۱۴۵۳ء تا ۱۴۸۱ء)

جزیرہ نمائے بلقان کی تسخیر۔ جنگ بندقیہ (۱۴۶۳ء تا ۱۴۷۹ء) فتح القرم (۱۴۷۶ء) بندقیہ کی صلح (۱۴۷۹ء) محاصرۂ رھوڈس (۱۴۸۰ء) قانون نامہ۔ علماء

جزیرہ نمائے بلقان کی تسخیر۔ جنگ بندقیہ (Venice) ۱۴۶۳ء تا ۱۴۷۹ء

قسطنطنیہ کی فتح سے جو خوف دریائے طونو تک پھیل گیا تھا اس سے فائدہ اٹھا کر محمد نے نہایت چستی کے ساتھ جزیرہ نمائے ایریم تک اپنی فتوحات کو بڑھا دیا۔ مورۃ میں ڈیمیریس اور تھامس پیلیولوگوز نے جو آخری شاہ بائی زنطہ کے بھائی تھے بارہ ہزار ڈوکٹ سالانہ پر خود بخود صلح کر لی۔ یہ بزدلی ان کی تباہی میں صرف تھوڑے عرصے تک حائل ہو سکی اس لیے کہ آٹھ سال کے بعد ۱۴۶۲ء میں محمد نے مورۃ کو پھر اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔

صربستانہ پر حملہ کرکے اس کو بالکل ویران کر دیا گیا۔ پچاس ہزار قیدیوں کو جن میں عورتیں اور مرد دونوں شامل تھے، گرفتار کر لیا گیا لیکن ہنیادی یلغار کرتا ہوا بڑھا اور مراد ثانی کے اس خطرناک حریف نے فیروزبے کو پیس ڈالا (۱۴۵۴ء)۔ اہل صربستانہ جو رومی کنیسہ کے پیرو تھے، کیتھولک عقیدے کے اہل مجرستانہ کے ساتھ اسی قدر عناد اور نفرت رکھتے تھے جس قدر کہ رومیوں کو کنیسئہ غربیہ کے ساتھ تھی۔ جارج برانکوویش نے تیس ہزار ڈوکٹ کی قیمت پر ایک شرمناک اور ایسی صلح کرنے میں جلدی کی جس کا تمام تر انحصار محمد کی مرضی پر تھا۔ صربستانی وقائع میں ایسے واقعات مل سکتے ہیں جو اس نفرت کے خصوصیات میں داخل تھے اور جنھوں نے اہل صربستانہ کو کنیسئہ غربیہ کے پیرووں یا غاوی قوم سے بالکل علیحدہ کر دیا تھا؛

جنگ کے جاری رکھنے کے متعلق ہنیادی کی التجاؤں کے جواب میں برانکوویش نے اس سے یہ سوال کیا کہ "اگر تم فتحیاب ہوئے تو ہمارے مذہب کے ساتھ کس طرح پیش آؤگے؟" "میں ہر جگہ کیتھولک کلیسا قائم کر دوں گا" مجرستانی فاتح نے جواب دیا۔ قرال صربستانہ کے سفیروں کو جنھوں نے اس سے بھی یہی سوال کیا تھا، عیار سلطان نے بغیر کسی قسم کے پس و پیش کے یہ جواب دیا کہ "ہر مسجد کے متصل ایک گرجا تعمیر کیا جائے گا جہاں تمھاری رعایا اپنے خدا کی پرستش کر سکیگی"؛

بائی زنطہ کے رومی یہ جواب سنکر چلا اٹھے کہ "ترکی عمامہ کارڈنل[1] کی ٹوپی (ہیٹ) سے بہتر ہے" اہل صربستانہ، جنھیں مجرستانہ کے کیتھولک لوگوں نے ہزاروں مرتبہ تباہی سے بچایا تھا اب ان کی اعانت کو ٹھکرا رہے تھے اور اپنی کوتہ بینی کا شکار ہو رہے تھے؛

ادھر عثمانی بیڑے کو تھیاسس، سیموتھریس، امبروس اور لیمنوس کو

---

[1] کیتھولک کلیسا کا راہب

تسخیر کر لینے کے بعد، کوسس کے محاذ میں ایک شدید جنگ کا مقابلہ کرنا پڑا اور رھوڈس کے محاصرے میں بالکل ناکامیابی حاصل ہوئی اور ادھر سلطان ڈیڑھ لاکھ فوج اور تین سو توپیں ساتھ لے کر صربستانہ میں در آیا اور بغیر کسی قسم کی مقاومت کے پیش آئے بلغراد کے سامنے پڑاؤ ڈال دیا۔ ہنیادی فوراً میدان میں اتر آیا۔ محاصرہ کرنے والوں کا بیڑہ تباہ کر دیا گیا۔ ایک عام حملے میں ناکامی ہوئی اور حملہ آوروں کو، جن کا خیموں تک تعاقب کیا گیا تھا، مجبوراً محاصرہ اٹھا لینا پڑا۔ ان لوگوں نے خندقوں میں چوبیس ہزار لاشیں چھوڑیں اور ایک توپ بھی اپنے ساتھ واپس نہ لیجا سکے۔ یہ عظیم الشان مجرستانی سالار سپاہ اپنی فتح سے عرصے تک بہرہ اندوز ہونے کے لیے زندہ نہیں رہا۔ اور مسلمانوں کی ہزیمت کے چوبیس دن بعد وہ ایک زخم کے صدمے سے جو لڑائی میں لگا تھا ہلاک ہو گیا؛

ہنیادی کی موت نے مسلمانوں کو ایک ایسے صعب دشمن سے نجات دلادی جس کا ہمسر اب تک ان کی نظر سے نہیں گزرا تھا۔ صدر اعظم محمد پاشا نے جو صربستانہ کو واپس آ گیا تھا سمندریہ پر قبضہ کر لیا اور دو سال میں اس ملک کو کامل طور پر فتح کر لیا، جس پر اس قدر کثرت کے ساتھ حملے کیے گئے تھے اور جو اتنی مرتبہ تباہ و برباد کیا جا چکا تھا (۱۴۵۸ء تا ۱۴۶۰ء)۔ آبادی کے زیادہ جوشیلے حصے نے پطریک کے زیر قیادت غلامی پر جلاوطنی کو ترجیح دی۔ مجرستانہ میں پناہ لے کر اہل صربستانہ نے ایک قسم کی جنگی نوآبادی قائم کر لی، جو شاہان مجار کے لیے ان کے بہترین سپاہی فراہم کرتی تھی۔ آل عثمان کو ان سے زیادہ سخت و صعب دشمنوں سے حقیقت یہ ہے کہ اور کسی جگہ پالا نہیں پڑا۔ صربستانہ کی فتح کے بعد فوراً ہی بشنامہ بھی فتح ہو گیا؛

خراج کا مطالبہ ہونے پر بشنامہ کے مطلق العناں بادشاہ نے نہایت غرور کے ساتھ انکار کر دیا۔ محمد پاشا نے ایک خفیف سی لڑائی کے بعد بادشاہ اور اس کے خاندان کو جس نے کلنکس کے قلعے میں پناہ لی تھی گرفتار کر لیا۔

صدر اعظم نے قسم کھائی تھی کہ اگر قلعہ فتح ہو گیا تو بادشاہ اور تمام باشندوں کی جاں بخشی کر دی جائے گی۔ سلطان محمد نے اپنے عہد سے خلاف ورزی کر کے مغلوب بادشاہ کو قتل کرا دیا اور اپنے اس فعل کے جواز کے لیے مفتی علی بستانی سے فتویٰ حاصل کر لیا، جس نے اس معاہدے کو ارشادِ نبوی کے خلاف قرار دیکر منسوخ کر دیا (۱۴۶۳ء) بعض مورخین کا بیان ہے کہ مجنونانہ جوش میں مفتی علی بستانی نے اپنے ہاتھ سے اس کو قتل کیا۔ صربستانی سلطنت، جو دوشانہ اعظم کے زمانے میں اس قدر زبردست اور مستحکم تھی، اب بالکل فنا ہو گئی۔ اس کے تمام صوبے ایک ایک کر کے فاتح کسادو کے قبضے میں آ گئے۔ صرف اس کے قبائل قرہ داغ کے پیچ در پیچ بھول بھلیاں میں پناہ لے کر اپنی خود مختاری کو قائم رکھ سکے اور آج بھی وہ عثمانی طاقت کے مدمقابل بنے ہوئے ہیں؛

بشنامہ کے سقلبی لوگوں نے اپنے صربستانی بھائیوں کی تقلید نہیں کی۔ بعض نے آزادی کے ساتھ کسی اجنبی ملک میں جلا وطن ہو جانے کو ترجیح دی اور بعض نے اپنے وطن ہی میں مقیم رہ کر اپنی عیسائیت کی حفاظت کرنے کی غرض سے اپنی جائداد کا اپنی عزت اور اپنی عظمت سب کو قربان کر دیا۔ امرا کو جن کے ساتھ سلطان جیسا چاہتا تھا برتاؤ کرتا تھا یہ موقع دیا گیا کہ یا تو وہ اپنے مذہب کو اختیار کر لیں یا اپنی طاقت اور عظمت کو۔ انھوں نے اپنے مذہب کو ترک کرنے کے بجائے اپنی طاقت اور اپنے اقتدار کو تج دینے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں کیا اور معمولی رعایا کی المناک حالت کو جو اپنے آقا کی صوابدید پر محصول ادا کرنے اور محنت و مزدوری کرنے پر مجبور تھی ترک مذہب پر ترجیح دی؛

اہل بشنامہ نے اس کے برخلاف اپنی جائداد اور اپنی عزت کو بچانے اور اپنی طاقت کو برقرار رکھنے کی خاطر بغیر کسی تاسف کے اسلام قبول کر لیا۔ سرداران بشنامہ اب جنگی جاگیرداروں کے بجائے بغیر کسی پس و پیش کے مسلمان بن گئے اور ان کی شورشوں اور مسلسل بغاوتوں نے

باب عالی کو بہت کچھ پریشان اور ان کو چار سو برس تک ایک حد تک خود مختار بنائے رکھا تا آنکہ عمر پاشا نے ان کی طاقت کو پامال کر دیا؛

جان ہنیادی کا بیٹا میتھیاس کاروِن اس کا لائق جانشین ہوا۔ جس نے ترکوں کو اپنی تازہ فتوحات پر اطمینان کے ساتھ قابض نہیں رہنے دیا۔ ۱۴۶۴ء کے آغاز میں اہل مجرستانہ نے یلتہ پر پھر قبضہ کر لیا اور سلطان کو اپنے شہر کی فصیلوں کے نیچے شکست اٹھانی پڑی؛

جس زمانے میں محمد پاشا صربستانہ اور بشنامہ کی فتح میں مصروف تھا محمد نے اہل جنیوا اور سنوب سے اماسیہ کو فتح کر لیا تھا۔ ڈیوڈ کامنے نوس نے، سلطان کی دھمکیوں سے خوف زدہ ہو کر شہر کی کنجیاں اس شرط سے سلطان کے حوالے کر دیں کہ اس کی جاں بخشی کی جائے اور اسے اپنا مال و متاع اپنے ساتھ لیجانے کی آزادی دیدی جائے۔ شاہ بشنامہ کی حالت سے اسے یہ سبق حاصل کرنا چاہیے تھا کہ فاتح سلطان کس حد تک اپنے عہد و پیماں کی پابندی کیا کرتا ہے؛

اپنے آٹھ بیٹوں کے ساتھ قید ہو کر ڈیوڈ کے سامنے یہ دو صورتیں پیش کی گئیں کہ یا تو وہ عیسائی مذہب کو چھوڑ دے یا پھر اپنے تمام خاندان کے ساتھ مرنے پر تیار ہو جائے کامے نینس کے آخری بادشاہ نے اس موقعے پر اس سے کچھ کم استقلال ظاہر نہیں کیا جتنا کہ پیلیولوگی کے آخری بادشاہ نے بہادری کا اظہار کیا تھا۔ ڈیوڈ اور اس کے سات بیٹے ہلاک کر دئے گئے اور یہ سب اپنے مذہب کی حمایت میں شہید ہوئے[1]؛ ملکہ ہلینیا نے سلطان کے غصے کی پروا نہ کر کے شہادت گاہ پر آگئی اور اپنے خاوند اور بیٹوں کے لیے قبر کھود کر خود ان کی لاشوں کو دفنا دیا (۱۴۶۱ء)؛

---

[1] ڈیوڈ کے سب سے چھوٹے بیٹے نے ڈر کر اسلام قبول کر لیا کامے نیس کے خاندان کی ایک شاخ نے جو شاہان بائی زنطہ کی اولاد میں تھا کار سیکا میں پناہ لی۔ ماں کی طرف سے یہی وہ خاندان ہے جس سے جنرل جونا رٹ اور ڈیوک آف ابرانٹیز کا تعلق تھا۔

اپنی تازہ فتح، صربستانہ کو، مجرستانہ کے حملوں سے بچانے کی غرض سے محمد نے اپنے ہتھیاروں کا رخ حاکم رومانستانہ، ولاد جلاد کی طرف پھیر دیا۔ اس بادشاہ کے ظلم و جور کی وجہ سے اس کی رعایا اسے طراقول (ابلیس) کے نام سے پکارتی تھی اور مسلمان اسے قازیقلی و و واد (حاکم جلاد) کہتے تھے، جس کی وجہ وہ سخت عذاب اور اذیت تھی جو وہ ان پر عائد کرنے کا عادی تھا؛

ذیل کے واقعے سے قارئین پر اس ہیبت ناک عفریت کے خصائل اچھی طرح واضح ہو جائیں گے سلطانی سفرائے اس کے روبرو اپنا سر اپنے رسم و رواج کے مطابق ننگا کرنے سے انکار کر دینے پر اس نے ان کے عمامے کیلوں کے ذریعے سے ان کے سروں میں یہ کہکر ٹھکوا دیئے کہ وہ ان کو ہمیشہ کے لیے ایسے رسم و رواج سے آزادی دلادیگا جو ان کو ناپسند تھے؛

محمد نے اس بادشاہ کے خلاف اس توہین کا انتقام لینے کی غرض سے جنگ کا اعلان نہیں کیا تھا بلکہ اس کی مشکلات خالص سیاسی حیثیت رکھتی تھیں؛ ولاد نے فوراً اطاعت قبول کر کے صلح کر لی جس کو آج تک حقوق اہل رومانستانہ کی دستاویز تصور کیا جاتا ہے؛

سلطان نے یہ عہد کیا کہ وہ اور اس کے جانشین تمام حملوں میں رومانستانہ کی مدافعت کریں گے اور اقتدار اعلیٰ کے تسلیم کرنے کے علاوہ ریاست کے اپنے قانون نافذ رہیں گے، حاکم کا انتخاب بلغی امرا اور پادری کی جماعت کیا کرے گی، جنگ اور صلح کے حقوق بحال رہیں گے۔ اپنی رعایا کی حیات و حمات کے متعلق تمام قسم کے اختیارات حاصل ہوں گے اور باب عالی کے مقابلے میں کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہو گی؛

عثمانی مقبوضات پر رومانستانہ کے باشندوں کو خراج سے مستثنےٰ کر دیا جائے گا ترکوں کو رومانستانہ میں رہنے بسنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہو گا اور ان تمام شرطوں کے بعد جزیہ کی رقم دس ہزار ڈوکٹ سالانہ مقرر کی گئی (۱۴۶۰ء)؛

ابھی اس معاہدے پر مشکل سے دستخط ثبت ہوئے ہوں گے کہ ولادنے
ٹیتھیاز کاروِن کے ساتھ اتحاد قائم کر لیا اور سلطانی سفرا کو ان کے تمام رفقا
کے ساتھ سولی پر چڑھادیا۔ اور پاشا کو احترام کے طور پر دوسرے لوگوں سے
ذرا اونچا" لٹکایا گیا۔ اس کے بعد اس نے **بلغارستانہ** پر حملہ کر دیا۔ محمد
اس سے مقابلہ کرنے کی غرض سے پچاس ہزار آدمیوں کے ساتھ فوراً روانہ ہوا۔
اس قدر فوج کا مقابلہ کرنے کی تاب نہ لاکر ولاد نے قزاقانہ جنگ جاری رکھنے
کا تہیہ کر لیا۔ ایک رات اس نے عثمانی کیمپ پر شبخون مارا اور سلطان گرفتار
ہونے سے بال بال بچ گیا۔ بہرحال مہینوں کی شدید جنگ کے بعد جس کو نہ ملتوی
کیا جاتا تھا اور نہ جس میں رحم سے کام لیا جاتا تھا ولاد مجرستانہ کو فرار ہو گیا
جہاں میتھیاس کاروِن نے اس کو قید کر دیا۔ اس کا بھائی جو سلطان کا
منظور نظر تھا اس کا جانشین ہوا لیکن اس کا درجہ گھٹا کر صرف پاشا کے
مساوی کر دیا گیا؛

رومانستانہ کو سلطنت میں داخل کر لیا گیا (۱۴۶۲ء) جب سلطان
بخرست کی دیواروں کے نیچے پہنچا تو اس نے مضافات شہر کو لاشوں سے
پٹا ہوا پایا۔ بیس ہزار مسلمان سولی پر چڑھا دیئے گئے تھے۔ اس نظارے پر،
اس جنگ کے وقائع نگار کے بیان کے مطابق، سلطان نے یہ عجیب الفاظ
اپنی زبان سے ادا کیئے؛

"ایک ایسے بادشاہ کو اس کی ریاست سے نکال دینا ناممکن ہے جو
ایسے ایسے کارہائے نمایاں انجام دیتا ہے اور اپنی طاقت اور اپنی رعایا سے
اس قدر عمدگی کے ساتھ کام لینا جانتا ہے"؛ [۱]

سلطانی سپاہ کو ہر جگہ فتح حاصل ہو رہی تھی البتہ اسکندر بیگ نے
جو ہنیادی کی عظمت و طاقت کا ہمسر تھا۔ ہلال کی فاتحانہ پیش قدمیوں کو

---

[۱] طراقول پندرہ سال تک قید رہنے کے بعد فرار ہو گیا اور رومانستانہ کو واپس آکر اس
نے ریڈول کو تخت سے اتار دیا۔ بالآخر وہ اپنے ایک غلام کے ہاتھ سے قتل ہو گیا (۱۴۷۹ء)۔

روک دیا تھا۔ مراد ثانی کے وقت سے اب تک جنگ برابر جاری تھی۔ لیکن ہر نیا حملہ اس ارناوط فاتح کی فہرست فتوحات میں، جو پہلے ہی سے بہت طول طویل تھی، کسی نہ کسی نام کا برابر اضافہ کر رہا تھا۔

حمزہ پاشا کو شکست ہوئی اور اسکندر بیگ کے بھتیجے نے اس کو گرفتار کر لیا (سنہ ۱۴۵۱ء)۔ ایک دوسرے حملے میں چار ہزار عثمانی سپاہی اپنے سردار کے ساتھ جو اسکندر بیگ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا، خاک و خوں میں لوٹ گئے۔ پندرہ ہزار آدمیوں کا ایک دستہ جو موسیٰ کے زیر کمان تھا۔ بالکل تباہ ہو گیا۔ عیسیٰ بیگ اور حمزہ پاشا نے اپنی فوجیں ایک جگہ کر لیں مگر ان کے چالیس ہزار سپاہی الیسیو کے میدان میں کاٹ کر رکھ دیئے گئے (سنہ ۱۴۵۲ء تا سنہ ۱۴۶۰ء)۔

سلطان کو اس مہم کی کامیابی کی طرف سے بالکل مطمئن ہو جانے کی غرض سے جسے وہ طرابزون کے خلاف بھیجنے کا ارادہ رکھتا تھا، یورپ میں صلح کی ضرورت تھی۔ اس نے اسکندر بیگ سے گفت و شنید کی جس میں اسے پی رس۔ اور ارناوطلعہ اس کے حوالے کر دینے کی تجویز پیش کی گئی (سنہ ۱۴۶۱ء)۔

سلطان اور بندقیہ کے مابین لڑائی چھڑ گئی اس لیے کہ جو باشندگان قرن نے پاشائے اثنیا کے ایک مفرور غلام کو اپنے یہاں پناہ دی تھی۔ ارگاس اور کورنتھ محمد شاہ کے قبضے میں آ گئے (سنہ ۱۴۶۲ء)۔ بندقی سفیر کی التجاؤں اور پاپائے روم کے پیام کو قبول کر کے اسکندر بیگ نے جز اربنی کے اس کمینہ اصول کو کام میں لا کر اپنے عہد کو توڑ ڈالا کہ "بے دینوں سے جو وعدہ کیا جائے اس کو بغیر کسی پس و پیش کے توڑا جا سکتا ہے" (سنہ ۱۴۶۴ء)۔

اس نئی لڑائی نے اسکندر بیگ کو تازہ فتوحات کا موقع دے دیا۔ شیر بات بے کو ہزیمت ہوئی بلبن پاشا کی فوج اس حد تک تباہ ہو گئی کہ وہ تقریباً تنہا اپنی جان میدان سے بچا کر لے گیا۔ دو دوسری عثمانی پلٹنیں جو پہاڑیوں کی گھاٹیوں میں گھر گئی تھیں، تباہ ہو گئیں۔

محمد خود ارنا و طلعہ سے مقابلہ کرنے کے لیے بڑھا۔ سفیط غراد اور بلغراد فتح ہو گئے لیکن قرایہ کی شدید مقاومت کی وجہ سے اس کو رک جانا پڑا۔ اس نے ضلع چدنا کے آٹھ ہزار باشندوں کو اذیتوں اور صعوبتوں میں مبتلا کرکے اپنا انتقام لیا اور بلبن پاشا کی زیر کمان محاصرہ کی مصروفیتوں کو جاری رکھنے کے لیے اسی ہزار آدمی دیدیئے۔ ان واقعات سے کسی قسم کا خوف نہ کھاکر اسکندر بیگ۔ یونس پاشا سے مقابلہ کرنے کی غرض سے تیزی کے ساتھ بڑھا، جو کمک لے کر آرہا تھا اور اس کی فوج کو شکست دیکر اسے گرفتار کرلیا۔ بلبن پاشا قرایہ کی دیواروں کے نیچے ایک گولی سے ہلاک ہوگیا اور اس کی بد دل فوج پسپا ہوگئی۔ دشمن اس کے تعاقب میں تھا۔ یہ ہر طرف سے گھری ہوئی تھی اور صرف خطرناک کوششوں کو کام میں لاکر یہ فوج دشمن کے نرغے سے سلامت نکل سکی (۱۴۶۶ء)؛

یہ اسکندر بیگ کی آخری مہم تھی دوسرے سال (۱۷ جنوری ۱۴۶۷ء) وہ ترسٹھ برس کی عمر میں الیسیو کے مقام پر مرگیا؛

بندقیہ کے ساتھ لڑائی جاری رہی۔ جمہوریۃ کی فوجوں نے سلطنت کے بیرونی مقامات کو تباہ کردیا اور بستیوں کو جلا ڈالا سلطان نے نیگرو پونٹی (جس کو پہلے یوبیہ کہتے تھے) پر قبضہ کرکے ایک زبردست ضرب لگانے کا تہیہ کیا۔ محمد پاشا تین سو جہازوں کے ایک بیڑے کے ساتھ جس میں ستر ہزار جنگجو تھے، روانہ ہوا۔ پانچ شدید حملوں کے بعد شہر مسخر ہوگیا لیکن محمد پاشا نے انتقام کے جذبے سے اندھا ہو کر، اپنی عظمت و جلال کو، شہر کی فوج کو عذاب میں مبتلا کرکے ہلاک کردینے سے، دھبہ لگالیا؛

اہل بندقیہ اس اثنا میں اپنی جگہ پر خاموش نہیں رہے، جمہوریۃ ناپولی، پاپائے روم اور ازدرن[ل] جن کے مابین ترکمانی بادشاہوں میں سب سے زیادہ ذی طاقت بادشاہ تھا۔ ایک اتحاد عجلت سے قائم ہوگیا۔

ل۔ ازدرن بمعنے طویل القامت ۱۲

شاہان قرہ مانہ نے ڈیڑھ سو برس تک سلاطین کے خلاف جب کہ وہ یورپ میں مصروف جنگ تھے، اپنی لڑائیوں کا سلسلہ منقطع نہیں کیا تھا۔ وہ سلطنت کے لیے مار آستین تھے اور محمد نے اب ہمیشہ کے لیے ان کا خاتمہ کر دینے کا ارادہ کر لیا؛

ابراہیم، شاہ قرہ مانہ جو آل عثمان کا سب سے زیادہ شدید و دیرینہ دشمن تھا ۱۴۶۲ء میں مر گیا۔ اس کے بیٹوں کی بغاوت کے صدمے نے اسے قبر کے کنارے پہنچا دیا۔ اس نے اپنی جانشینی کے لیے اپنے چہیتے بیٹے اسحاق کو نامزد کر دیا تھا جو ایک کنیز کے پیٹ سے تھا مگر اس کی خواہشات پر عمل نہیں کیا گیا اور ساتوں بھائیوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی؛

سلطان نے ان اختلافات سے اپنے اس شکار کو گرفتار کرنے میں فائدہ اٹھایا جس کا وہ اتنی مدت سے آرزومند تھا۔ اور قرہ مانہ کی حکومت ابراہیم کے تیسرے بیٹے مصطفےٰ کے حوالے کر دی گئی؛

صرف سلوقہ ہی ایک ایسا شہر تھا جو عثمانی چنگل سے بچ جانے میں کامیاب ہوا۔ اسحاق بے کی بیوی اس عرصے میں اس کی مدافعت کرتی رہی جب کہ اس کا شوہر اوزون حسن کے دربار میں پناہ اور امداد حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن مخلوق کے دلوں میں اپنے اگلے بادشاہوں کی یاد سے رنج پیدا ہو گیا اور بغاوت پھیل گئی۔ دوم محمد پاشاہ کی آدھی فوج علدنہ کے پہاڑوں میں گھر کر تباہ ہو گئی۔ اسحاق پاشا نے اس ہزیمت کا قاسم بے برادر اسحاق بے کو شکست دیکر اور اقہ سرائے اور وار کوئے۔ عوج حصار اور اورتہ حصار کے قلعوں پر قبضہ کر کے انتقام لیا۔ (۱۴۶۸ء تا ۱۴۷۱ء) ۔ الایہ نے گودک احمد پاشا کی اطاعت قبول کر لی (۱۴۷۲ء) ۔ اور شہزادۂ قلیچ حسن مصر کو فرار ہو گیا۔ اسحاق بیگ کی موت نے اس کی بیوہ کو سلوقہ کی کنجیاں سلطان کے حوالے کر دینے پر آمادہ کر دیا۔ گودک احمد پاشا نے اپنی فاتحانہ پیش قدمیوں کو جاری رکھا۔ لیکن اوزون حسن کے قریب آجانے کی وجہ سے اس کو کونیہ کو واپس چلا جانا پڑا اور ایرانی فوج نے ملک میں قتل عام مچا دیا اور بستیوں کو جلا ڈالا۔

"گوسفند سیاہ" کے خاندان کے فاتح، جیحوں اور فرات کے درمیانی ممالک کے مالک اوزون حسن نے شاہان قرہ مانہ اور کسطونی کا اپنے یہاں خیر مقدم کیا۔ بندقی بیڑے نے جس کی تعداد اور قوت میں پاپائے روم اور شاہ ناپولی کی خلیات نے پیٹرو موسی نی گو کے زیر کمان اضافہ کر دیا تھا ڈیلوز اور میٹی لینی کو تباہ کرنے کے بعد ازمیر میں آگ لگا دی اور قاسم بے سے جا ملنے کی غرض سے سواحل قرہ مانہ پر ایک پلٹن کو خشکی پر اتار دیا۔ سلوقہ، سغین اور کورکو نے موسی نی گو کی اطاعت قبول کر لی، جس نے ان کو اپنے حلیف کے حوالے کر دیا؛

اس خطرے کی حالت میں سلطان محمد نے محمد پاشا کو پھر صدارت عظمیٰ پر بحال کر دیا اور جنگی مصروفیتوں کے متعلق اس کو تمام ہدایتیں دیدیں۔ یوسف جی مرزا اور ابراہیم کے بیٹوں کو مصطفےٰ سے شکست کھا کر جلد فارس واپس آجانا پڑا؛

اوزون حسن کی پیش قدمیاں برابر جاری تھیں مگر اب محمد ایک لاکھ فوج کے ساتھ اس کے مقابلے کے لیے بڑھا (۱۴۷۲ء) عثمانی مقدمۃ الجیش کو سواس کے مقام پر شکست ہوئی لیکن اس مزاحمت کی اتلعہ بلی کی شاندار فتح نے ضرورت سے زیادہ تلافی کر دی؛

مصطفےٰ نے گودک احمد پاشا کی اعانت سے ارمنک اور منان پر قبضہ کر لیا۔ احمد پر ابراہیم نے فاتح کے ہاتھوں گرفتار ہونے پر اپنی موت کو ترجیح دی۔ قلعے کی متعینہ فوج کی غداری سے سلوقہ پر قبضہ ہو گیا۔ مصطفےٰ عین فتح کی حالت میں اس وقت جب کہ دیوہ لی قرہ حصار پر قبضہ ہونے ہی والا تھا، مارا گیا اور اس کا بھائی جم مفتوحہ علاقوں کی حکومت کا وارث بن گیا اس نوجوان شہزادے میں جس کی عمر اٹھارہ سال کی تھی وہ تمام خصوصیتیں موجود تھیں جو ایک جنگجو قوم کو اپنی جانب متوجہ کر سکتی ہیں اپنی غیر معمولی طاقت اور مہارت فن کی بنا پر وہ تمام قسم کی جسمانی ورزشوں میں سب سے سبقت لے گیا۔ کونیہ میں علاء الدین کا جنگی تیر اب تک محفوظ رکھا ہوا ہے۔ بہت کم لوگ ایسے تھے جو اس کو اٹھا سکتے تھے مگر جم نے اس کو اس طرح اٹھایا گویا وہ

ایک بہت ہی ہلکا ہتھیار تھا۔ وہ کامل ادبی ذوق رکھتا تھا، وہ شاعر تھا، اس نے فارسی نظم خورشید وجمشید کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا تھا اور متعدد غزلیں لکھی تھیں۔ اس کے دور حکومت میں قرہ مانیہ میں امن اور خوش حالی رہی؛

قرہ مانیہ کی تسخیر محمود پاشا کے زوال اور موت کا پیش خیمہ تھی۔ صربستانی باپ اور یونانی ماں کا بیٹا ہونے کی وجہ سے سلطان جس نے نہایت کوشش سے مفتوحہ اقوام کی اولاد کو کم عمری کے زمانے میں بہ جبر مسلمان کرلیا تھا اس کو پسند نہیں کرتا تھا اس وزیر کے شریفانہ اور فیاضانہ خصائل پادشاہ کے مظالم کی بالکل ضد تھے کہ جن کے اعتدال کا ثبوت اس نے جنگ بشنامہ اور ہنگرو یانٹ کے دوران میں دیا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ یہی اس کے زوال کا پہلا باعث تھا اس نے راست گوئی کی جسارت اور سلطان کے بعض افعال قبیحہ پر نکتہ چینی کی تھی جس کا نتیجہ اس کی تباہی ہوا۔ باب عالی پر جیساکہ خود اس کا بیان ہے وہ اس حالت سے حاضر ہوا تھا کہ اس کے پاس صرف ایک گھوڑا ایک تلوار اور پانچ سو اصفر تھے اور پھر محض اپنی ذاتی جوہروں کی بنا پر سلطنت کے اعلیٰ ترین عہدے پر فائز ہو گیا تھا؛

محمود پاشا صربستانہ، بشنامہ اور ہنگرو یانٹ کا فاتح علما کا سرپرست غریبوں کا ملجا اور ایک وہمی جابر مالک کا مظلوم تھا جو غرور و تکبر میں فتوحات سے چار چاند لگ جانے پر معمولی سے اختلاف کو بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا اس کا رعایا ویسا ہی احترام کرتی تھی جیساکہ شہیدوں کا کیا جاتا ہے۔ غیر جانب دار تاریخ نے اس کی موت کا انتقام لیا ہے اور اس کا نام عظمت وجلال کے شوالہ میں سنہری حرفوں سے لکھ لیا گیا ہے (۱۴۷۳ء)؛

۱۴۷۳ء کے موسم بہار میں سلیمان پاشا، روم ایلی کا بیگلر بیگ، ارناؤطلعہ میں داخل ہو گیا۔ اور اسقودرہ کا محاصرہ کرلیا۔ پاشا کے پیامات اطاعت کا گورنر لوریڈونو نے متکبرانہ انداز میں جواب دیا کہ "میں ایک بندقی باشندہ ہوں اور ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں جو یہ نہیں جانتا کہ اطاعت کس کو کہتے ہیں۔ یا تو میں اسقودرہ کی حفاظت کرونگا

یا اپنی جان دیدوں گا"۔ ڈ

وریڈونو کی جوشیلی مدافعت نے فتحمندی کا سہرا حاصل کیا۔ اور بگلر بیگ نے اس مزاحمت کے جواب میں ڈالماشیہ اور کارنوئیولا کو تباہ کرکے اپنے دل کا بخار نکالا۔ اس کے بعد وہ ملداویہ کی طرف تیزی کے ساتھ بڑھا، جہاں اسٹیفن نے وہ خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا، جس کا اس کے پیشرو پیری ہارون نے ۱۴۵۶ء میں اقرار کیا تھا۔

اسٹیون چہارم نے جو ملداویہ کا سب سے زیادہ عظیم الشان بادشاہ تھا، ابھی ابھی اہل مجرستانہ اور لہبی کو، جو ملک کے اقتدار اعلیٰ کے دعویدار تھے۔ ہزیمت دی ہی تھی کہ ایک لاکھ عثمانی فوج نے اس کی ریاست پر حملہ کر دیا۔ بغیر کسی قسم کا خوف کھائے ہوئے اس نے چالیس ہزار آدمیوں کو جمع کیا اور مسلمانوں کو ریکوڈ ٹنزا اور خلیج بیلی ٹون پر شکست دیدی۔ (۱۴۷۵ء)۔ تمام جنگی قیدیوں کو سولی پر چڑھا دیا گیا۔ اس خبر کو سن کر سلطان کے غیظ وغضب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ لیکن اپنے انتقام کو متیقن کرنے کی غرض سے اس نے ملداویہ کے دونوں جانب بوقت واحد حملہ کرنے اور کیپچک اور قرم کے تاتاریوں کو اس پر ڈھکیل دینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

فتح قرم (کریمیا) (۱۴۷۶ء)۔ بندقیہ کیساتھ صلح (۱۴۷۹ء)

محاصرۂ رودس (۱۴۸۰ء)

ترکی مورخ پچیری کا بیان ہے کہ چنگیز خاں کیپچک کی بادشاہی سے اپنے بڑے بیٹے کے حق میں دست بردار ہو گیا تھا اور ممالک آمن مسقف لزستان بھی اس کو دیدیئے تھے۔ خان کیپچک کے مرنے کے بعد اس کے بیٹوں میں وراثت کے متعلق نزاع برپا ہوئی۔ اس لڑائی میں بیرت خاں نے اپنے تمام حریفوں کو شکست دیدی اور پھر مشرف بہ اسلام ہو گیا تا کہ اس کی برکت

سے وہ اپنے بادشاہوں، خانانِ مغول، کے مقابلے میں زیادہ فتحمندی کے ساتھ جنگ کر سکے۔ اس کے جانشینوں کے زمانے میں ستاروں کی پرستش پھر شروع ہو گئی لیکن ازبک خاں نے اپنی فتح کو صاف صاف دینِ محمدی سے منسوب کیا۔ تو کتامس خاں اور اوروز خاں کی باہمی رقابت نے تیمور لنگ کو مداخلت کا اور مغلوں کو کپچک پر حملہ کرنے کا موقع دیدیا۔ یہی وہ زمانہ ہے جب کہ عام رائے کے مطابق چنگیز خاں کے خاندان کے ایک شہزادہ دولت گوراگ[۱] نے خانانِ قرم کے خاندان کی بنیاد رکھی۔ یہ نئی بادشاہت جزیرۃ القرم، کوبان، جبل قاف، اور ایک ایسے منطقہ مقبوضات پر مشتمل تھی جو بحر اسود کے سواحل سے لے کر عقبی علاقے تک اور ولداویہ سے تنگداک تک پھیلے ہوئے تھے۔ (۴۴) اور (۴۶) ڈگری عرض البلد کے بیچ میں واقع ہونے کی وجہ سے یہ منطقہ (۳۰) یا (۴۰) لیگس[۲] پر مشتمل تھا اور مشرق سے مغرب تک اس میں بشکول جمبولوک، بدیسان اور بسرابیہ شامل تھے۔ اس موخر الذکر علاقے اور جزیرۃ القرم میں

---

[۱] ۔ افسانوں میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک زبردست باجگزار نے جس کا نہ نام معلوم ہے اور نہ زمانہ، اپنے مالک کے تخت پر قبضہ کرنے کی سازش کرنے کے بعد چنگیزی شہزادوں کے قتل عام کا حکم دیدیا۔ لیکن رعایا میں سے ایک وفادار شخص نے اس ہنگامے میں ایک شہزادے کو چپکے سے اس کے گہوارے سے اٹھالیا اس شخص نے اس شہزادے کو ایک گڈریئے کے حوالے کر دیا جس کا نام گوراگ تھا اور جو نہایت دیانت دار سمجھا جاتا تھا جب اس شہزادے کی عمر بیس سال کی ہوئی تو تاتاریوں نے غاصب سلطنت کے خلاف خروج کیا بوڑھے گڈریئے نے جس کے احترام میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا سازش سے مطلع ہو کر سازشیوں کی ہمت افزائی کی۔ اس نے اپنے شہزادے کو ان کے حوالے کر دیا اور پھر اس کو آباو اجداد کے تخت پر غاصب کی موت کے بعد بٹھا دینے کی تدبیروں میں منہمک ہو گیا۔ گوراگ کا لقب اب تک تاتار کی بادشاہوں میں محفوظ ہے اور اسی طرح چوبان کا لقب بھی (جس کے معنے گڈریئے کے ہیں)۔ بیرن ڈی ٹاٹ۔

[۲] ۔ تین میل کا ایک لیگ ہوتا ہے۔

جو لوگ آباد تھے وہ نہایت مجہول اور کاہل تھے۔ بقیہ تین علاقوں میں نوغائی لوگ آباد تھے، جو ایک آوارہ گرد قوم تھی اور خیموں میں زندگی بسر کرتی تھی۔ تاتاریوں کا سیاسی دستور یورپ کے عہد وسطی کی فوجی خدمات کے معاوضے میں جاگیرداری کے طریقے سے بہت کچھ ملتا جلتا تھا۔ حکمراں خاندان کے لگ بھگ شیریں، منصور، سجوت، ارغوبین، اور بروں کے خاندان تھے، جو سلطنت کے پانچ زبردست باجگزار تھے؛

یہ پرانے مرزا، جو چنگیز خاں کے رفیقوں کی اولاد تھے، اعلیٰ درجے کے امرا کے طبقے کے بانی تھے، اور اس کو نوخاستہ امرا سے ہمیشہ ممتاز سمجھا جاتا تھا۔ یہ امرا جو مرزا کاپی کولی (مرزا، غلام بادشاہاں) کے نام سے متفق اور متحد ہو گئے تھے اپنی طرف سے ایک بیگ کو اس لیے نامزد کر دیتے تھے کہ وہ ان کی نمائندگی کرے اور کونسل میں سلطنت کے پانچ زبردست باجگزاروں کے ساتھ شریک ہو؛

خاندان کدلک کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اپنے معمر ترین ممبروں میں سے امرا کے تمام نوخاستہ خاندانوں کے لیے نمائندے فراہم کرے۔ اصلی اقتدار ان چھ بیگوں اور بادشاہ پر مشتمل تھا؛

سب کے بعد خان کو، باجگزار اعظم کے غیاب میں اپنے اقتدار کو بڑھا لینے سے روکنے کے لیے شیریں بے کو دوسرے پانچ بیگوں کا نمائندہ تسلیم کیا گیا تھا۔ اور بادشاہ کی طرح اس کے بھی کلغہ نور دین اور وزرا ہوتے تھے۔ تاتاری امرا کے سردار کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ بیگوں کی مجلس منعقد کرے بشرطیکہ خان کی بے پروائی کی بنا پر ایسی مجلس امور عامہ کے لیے ضروری ہو؛

قرم اور بسرابیہ میں زمین کو امرا کی جاگیروں، شاہی عملے اور جائداد مزارعین پر تقسیم کیا گیا تھا۔ اول الذکر جاگیریں موروثی تھیں۔ ان کے متعلق کوئی محصول یا لگان ادا نہیں کیا جاتا تھا اور بادشاہ کو ان پر کچھ اختیار حاصل نہیں تھا۔ ثانی الذکر یا تو بعض مقامات کی مالگزاری میں داخل تھیں یا بادشاہ کی طرف سے

انعام و معافی کے طور پر عطا کی گئیں تھیں۔ ایسی صورت میں کہ کوئی ایسا وارث بھی موجود نہ ہو جو دور کا تعلق رکھتا ہو تو امرا کی یہ جاگیریں حق اجنبیت کی بنا پر پھر خان کی ملک ہو جاتی تھیں۔ اور ہر مرزا کو اپنی جاگیر میں جائداد مزارعین پر بھی حقوق حاصل تھے۔ نوغنائی کے پاس کسی قسم کی کوئی جائداد نہیں تھی۔ مرزا اپنے باجگزاروں کے ساتھ زمین کی پیداوار کے شریک ہوتے تھے۔ موسم سرما میں یہ لوگ ان وادیوں میں چلے جاتے تھے جہاں ان کے مویشی رہ سکیں اور ہر ایک اپنے غول میں اسباب اور چوپائیوں کی صورت میں محصول معافی[لہ] وصول کرتا تھا۔ ادنےٰ ترین غیر آزاد اشخاص کے متعلق جو حق خدمت قرم میں قائم کیا گیا تھا، وہ نوغائی میں رائج نہیں تھا اور یہ لوگ صوبے کے گورنروں کو صرف عشر ادا کرتے تھے؛

سلاطین کو اس حکومت کے صدر اعلیٰ کی حیثیت سے سر عسکر کے خطاب سے مخاطب کیا جاتا تھا۔ اور ان کی حیثیت دراصل و الئسرائے کی سی ہوتی تھی؛

کلغہ کا خاص مرتبہ ہمیشہ خان خود اپنے ان رشتہ داروں کو عطا کرتا تھا، جن پر اس کو سب سے زیادہ اعتماد حاصل ہوتا تھا۔ اس عہدے سے جو ابتدائً حکومت کے وارث امکانی کو عطا کیا جاتا تھا، ولایت کا حق سلطان کی موت پر اس وقت تک کے لیے پیدا ہو جاتا تھا جب تک کہ جانشین جائزہ نہ لے لے؛

کلغہ عساکر کا سپہ سالار ہوتا تھا اور اپنی جاگیر میں اس کو خان کی طرح ان تمام مرزاؤں کا ورثہ ملتا تھا۔ جن کا ایسا وارث بھی موجود نہ ہو جس کو ساتویں نوبت پر حق وراثت حاصل ہوتا ہو؛

نورودین کے عہدے پر بھی سلاطین مقرر ہوتے تھے اور کلغہ کی طرح ان کے ماتحت وزیر کام کرتے تھے۔ لیکن ان کے عہدے اور فرائض کی کوئی

لہ۔ یعنی وہ محصول جو اسامیوں کو تمام خدمات سے سبکدوش کرنے کے معاوضے میں لیا جاتا ہے؛

تنخواہ مقرر نہیں تھی؛

تیسرے درجے کے عہدے 'اربے' شاہ اور کاپی اور حکومت سرحدی پر کبھی سلطان کو مقرر کیا جاتا تھا اور کبھی شیریں مرزا کو؛

جمبو یلعہ[۱] کے گروہ پر بادشاہ کا قایم مقام حکومت کرتا تھا جس کے ذمے سر عسکر کے فرایض بھی ہوتے تھے۔ لیکن باوجودیکہ دوسرے گورنر خان، کلغہ اور نور دین کے زیر قیادت متحد ہو جانے پر بھی اپنی فوجوں کی کمان خود کیا کرتے تھے اس قائمقام کو سپہ سالاری کے فرائض۔ سپہ سالار اعظم کے تفویض کر دینے سے ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ عورتوں کے بھی دو درجے قائم کئے گئے تھے جن میں سے ایک اللہ بیگ اور دوسرا اولو خانی تھا اور ان کو ہمیشہ خود خان ہی عطا کیا کرتا تھا۔ اللہ بیگ یا تو خان کی والدہ کو عطا ہوتا تھا یا اس کی کسی بیگم کو۔ اور اولو خانی سب سے بڑی بہن یا بیٹی کو ملتا تھا؛

یہ شہزادیاں اپنے دیوان کے ذریعے سے بے شمار ایسے مواضعات میں جو ان کی جاگیر میں شامل ہوتے تھے عدالتی اختیارات رکھتی تھیں، تمام جاگیروں پر فوجی خدمت لازم تھی؛

بڑے باجگزار ان کی مجلس ان سواروں کی تعداد مقرر کرتی تھی، جو ہر خاندان کو مہیا کرنے پڑتے تھے پورے ملک تاتار بھر میں عدالت سے متعلق کسی قسم کی کوئی فیس وغیرہ نہیں لی جاتی تھی۔ خاص خاص اختیارات حدود ارضی مساویانہ طور پر اپنے اپنے متعلقہ حلقوں میں مفت کام میں لائے جاتے تھے۔ عدالت ہائے خاص کے مرافعہ جات کی عدالت شاہی میں سماعت ہوتی تھی؛

زنوفیوں نے قرم کی اہمیت کو محسوس کر لیا تھا اور اپنے اسلحہ اور فن سپہ گری کی برتری سے اس جزیرہ نما کو فتح کر کے چنگیز خان کی اولاد کو اپنا مطیع و منقاد بنا چکے تھے۔ تتاریوں کو اچھی طرح اپنے قابو میں رکھنے کی غرض سے ان لوگوں نے حکومت کے دعویداروں کی طرفداری کرنی

---

[۱] کسی جمگہ کا وہ حصہ جو ایک ہی جاگیر کے پٹہ داروں پر مشتمل ہو۔

شروع کردی۔ تین خوانین جو ایک ہی وقت میں منتخب ہوئے تھے ایک ایسی حکومت کے ڈھانچے کے حاصل کرنے کے لیے آپس میں لڑ رہے تھے، جو تباہ ہو چکی تھی اور دم توڑ رہی تھی۔ اس کا اصلی حکمراں منکوب میں قید تھا۔

محمد اپنے باجگزاروں کو پیرا ہیں جہاں سے بوغاز پر اچھی طرح نگرانی قائم ہوتی تھی، تنہا نہیں چھوڑ سکتا تھا اس نے ملداویہ کی جنگ کے موقعے پر سو جہازوں کا ایک بیڑہ قرم کو بھیجدیا تھا عثمانی فوج نے قرم کو پلک جھپکاتے فتح کرلیا۔ کفہ، ازوف اور منکوب پر بھی بغیر کسی قسم کا نقصان اٹھائے ہوئے قبضہ ہو گیا۔ اور زیادہ عرصہ نہیں ہونے پایا تھا کہ ژنوفیون کے قبضے میں ایک انچ زمین بھی باقی نہیں رہی۔ خان تتار، ژنوفیون کی اطاعت سے تو نکل گیا مگر ایک دوسرے شخص کی اطاعت میں آگیا جو اتنا ہی زبردست لیکن ان سے کم جابر تھا۔ حکمران خاندان کا ہر شہزادہ قسطنطنیہ میں اپنی پھیلائی ہوئی سازشوں کے بل بوتے پر یہ امید رکھتا تھا کہ وہی تخت پر قابض ہو جائے گا۔

فتح مند بیڑا عسکرمان کی طرف بڑھا اور اس کو فتح کرکے دریائے طونو کے دہانوں پر قابض ہو گیا۔ ادھر سلطان نے ایک لاکھ فوج کے ساتھ طونو کو عبور کیا۔ اسٹیفن چہارم جان نثار مسیح نے مجرستانہ اور لہستانہ سے امداد کی درخواست تو کی مگر اس کو مدد نہیں ملی۔ صرف اپنے ہی ذرائع و وسائل تک محدود ہو جانے کے باوجود بھی وہ ہمت نہیں ہارا مسلمانوں کی فوج سے پسپا ہوتا ہوا وہ ان کو صحرائے روبینی میں لے گھسا اور یہاں لاکر اس نے سلطنت کی فوج کو مار کر بھگا دیا۔ جس میں تیس ہزار سپاہی کام آئے (۱۴۷۶ء)۔

سلطان کے سرداران سپاہ بھی اس مرتبہ کچھ زیادہ خوش نصیب ثابت نہیں ہوئے۔ علی بے اور اسکندر میخائل اوغلو کو اردل میں، ریبنی اور فرانگوئی ڈوسی سے شکست ہوئی، پیچھیا اس کا ردن، مجرستانہ کے ہر دلعزیز بادشاہ نے سمندریہ کا محاصرہ کرلیا (۱۴۷۶ء)۔

امن پسند جمہوریتہ نے جس گفت و شنید کا آغاز کیا تھا وہ ناکام رہی۔

انڈ دعنی لوریڈینو محافظ بندقیہ نے اناطولی کے سواحل کو تباہ کرڈالا۔ عثمانی فوجوں کو لپانٹو کے قریب شکست ہوئی۔ قرایہ نے ایک سال کے محاصرے اور ایک شدید مدافعت کے بعد قحط کی وجہ سے اطاعت کرلی (۱۴۷۸ء) اپنی عادت کے مطابق سلطان نے شرائط اطاعت کو نظر انداز کردیا اور چند قیدیوں کے علاوہ، جن کے فدیہ میں اس کو کثیر رقمیں ملنے کی توقع تھی، شہر کی تمام فوج کو قتل کرڈالا۔

بندقیہ کی صلح۔ محاصرۂ روڈس

اسقودرہ پر دوسری مرتبہ حملہ کیا گیا۔ دو مہینے تک شہر خطرناک گولہ باری کا مقابلہ کرتا رہا۔ فصیلوں کے منہدم ہوجانے کے باوجود محصورین نے ہمت نہیں ہاری۔ عثمانیوں کا حملہ بالکل بیکار رہا۔ اور ان کے بارہ سو آدمی مارے گئے۔ کچھ روز کے بعد ایک دوسرے عثمانی حملے کا بھی یہی حشر ہوا۔ محاصرین کی ہمت ٹوٹ چکی تھی۔ سلطان نے افسوس کے ساتھ یہ کہکر فوج کو واپسی کا حکم دیدیا کہ "کاش میں اسقودرہ کا نام بھی نہ سنتا" لیکن بندقیہ کی طاقت صرف ہوچکی تھی اس نے سلطان کے شرائط کو منظور کرلیا اور اسقودرہ کو اس کے قبضے میں دیدیا۔ باشندوں نے بخیر و عافیت شہر کا تخلیہ کردیا جس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے مسلمانوں سے حفظ ما تقدم کے طور پر ضمانت لے لی (جنوری ۱۴۷۹ء)

معاہدۂ صلح کے ساتھ ایک معاہدۂ اتحاد بھی گرانڈ سینور اور جمہوریت کے ساتھ مرتب کیا گیا۔ سلطان سے اس امر کی ذمہ داری لی کہ وہ موخرالذکر پر اس کے دشمنوں کی طرف سے حملہ ہونے کی صورت میں اس کی مدد کرے گا۔ اس معاہدے سے مسلمان مورخین کے نفرت انگیز بیان کے مطابق "کتوں کو سوروں کے مقابلے میں اور سوروں کو کتوں کے مقابلے میں" تقویت پہنچ گئی۔ تمام فکروں سے آزاد ہوکر محمد نے اپنے فوجوں کا رخ مجرستانہ کی طرف پھیر دیا۔

اکتوبر ۱۴۷۹ء کے آغاز پر چالیس ہزار فوج نے بارہ پاشاؤں کی

زیر کمان اردل پر حملہ کیا۔ لیکن ہر عثمانی جنرل بجائے خود سپاہ سالار بن جانا چاہتا تھا۔ اور ماتحتی کرنے پر کوئی تیار نہ تھا۔ یہ متخالف فسادات پھل لاکر رہے۔ اسٹیفن بٹیوری، ڈوماے اردل اور کاونٹ تمسوار نے جو پینتھیاس کاروں کا جنرل تھا مسلمانوں کو کنگر مسر کے میدان میں للکارا۔ فاتحین نے نہایت بے رحمانہ مظالم کے ذریعے سے اپنی عظمت پر دھبہ لگا لیا مسلمانوں کی لاشوں پر جن سے اب تک خون بہ رہا تھا، میزیں لگائیں اور شراب کی ندیاں بہادیں۔ خون اور شراب کے نشہ میں مست ہو کر کاونٹ کنیر تمسوار نے ایک لاش کو اپنے دانتوں میں پکڑ کر جنگی ناچ ناچا۔ اگلے دن بٹیوری کی مراسم تجہیز و تکفین بجالانے کے لیے جو عین فتح کے وقت مارا گیا اس نے مغلوبین کی لاشوں کا ایک ہرم تیار کیا اور تمام قیدیوں کی گردنیں بٹیوری کی قبر پہ لاکر کاٹ ڈالیں (۱۳ اکتوبر ۱۴۷۹ء)۔

اس مزاحمت نے مسلمانوں کو بد دل نہیں کیا جن کی فوجوں نے اگلے سال آسٹریا، کورنٹیا اور کورنیولا کو تاراج کر ڈالا اور سلطان محمد نے بودقہ کی ریاستوں پر قبضہ کر لیا جو کپادوشیائے قدیم کے ایک حصے پر حکمراں تھا۔ ۱۴۸۰ء۔ ایشیا میں فاتح سلطان کی یہ آخری مہم تھی۔ اس کے بعد یورپ نے اس کی تمام تر توجہ کو جذب کر لیا۔

گودک احمد نے زانٹی اور سینٹ ماری پر قبضہ کر لیا اور سلطان نے ایطالیہ کو فتح کرنے کا دلیرانہ ارادہ کیا۔ بندقیہ نے جو کیتھولک اعتقادات رکھنے والے فرڈیننڈ سے مصروف جنگ تھا، سلطان کو پولی اور کیلبریا پر جو دسویں صدی تک مشرقی سلطنت کے قدیم مقبوضات تھے حملہ کرنے پر ابھارا۔ یہ بہانہ کر کے کہ وہ بازنطینی شاہنشاہوں کا وارث ہے سلطان محمد نے اوٹرانٹو پر حملہ کیا اور اس کو فتح کر لیا۔ (۱۴ اگست ۱۴۸۰ء) مسیح پاشا ووس کی طرف بیت المقدس کے سینٹ جان کے سورماؤں کو ملک سے نکال دینے کے لیے روانہ ہوا۔

اس مذہبی اور جنگی فرقے نے جو صلیبی لڑائیوں کے وقت اس غرض سے

معرض وجود میں لایا گیا تھا کہ مقامات مقدسہ کی مدافعت کرے جزیرۂ روڈس کو فلسطین کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد پوپ سے حاصل کر لیا تھا۔ اپنے فرقے کے اصولی آئین پر ثابت قدم رہکر یہ مسیحی سورما مسلمانوں سے ہمیشہ مصروف جنگ رہے۔ ان کے جہازوں نے اکثر مرتبہ عثمانی سواحل پر دہشت اور تباہی نازل کردی تھی۔ یہ ایک ایسا غیر مصالحت پذیر دشمن تھا جس کا قلع قمع ضروری تھا۔ ۲۳ مئی کو ایکسو ساٹھ جہازوں کا ایک عثمانی بیڑا جزیرہ روڈس کے سامنے نمودار ہوا اور مسیح پاشا کو سینٹ اسٹیفن کے دامن میں ساحل پر اترا جو شہر کے شرق میں واقع ہے۔ محاصرہ نہایت بہادری کے ساتھ ایک جسومن باغی معلم جرجی کے زیر ہدایت شروع ہوا۔ گرانڈ ماسٹر بیری دی ابوسن ڈی لافیو لاڈی نے مقام جنگ کو دشمن کے استقبال کے لیے تیار کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔ اس فرقے کے تمام اراکین پشتیبان عیسائیت کی مدافعت کے لیے نہایت تیزی کے ساتھ آئے اور یہ قسم کھائی کہ اس کو دشمن کے قبضے میں دینے کے بجائے وہ اس کے کھنڈروں میں دفن ہو جائینگے؛

دو مہینے کے محاصرے کے بعد مسیح پاشا نے عام حملے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ یہ حملہ ناکام رہا۔ عثمانی فوج میں نو سو سپاہی شہید اور پندرہ ہزار مجروح ہوئے۔ پاشا غصے سے پیچ و تاب کھاتا ہوا اپنی بقیۃ السیف فوج کو لے کر قسطنطنیہ واپس آگیا۔ جہاں ایک خطرناک رسوائی اس کی منتظر تھی۔ چند ماہ کے بعد محمد کا مال تپہ کے مقام پر یکایک انتقال ہو گیا۔ (۲ مئی ۱۴۸۱ء)؛

سلطان نہایت اطمینان کے ساتھ مر سکتا تھا۔ اس نے تمام پچھے مسلمانوں کے خوابوں کو سچ کر دکھایا تھا۔ قسطنطنیہ اسلام کا مرکز حکومت تھا۔ طرابزون اور بائی زنطہ کی رومی حکومتیں تباہ ہو چکی تھیں۔ سربستانہ اور بشناقہ سلطنت میں شامل کیے جا چکے تھے۔ ارناؤطلعہ اور ایپرس آخر کار مسخر ہو گئے تھے۔ اور اناطولی ایک مرکزی حکومت کے ماتحت ہو گیا تھا یہ درست ہے کہ ارناؤطلعہ حقیقت سے زیادہ نام کو مطیع ہوا تھا۔ اسکاٹ لینڈ کے ہائی لینڈروں کی طرح جرگوں پر منقسم ہو کر ارناؤطلعہ نے یہ معلوم کر لیا تھا کہ ایک قسم کی جنگی جاگیرات کی

خود مختاری کو کس طرح برقرار رکھا جاسکتا ہے؛
ان جرگوں میں اپنے ہی قوانین اور رسموں کے مطابق حکومت تھی اور وہ صرف جنگی خدمات اور ایک ہلکے سے خراج کی حد تک سلطنت کے پابند تھے۔ ہرودستانہ کا عظیم ترین قبیلہ جو ارناؤطلعہ میں سب سے بڑا جرگہ تھا اپنے مذہب پر آزادی کے ساتھ قائم تھا، عثمانی فوجوں کو ہلالی جھنڈوں کے سایہ میں نقل و حرکت کرتے ہوئے دیکھ کر وہ لاطینی صلیب کے سایہ میں مصروف جنگ ہو گئے۔ جزیرہ نمائے بلقان فتح ہو گیا۔ صلیب صرف بلغراد پر جو اب مجستمانہ کے علاقے میں شامل ہو گیا تھا۔ بعض ان شہروں اور جزائر پر جو بندقین کے قبضے میں تھے اور رقرہ داغ کی برف آلود چوٹیوں پر لہراتی ہوئی نظر آتی تھی؛

قانون نامہ اور علمائے کرام

بحیثیت جنگجو محمد میں کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ اس کے فتوحات اس کی فوج کی زیادتی یا اس کے دشمنوں کی بزدلی یا کمزوری پر مبنی تھے۔ لیکن ایک مقنن کی حیثیت سے وہ تمام عثمانی سلاطین سے ممیز اور ممتاز تھا۔ اس سے پہلے آل عثماں پر قوم کا اطلاق بہت کم ہو سکتا تھا اور اس سے مراد صرف ایک فوج ہوا کرتی تھی یہ محمد ہی تھا، جس نے ان میں باقاعدگی پیدا کی اور اس کے لیے قواعد و ضوابط مرتب کیے؛

ضابطۂ حکومت یعنی قانون میں، جو تین حصوں پر منقسم تھا، اراکین و عمائد کے مدارج آداب حکومت اور حکومت کی آمدنی سے بحث کی گئی تھی؛

ان چار فرشتوں کے جو حامل قرآن تھے اور خلفائے راشدین، اصحاب نبی کریم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے احترام اور ان کی یادگار کے طور پر حکومت کی بنیاد چار کے عدد پر قائم کی گئی تھی؛

سلطنت گویا ایک خیمہ تھی۔ حکومت اس خیمے کا دروازہ یا نہایت ہی نمایاں حصہ تھا۔ سلطنت کے چار اعلےٰ عہدے وزیر، قاضی عسکر، دفتر دار

(وزیر مالیات) اور نیشانجی (میر منشی) باب عالی کے چار ستون تھے۔ چار وزیر مقرر کیے گئے تھے لیکن صدر اعظم کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ جو ہر سلطنت جو اقتدار اعلیٰ کا مظہر تھا اسی کے قبضے میں رہتی تھی۔ اس کو خود اپنا ایک دیوان رکھنے کا حق حاصل تھا جسے باب اعلیٰ کہتے تھے اور جہاں تمام امور پر نہایت شرح وبسط کے ساتھ بحث کی جاتی تھی۔ دو قاضی عسکر تھے ایک یورپ کے لیے اور ایک ایشیا کے لیے۔ ان کو تمام منصفوں اور پروفیسروں کے بہ استثنائے چند خاص مقامات کے جن کے متعلق صدر اعظم نے اپنے حقوق سرپرستی کو محفوظ کر لیا تھا انتخاب کا اقتدار حاصل تھا؛

نیشانجی تمام اسناد پر، ان کو مرتب اور ان کی نظر ثانی کرنے کے بعد، طغرا بناتا تھا۔ اس عہدے کی آگے چل کر صرف ایک اعزازی حیثیت باقی رہ گئی تھی اور اس کے متعلق تمام فرائض رئیس افندی (سکریٹری آف اسٹیٹ) سے متعلق کر دئے گئے تھے؛

ان عہدہ داروں کے بعد سرداران سپاہ آغائے ینی شری جو قسطنطنیہ کا مدیر الضبط بھی تھا، سپاہیوں اور دوسری سوارہ فوج کے اغا طوپچی باشی (افسر توپ خانہ)، حاجبین اور اقچہ بیگی (داروغہ اصطبل) وغیرہ کے درجے اور مراتب تھے ان لوگوں کے علاوہ امور خارجہ کے آغاؤں کے بھی عہدے تھے اور امور داخلہ کے آغاؤں کے عہدے حرم کے عہدہ داران اعلیٰ قاپو آغا (سپید خواجہ سراؤں کا سردار) قیزلر آغا (سیاہ خواجہ سراؤں کا سردار عورتوں کا آغا) بستانجی باشی (صدر باغباں) اور چاوش باشی (سلطنت کا پیک خاص) وغیرہ پر مشتمل تھے؛

بیگ جن کا امتیازی نشان ایک طرہ ہوتا تھا صوبوں پر حکمران ہوتے تھے اور بیگلر بیگ جن کا امتیازی نشان دو طرے ہوتے تھے ۔ محاصل بندی کرتے تھے اور اپنے علم (سنجک) کے نیچے سپاہ جمع کر سکتے تھے۔ یہ لوگ جاگیروں پر قابض ہوتے تھے جن کے نام دفتر دار کے رجسٹروں میں درج ہوتے تھے؛

ناموں کے محاذ میں سلطان محمد نے جاگیروں کی آمدنی کو بھی رجسٹر میں درج کرایا تھا تاکہ ان کی ملکیتوں کو تناسب کے ساتھ مرتب کیا جا سکے۔ ان کے علاوہ خزانہ شاہی میں جو کچھ آمدنی ہوتی تھی وہ کروڑگیری (سائرات) معدنیات جرمانوں اور محاصل پر مشتمل تھی۔

فاتح سلطان کی آئین سازی کا سب سے اہم جزو مذہبی اور قانونی مجلسوں کی تنظیم تھا جن کو سلسلۃ العلما کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ محافظین مساجد، جن کو خدام مذہب کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ موذنوں، اماموں، اور خطیبوں کا اثر غالباً تمام دوسری ریاستوں کے مقابلے میں سلطنت عثمانیہ میں کم تھا لیکن اس کے مقابلے میں معلمین کے فرقے کو ایسا اقتدار اور اتنی اہمیت حاصل تھی کہ جس کی نظیر چین کے سوا کسی دوسری جگہ نہیں مل سکتی ہے۔[1]

علما کسی خاص مقدس فرقے سے تعلق نہیں رکھتے تھے بلکہ وہ فاضلوں اور ادیبوں کی ایک جماعت تھی جس میں صرف سیول عہدہ دار، مجسٹریٹوں، طبیبوں، اور پروفیسروں کے طبقے سے لوگ لیے جاتے تھے۔ سلسلۃ العلما میں معلمین و متعلمین، صاحبان خدمت اور طلبا شامل ہوتے ہیں۔ اول الذکر تمام لوگ مدارس اعلیٰ کے تعلیم یافتہ ہوتے تھے۔ جہاں صرف و نحو، منطق، علم کلام الٰہیات، اقلیدس، نجوم، فقہ اور دینیات کی تعلیم دی جاتی ہے۔ فقہ اور دینیات دو مختلف علوم ہیں مگر مسلمان ان کو ایک ہی سمجھتے ہیں۔

طلبا درجہ بدرجہ امتحانات میں کامیاب ہوتے تھے۔ پہلا درجہ طالب (طالب علم) تھا اس کے بعد دانشمند اور پھر ملازم (مکمل) کے درجے تھے۔ دانشمند کی سند امامت اور نیابت منصفی کے لیے یا مدارس تحتانیہ میں معلمی کے لیے کافی سمجھی جاتی تھی۔ ملازم کی سند مل جانے پر کسی مدرسہ (کالج) میں مدرسی (پروفیسری) اور مولا یا مجسٹریٹ کے اعلیٰ عہدوں کی آرزو کی جا سکتی تھی۔ اس آخری جماعت میں شامل ہونے کے لیے سات سال کے مطالعے کی ضرورت

---

[1] ہیمر۔

تھی جس کے بعد ملازم ایک اور امتحان پاس کرتے تھے اور کامیاب ہو جانے پر ان کو مدرس (پروفیسر) مقرر کر دیا جاتا تھا؛

مدرسین کی جماعت کے دس مدارج مقرر تھے جن پر یکے بعد دیگرے بلحاظ قدامت وہ فائز ہوتے تھے۔ ایک درجے سے دوسرے درجے پر ترقی کرنے کے لیے سلیمانی کے درجے سے شروع ہو کر علماء قدامت کے لحاظ سے مدرسین کی فہرست سے نکل کر مولا کے درجے میں آجاتے تھے؛

یہ طبقہ چھ جماعتوں پر منقسم تھا سب سے آخری جماعت مخرج ہے اس لفظ سے علمائے مدرسین کی جماعت سے ابتدائی تعلق اور مولا کے طبقے میں شمول کا اظہار ہوتا ہے؛

عثمانی مجسٹریٹ پانچ ایک دوسرے سے ممتاز مدارج میں بلحاظ اپنے مرتبہ اپنے اقتدارات، اور اپنے تعلق کے منقسم تھے؛

پہلا درجہ صدر روم یا روم ایلی کے قاضی عسکر، صدر اناطولی یا اناطولی کے قاضی عسکر استانبول قاضی سی یا قسطنطنیہ کے جج غلطہ، ایسکی دار اور سلطان ایوب کے مولائین کا تھا، پہلے دو سلاطین کی حکومت میں دارالسلطنت میں صرف ایک قاضی تھا اس کو اضلاع کے قاضیوں پر ایک قسم کی محض فضیلت اور فوقیت کے علاوہ کوئی دوسرا مزید اقتدار حاصل نہ تھا؛

مراد اول نے قرہ خلیل چندرہ لی کے لیے خاص طور پر قاضی عسکر کا عہدہ قائم کیا تھا اور تمام علما کو اس کا ماتحت کر دیا تھا؛

محمد ثانی نے صدر اعظم قہرامان پاشا کے مشورے پر جو قاضی عسکر می نیسا چلبی سی کے احترام سے حسد کرتا تھا اس خدمت کو دو شخصوں پر منقسم کر دیا (۱۴۸۰ء) ان دو نئے عہدہ داروں کو مجموعی طور پر صدرین کہا جاتا تھا جس کے معنے دو مساوی الاقتدار مجسٹریٹوں کے ہیں۔ ان میں سے پہلے کو یورپین صوبہ جات پر

ے۔ سعد الدین افندی Annals

قانونی اقتدار حاصل تھا اور دوسرے کو ویسا ہی اقتدار ایشیائی صوبہ جات پر تھا؛

محمد ثانی نے قسطنطنیہ کے تقریباً تمام عدالتی اختیارات کو ان میں تقسیم کر دیا تھا۔ مسلمانوں کے تمام مقدمات صدر روم کے قابل سماعت تھے اور غیر مسلموں کے صدر اناطولی کے؛

ان فرائض کی نوعیت اور وسعت نے بہت جلد حسد پھیلا دیا اور قسطنطنیہ کے چار دوسرے مجسٹریٹوں میں اس کے متعلق چہ می گوئیاں ہونے لگیں جن میں استانبول قاضی سی اور مولائے غلطہ مولاء ایسکی دار اور مولائے سلطان ایوب بھی شریک ہو گئے؛

اس دشمنی کا نئی عدالت پر یہ اثر پڑا کہ اس نے اپنے وہ حقوق اور اختیارات کھو دئے جو اس سے منسوب تھے۔ لیکن صدر روم نے اپنے کھوئے ہوئے اختیارات کو بہت جلد پھر حاصل کر لیا؛

سترھویں صدی میں اس وقت جب کہ صدر اناطولی کے اختیارات محدود سے محدود تر ہو رہے تھے اور یہ سمجھنا چاہئے کہ گویا بالکل جاتے رہے تھے صدر روم کے عدالتی اختیارات نہایت اعلیٰ و ارفع ہو گئے تھے۔ صدر روم تمام مقدمات میں دست اندازی کرتا تھا اور صدر اعظم دیوانی اور فوجداری کے تمام مقدمات، جن کی مشروط تحقیقات دیوان کیا کرتا تھا، اس کے پاس بھیج دیتا تھا۔ اس کو اپنی عدالت میں ان تمام مقدمات کو منتقل کر لینے کا حق حاصل تھا جو دار السلطنت کی دوسری عدالتوں میں زیر تحقیقات ہوتے تھے۔ اس کو تمام باشندگان شہر کے مکانوں پر چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، ان کی موت کے بعد، مہر کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ لیکن اس کو سب سے زیادہ شاندار اقتدار حاصل تھا کہ وہ ان تمام مقدمات کے متعلق جن کا جائداد غیر منقولہ اور سلطنت اور خزانے سے تعلق ہوتا تھا قواعد معین کرتا تھا۔ قاضی عسکر کے چھ خاص منصرم ہوتے تھے جن پر ذیل کے تقریباً تمام امور کی ذمہ داری تھی؛

تذکرہ جی۔ روزنامچہ جی۔ مطلبجی۔ تلخیصجی۔ مکتوب جی اور کہایہ؛

پہلا منصرم معتمد مستقل تھا، جس کے ذمے صوبے کے قاضیوں کے حکمنامہ جات گرفتاری کا نفاذ اور ملازم امیدواروں کے متعلق تمام قسم کی کارروائیوں کی دیکھ بھال تھی۔ دوسرا منصرم اس صیغہ کا ناظم تھا جو وظائف اور روزینہ، مذہبی کے لیے پروانہائے تقرر اجرا کرتا تھا۔ تیسرے کے فرائض میں صوبہ جات کے قاضیوں کی فہرست کی نگرانی تھی، جس کے متعلق وہ امیدواروں سے مراسلت کرتا تھا۔ یہی وہ شخص تھا جو مخلوعہ جائدادوں کی رپورٹ اور سفیر امیدواروں کو قاضی عسکر کے سامنے پیش کرتا تھا۔ چوتھا تمام قاضیوں کی مہر کا محافظ تھا۔ پانچواں اس تمام مراسلت کا ناظم تھا جو قاضی عسکر کی عدالت کی ماتحت عدالتوں سے کی جاتی تھی۔ چھٹا ایک قسم کا میر سامان تھا جس کی نگرانی میں مالیات کا صیغہ تھا؛

ان کے علاوہ قاضی عسکر کے تین قائم مقام بھی تھے، جو صرف عدالتی فرائض کے لیے رکھے گئے تھے۔ شریعتی آخری نوبت پر تمام خفیف مقدمات کا فیصلہ کرتا تھا۔ قسام جو وراثتوں کی کارروائی کرتا تھا۔ اور وقعی کاتبی ایک قسم کا سررشتہ دار عدالت تھا، جو قاضی عسکر کے اجلاس پر ہمیشہ موجود رہتا تھا اور فریقوں کے مطالبات اور جواب دعووں کو قلم بند کرتا تھا اور مقدمے کا خلاصہ فیصلے کے لیے پیش کرتا تھا۔ استانبول قاضی سی قسطنطنیہ کا ایک معمولی جج تھا، جس کی زیر نگرانی عدالتی کارروائیوں کے علاوہ تجارت، فنون، صنائع اور دارالسلطنت کے ذخائر خورد و نوش ہوتے تھے۔ اس موخرالذکر غرض کے لیے اس کے تین مددگار تھے، اون قپان نائبی، اشیاء خورد و نوش کا معائنہ کرتا تھا۔ یاغ قپان نائبی گھی اور مکھن کا معائنہ کرتا تھا اور ایاک نائبی اور ان پیمانہ جات کا معاینہ کرتا تھا اور اشیاء خورد و نوش کی قیمتوں اور ان کے قابل استعمال ہونے اور نہ ہونے پر نگرانی رکھتا تھا؛

مکہ اور مدینہ کے مولاؤں کا درجہ اس کے بعد تھا۔ ان کے بعد ادیرنہ بروصہ اور دمشق الشام کے مولاؤں کا درجہ تھا۔ موخرالذکر تینوں حجسٹریٹوں کا درجہ مساوی تھا اور ان میں سے کسی ایک کے توسط سے مکۂ معظمہ یا مدینۂ منورہ کو

ڈاک بھیجی جا سکتی تھی؛

غلطہ، ایسکی وار، سلطان ایوب، ازمیر، حلب، مینی شہر (لاریسا) اور سالونیکی کے مولا کم مرتبہ درجہ اول کے مجسٹریٹ تھے؛

یہ تمام عہدے تاحیات عطا کیے جاتے تھے۔ صرف سترھویں صدی کے اخیر میں اس قانون میں یہ ترمیم کی گئی تھی کہ ان پر سالانہ تقررات عمل میں لائے جائیں نہ کہ تاحیات؛

صرف قاضی عسکر اور استانبول قاضی سی کو صدر اعظم کے محل سے اور اس کی موجودگی میں پروانہ تقرر ملا کرتا تھا۔ وہ مجلس اعلیٰ کے رکن ہوتے تھے۔ قاضی عسکر بھی دیوان سرائے کی اسی بنچ پر بائیں جانب بیٹھتے تھے جس پر کہ خود صدر اعظم بیٹھا کرتا تھا۔ اور سب سے آخری نوبت پر ان دو اعلیٰ مجسٹریٹوں اور استانبول قاضی سی کو نقیب الاشراف کا مشترکہ عہدہ حاصل تھا۔ جس کی رو سے ان کو تمام ان امرا پر قدرت حاصل ہو جاتی تھی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد تھے۔ یہ آخری عہدہ دوامی تھا اور عام طور پر ناظم عدالت کے اختیارات سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس صاحبِ عہدہ کو اپنے عہدے کی بنا پر اکابر سلطنت پر بیعت کے جلسۂ عام اور عیدین کے موقع پر فضیلت حاصل ہو جاتی تھی؛

نقیب الاشراف کو بشرکت مفتی تقریب السیف کے خاص خاص اختیارات حاصل تھے، جو محمد ثانی کے زمانے سے تاج پوشی کے بجائے قائم ہوئی تھی۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار مبارک کا خاص محافظ اور خاص طور پر سنجک شریف یعنی اس علم مقدس کا نگران تھا جو صرف بادشاہ یا صدر اعظم کے ساتھ لڑائی میں جاتا تھا۔ سب کے آخر میں وہ تمام امرائے کے مقابلے میں مدیر الضبط کے اختیارات بھی برتتا تھا۔ صرف اسی کو

لہ۔ امرا کی تعداد بہت زیادہ تھی اٹھارھویں صدی میں ڈی اوبسن نے ان کو آبادی کے تیسویں حصے کے برابر شمار کیا ہے۔

سنگین سزاوں کے نافذ کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ صرف اسی کے کونک میں امرا کو تادیب دی جاتی تھی اور صرف اسی کو ان کے خلاف فیصلے جات کے نافذ کرنے کا حق تھا؛

مجسٹریٹوں کے پہلے درجے میں سرائے کے خاص خاص عہدہ دار، خواجہ (معلم سلطان) حکیم باشی (افسر الاطبا) منجم باشی (افسر منجمین) اور ہنکار امامی (امام سرائے) بھی شامل تھے۔ مارش، بغداد، بصرہ، سفیہ، بلغراد، کتاہیہ، کونیہ، اور فلپوپولی کے مولاین درجۂ دوم کے مجسٹریٹوں میں شامل تھے، جن کی تعداد ہمیشہ سترہ ہوتی تھی؛

مولا کا لقب جو دوسرے قاضی عسکر کے تقرر کے بعد سلطنت میں اختیار کیا گیا تھا، صرف درجہ اول کے مجسٹریٹوں کو ملتا تھا۔ یہ درجۂ دوم کے مجسٹریٹوں کو دینا جائز نہ تھا، جن کا اصلی لقب مناسب دوریہ تھا۔ تیسرے درجے کے مجسٹریٹ جن کو مفتش کہتے تھے، صرف پانچ عدالتوں میں تھے تین قسطنطنیہ میں ایک بروصہ میں اور ایک ادرنہ میں یہ لوگ صرف مقدمات اوقاف کا تصفیہ کیا کرتے تھے۔ دوسرے قصبوں میں باستثنائے مکۂ معظمہ، مدینۂ منورہ اور بیت المقدس، جن کا تعلق قسطنطنیہ کی عدالتوں سے تھا مولا، قاضی اور نائب آخری نوبت پر اوقاف کی متعلقہ نزاعات کا تصفیہ کیا کرتے تھے؛ چوتھے درجے کے مجسٹریٹوں میں معمولی معمولی قصبوں کے قاضی شامل تھے۔ اس طبقے کو حسب ذیل سررشتوں میں منقسم کیا گیا تھا؛

(۱) قصبات روم ایلی یا یورپین قصبات جن میں مختلف درجوں کے (۱۹۷) قاضی تھے۔

(۲) اناطولی یا قصبات ایشیا جن میں دس مختلف درجوں کے (۲۲۳) قاضی تھے۔ یہ عہدے اٹھارہ مہینے کے لیے دیئے جاتے تھے۔ قاضی عسکر کو ان عدالتی خدمات پر امیدواروں کو نامزد کرنے کا اختیار حاصل تھا ہر قاضی عسکر اپنے سررشتے میں ان میں سے بعض خدمات کو ایسی صورت میں موروثی قرار دینے کا مجاز تھا جب کہ کوئی امیدوار خاص طور پر عمر، صفات اور

ذہانت کے لحاظ سے قابل لحاظ ہوتا تھا، کم مراتب ججوں کو جو پانچویں درجے کے مجسٹریٹ تھے نائبین کہتے تھے اور درحقیقت یہ لوگ قاضیوں اور مولاؤں کے عوض خدمت ہوتے تھے؛ اس طبقے میں پانچ جماعتیں تھیں۔

(۱) قضاء نائب یعنی ان مقامات کے مجسٹریٹ جن کو اپنے نمائندے منتخب کرنے کا حق حاصل تھا ان مواضعات میں مقرر کیے جاتے تھے جو قضاء کے نام سے مشہور تھے اور ایک علیحدہ قسمت قائم کرتے تھے۔

(۲) باب نائبی اول اور دوسرے درجے کے مولائین کے عوض خدمت تھے۔

(۳) مولا وکیلی، مولاؤں کے غیاب میں ان کی جگہ کام انجام دیتے تھے۔

(۴) قاضی وکیلی، قاضیوں کے عوض خدمت تھے۔

(۵) ارپالقہ نائبی، قبیلوں کے جج تھے۔

یہ مختلف جماعتیں اپنے ارکان کے لیے کسی خاص اقتدار کا باعث نہیں ہوتی تھیں بلکہ ان سب کے اختیارات مساوی تھے۔ اگرچہ یہ تقررات قاضی عسکر کی صوابدید پر منحصر ہوتے تھے جو ان کی تنخواہوں میں سے کچھ رقم اپنے لیے بچا لیا کرتے تھے لیکن مجسٹریٹ تاحیات مقرر کیے جاتے تھے؛

معمولی ججوں کے علاوہ دو غیر معمولی جج بھی تھے ایک ململم قاضی سی اور دوسرا اردو قاضی سی ململم قاضی شہسام سے مکہ کو جو حاجیوں کا قافلہ جاتا تھا اس کے ساتھ رہتا تھا اور دوسرا اس اسکواڈرن کے ساتھ رہتا تھا جو ہر سال مجموعۃ الجزائر کا دورہ کیا کرتی تھی؛

جنگ کے زمانے میں ایک، اردو قاضی فوج کے پرووسٹ[۵] مارشل

۵۔ پرووسٹ مارشل سے مراد فوج کا وہ جنرل ہے جو مفرور سپاہیوں کو سزا دینے اور ان کو غارت گری سے روکنے کے لیے تعزیری تدابیر اختیار کرنے کا مجاز ہوتا ہے (رعنا)

کی خدمات کو انجام دینے کے لیے مقرر کیا جاتا تھا۔ وہ صدر اعظم کے ساتھ لڑائی میں جاتا تھا۔ اس کو شیخ الاسلام ہمیشہ خاص خاص مولاؤں میں سے منتخب کرکے نامزد کیا کرتے تھے اور اس کا تقرر تین اول درجے کے مجسٹریٹوں کی طرح خود صدر اعظم کرتا تھا۔ ایک حیثیت سے وہ قاضی عسکر کا، جو صرف اس وقت دارالسلطنت کے باہر جاتے تھے جب کہ خود سلطان فوجی مصروفیتوں میں شریک ہوتا تھا، نائب ہوتا تھا؛

قانون نامہ میں مرافعے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے "جب ایک فوجداری مقدمے کی قانونی طور پر تحقیقات ہو چکی ہے اس کے متعلق بحث و تحمیص کی جا چکی ہے اور اس کا مرافعہ کیا جا چکا ہے تو کیا پھر بھی وہ انصاف کے لیے پیش کیا جا سکتا ہے؟ ایسا نہیں ہو سکتا[۱]" مجسٹریٹ ایک ہی وقت میں سکاک بھی ہوتے اور رتاویبی عہدہ دار بھی؛

عدالتوں میں نہ مشیر تھے اور نہ اسیسر (عامل یا ثالث) رجسٹرار وقیقی کاتبی وکلا کو مدد دیتا تھا اور ہمیشہ فریقین کی پیش کردہ دفعات اور نظایر کو درج کرنے کے لیے تیار بیٹھا رہتا تھا۔ اکثر ایسا ہوا کرتا تھا کہ وہ مقدمات کی تحقیقات کراتا تھا اور مجسٹریٹوں کے فیصلوں کی نوعیت کا انحصار اسی پر تھا اپنے اپنے مقدمات کی پیروی فریقین یا تو خود ہی کیا کرتے تھے یا ایسے مختار پیروی کرتے تھے جنھیں عدالت نے اس امر کا مجاز کر دیا ہو۔ دو شاہدوں کی گواہی دیوانی اور فوجداری دونوں مقدمات میں بالکل کافی سمجھی جاتی تھی"[۲]؛

مفتی تقریباً دو سو حکما یا وکلا کی ایک جماعت پر مشتمل تھے جن کا صرف یہ کام تھا کہ وہ ان لوگوں کو فتویٰ دیں جن کو اصول، اخلاق یا دیوانی اور فوجداری عدالتی کارروائیوں کے متعلق مذہبی احکام دریافت کرنے کی ضرورت ہو ایک بڑے شہر میں ایک سے زیادہ فرق نہیں ہوتا تھا اور جو شخص سلطان سے جتنا

---

[۱] ۔ یہ مفتی بہجی عبداللہ آفندی کا فتوی ہے (رعنا)۔
[۲] ۔ دوسون ۔ مرقع دولت عثمانیہ

زیادہ قریب ہوتا تھا اس کو دوسروں پر اتنی ہی فوقیت حاصل ہوتی تھی؛

قدیر بیگ چلبی کی وفات پر فرامرز زاد خسرو محمد آفندی نے شیخ الاسلام استانبول قاضی سپی اور غلطہ اور ایسگی دور کے مولاؤں کی خدمات خود ہی حاصل کر لیں (۸۶۳ھ ۱۴۵۹ء) لیکن وہ بعض خانگی اسباب پر ان عہدوں سے مستعفی ہو گیا (۸۷۲ھ ۱۴۶۷ء) سلطان نے اس کے مستعفی ہو جانے کے بعد مفتی اور قاضی کے عہدے علیحدہ علیحدہ کر دیئے اور پہلے عہدے پر عبدالکریم آفندی کو مقرر کر دیا۔ مفتی کا اقتدار جو مذہب پر مبنی تھا بہت جلد سب پر حاوی ہو گیا۔ مفتیوں کے فتوے اکثر سلاطین کی جابرانہ قوتوں کو حق بجانب ثابت کرتے رہتے تھے؛

اس نہایت مضبوط دستوری جماعت نے جو صدر اعظم محمود کی قائم کی ہوئی تھی ان عالمگیر ترقیوں پر جو ان کی آنکھوں کے سامنے کی جا رہی تھیں آل عثمان کو قائم رکھنے میں کچھ کم کوشش نہیں کی تھی۔ سلطان کے دل میں مذہبی جذبہ پیدا کرنا مذہب کا سختی کے ساتھ پابند بنانا اور روایات مذہبی پر جن کی بنا پر کسی قسم کے انقلابات واقع نہیں ہو سکتے بغیر سمجھے بوجھے اس کو کاربند کرنا انھوں نے اپنا فرض قرار دے لیا تھا؛

قانون نامہ کے دوسرے حصے میں برادر کشی کو اصولاً اور قانوناً جائز رکھا گیا تھا۔ "علما نے اس بات کو جائز قرار دیا ہے کہ میرے ہونہار بیٹوں اور پوتوں میں سے جس شخص کو بھی اقتدار اعلیٰ حاصل ہو جائے وہ اپنے بھائیوں کو دنیا میں امن قائم رکھنے کی نیت سے قتل کر سکتا ہے"؛

محمد نے عملاً اس اصول کو نافذ کر دکھایا۔ تخت نشیں ہونے کے بعد اس کا پہلا کام اپنے بھائی کو قتل کرانا تھا جو ابھی اپنی ماں کی گود میں پرورش پا رہا تھا؛

تیسرے حصے میں دیت کے اصول اور قاعدے مقرر کیے گئے تھے۔ قتل کی دیت تین ہزار اصفر تھی، ایک آنکھ پھوڑ ڈالنے کی دیت ڈیڑھ ہزار اصفر تھی اور سر کو زخمی کرنے کی تیس اصفر۔ اس جرمانے کو وصول کرنے کا فرض

پولس کا تھا۔ سلیمان پرشکوہ کے اضافوں کے ساتھ قانون نامۂ آل عثمان کا مکمل ضابطہ دیوانی تھا؛

سلطنت بائی زنطہ میں بستے وقت ترکوں نے بائی زنطینی سلطنت کے قوانین، طریقوں، رسموں، تقریبوں، نمائشی آداب سیاسی انتظامات، مالیات، اور بلدیہ میں بہت کم مداخلت کی۔ یونانیوں اور رومیوں کے عادات، خصائل اور مذہب کو اختیار کرکے ان لوگوں کی تہذیب اختیار کرنے اور مفتوح قوم کو فاتح قوم سے متحد کرنے اور ایک قوم بن جانے کی کوشش کے بجائے عثمانیوں نے اس خط فاصل کو اور زیادہ واضح کردیا جو ان کو اپنی رعایا سے علیحدہ کرتا تھا۔ اور بائی زنطیوں کے شائستہ، جابرانہ، حریص اور ناقص آئین و قوانین کو حاصل کرلیا اسی کے ساتھ ساتھ انھوں نے اگر حقیقی طور پر نہیں تو اعتباری طور پر رومیوں کی محصول بندی کا طریقہ اختیار کرلیا اور بستامہ اور ارنادطلعہ کے باجگزاروں کے حقوق کو تسلیم کرلیا۔ پھر انھوں نے آہستہ آہستہ بیگلک کے نام سے وسیع جاگیریں قائم کیں جو کاشتکاروں کی غلامانہ خدمات پر منحصر تھیں زعامت اور تمار کے قابض سپاہیوں کو شوق دلایا کہ وہ اپنے حقوق عشر کو زمین اور اشخاص کے حقوق مالکانہ میں تبدیل کردیں؛[۱]

لیکن اس کے باوجود دو صدیوں تک فاتح اور مفتوح اس طرح مل جل گئے تھے کہ ان میں ایک ہی قسم کے جذبات اور ایک ہی قسم کی برائیاں پھیلی ہوئی تھیں؛

عثمانی فوج میں عیسائی بھرے ہوئے تھے۔ بعض کو جبراً مسلمان کرلیا گیا تھا اور بعض کمک کے نام سے موسوم تھے۔ بہت سے وزرا اور سرداران فوج عیسائی الاصل تھے۔ تمام ارکان انتظامی، کاتب، تحصیلدار، اور سفرا یا توسلافی تھے یا یونانی۔" فان ہیمر کا بیان ہے کہ عثمانیوں کا یہ ایک مقولہ تھا کہ سلطنت کے

---

[۱] (Spres, les Peuples de la Turquie")

اعلیٰ عہدوں پر فائز ہونے کے لیے عیسائی ہونے کی ضرورت ہے۔" ایک مورخ نے بھی دلائل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ "ترکی قوم اسی طرح معرض وجود میں آئی ہے جس طرح کہ ملینی شہری قائم کی گئی تھی جو ترکی قوم کا نمونہ تھی اور جس میں یونانی، سلافی، ارناوط، بلغاری لوگوں کو بھرتی کیا گیا تھا جن کے تشدد نے ان کو بے دین بنا دیا تھا۔ اگر عثمانی طاقت نے اتنی قوموں کو پامال کر ڈالا تو اس نتیجے کو ترکوں کے مجہول اور ناتراشیدہ خصائل سے منسوب نہیں کرنا چاہیے بلکہ یونانیوں اور سلافیوں کی نفاست اور مستعدی اور اہل ارناؤطلعہ اور دال ماچیا کی بے باکی اور اہل بتامہ اور کروٹ کے استقلال یا دوسرے لفظوں میں مفتوحہ ممالک کے باشندوں کے جوہروں اور ان کی خوبیوں سے منسوب کرنا چاہیے[1]"

---

[1] (Ranke, "Nistoire de la Revolution Serbe")

پانچواں باب

بایزید ثانی اور سلیم اول (۱۴۸۱-۱۵۲۰)

جم اور بایزید (۱۴۹۵) مصر اور ہنگری اور بندقیہ (وینس) کی جنگیں۔ بایزید کی وفات۔ (۱۵۱۲) سلیم اول اور شاہ اسمٰعیل۔ کردستان کی فتح (۱۵۱۵) فتح مصر (۱۵۱۷) سلیم کی وفات (۱۵۲۰)

جم اور بایزید

قانون کی رو سے سلطان کا خلف اکبر تخت کا وارث تھا لیکن صدر اعظم محمد کرمانی نے سلطان کے چھوٹے بیٹے جم کے اعلیٰ اوصاف پر فریفتہ ہو کے قانون وراثت کو بدل دینے کا منصوبہ سوچا۔ اس منصوبے کی بجا آوری کے لیے اس نے سلطان کی وفات کا حال مخفی رکھا۔ اور سلطان کی نعش کو ایک بند گاڑی میں قسطنطنیہ منتقل کرایا۔ اور خبر یہ اڑائی کہ سلطان جنگ کی مشقتوں سے مضمحل ہو گیا ہے۔ غسلوں سے صحت حاصل کرے گا۔ جم کو مشورہ دیا گیا کہ دار الخلافت میں جلد سے جلد چلا آئے۔ قسطنطنیہ اور ایشیا کے ساحلی شہروں کے دروازے

بند کر دیئے گئے۔ تاکہ استنبول سے فوج کا تعلق منقطع ہو جائے۔ ان پیش بندیوں سے سرکش سپاہ میں بدگمانیاں پھیل گئیں۔ اس نے بغاوت کا علم بلند کیا۔ اور قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوئی۔ قسطنطنیہ تباہ کر دیا گیا اور صدر اعظم قتل کر دیا گیا۔
بایزید نے چار ہزار فوج کے ساتھ تیزی سے امیسیا کا رخ کیا۔ باغیوں کے مطالبات مجبوراً اس کو منظور کرنے پڑے۔ اس نے صدر اعظم مصطفےٰ کو اپنی کمزوری سے باغیوں کی نذر کر دیا۔ اور تخت نشینی کی خوشی میں ان کی تنخواہیں اضافے کے ساتھ تقسیم کیں۔
بایزید کے مقابلے میں جم تخت کا دعویدار رہا۔ اس کا دعویٰ اس فرضی دلیل پر تھا کہ بایزید کی ولادت اس وقت ہوئی ہے جب کہ محمد فرمانروا نہ تھا بلکہ ایک معمولی آدمی تھا۔ اس لیے بایزید کو سلطان کا بیٹا نہیں بلکہ ایک معمولی آدمی کا بیٹا سمجھنا چاہیئے۔ بروصہ کی فصیل کے باہر جاں نثاریوں کو شکست ہوئی جو ایاز پاشا کی کمان میں تھے۔ بروصہ کے دروازے فرضی مدعی کے لیے کھل گئے۔ دونوں بھائیوں کا پھر وادی مینی شہر میں مقابلہ ہوا۔ یاقوت نے دغا دی اور جم کو باوجود اپنی بہادری کے کامیابی سے دست کش ہونا اور قاہرہ کے مملوک سلطان کے دربار میں پناہ لینی پڑی۔
قاسم بے اور محمود سنجک بے والیٔ انگورہ اور بابعالی کے باجگزار والیوں کی درخواستوں پر جم نے پھر جنگ کا تہیہ کیا۔ لیکن اس کی یہ دوسری کوشش بھی مثل پہلی کوشش کے ناکام رہی۔ سلیمان پاشا حاکم امیسیا نے انگورہ میں محمود کو شکست دی۔ جم کی فوجوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا جس سے اس کو عدنہ کے پہاڑوں میں پناہ گزیں ہونا پڑا۔ قاسم بے کی رائے سے دعویدار نے رہبان رھوڈس کے پاس پناہ لینے کا ارادہ کیا۔ راہبوں نے اس کا بہت اعزاز کے ساتھ خیر مقدم کیا مگر بہت جلد سفرائے بایزید پہنچ گئے سردار رہبان کے سامنے بایزید کا صلح نامہ پیش کیا۔
ایک خفیہ شرط سے سلطان نے سالانہ پینتالیس ہزار ڈوکٹ دینے کا ذمہ لیا اور وہ خفیہ شرط یہ تھی کہ اس کے بھائی کو اسیر رکھا جائے گا۔ اس

شرمناک معاہدے کو رہبان رھوڈس نے قبول کر لیا۔ جم فرانس پہنچایا اور قلعہ بورگنیف میں قید کر دیا گیا جو ان راہبوں کے علاقے میں تھا۔
اس کے بعد رھوڈس کے راہبوں نے جم کو پاپائے انوسینٹ ہشتم کے حوالے کیا (۱۴۸۹ء) جم نے تین سال روما میں بیکاری میں گزارے۔ اس عرصے میں بایزید نے اس کے قتل کی کئی کوششیں کیں۔ جب انوسینٹ ہشتم کے مذہبی تخت کا جانشین الکزنڈر بورجیا ہوا۔ تو بدقسمت جم کے متعلق پھر خرید و فروخت شروع ہوئی۔ الکزنڈر (ششم) نے جم کو سالانہ چالیس ہزار ڈوکٹ کے معاوضے میں ہمیشہ قید رکھنے کا اور تین لاکھ ڈوکٹ پر جم کے قتل کا ذمہ لیا۔
اس ذلیل معاہدے کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی کہ چارلس ہشتم نے اطالیہ پر حملہ کر دیا۔ رومہ نے اپنی شہر پناہ کے دروازے کھول دیئے۔ اور پاپائے رومہ جب اپنے قلعہ سینٹ اینجلو میں محصور کیا گیا تو اس نے اپنے قیدی کو رہا کر دیا۔
رومہ کے بہادروں کی داستان پاستان سے اثر قبول کر کے نوجوان شہزادے نے مملکت مشرق کی فتح کا خوش آیند خواب دیکھا تھا۔ اس پیلیولگس کے ایک سپوت نے اپنا تخت پائی زنطہ کا حق اس کے نذر کیا۔ طے پایا کہ رھوڈس کا سردار رہبان فوج کی کمان کرے۔ اسکاٹلینڈ اور ہنگری اور بندوقیہ کے بادشاہوں نے مدد دینے کا وعدہ کیا۔ ارنا وطلعہ اور رومیلی میں چالاک کارندوں کی کوششیں سرسبز ہوئیں اور یہ ملک بغاوت پر مستعد ہو گئے۔ دورازو کا اسقف اعظم اور مرڈینیس اس سازش کے سرغنے تھے۔ شاہ فرانس کے مشیروں کا خیال تھا کہ جم اس طریقے سے اسلامی قوتوں کی پراگندگی اور خانہ جنگیوں کا باعث ہوگا۔
بندوقیوں کی دغابازی اور اپنی پرخطر حالت سے خبردار ہو کے بایزید نے بورجیا کی تجویز منظور کی۔ قتل کی قیمت پوری ادا کی گئی اور جم کا ناپولی میں زہر سے انتقال ہوا (۲۴ فروری ۱۴۹۵ء) فتنۂ سازش کو سلطان نے چالیس ہزار عیسائیوں کے قتل سے فرو کیا۔ اور اس کے رہے سہے افکار بھی چارلس ہشتم کے انتقال سے جلد دور ہو گئے۔

بھائی کی شکست اور فرار کے بعد جب بایزید سلطنت کا مالک ہوا تو باپ کے اطالیہ کے منصوبوں کو تازہ کیا۔ انکونا کی سرحد میں بوکولینو اوسیمو کا مطلق العنان فرمانروا تھا۔ پاپائے انوسینٹ ہشتم جب اس کے درپے ہوا تو اس نے عثمانیوں سے مدد طلب کی اور معاوضے میں اوسیمو کی بادشاہی بایزید کے نذر کی لیکن لارنزو ڈی میڈی سی کی مداخلت سے یہ منصوبہ ناکام رہا۔ بوکولینو میدان میں گرفتار ہوا اور بغیر سماعت کے پھانسی پائی۔ اس کی موت کی بدولت مسلمان گرجا کے علاقوں میں تصرف کرنے سے رہ گئے۔ سلطان کا معاہدہ بندقیوں کے ساتھ کامیابی سے طے ہوا۔ سلطان نے بندقیہ سے اجازت چاہی تھی کہ جب تک مصر سے جنگ جاری رہے اس کا بیڑا ٹیماگوستا کی بندرگاہ میں رکھا جائے۔ مجلس کو ناپسند تھا کہ سلطان کا بیڑا بندقیہ کے علاقے میں رہے اس لیے اس نے اس تجویز کو یہ کہہ کے ٹال دیا کہ ہماری جمہوریت اور شاہ مصر کے درمیان صلح ہے (۱۴۸۷)

ترکی اور مصر کی خونریز جنگ کا سبب جم کی وہ مہانداری اور خیر مقدم تھا جو شاہ مصر کی طرف سے عمل میں آیا تھا۔ یہ جنگ اس کے بیٹے سلیم اول کے زمانے میں ختم ہوئی جس نے ملک فراعنہ کو فتح اور مملوک سلاطین کے خاندان کا خاتمہ کیا۔

ممالک مصر و ہنگری و بندقیہ سے معرکہ آرائیاں

بایزید کی وفات (۱۵۱۲)

قبائل اوچوک کے ترکمان، والئ رمضان کی رعایا تھے۔ جب ان لوگوں نے مصری علاقوں پر حملے شروع کیے۔ تو مصریوں نے مرسین اور عدنہ کے قریبی قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ (۱۴۸۵) بایزید نے گورنر قرہ غوز پاشا کو حکم دیا کہ ان قلعوں سے مصریوں کو نکال باہر کرے۔ قرہ غوز پاشا مرسین کی گھاٹیوں میں بڑھ رہا تھا کہ عوض بے اور والئ حلب نے مرسین اور عدنہ پر قبضہ کر لیا۔ اور قاسم بے کے پوتے محمد نے کرمانیا کو بغاوت پر ابھارا جس سے ایک عثمانی فوج جو ہرسک احمد پاشا کی

کمان میں تھی سخت ہزیمت ہوئی۔

صدر اعظم داؤد پاشا نے معاملات کا وقتی انتظام کیا۔ کرمانیا کی آگ دب گئی۔ اور قبائل واسک اور ظوروغوت کو سخت سزا دی گئی (۱۴۸۷)۔ لیکن ایک نئی فتح سے جو عوض بے کو علی پاشا پر ہوئی (۱۴۸۸) عثمانی افواج کے مصائب کا ایک نیا باب شروع ہوا۔ یہ حالت دیکھ کے سلطان نے صلح کا ارادہ کیا۔ اور مصریوں کو بلاد مفتوحہ اور ان کی حکومت واپس دی (۱۴۹۱)۔

یہ ناکامی کا دھبہ مٹانا ضرور تھا۔ اور یہ ناکامی کا دھبہ عیسائیوں پر ایک شاندار فتح کے بغیر نہیں مٹ سکتا تھا۔ میتھیاس کارون کے مرنے سے ہنگری میں بدنظمی پھیل گئی تھی اس لیے بایزید کو امید تھی کہ اب بلغراد پر اس کا قبضہ ہو جائے گا۔

خادم سلیمان پاشا نے ہرستمان ہنگری پر حملہ کیا اور ایک محافظ دستے نے بلغراد کا محاصرہ کر لیا۔ یہ وہ شہر تھا جس کو مراد دوم اور محمد فاتح رام نہ کر سکے تھے۔ سلیمان پاشا کی اس المضاعف کوشش کا مجریوں نے کامل دفعیہ کیا۔ اس کو ٹرنسلوفیا کے پہاڑوں میں ہزیمت ہوئی اور وہ دریائے طونہ کو تیزی سے عبور کرنے اور بلغراد کا محاصرہ اٹھا دینے پر مجبور ہوا۔ اور تمام سامان رسد بھی اس نے دشمن کے حوالے کر دیا (۱۴۹۲)

سلطان خود نمسا میں گھس گیا۔ کارنتھیا کارنیولا اور آسٹریا میں آتش زنی اور قتل عام کیا۔ اس زمانے کی تواریخ میں ان بے شمار مظالم کے دردناک واقعات بیان کیے گئے ہیں جو فاتحین کی طرف سے ان بدقسمت صوبوں کے باشندوں پر عمل میں آئے تھے۔

شاہی فوج نے امیر کانیز کی کمان میں کارنتھیا میں ولک کے قریب مسلمانوں کا پامردی سے مقابلہ کیا۔ عثمانیوں کو سخت ہزیمت ہوئی۔[۱]

---

[۱] مسلمان پندرہ ہزار قیدیوں کو گرفتار کر کے لے جا رہے تھے۔ مگر دوران جنگ میں ان قیدیوں نے اپنی زنجیریں توڑ ڈالیں۔ اور عقب سے عثمانی فوج پر حملہ آور ہوئے۔

ظلم میں فاتحین نے خود کو اپنے دشمنوں کے برابر ثابت کیا۔ کائیزر کے حکم سے چند قیدیوں کو تھیلوں میں سی کے پانی میں ڈال دیا گیا۔ چند قیدی زندہ جلا دیئے گئے۔ بعضوں کو چکی میں پسوایا گیا اور بعض بھوک نے یا کھیتوں میں پھینک دیئے گئے جہاں بھوکے سور بھرے پڑے تھے۔ علی پاشا میکال او غلی پر میدان جنگ میں باڑ چلائی گئی (۱۴۹۳)

ایک اور علی پاشا کا جو سمندریہ کا گورنر تھا ایسا ہی حشر ہوا۔ وہ ٹرانسلوینیا کی ناکام یورش سے واپس ہو رہا تھا کہ اسٹیفن (تھلیگ) کی سرکردگی میں ہنگریوں سے مٹ بھیڑ ہو گئی۔ اس کے پندرہ ہزار آدمی ضائع ہوئے اور مال غنیمت اور غلاموں سے بھی اس کو ہاتھ دھونا پڑا۔

ان ہزیمتوں سے عثمانیوں کی تاخت و تاراج میں کمی نہ ہوئی۔ دوسرے سال یعقوب پاشا نے آسٹریا کو از سر نو تباہ کیا۔ سدھور کی گھاٹی میں امرائے خروات نے اسے گھیر لیا تھا۔ مگر ان پر فتح حاصل کر کے اس نے اپنا راستہ نکالا۔ ہنگری کی لڑائیاں تین سال کے التوائے جنگ سے موقوف ہوئیں۔ (۱۴۹۵) مگر عثمانی فوجوں نے بندقی صوبوں پر باقاعدہ تاخت جاری رکھی۔ نیپلس اور فلورنس اور میلان کے گماشتوں کے اشتعال پر سلطان نے بندقیہ کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا توڑ دیا اور لیپانٹو کا خشکی اور دریا کی طرف سے محاصرہ کیا (۱۴۹۸)۔ بندقی بیڑے کی شکست سے لیپانٹو کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا۔ محصورین نے داؤد پاشا کی اطاعت قبول کی۔ اسی وقت اسکندر پاشا حاکم بوسینہ نے فریول اور کارنتھیا پر حملہ کیا۔ بتیس قصبوں میں آگ لگا دی گئی۔ کارنیولا اور باشندگان کارنتھ کا ویرانی اور خون کی ندی میں کام تمام ہوا۔ (۱۴۹۸-۱۴۹۹)

داؤد پاشا نے فتوحات کے سلسلے میں مودن اور نوارن[۱] اور کورن یکے بعد دیگرے فتح کیے۔ لیکن ناپلیا کے آگے اس کی کچھ نہ چلی۔ بہادر کنتارمینی نے پامردی سے اس کی مدافعت کی (۱۵۰۰)۔

---

[۱] پائلاس قدیم

جب بندوقیہ والوں نے دیکھا کہ تنہا عثمانیہ سلطنت کا مقابلہ نہیں ہو سکتا تو انھوں نے عیسائی سلطنتوں سے مدد کی درخواست کی۔ ایک جتھا قائم ہوا جس میں پاپائے رومہ اور ہنگری شریک تھے۔

فرانس اور ہسپانیہ نے جہازوں کے ایک ایک دستے کا انتظام کیا جو بندوقی اور پاپائے رومہ کی کشتیوں کے ساتھ شریک ہو گئے۔ تمام مقامات میں عیسائیوں نے جارحانہ حملے کئے۔ بنڈیٹو پیسارو نے بارہ جہازوں کے عثمانی بیڑے کو ووٹیسا کے پاس بالکل تباہ کر دیا۔ گنسلو وڈی کرڈوا نے جو "سپہ سالار اعظم" کے نام سے مشہور ہے ایشیائے کوچک کے ساحل کو جلا دیا اور پاپائے رومہ کی کشتیوں نے جزائر کے عثمانی مقبوضات میں لوٹ مار کی (۱۵۰۱)۔

بندوقی امیر البحر پیزارو نے پریونیرا میں بحری فتح حاصل کی۔ متحدین کے دستوں نے سینٹ مار پر قبضہ کیا۔ عثمانیوں کا قبرس پر حملہ ناکام رہا جس کی مدافعت پر نیکولائی کیپلو مامور تھا۔ کرمانیا کے قبائل نے بغاوت کی۔ ان تمام وجوہ سے سلطان بایزید کو صلح پر مجبور ہونا پڑا (۱۵۰۳)

جمہوریہ بندوقیہ نے نئے مفتوحہ علاقوں میں صرف سیفالونیا اپنے علاقے میں رکھا۔ اور مودن کے علاوہ کورن اور لیپانٹو بھی حوالے کیا۔ ساتھ ہی لیڈسلس شاہ ہنگری سے سات سال کے لیے التوائے جنگ کی گئی۔

عثمانیہ سلطنت اور روس میں چند سال پہلے تعلقات قائم ہوئے تھے۔

نویں صدی عیسوی سے اور کوچ دزرا کی عملداری میں روسیوں نے عثمانی سلطنت میں دہشت پھیلا دی تھی۔ چالیس ہزار وارنگیوں نے خود قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا تھا۔ چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں میں تقسیم ہونے کے بعد ان کا زور ٹوٹ گیا۔ اور یہ سلطنتیں قریب قریب مغلوں کی غلامی میں آگئیں۔ ۱۴۸۱ میں امیر الامرائے ماسکو، ایوان سوم نے تاتاریوں کو مار بھگایا۔ اور روس کے بیشتر علاقے اپنے قبضے میں لے آیا۔ ۱۴۹۲ میں خان قرم کی ثالثی سے

اس نے سلطان کے ساتھ اتحاد کیا۔ ۱۴۹۵ء میں ماسکو کا ایلچی استنبول بھیجا گیا۔ چار سال بعد امیر الامرا نے روسی تجار کے لیے تجارتی حقوق حاصل کیے۔
جنگ سے دست بردار ہو کے سلطان بایزید سلطنت کے اندرونی نظم ونسق میں منہمک ہوا۔ ان ہی دنوں ایک نہایت شدت کے زلزلے سے قسطنطنیہ قریب قریب تباہ ہو گیا (۱۴ ستمبر ۱۵۰۰) ایک ہزار ستر مکانات اور سو نئی مسجدیں گر پڑیں۔ سرائے اور شہر پناہ کی دیواریں بھی منہدم ہو گئیں۔ شہر کے کچھ حصے میں سیلاب آیا۔ پینتالیس دن تک متواتر زلزلے آتے رہے۔ گیلی پولی اور ڈیموٹیکا اور چورلو مٹی کا ڈھیر ہو گئے۔ ادرنہ کا بھی یہی حال تھا۔
سلطنت کو مستحکم کرنے کے لیے بایزید ثانی نے صوبوں کا انتظام اپنے بیٹوں اور پوتوں کے ہاتھ میں دیا۔ یہ ایک ایسی غلطی تھی جو بعد میں خانہ جنگیوں کا باعث ہوئی۔ طرابزون اور امیسیا اور ٹیکیہ اور کرمان کی عملداریوں کو اپنے بیٹوں سلیم، احمد، کورخود اور شہنشاہ میں تقسیم کر دیا تھا۔ اور سلیم کے بیٹے سلیمان کو بولی کا والی بنایا تھا۔
احمد کی شکایات پر سلطان نے اپنے اس فیصلے کو بدل دیا اور اپنے پوتے کو کافہ کی حکومت دی جو قرم میں واقع ہے۔ بہت جلد ان والیوں میں جنگ چھڑ گئی۔ جنھوں نے خود تخت کا دعویٰ کیا اور اپنے باپ کی زندگی کی بھی پروانہ کی۔ شہنشاہ کی وفات سے کورخود سلطنت کا قانونی وارث تھا لیکن جاں نثاروں نے سلیم کے ہاتھ میں زمام سلطنت دینے کا ارادہ کر لیا۔ اس سفاک سپاہ کے خیال میں نوجوان شہزادہ حکومت کے قابل نہ تھا اس لیے کہ اس کو فنون لطیفہ اور سائنس سے محبت تھی۔ برخلاف اس کے سلیم کے جابرانہ مزاج اور جنگی طبیعت پر یہ سپاہ ریجھی ہوئی تھی۔ جاں نثاروں کی مدد پر بھروسا کر کے سلیم اپنے مستقر سے اپنے بیٹے سلیمان کے ساتھ شریک ہونے کے لیے روانہ ہوا۔ اور اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ بایزید بڑھاپے اور طبیعت کی کمزوریوں سے مجبور اور اپنے باغی بیٹے کی فوج سے ادرنہ میں گھرا ہوا تھا۔ اس نے سمندریہ کے سنجک اور ووڈن اور علاجہ حصار اپنے بیٹے کے حوالے کیے۔

کو رخود بھی اپنے بھائی سے گھٹا ہوا رہنا نہ چاہتا تھا۔ اس نے ایشیا میں بغاوت کا علم بلند کیا۔ اور سروخاں کی مملکت کو قبضے میں کر لیا۔ اس کی فوجوں نے جو ایک مجنون سے آدمی شیطان قلی (غلام شیطان) کی کمان میں تھیں بیگلر بیگ والی اناطولیہ کی فوج کو پورا تباہ کیا۔ اس شکست سے سلیم کا منشا سمندریہ سے دور رہنے کا حاصل ہو گیا۔ اپنے باپ کو مدد دینے کے بہانے سے وہ واپس لوٹا اور سلطان کے احکام امتناعی کے باوجود ادرنہ پر چڑھائی کی۔ لیکن شکست فاش کے بعد اپنے سسرے خان قرم کے پاس بھاگ گیا۔

صدر اعظم علی پاشا شیطان قلی کے مقابلے کو روانہ ہوا۔ وادی قزل کوئی میں محصور ہو گئے اس بڑے باغی نے اپنی سد راہ ہونے والی فوج کا صفایا کر کے اپنا راستہ نکالا۔ علی پاشا نے جب اس کا تعاقب کیا تو اس نے اس کا مقابلہ کیا۔ دو سپہ سالاروں کی موت سے بغیر کسی نتیجے کے جنگ کا خاتمہ ہوا۔ اپنے بہادر جنرل کی موت سے شیطان قلی کی فوجیں تتر بتر ہو گئیں اور اسے ایران میں پناہ ملی۔ راستے میں انھوں نے ہر قسم کے جرائم کا ارتکاب کیا۔

احمد نے جنگ کی تیاری کی اور کونیا اس کے محاصرے کے لیے روانہ ہوا تو سلطان نے سلیم کو طلب کیا۔ اور اسے سمندریہ کی حکومت دی۔

سلیم کی واپسی فاتحانہ شان و شوکت کے ساتھ ہوئی۔ جاں نثار بڑے طمطراق کے ساتھ اس کو سرائے میں لے گئے۔ اور سلطان کو مجبور کیا کہ وہ ان کے منظور نظر کی خاطر تخت سے دست کش ہو جائے۔ جب وہ بایزید کی حضور میں آئے تو اس نے ان کے آنے کا مدعا دریافت کیا۔ جاں نثاروں نے جواب دیا کہ "ہمارا بادشاہ ضعیف اور علیل ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ سلطان سلیم اس کی جگہ فرمانروائی کرے" بایزید نے کہا "میں سلطنت اس کو سونپتا ہوں۔ خدا اس کی حکومت کو مبارک کرے۔"

تیئیس دن بعد بایزید کا انتقال ہو گیا۔ باپ کی زندگی میں بادشاہ

ہو جانے سے سلیم کو سخت پچھتاوا تھا۔ اس پچھتاوے کو جلد دور کرنے کے لیے اس نے اپنے باپ کو زہر دیا۔ اول ہی بڑھاپے سے اعضا ضعیف تھے۔ زہر نے اور جلد کام تمام کر دیا؛

بایزید خوش خصائل سیدھا سادا آدمی تھا۔ علوم اور شاعری اور عافیت کا دلدادہ تھا۔ جنگ اس نے اسی وقت کی جب کہ جنگ ناگزیر تھی۔ مشرقی مصنفین نے اسے صوفی (پختۂ فلسفی) کے لقب سے ممتاز کیا ہے۔ اس کے بھائی جم کے قتل سے اس پر ظالم ہونے کا الزام عائد نہیں ہو سکتا کیونکہ محمد ثانی کے زمانے سے برادر کشی سلطنت کا قانون ہو گیا تھا۔

اس کے زمانے میں سڑکوں کی مرمت کی گئی۔ تین پل تعمیر ہوئے۔ ایک پل قزل ارماق پر دوسرا عثمان جک میں سکاریہ تیسرا کودس (ہرمز) پر۔ سب سے آخر یہ کہ بایزید ہی پہلا بادشاہ ہے جس نے عیسائی حکومتوں سے سیاسی تعلقات قائم کیے؛

سلیم اول اور شاہ اسمٰعیل۔ فتح کردستان (۱۵۱۵)

جس دن بایزید ڈیماٹیکا روانہ ہوا اسی دن سلیم کو جان نثاروں کے ناسزا مطالبوں کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا کیونکہ یہی وہ جاں نثار تھے جنھوں نے اس کو تخت پر بٹھایا تھا۔ سلطان سلیم کے راستے میں ایک صف میں کھڑے ہو کے انھوں نے گستاخی سے انعام کا مطالبہ کیا۔ ایسا ہی انعام بایزید نے اپنے جلوس پر کمزوری سے انھیں دے دیا تھا۔ اسو قت سے یہ انعام گویا ان کا حق ہو گیا تھا۔ انکار اس وقت خطرناک تھا اس لیے سلطان نے ہر ایک جان نثار کو تین ہزار اسپری (چھوٹا چاندی کا سکہ) دیئے۔ اس انعام سے خزانہ خالی ہو گیا۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے سلطان نے اپنی رعایا پر غیر معمولی محصول کا اضافہ کیا۔ اور راگوسا کے جہازوں سے جو تجارت درآمد ہوتی تھی اس پر اس نے بجائے تین فیصدی کے پانچ فیصدی محصول لگایا؛

اس کو روپے کی سخت ضرورت تھی کیونکہ احمد حاکم امیلیا نے تخت کا دعوے کیا تھا اور جنگ کے لیے تیار تھا۔

احمد کے بیٹے علاء الدین نے بروصہ پر قبضہ کیا اور اس کے قسطنطنیہ پر حملہ آور ہونے کا اندیشہ تھا۔ اور مصطفیٰ بے حاکم انگورہ نے انگورہ کو احمد کے حوالے کر دیا تھا۔

اپنے قرابت داروں کو تخت کی دعویداری کا موقع نہ دینے کے لیے سلیم اول نے اپنے پیشروؤں کی تقلید میں اپنے خاندان کا قتل عام کیا۔ یعنی پانچ بھتیجوں کو اس نے جلاد سے قتل کرا دیا۔

ان کے بعد کورخود کی باری بھی آئی۔ مگنیشیا سے جب وہ فرار ہوا تو بیس دن تک ایک غار میں چھپا رہا۔ پھر صوبہ تیکیا میں پناہ لی یہیں اس کا سراغ ملا اور قتل کیا گیا۔

احمد نے پچاس ہزار آدمیوں کے ساتھ پیش قدمی کی۔ پہلا معرکہ سلیم کے خلاف رہا لیکن اس کا مخالف اپنی فتح سے فائدہ اٹھانا نہیں جانتا تھا۔ پھر ایک جنگ وادی ینی شہر میں ہوئی (۲۴ راپریل ۱۵۱۳) اس میں احمد کو شکست ہوئی۔ وہ گھوڑے سے گر پڑا اور گرفتار اور قتل ہوا۔ مرنے سے پہلے اس نے اپنے بھائی کو ایک قیمتی انگوٹھی بھجوائی اور اپنے ناچیز تحفے کے متعلق معذرت چاہی؛

جب سب مدعیان سلطنت کا خاتمہ ہو چکا تو تمام سلطنتوں نے عجلت سے اپنے سفرا بھجوائے۔ بغدان اور افلاق اور ہنگری اور وینس نے اپنے سابقہ معاہدوں کی تجدید کی۔ صرف شاہ ایران شاہ اسمٰعیل نے جو احمد کا علانیہ طرف دار تھا نئے بادشاہ کے لیے کوئی رسم تہنیت ادا نہیں کی۔

بایزید کے آخر زمانہ حکومت میں ایران میں ایک سیاسی اور مذہبی انقلاب ہوا تھا جس سے تاتاریوں اور ترکمانوں کی مٹی ہوئی سلطنت کی بنیادوں پر صفوی ایرانی سلطنت قائم ہوئی تھی۔ چودھویں صدی کے اوائل میں کوئی شیخ صفی الدین نامی اردبیل میں رہتے تھے اور اپنے

زہد و تقویٰ کی بدولت بہت مشہور رہے تھے۔ ان کے جانشینوں نے سجادہ نشینی کے ساتھ ساتھ سیاسی تسلط بھی قائم کرنے کی کوشش کی لیکن ایک صدی تک ان کی کوششیں سرسبز نہ ہوئیں۔ تقریباً ۱۴۰۰ء میں اس خاندان کے ایک شخص اسمٰعیل نامی نے اپنے خاندان میں دولت و جاہ کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس کا پرپوتا جنید اوزون حسین کا آوردہ تھا اس کی زندگی لڑائیوں میں گزری۔ شروان کے ایک حاکم نے اس کو قتل کیا۔ جنید کے بیٹے حیدر کی بھی مثل اپنے باپ کے سپاہیانہ زندگی اور سپاہیانہ موت ہوئی۔ حیدر کے بیٹے اسمٰعیل نے اپنے خاندان کے انتقام لینے کا تہیہ کیا۔ نیم سپاہی اور نیم ولی کی حیثیت سے اس نے شیعوں کی فوج جمع کر کے شروان فتح کیا۔ اور اوزون حسین کے پوتے کے جھگڑوں میں دخل دے کے تبریز میں اپنی حکومت قائم کی۔ اور یکے بعد دیگرے عراق عرب، خراسان، دیار بکر اور کردستان فتح کیا۔ ۱۵۱۰ء میں اس کا تسلط خلیج ایران سے بحیرۂ خزر تک اور سرچشمہ ہائے فرات سے دریائے جیحوں کے آگے تک ہو گیا۔

شاہ اسمٰعیل نے تخت کے دعویدار کا اپنے دربار میں خیر مقدم کیا تھا۔ اور عثمانیوں کے مقابلے میں مصر کو اپنے ساتھ گھسیٹنے کی کوشش کی تھی۔ سیاسی مخالفتوں کے علاوہ اس کو مذہبی تنفر بھی تھا۔ صدیوں کی شیعہ سنی کی لڑائیوں سے اسلام میں خون کا دریا بہہ چکا تھا۔ اسمٰعیل کا آوردہ شیطان قلی تھا۔ اس کے شیعہ مسائل کی تعلیم سے تمام ایران میں شیعہ مذہب رائج ہوا اور کچھ عثمانی بھی اپنے مذہب کو چھوڑ کے شیعہ ہو گئے۔

سلیم سخت متعصب سنی تھا۔ اس نے اہل تشیع کی ترقی کو روکنا چاہا۔ ایک قتل عام کی تجویز ٹھہری اور چالیس ہزار شیعہ قتل کیے گئے۔ شاہ اسمٰعیل نے اپنے ہم مذہبوں کا بدلہ لینے کے لیے جنگ کی تیاری کی (۱۵۱۴ء)

شیخ الاسلام نے قسطنطنیہ میں فتوے صادر کیا کہ سچے عقیدے کی تائید میں جنگ کرنا جہاد ہے۔ اور بتلایا کہ ایک ایرانی شیعہ کے قتل میں ستر عیسائیوں کے قتل سے زیادہ ثواب ہے۔ ایک لاکھ اسی ہزار

جمعیت سے سلیم نے ایران کے علاقے پر حملہ کیا۔ اس قدر کثیر فوج کے لیے کثیر رسد کی ضرورت بھی تھی ایرانیوں نے لڑنے سے منہ پھیرا اور ترکوں کے مقابلے سے پسپا ہوتے ہوئے تمام شہروں میں آگ لگاتے گئے۔ کرمانیا کے والی ہمدم پاشا نے سلطان کو اس خدشے سے مطلع کیا جو فوج کو صحرا میں لیجانے سے ممکن تھا۔ اپنی اس صاف گوئی پر وہ قتل کیا گیا۔ جان نثار بھی لاحاصل مصائب برداشت کرنے سے تنگ آ گئے تھے۔ مگر سلطان ان بلوائیوں کے مجمعے میں رعونت کے ساتھ داخل ہوا اور اپنی مستعدی سے بغاوت کو فرو کر دیا؛

عثمانی فوج نے تبریز کی طرف کوچ کیا اور ایرانی فوج پر ٹوٹ پڑی جو چلدیران کے میدان میں بلند مقامات پر پڑاؤ کیے ہوئی تھی (۲۳ر اگست ۱۵۱۴ء) لڑائی سے پہلے مجلس حرب منعقد کی گئی۔ تمام وزرا کی رائے تھی کہ فوج کو چوبیس گھنٹے آرام دیا جائے۔ صرف پیری پاشا اس عام رائے کا مخالف تھا۔ اس نے کہا کہ اکینجو کو ذرا بھی سوچنے کی مہلت دینا خطرناک ہوگا کیونکہ ان میں کے اکثر آدمی در پردہ شیعہ ہیں۔ جنگ جلد شروع کر دینی چاہیے۔" سلیم تو لڑنا ہی چاہتا تھا۔ یہ سن کے اس نے کہا "میری تمام فوج میں بس ایک ہی مشیر نیک ہے۔ یہ سلطنت کی بدقسمتی ہے کہ وہ اب تک صدارت عظمیٰ کے اعزاز سے محروم رہا۔" جنگ شروع ہوئی۔ عثمانی فوج راستے کی مشقت سے تھکی ہوئی تھی اور اس کی سوار فوج برائے نام تھی۔ جو کچھ اس فوج کے پاس تھا وہ توپخانہ تھا۔ اور اس توپخانے سے ترکوں نے ایرانیوں پر قطعی فتح حاصل کی۔ ایرانیوں کے پاس ایک توپ بھی نہ تھی۔ اس پر بھی شاہ اسمٰعیل دشمن کے میسرے پر ٹوٹ پڑا اور ترکوں کو اب ہزیمت ہونے والی تھی کہ اس کے ہاتھ اور پاؤں زخمی ہو گئے۔ اور وہ گھوڑے سے گر پڑا۔ اپنے بادشاہ کے گرنے سے پست اور گولوں کی بارش سے مجبور ہو کے ایرانی پیچھے ہٹے۔ یہ پسپائی تھوڑی دیر میں بھاگڑ سے بدل گئی۔ دشمن کا خیمہ دخرگاہ مع سازوسامان اور خزانہ اور شاہ کی حرموں کے فاتحین کے ہاتھ آیا۔ سوائے بچوں اور عورتوں کے تمام قیدی میدان جنگ میں قتل کیے گئے؛

تبریز کی فتح کے بعد سلطان کا ارادہ تھا کہ قرہ باغ کو جاڑے کا مستقر بنائے اور موسم بہار میں آگے کوچ کرے۔ لیکن جاں نثاروں نے وطن کی مراجعت کے لیے بغاوت کی اور اسے مجبوراً ایمسیا واپس ہونا پڑا۔ یہاں شاہ ایران کے چار سفراحاضر ہوئے اور شاہ کی طرف سے اس کی محبوبہ بیوی کی واپسی کی درخواست کی جو جنگ چلدیران میں اسیر کرلی گئی تھی۔ سفرا کے بارے میں قانون اسلام ہدایت کرتا ہے کہ "ان کو کوئی ایذا نہیں دی جائے گی۔ سفیر صرف ان احکام کو بجا لاتا ہے جو اسے دیے گئے ہیں" اس قانون سے تجاوز اور سفرا کی مقدس خدمات کا لحاظ نہ کر کے سلطان نے انھیں قید کر دیا اور شاہ بیگم کو مجبور کیا کہ وہ اس کے وزیر تاجک زادہ جعفر چلپی سے شادی کرے۔

شہزادۂ ذوالقدری کو جو شاہ کا دوست تھا طورنہ طاغ (جبل حمقا) میں شکست ہوئی اور وہ مارا گیا۔ اس کے چار بیٹے قید اور قتل ہوئے۔ ان کے سر سلطان مصر کے پاس بھیجے گئے تاکہ وہ اپنے قسمت کے نوشتے سے آگاہ ہو جائے (۱۵۱۵ء)

جاں نثاروں کی ایک نئی بغاوت سے سلیم کو قسطنطنیہ لوٹنا پڑا۔ اس نے اپنے انتقام کو بالکل مخفی رکھ کے ان تمام بغاوتوں کا انسداد کرنے کے لیے ضروری انتظامات کئے۔ باغیوں نے تمام الزام اپنے سردار اسکندر پاشا اور صیغبان باشی عثمان اور قاضی عسکر جعفر چلپی پر رکھا۔ اسکندر پاشا اور عثمان قتل کر دیے گئے۔ جعفر چلپی چونکہ فوج کی قضا کے اعلےٰ عہدے پر فائز تھا اس لئے اس کے لئے بظاہر قانونی چارہ کار اختیار کیا گیا؛

سلطان نے اس کو طلب کیا اور اس سے دریافت کیا کہ جو شخص سپاہیوں کو بغاوت پر آمادہ کرے وہ کس سلوک کا مستحق ہے۔ جعفر نے بغیر کسی پس و پیش کے جواب دیا "قتل کا" سلطان نے جواب دیا "تم نے اپنی سزا کا آپ حکم لگا دیا" جعفر نے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کی لا حاصل کوشش کی سلطان نے کچھ نہ سنا۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ قتل کے بعد اس کی بے گناہی کی

تصدیق اور اپنی عجلت پر افسوس ظاہر کرکے اس نے مقتول وزیر کے ساتھ انصاف کیا۔

جاں نثاروں کی بغاوت کا انسداد کرنے کے لیے اس نے ان کے حاشیے کے افسروں کو از سر نو ترتیب دیا۔ اعلیٰ کمان دو سرداروں میں تقسیم کی ایک آغا اور دوسرے قول کحیاسی[له] جس کے انتخاب کا اختیار اس نے خود اپنے ہاتھ میں رکھا۔

چلدیران کی جنگ کے بعد کردستان نے ایرانی حکومت سے بغاوت کی۔ دیار بکر (سابق الجزیرہ) کے باشندوں نے سلطانی تسلط کو قبول کر لیا۔ شاہ اسمٰعیل کا سپہ سالار کرہ خاں نامی دیار بکر کو مثل سابق کے اطاعت گزار بنانا چاہتا تھا اس لیے دارالحکومت قرہ عمد (عمد سیاہ) کا محاصرہ کیا۔ سلطانی مورخ اور رئیس اور بیو کلی محمد سے شکست کھا کے محاصرین کو محاصرے سے دست کش ہونا پڑا۔ مردین فاتحوں کے ہاتھ آیا لیکن بہادر سلیمان خاں نے قلعے کی جان توڑ حفاظت کی اور وہ سر نہ ہو سکا۔

تقریباً ایک سال کے محاصرے کے بعد قلعے والوں نے مجبوراً ہتیھار ڈال دیئے۔ وہ تمام قتل کر دیئے گئے۔ (۱۵۱۵ء) اس عرصے میں بو کلی محمد نے کرہ خاں کو شکست دی اور ہو سوخیفہ، سنجر، ارغانہ، برجیک، اور جرمک کے قلعے فتح کیے۔ باقی تمام ملک بغیر لڑائی کے ہاتھ آگیا۔ اس طریقے سے دیار بکر اور نیز موصل تمہ کی سلطنت میں داخل ہوئے۔

فتح مصر ۹۲۳ھ ۱۵۱۶ء ۱۵۱۷ء

سلیم کی وفات ۱۵۲۰ء

ایران سے جنگ ختم نہ ہوئی تھی کہ سلیم نے سلطان مصر قانسوہ غوری سے

له۔ لفٹنٹ کرنل جنرل

جنگ کی تیاری کردی۔ جنگ سے بچنے کے لیے قانصوہ غوری نے سلطان کے پاس ایک سفیر صلح کے پیام کے ساتھ بھیجا۔ سفیر کے مقدس رتبے کا ذرا بھی خیال نہ کرکے سلیم نے اس کے اور اس کے ہمراہیوں کے قتل کا حکم دیا۔ مگر یونس پاشا کے عاجزانہ معروضات پر اس نے اپنے اس ناواجب حکم کو منسوخ کیا۔ اس پر بھی سفیر مغول بے کی ڈاڑھی مونچھ منڈوا دیگئی۔ اور اس کو ایک کنٹوپ پہنا کے، اور خارشتی گدھے پر بٹھا کے اپنے آقا کے پاس روانہ کیا گیا۔ اپنے سفیر کی یہ تحقیر دیکھ کے مملوک سلطان نے لڑائی کی ٹھان لی۔ زبردست عثمانی توپخانے اور خود مصری فوج کے ایک دستے کی بغاوت سے ترکوں کو فتح ہوئی۔ اس دستے میں تیرہ ہزار جلبان تھے جو مملوکوں کے غلام تھے۔ اور لڑائی میں حملہ کرنے کے بجائے چپ چاپ کھڑے رہے۔ بڈھا قانصوہ غوری جس کی اسّی سال کی عمر تھی اس ہنگامے میں کام آیا۔ حلب اور دمشق بغیر جنگ کے فتح ہوے۔ عرب امرا اور لبنان کے پہاڑی باشندوں نے اطاعت قبول کی۔ تمام ملکِ شام ترکوں کے قبضے میں آگیا۔ سلیم نے رعایا کی درخواست پر مکہ اور مدینہ کے خادم الحرمین کا لقب قبول کیا۔ یہ لقب وہ تھا جو اب تک خلفا کے جانشین ہونے کے لحاظ سے صرف مملوک سلطانوں میں چلا آرہا تھا۔ (۱۵۱۶ء)

سلیم اپنی نئی فتوحات کی تنظیم میں مصروف تھا کہ مملوکوں نے ایک نیا سلطان انتخاب کرلیا یہ طومان بے تھا۔ سلیم اس کے ساتھ اس شرط پر صلح کے لیے راضی ہوا کہ وہ باب عالی کی سیادت تسلیم کرے گا۔ ترکی سفرا کی گستاخی سے سلطان مصر کا ایک درباری برافروختہ ہوگیا اور انھیں قتل کرادیا۔ سفرا کے حقوق کی اس پامالی کا جنگ کے سوا کوئی جواب نہ تھا۔ وزیرستان پاشا نے جمبرلو غزالی کو اپنے توپخانے کے زور پر شکست دی فلسطین نے اطاعت قبول کی۔ اس پر بھی سلیم مصر پر حملہ کرنے میں پس و پیش کررہا تھا کہ اتنے میں خیربے اور خوش خادم اور جمبرلو غزالی نے جن کی خوشگوار امیدیں طومان بے کے انتخاب سے لوٹ گئی تھیں خود آکر سلطان کو یقین دلایا کہ ملک مصر میں دفاعی قلعے نہیں ہیں اس لیے اس کا فتح کرنا آسان کام ہے۔

اور صحرائی سفر میں سامان خورد و نوش فراہم کرنے کا خود ذمہ لیا۔
۲۲ر جنوری ۱۵۱۷ء کو ترکی فوج اور **طومان بے** کا **وردانیہ** کی وادیوں میں مقابلہ ہوا۔ مملوک جانبازی سے لڑے۔ اپنی بہادری اور اسلحہ کے حیرت انگیز کمال کے باوجود انھیں ترکی توپوں سے پیچھے ہٹنا پڑا۔ جن کے مقابلے کے لیے ان کے پاس صرف باد رفتار گھوڑے تھے۔

سلطان مصر اپنی جان ہتیلی پر لیے ہوئے لڑ رہا تھا۔ عین کارزار میں منتخب سپاہیوں کے ایک دستے نے جو خود طومان بے اور اس کے دو بہادر سپہ سالار **قورط بے** اور **الن بے** کے ماتحت تھے، صفیں چیر دیں اور سلیم کے مقام تک کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ سلیم کی خوش قسمتی تھی کہ حملہ آوروں نے **سنان پاشا** کو غلطی سے سلطان سمجھ لیا۔ اور طومان بے نے اپنے ایک وار میں اس کا کام تمام کیا۔ اس کے ساتھ ہی الن بے اور قورط بے نے محمود بے اور علی خزینہ دار کو قتل کیا۔ اس موقع پر بڑی مشکل سے جاں نثاروں نے سلیم کو نرغے سے چھڑایا۔

شہر قاہرہ نے فاتح کی اطاعت قبول کی اس پر بھی طومان بے نے رات کو شہر میں داخل ہو کے ترکی دستے کو قتل کر دیا۔ ترکوں نے دوبارہ شہر کا محاصرہ کر لیا اور مسلسل تین شبانہ روز کی خونریز جنگ کے بعد دوبارہ قاہرہ تسخیر ہو گیا۔

سلیم نے عام جان بخشی کی منادی کرائی۔ آٹھ سو مملوکوں نے اس کے قول کا اعتبار کر کے ہتیار ڈال دیئے۔ سلیم نے ان سب کو قتل کر دیا۔ اسی بدعہدی کی ذلت پر اکتفا نہ کر کے اس نے باشندوں کے قتل عام کا حکم دیا۔ صرف ایک بہادر مملوک سردار قورط بے جو قاہرہ کے ایک مکان میں چھپ رہا تھا اپنے ساتھیوں میں باقی رہا۔ سلیم نے اس کے ایک دوست کے ہاتھ قرآن اور علم روانہ کیا۔

یہ ہدایا معاہدے کو مستحکم اور مقدس کر رہے تھے۔ باوجود سلطان کی بے شمار عہد شکنیوں کے قورط بے نے سلطان کے معاہدے کو راسخ سمجھا۔

بعد میں سلطان اور مملوک کی جو ملاقات ہوئی اس سے مملوک امیر کی آن بان اور خودداری ظاہر ہوتی ہے۔ سلطان نے اس سے کہا کہ تم سورماؤں کے سورما ہو۔ اب تمھاری قدر و منزلت کہاں گئی؟

قورطبے۔ میری قدر و منزلت میرے پاس ہے۔

سلطان۔ کچھ تمھیں معلوم ہے کہ میری فوج کے ساتھ تم نے کیا کیا؟

قورطبے۔ بخوبی معلوم ہے۔

سلطان نے حیرت کے ساتھ اس گستاخانہ حملے کا ذکر کیا جو قورطبے نے کیا تھا۔ قورطبے نے اس کے جواب میں مملوکوں کی جانبازی اور بہادری کی تعریف کی۔ اور ترکی توپخانے کے متعلق اہانت آمیز الفاظ کہے۔ اس نے کہا کہ "اشرف کنسوکے زمانے میں ایک مغربی چند توپیں مصر میں لایا تھا لیکن بادشاہ عالیجاہ نے اس ایجاد کو بزدلی سے منسوب کرکے نامنظور فرما دیا۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ بھی کوئی بہادری ہے کہ قاتل اپنے حریف کے مقابلے میں نہ آکے دور ہی سے قاتلانہ حملہ کرے۔ بادشاہ نے جب یہ کہا تو مغربی نے یہ جواب دیا تھا کہ جو لوگ زندہ رہینگے وہ دیکھ لینگے کہ اس سلطنت کا انھیں توپ کے گولوں سے خاتمہ ہوگا۔ سچ تو یہ ہے کہ عظمت و جبروت خدا ہی کے لیے ہے" اس خودداری پر وحشی فاتح طیش میں آگیا۔ مگر قورطبے نے اپنی جان بھی شجاعت کے ساتھ دی۔

طومان بے مصر کے مغربی ساحل کی طرف فرار ہوا۔ اور باقیماندہ مملوکوں کو جمع کرکے اور پانچ چھ سو عربوں کی کمک سے عثمانی فوجوں پر اچانک آپڑا۔ چھ ہزار ترک قتل کیے اور انھیں قاہرہ واپس ہونے پر مجبور کیا۔

سلیم جنگ سے تھک چکا تھا اور اب وہ طومان بے سے سابقہ شرائط پر صلح کرنے پر رضامند تھا۔ مصطفیٰ پاشا کو طومان بے کے پاس پیام صلح کے ساتھ روانہ کیا۔ طومان نے مصطفیٰ اور مصطفیٰ کے ساتھیوں کے قتل کا حکم دیا۔ اور اسی طریقے سے سلطان کی اس بدعہدی کا بدلہ لیا جو اس نے قورطبے سے کی تھی۔ سلیم نے چار ہزار مملوکوں اور ساٹھ بیگوں کے قتل سے اس کا ترکی بہ ترکی

جواب دیا۔ بہادر طومان بے دہانہ نیل کو اپنی قیام گاہ بنا کے ترکی فوجوں کو بغیر التوا اور وقفے کے مسلسل تباہ کرتا رہا۔ اس شورہ پشتی کا خاتمہ کرنے کے لیے سلیم چالیس ہزار فوج کے ساتھ اس کے مقابلے کے لیے نکلا عرب طوماں سے کنارہ کش ہو گئے تھے اور وہ ایسی غیر مساوی جنگ کو جاری نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس لیے ایک عرب شیخ میر حسن کے پاس پناہ لی جو اس کا احسان مند تھا۔ چند دن کے بعد دغاباز عرب نے مہمانی اور شکر گزاری کے قابل احترام اصول سے دست بردار ہو کے طومان بے کو سلطان کے حوالے کر دیا۔ سلیم نے خوش ہو کے کہا۔ "الحمد اللہ مصر فتح ہو گیا" جنگ مصر میں قسمت نے سلیم کا ساتھ دیا۔ مگر مملوک سرداروں نے بخوبی ثابت کر دکھایا کہ شرافت، بہادری، خودداری اور عالی ہمتی کسے کہتے ہیں۔ اور یہ کس کا حصہ ہے؟ یہ طبیعت کے جوہر اخیر دم تک ان کے ساتھ رہے۔

سلیم نے طومان کو ملامت کی کہ اس نے ترکی سفرا کے ساتھ ان کے سفیرانہ حقوق کا خیال نہ رکھا۔ اور باب عالی کی سیادت سے انکار کیا۔ سلطان مصر نے جواب دیا کہ سفرا کے پامالی حقوق کی نظیر خود سلیم نے قائم کی۔ اور سلطانی سفیروں کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ الن بے نے بغیر میرے حکم کے کیا۔ ہر فرمانروا اپنی تمام قوت سے اس ملک کی حفاظت کرتا ہے جو خدا نے اسے دیا ہو۔ لیکن، اس نے کہا "یہ تو فرمائیے آپ روز جزا خدا کے سامنے اس ظالمانہ حملے کا کیا جواب دینگے"؟ سلیم نے متعجب ہو کے اس حملے کی وجوہ بیان کیں۔ طومان بے نے خیر بے اور غزالی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "سلطان اعظم آپ ہماری سلطنت کے زوال کے باعث نہیں بلکہ یہ غدار ہیں"۔ یہ پہلا موقع تھا کہ سلطان کا سلوک اپنے نامور قیدی کے ساتھ اس کی شان کے موافق رہا لیکن خیر بے اور غزالی کے جھوٹ سچ لگانے پر آخر سلطان نے طومان بے کے قتل کا حکم دیا۔ قاہرہ کے دروازے پر اس اخیر مملوک سلطان کو پھانسی دی گئی (۱۳ اپریل ۱۵۱۷ء)

مصر کی وسیع مملکت کے ساتھ مکہ بھی عثمانی سلطنت میں داخل ہوا؛

مصر کا خراج معاف کیا گیا لیکن ان سنین میں خراج کی ادائی ضروری قرار پائی جب کہ دریائے نیل کی فراوانی سے نہر کا پانی تمام قاہرہ کو سیراب کرے۔ انتظام ملک مملوکوں پر ہی چھوڑا گیا جو پورے فنا نہ ہوئے تھے۔ اب بھی وہی چوبیس بیگ انتظام ملک پر مامور کیے گئے جو پہلے مملوک سلاطین کے زمانے میں تھے۔ ان کی حکومت کا توازن قائم رکھنے کے لیے ایک پاشا مقرر کیا گیا جو صدر، والی اور میر مجلس تھا۔

جب تک سلطنت ترکی کا زور رہا اور جب تک وہ ان والیوں کو مدد دے سکتی تھی اس تنظیم کی خرابیاں ظاہر نہ ہوئیں لیکن سلطنت کے کمزور ہوتے ہی بیگ خود مختار ہو گئے۔ پاشا نام کے پاشا رہ گئے۔ ان کی حالت مملوکوں کے غلاموں اور یرغمالوں کی سی ہو گئی؛

عدالتی لحاظ سے مصر کا تیسرا درجہ تھا جس پر چوتھے درجے کا حاکم اناطولیہ کے قاضی عسکر کے ماتحت مقرر ہوتا تھا۔

ملک مصر کا انتظام خیر بے کے سپرد کر کے سلیم شام کی طرف روانہ ہوا۔ اور اپنے ساتھ مصر کا مال غنیمت بھی لیتا گیا۔ صحرائے کتیرہ پار کر کے سلطان نے یونس پاشا سے کہا۔ "مصر فتح ہو چکا۔ کل غازہ کی باری ہے"۔ صدر اعظم نے جرأت سے کہا "اس دردسری سے کوئی فائدہ نہیں۔ آدھی فوج جنگ میں کٹ مری یا صحرا میں کھپ گئی۔ مصر پر غدار حکمران ہیں"۔ اس بیباکانہ کلام پر سلیم نے یونس کے قتل کا حکم دیا۔ پیری پاشا اس کی جگہ صدر اعظم ہوا۔

بعد کے تین سال ملک کے اندرونی انتظامات میں صرف ہوئے۔ شام میں ایک عام محصول لگایا گیا۔ اور خزانے کے کارندوں نے اس متمول ملک کی سرکاری طور پر پیمائش کی۔

۲۲ ستمبر ۱۵۲۰ء کو سلیم کا انتقال ہوا جس کی وجہ ایک بے احتیاطی تھی۔ وہ ایسے وقت فوت ہوا جب کہ ایک نئی مہم کی تیاریاں کر رہا تھا؛

یہ بادشاہ جد و جہد اور عمل کا پتلا اور ذہن رسا رکھتا تھا۔ تمام عمر

اس کو سلطنت کی فکر دامنگیر رہی۔ وہ ایک ممتاز شاعر تھا۔ فارسی، ترکی اور عربی نظموں کا ایک مجموعہ اس نے بطور یادگار چھوڑا ہے۔ علما اور فضلا کا سرپرست تھا۔ انھیں بڑے بڑے عہدے دیئے۔

اس کے قوانین پر برابر عمل ہو رہا ہے یا نہیں اس غرض سے اکثر بھیس بدل کے نکلتا اور لوگوں کے مجمعے میں شریک ہو جاتا۔ اس کی طبیعت میں ظلم و تشدد تھا۔ مجرموں کو سخت سزائیں دیتا۔ اس کے معاصرین نے اسے "یاووز" یعنی "آہنیں" کا لقب دیا تھا۔ اس لقب کی تصدیق اس کے عہد حکومت کے مظالم سے ہوتی ہے؛

سلطان کی تیز مزاجی اور استبداد پسندی سے صدارت عظمیٰ کا عہدہ اس قدر خطرناک ہو گیا تھا کہ دشمن کو کوسنا ہوتا تو کہتے "خدا تم کو سلطان سلیم کا وزیر بنائے" اس نے اپنے بھائیوں اور بھتیجوں کو قتل کرایا۔ باپ کی موت بھی کچھ اسی کی وجہ سے ہوئی۔ سات وزرا اور اعلیٰ ادنیٰ تمام طبقے کے بے حساب لوگ اس کے مظالم کا شکار ہوئے۔ مفتی جمالی[1] (اول) ہی ایک ایسے آدمی تھے جن کی صاف گوئی سے سلطان برہم نہ ہوتا تھا۔ انھوں نے جرأت اور خداترسی سے سلطان کے کئی سفاکانہ احکام منسوخ کرائے۔ ایک وقت سلطان نے خزانے کے ڈیڑھ سو ملازموں کے قتل کا حکم دیا۔ مفتی جمالی نے اس حکم کو منسوخ اور ان کو ملازمت پر بحال کرایا۔ ایران سے تجارت ممنوع قرار دی گئی تھی اور چار سو سوداگر ایران سے ریشم کی تجارت کرنے کی بنا پر واجب القتل قرار دیئے گئے تھے۔ جمالی نے ان کی نہایت دلسوزی سے وکالت کی۔ سلطان نے برافروختہ ہو کے کہا، "سلطنت کے کاروبار میں دخل درمعقول مناسب نہیں"، مفتی نے اس اہانت کے بعد سلطان کو سلام بھی نہ کیا اور چلا گیا۔ آخر اس کے اپنی ہٹ پر قائم رہنے پر

---

[1] یہ زنبیلی مفتی کے نام سے مشہور رہیں، وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ اپنے دریچے میں ایک ٹوکری رکھتے تھے جس میں لوگ کاغذات ڈال دیتے جن میں الٰہیات کے متعلق مختلف استفسارات ہوتے۔ اور یہ اسی طرح سے ان کے جوابات کو ٹوکری میں ڈال دیتے تھے۔

سلطان نے اپنا حکم منسوخ اور مجرموں کو معاف کیا۔ سلطان نے اپنی قدر شناسی جتانے کے لیے اناطولیہ اور رومیلی دونوں کی قضا پر جو عدالت کے دو اعلیٰ ترین عہدے تھے، اسے مامور کرنا چاہا لیکن جمالی نے قبول نہ کیا کیونکہ اس نے سرکاری عہدے قبول نہ کرنے کی قسم کھائی تھی۔ یہ جلیل القدر شخص جیسا مسلمانوں کی حفاظت کو اپنا فرض سمجھتا تھا ویسا ہی عیسائیوں کی حفاظت کو بھی اپنا فرض سمجھتا تھا۔ شیعوں کے قتل کے بعد سلیم عیسائیوں کو بھی قتل کرنا چاہتا تھا مگر جمالی کے ایما اور تحریک سے بطریق قسطنطنیہ نے سلطان سے اس معاہدے کی بجا آوری کا مطالبہ کیا جو محمد فاتح نے عیسائیوں سے کیا تھا یعنی یہ کہ وہ امن چین اور مذہبی آزادی کے ساتھ زندگی بسر کریں گے۔ بطریق نے سلطان کو یاد دلایا کہ قرآن جبر سے تبدیل مذہب کی ہدایت نہیں کرتا بلکہ آشتی اور نرمی کا حکم دیتا ہے۔ سلطان نے یہ بات مان لی مگر پھر بھی گرجاؤں کو مسجد بنا کے عیسائیوں کی پرستش کے لیے لکڑی کے گرجا تعمیر کرا دیئے۔

چھٹا باب

انتہائے عروج

سلیمان اول (۱۵۲۰ء - ۱۵۶۶ء)

صلح بندقیہ۔ فتح بلغراد ۱۵۲۱ء۔ فتح رھوڈس (۱۵۲۲ء)۔ ابراہیم پاشا جنگ موہاکز ۱۵۲۶ء۔ اندرونی بدانتظامیاں۔ فرانس اور بابعالی کے تعلقات، ذاتجی پانی اور رنسن کی سفارتیں۔ دور عثمانی میں ھنگری کی حالت۔ پالن دی لاگارڈ اور ڈارمنٹ کی سفارتیں۔ ۱۵۵۳ء کی صلح۔ سلیمان کے بیٹے۔ محاصرۂ مالطہ ۱۵۶۵ء۔ محاصرۂ سزیجیت ۱۵۶۶ء۔ سلیمان کی طرز حکومت۔ اس کے انتظامات۔

صلح بندوقیہ۔ فتح بلغراد۔ (۱۵۲۱ء) فتح رھوڈس (۱۵۲۲ء)

سلیمان جس کو خود عیسائی مورخین سلیمان اعظم اور سلیمان اکبر کا لقب دیتے ہیں اپنے باپ کے انتقال اور اپنی تخت نشینی کے وقت چھبیس سال کا تھا۔ اس کی حکومت کا ابتدائی دور عدل و انصاف اور رحم دلی سے معمور رہا۔ اور قرآن کی یہ دو آیتیں اس کا دستور العمل تھیں اِنَّ اللہ انصاف اور

مہربانی کا حکم دیتا ہے۔" اور (۲) انصاف سے لوگوں کا فیصلہ کرو اور (اس معاملے میں) اپنی خواہش کی اتباع نہ کرو۔"

چھ سو مصری قیدی اس نے آزاد کیے۔ اور جن سوداگران ریشم کا مال سلیم کے حکم سے ضبط کر لیا گیا تھا ان کو ایک لاکھ اشرفی معاوضہ دیا گیا۔ سلحداروں سے نقض امن ہو رہا تھا ان کے قتل کا حکم دیا۔ قپودان پاشا مسمی جعفر بے پر مقدمے کا حکم صادر ہوا اور پھانسی کی سزا دی۔ سلیم کے انتقال کے بعد سے بندوقیہ اور باب عالی کے تعلقات نہایت اچھے رہے۔ سفیر بندوقیہ میر یو میمو نے ترکی سے ایک صلحنامہ کیا جس میں تیس دفعات مع ان دفعات خاص کے تھیں جنھیں ترکی نے بعد میں ہر سلطنت کے معاہدے میں شریک رکھا۔

اس صلح نامے سے تجارت اور مراسلت کی آزادی برقرار رہی اور بندوقی سفرائے قسطنطنیہ کے زمانۂ سفارت کا تعین کیا گیا۔

دونوں سلطنتوں میں مفرور مجرموں کا باہمی تبادلہ منظور ہوا۔ بھگوڑے غلاموں کو سلطنت ترکی واپس کر دیتی اور اگر وہ مسلمان ہوں تو اس صورت میں اسے فی کس ایک ہزار اشرفی معاوضہ دینا پڑتا تھا۔

جمہوریۂ وینس کی رعایا جزیے سے مستثنیٰ تھی البتہ سلطنت ترکی میں سفر کرنے کے لیے مقامی عہدہ داروں سے خاص اجازت کی ضرورت تھی۔ وراثت کا عملدرآمد بندوقی قانون پر تھا۔ سلطنت بندوقیہ سال میں دو بار خراج ادا کرتی تھی۔ ایک خراج ایک ہزار ڈوکٹ کا اور دوسرا پانسو ڈوکٹ کا جزائر قبرص اور زنطہ کی طرف سے (یکم نومبر ۱۵۲۱ء) باشندگان راگوسیا کو جو دو صدی سے (۱۳۳۵ء) سلطنت عثمانیہ کے ماتحت تھے غلے کی تجارت میں آزادی دی گئی۔ اور تمام منڈیوں اور بندرگاہوں میں انھیں محصول سے مستثنیٰ کیا گیا۔

جنبرلو غزالی نے جسے سلطان سلیم نے اس کی غداری کے صلے میں والیٔ شام بنایا تھا اس موقعے کو سلطنت عثمانیہ کی حلقہ بگوشی سے نکل جانے

کے لیے مناسب سمجھا اور اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ مگر فرہاد پاشا نے اس کو مسطبہ میں شکست دی اور قتل کر دیا (۲۷ جنوری ۱۵۲۱ء)

غزالی کی بغاوت فرو ہوئی تھی کہ ہنگری سے جنگ چھڑ گئی۔ جب اہل ہنگری سے خراج کا مطالبہ کیا گیا تو انھوں نے اس نامعقول پیام لانے والے کو قتل کر دیا قتل کے ساتھ ہی افواج عثمانی آگے بڑھیں۔ رومیلی کے بیلی بے احمد پاشا نے شاہٹنز کا محاصرہ کر لیا۔ پیری پاشا نے بلغراد کا، اور محمد میکال اوغلو نے ٹرانسلو ینیا کو تباہ و برباد کر دیا۔ شاہٹنز نے مردانہ وار مقابلہ کیا مگر آخر کو مجبوراً اطاعت کر لی۔ سلطان دورویہ سرہائے مقتولوں کی لاشوں میں سے گزرتا ہوا شہر میں داخل ہوا۔ یہ انتظام خاص طور سے اس کے وزیر احمد پاشا نے کیا تھا۔ ۸ جولائی کو صدر اعظم نے سملین فتح کیا۔ ۲۹ اگست کو بلغراد بھی بیس حملوں کے بعد فتح ہو گیا۔ قلعے کی فوج نے جو ایک فرانسیسی ڈی کردسی کی کمان میں تھی بہادری کے ساتھ اپنا فرض منصبی ادا کیا اور جوانمردی کے ساتھ معرکہ آرائی کی لیکن قلعے کی دیواریں گر چکی تھیں۔ باشندگان شہر فاقوں مر رہے تھے۔ گولہ بارود ختم ہو رہا تھا اور کسی طرف سے مدد کی امید بھی نہ تھی۔ اور مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ ہر طرف سے حملے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

محصور تعداد میں بہت کم تھے مگر انھوں نے اپنی جانوں کو گراں قیمت پر بیچنے کی تیاری کی۔ ایم ڈی کردسی کے حکم سے بارود کے باقی پیپے قلعے میں پہنچائے گئے اور ایک بڑی سرنگ تیار کی گئی۔ یہ سرنگ اب اڑائی جانے والی تھی کہ متعصب سروی پادریوں نے جنھیں کا تھولکی فرقے اور ہنگریوں سے عداوت تھی ترکوں کو محصورین کے اس خطرناک ارادے سے مطلع کر دیا۔ اور سرنگ کا ٹھیک نشان بھی بتا دیا۔ مجبوراً اطاعت قبول کرنی پڑی۔ شہر کے باشندے اپنے بچاؤ کے لیے قلعے کی فوج کو ترکوں کے حوالے کر دیتے۔ مگر ایم ڈی کردسی نے قبول نہ کیا کہ اپنے جیتے جی یہ ذلت دیکھے۔ قلعے سے نکل کے دھاوا کیا۔ اور بہادری کے ساتھ جنگ میں جان دی۔

شاہراہ ہنگری پر قابض ہونے کے بعد سلیمان نے رھوڈس کی فتح کا ارادہ کیا۔ رہبان رھوڈس کے جہاز ترکی سواحل کو اپنی لوٹ مار کا مرکز بنائے ہوئے تھے جس سے ان ساحلوں میں تباہی اور دہشت پھیلی ہوئی تھی۔ ان رہبانوں نے مصر اور قسطنطنیہ کی آمد و رفت کو مسدود کر دیا تھا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شام کے راستے سے مکہ جانے والے حاجیوں کے جہاز ان کی طرف سے خدشے میں تھے۔ ضروری تھا کہ جس طرح ممکن ہو بحر روم جہازوں کی آمد و رفت کے قابل بنایا جائے۔ اس مہم کے لیے جس میں محمد الفاتح جیسا نامی سلطان ناکام ہوا تھا یہ بہترین موقع تھا اس لیے کہ یورپ کی سیاسی حالت اس کے مساعد تھی۔

فرانسس اول اور چارلس پنجم کی فوجیں اپنے بادشاہوں کی خوفناک رقابت کے باعث مصروف کارزار تھیں۔ پاپائے روما لیان دہم اصلاح کی جنگ میں مصروف تھا۔ ہنگری پر ایک بچے کی حکومت تھی۔ اس لحاظ سے رہبان رھوڈس یکہ و تنہا تھے اور انھیں بیرونی مدد نہ مل سکتی تھی۔

۱۶ جون ۱۵۲۲ء کو ترکی بیڑا روانہ ہوا۔ اور ریکم اگست کو ایک ہزار آدمیوں نے رھوڈس کے آگے ایک خندق کھودی۔

جنگی تیاریوں میں دو ماہ صرف ہوئے۔ کئی سرنگیں اور سرنگوں کے اندر سرنگیں کھودی گئیں اور کئی جھڑپیں بھی ہوئیں جن میں عیسائی غالب رہے۔ ۲۴ ستمبر کو آدھی رات سے دوپہر تک نقیب خندقوں میں منادی کرتے پھرے کہ "کل حملہ شروع ہوگا۔ ملک بادشاہ کا اور باشندوں کا جان و مال فاتحین کا ہے۔"

دوسرے دن علی الصبح حملہ شروع ہوا۔ گھمسان کی لڑائی کے بعد ڈیڑھ ہزار لاشوں کو خندقوں میں چھوڑ کے عثمانی پیچھے ہٹ گئے دو ماہ تک مسلسل حملوں پر حملے ہوتے رہے لیکن راہبوں نے ہر حملے میں ترکوں ہی کو شکست دی۔

ان بعد کی لڑائیوں میں ترکوں کے چونسٹھ ہزار آدمی ہلاک ہوئے۔

چالیس ہزار بیماری سے مرے لیکن ان کو کمک پر کمک پہنچتی تھی اور ان کی فوجیں ہر وقت بدلتی رہتی تھیں اس لیے انھیں کوئی فکر نہ تھی۔ برخلاف اس کے محصورین کی فوجیں روز بروز گھٹتی جا رہی تھیں گو ان کی بہادری اور ناموری میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ترکوں نے جب پہلے اطاعت قبول کرنے کو کہا تو میر مجلس رہبان ولیرس ڈلائل اڈم نے تحقیر کے ساتھ نامنظور کیا (۱۰ دسمبر) آخر ۲۱ دسمبر کو بچوں اور عورتوں کی گریہ وزاری سے مجبور ہو کے بیکسی کے عالم میں صدر نشین نے اطاعت قبول کرنے کا ارادہ کیا۔

سلطان نے وعدہ کیا کہ وہ اپنی فوج کو رھوڈس سے ایک میل پیچھے ہٹا لیگا۔ گرجاؤں کی بے حرمتی نہ کرے گا اور راہبوں کے لیے جہاز کا انتظام کردے گا تاکہ وہ اس جزیرے سے بارہ روز کے اندر چلے جائیں۔

سرکش جانثاروں نے سلطان کے اس وعدے کو فی الجملہ پورا ہونے نہ دیا۔ وہ شہر میں ایک دروازے سے جبراً داخل ہو گئے۔ ایک ربع شہر تباہ کیا اور گرجاؤں کی بے حرمتی کی۔ البتہ سلطان اور صدر نشین کی ملاقات ایسی تھی جیسے دو محترم افراد کے شایان شان ملاقات کہا جا سکتا ہے۔

سلیمان نے اپنے مصاحبوں سے کہا "مجھے سخت افسوس ہے کہ میں اس بڈھے کو اس کے محل سے نکال رہا ہوں"۔ رہبان رھوڈس، مالٹہ میں پناہ گزیں ہوئے جیسے چارلس پنجم نے ان کو دیدیا تھا۔ تھوڑے ہی زمانے میں رہبان مالٹہ کا نام بھی مسلمانوں کے ساتھ معرکہ آرائیوں میں ایسا ہی مشہور ہو گیا جیسا رہبان رھوڈس کا تھا۔

رھوڈس کے آس پاس کے جزائر لیراس، کوس، سمیا وغیرہ نے بھی، رھوڈس کی تقلید کی اور فاتح کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔

ابراہیم پاشا۔ جنگ موہاکز (۱۵۲۶ء)

اندرونی پریشانیاں

رھوڈس فتح ہوا ہی تھا کہ صدر اعظم احمد پاشا (ابراہیم پاشا) کی

سازشوں سے معزول ہوا۔ یہ احمد پاشا ایک معمولی غلام سے سلطان کے مصاحب خاص اور دوست کے مرتبے تک پہنچا تھا۔ وہ پارغہ کے ملاح کا بیٹا تھا اور ہنوز بچہ ہی تھا کہ ترکی قزاقوں نے اسے چرا لیا۔ میگنیشیا کی ایک بیوہ نے اسے قرآن پڑھایا اور تعلیم و تربیت سے بخوبی آراستہ کیا اس کا بچپن اور عنفوان شباب اسی بیوہ کے وہاں گزرا سلیمان اس زمانے میں والی مگنیشیا تھا۔ سلطان کو اس کی صورت، بذلہ سنجی اور سرود نوازی پسند آئی۔ چنانچہ اسے اپنا مصاحب اور خدمتگار خاص بنا لیا۔ اس کے بعد سے احمد کا ستارۂ اقبال روز بروز ترقی کرتا گیا۔ رفتہ رفتہ بخشی گری سے صدر مہتمی بازخانہ اور صدر مہتمی بازخانے سے صدارت عظمیٰ کے اعلیٰ عہدے تک پہنچا۔ بعد میں سلطان نے اس کو اپنا بہنوی اور تمام فوجوں کا سر عسکر بنایا۔ بیس سال تک اعلیٰ حکومت اور بلند مرتبے پر سرفراز رہا جس میں کوئی اس کا حریف نہ تھا۔ آخر ایک عورت کی سازشوں سے وہ معزول کر دیا گیا۔

احمد پاشا نہیں چاہتا تھا کہ اپنے دشمن کی فتح میں اعانت کرے اسی لیے ولایت مصر پر جو خیر بے کے انتقال سے خالی تھی اپنی ماموری کی درخواست کی جو منظور کی گئی۔ یہ مصر جانا انتقام کی غرض سے تھا۔ صدارت عظمیٰ ہاتھ سے نکل چکی تو مصر کی بادشاہی موجود تھی۔ اس کی دعوت پر مملوکوں نے جنگ کی تیاری کی۔ جانثاروں کی فوج سلیمان کی طرفدار تھی اور آخر تک وفادار رہی اس لیے قاہرہ میں محصور کی گئی اور قاہرہ فتح ہونے کے بعد قتل کر دی گئی۔ اس کے بعد احمد پاشا نے سلطان کا لقب اختیار کیا۔ مگر اس کی حکومت چند روزہ تھی۔ اس کے سپہ سالار محمد بے نے دغا کی جس کے باعث احمد کو عرب کے قبیلۂ بنی بکر میں بھاگنا پڑا ان لوگوں نے رشوت پر اسے دشمن کے حوالے کر دیا۔ اس کا سر قسطنطنیہ میں سرائے کی دیواروں پر بطور آرائش لٹکایا گیا۔ (۱۵۲۴ء) اس کی جگہ قاسم بے مقرر ہوا۔ محمد بے کو دغا کے صلے میں مفتی کا عہدہ دیا گیا۔

ریاست افلاق کی رہی سہی خود مختاری کو فنا کرنے کی کوشش ناکام رہی

شاہ افلاق کے بیٹے کو قسطنطنیہ بھیجدیا گیا اور افلاق کو سنجک کی صورت میں بدل دیا گیا لیکن امرائے افلاق ترکوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور شاہ ٹرانسلونیا نے جان سزاپولیا کی مدد سے ترکی سپاہیوں کو مار نکالا۔ اس طرح سے قدیم حکومت پھر قائم ہوئی۔ ترکوں نے صرف خراج میں اضافہ کردیا (۱۵۲۴ء)

والئ مصر اور مفتی کے درمیان بہت جلد بدگمانیاں پیدا ہوئیں۔ اور دونوں نے بابعالی میں ایک دوسرے کی شکایت کی۔ ترکی سے ابراہیم پاشا امن قائم کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ اس نے اول دونوں دشمنوں کو برطرف کیا۔ پھر تین ماہ تک ملک میں دورہ کیا۔ شکایتیں سنیں اور ان کا ازالہ کیا۔ اور عدل وانصاف سے کام لے کے مظلوموں کی دادرسی کی۔ اور بلاامتیاز عدل کو اپنا شعار بنایا اور شام میں بیگلربے کا سلیمان پاشا کو والی بنا کے ترکی روانہ ہوا (جنوری ۱۵۲۵ء)

اپنے ندیم کے قیام مصر کے زمانے میں سلطان نے سخت سزائیں دے کے یہ اچھی طرح سے واضح کردیا کہ بڑے سے بڑے لوگ بھی جائز سزا سے نہیں بچ سکتے۔

سلطان کا بہنوئی فرہاد پاشا والئ سمندریہ رشوت ستانی، چوری اور اہم ترین مقدموں میں انصاف نہ کرنے کی علت میں ماخوذ ہوا۔ اور گو وہ سلطان کا بہنوئی تھا اور اس طرح سلطان سے قرابت قریبہ رکھتا تھا مگر اسے پھانسی کی سزا دی گئی۔ خوشرو پاشا والئ شام معزول کردیا گیا۔ لیکن ان زبردست انتظامات کے بعد ابراہیم کی عدم موجودگی سے جو سلطان کو ان انتظامات میں مستعدی سے حصہ لینے پر ابھارتا تھا سلطان لہو ولعب میں پڑ گیا۔ جانثاروں کی بغاوت پر وہ کچھ بیدار ہوا۔ اور آغا مصطفیٰ اور چند سرداروں کے قتل کا حکم دے کے اس فتنے کو فرو کردیا۔

اس بڑی فوج کو جنگ میں مصروف رکھنا ضروری تھا۔ سلطان نے جلدی سے جنگ کے انتظامات کیے اور ۲۳۔ اپریل ۱۵۲۶ء کو ایک لاکھ فوج

اور تین سو توپوں کے ساتھ جنگ کے لیے روانہ ہوا۔ کالوساکے لاٹ پادری پال ٹوموری نے جس کے سپرد سرحدی دستہ تھا لوئی دوم کو سلیمان کے منصوبوں سے پہلے ہی خبر کردی تھی مگر دشمن کو روکنے کے لیے کوئی انتظام نہیں کیا گیا تھا جس کی وجہ سے ترکوں کی کامیابی حیرت انگیز رہی۔ ٹوموری کی بہادرانہ مدافعت کے باوجود ابراہیم پاشانے پیتروردین فتح کیا۔ ترکوں کی پیش قدمی موہاکز پر جاکے رک گئی جہاں ہنگری فوج نے خود لوئی دوم کی سپہ سالاری میں ان کا مقابلہ کیا۔ اسقف اعظم پیرینی کی رائے تھی کہ جان سزاپولیا کی فوجیں مجتمع ہونیکے بعد جنگ شروع کی جائے لیکن ٹوموری کی رائے اس کے خلاف تھی اور اسی پر عمل کیا گیا۔ پہلے پہل اہل ہنگری کو کامیابی ہوئی گو ترکی افواج کی چلت پھرت سے عیسائی فوجیں دونوں طرف سے گھر گئی تھیں۔ سلطان بال بال بچا۔ بتیس سوار محافظ دستے کے کئی سپاہیوں کو قتل کرتے ہوئے سیدھے سلطان تک پہنچ گئے۔ لوئی دوم کے تند و تیز حملوں کے مقابلے میں ترک ہر طرف پسپا ہوئے۔ سلیمان نے یہ حالت دیکھی تو گولہ باری کا حکم دیا۔ مسلسل گولہ باری سے ہنگری کی سوار فوج بیکار ہلاک ہوئی۔ فوجوں میں بے ترتیبی پھیل گئی۔ اور تھوڑی دیر میں ہر طرف بھاگڑ مچ گئی۔ اس ہزیمت میں لوئی دوم کو اس کے آدمی کھینچ لے گئے مگر موہاکز کے اطراف کی وسیع دلدل میں وہ پھنس کے مرگیا۔ پچیس ہزار لاشوں کے ساتھ پال ٹوموری نیز سات اساقفۂ اعظم، اور بائیس امرائے ہنگری کی لاشیں ہنگری کی خودمختاری کے لیے میدان جنگ میں پڑی تھیں۔

پیچوی کا بیان ہے کہ اس خونریز معرکے میں اہل ہنگری کے دو لاکھ آدمی کام آیئے اور ترکوں کے صرف ڈیڑھ سو۔ دس ہزار قیدی انتہائی سرد مہری سے قتل کر دیئے گئے۔ سلطان کے اٹل حکم سے ان بدبختوں کے سر کاٹ لیے گئے اور ان کے دھڑ مردار خوار پرندوں بھیڑیوں اور وحشی جانوروں کے حوالے کر دیئے گئے جو میدان جنگ میں بکثرت جمع ہو گئے تھے[1]

[1] - جنگ موہاکز۔ مصنفہ کمال پاشا زیدمی۔

سینٹ اسٹیفن کے شاہی دارالریاست بوداکے دروازے فاتحین پر کھل گیے۔ (۱۰۔ ستمبر) شاہی خزانہ اور وہ تمام دولت جسے میتھیاس کوٹرن نے اپنے محل میں جمع کیا تھا اور وہ کتب خانہ جس کی چار دانگ عالم میں شہرت تھی ترکوں کے ہاتھ آیا۔ طاعون اور آتش زنی کی بدولت ملک خود اجڑ چکا تھا اس پہ بھی ترکوں نے اچھی طرح سے لوٹا۔ جو لوگ آگ اور تلوار سے بچ رہے تھے وہ جلاوطن کیے گیئے۔ دریائے طونہ کے دونوں طرف ایک آدمی باقی نہ رہا۔ اس جنگ کے متعلق ایک مسلمان مورخ کا بیان ہے کہ "ان ملکوں کی سب آبادی فنا ہو گئی۔ کسی سیاح کا اس طرف گزر نہیں ہوتا تھا"۔ ایک لاکھ قیدی جن میں عورتیں اور مرد بھی تھے جا بگیں مار مار کے استنبول پہنچائے گئے۔ عورتیں حرم میں داخل ہوئیں اور ایک مدت کے لیے حرم ان عورتوں سے بھرا رہا۔ ترکوں کے مظالم سے مفتوح لوگوں نے جب کوئی مفر کی صورت نہ دیکھی تو مایوس ہو کر مجبوری مقابلہ کیا۔ میکیل نیگی قلعۂ غران میں پناہ گزیں ہو گیا اور ترکوں کے حملوں کو کامیابی کے ساتھ روکتا رہا۔ اس بحث میں صرف ایک گرجا کے محاصرے میں سلطان کو ایک روز لگا۔ اس قصبے اور پیٹرودین کے درمیان جو علاقہ تھا اس میں کئی ہزار اہل ہنگری نے مورچے بنائے۔ اس کی تسخیر میں ترکی کے مقتولین کی تعداد دوران جنگ کے مقتولین سے بھی بڑھ گئی۔

جب ملک خوب تباہ اور ویران ہو گیا اور مزید غارتگری اور مال غنیمت کے ذرائع باقی نہ رہے تو سلیمان قسطنطنیہ واپس ہوا۔ ہنگری کے تخت پر اس نے سنرا پولیا کو بٹھایا مگر حریت پسند حکام نے شہنشاہ چارلس پنجم کے بھائی فرڈی نینڈ کو جو شاہ رومینس اور آرچ ڈیوک آسٹریا تھا، نامزد کیا۔

اس اثنا میں ایشیائے کوچک میں شورش پھیلی اور سلطان کو وہاں جلد سے جلد پہنچنا ضروری ہوا۔ ‡

مدیر عدالت محمد اور مصلح الدین قاضی سرکاری پیمائش پر مامور تھے۔

ان کی زیادتیوں سے تنگ آکے عدنہ کے ترکمانوں نے قاضی اور مدیر اور سنجک بے کا خاتمہ کرکے اعلان جنگ کیا۔ کرمانیا کے بیگلربیگ اور روم کے بیگلربیگ حسن پاشا نے یکے بعد دیگرے باغیوں سے شکست کھائی اور جنگ میں مارے گئے۔ والئ دیار بکر خوشرو پاشا نے بغاوت کو فرو کیا۔ لیکن ایک جگہ یہ فتنہ دبا تو دوسری جگہ مارسس اور عدنہ میں اس سے زیادہ شدت کے ساتھ برپا ہوا۔ آخر والئ عدنہ پیری پاشا نے دانشمندانہ تدابیر سے ملک میں امن قائم کیا (۱۵۲۶ء)

سلیشیا میں امن قائم ہوا ہی تھا کہ کرمانیا مرکز بغاوت بن گیا (۱۵۲۷ء) بحرالدین کی مذہبی تعلیمات کو بعض درویشوں نے خفیہ طور سے قبول کرلیا تھا۔ چنانچہ بحرالدین کی وفات کے بعد بھی اس کا سلسلہ باقی رہا؛

قلندر اوغلو مشہور شیخ بکتاش کی اولاد سے تھا۔ اسے اپنے پیشرو کی ناکامی اور موت سے ذرا خوف نہ ہوا اور اس نے اپنے اشتراکی خیالات کا علم از سرنو بلند کیا۔ درویشوں ابدالوں اور قلندروں کی پند و موعظت کا لوگوں پر گہرا اثر ہوا اور قلندر اوغلو کے علم کے نیچے ایک کثیر جماعت مجتمع ہوگئی؛

اناطولیہ کے بیگلربیگ کو جسے والیان کرمانیہ اور حلب کی فوجوں سے مدد ملی تھی تکاطیہ میں سخت شکست ہوئی۔ یہ بغاوت ایسی تھی جس سے سلطنت اور خود تخت کو خطرہ تھا۔ ضرور تھا کہ جلد پوری قوت کے ساتھ اس کا دفعیہ کیا جائے تاکہ باغیوں کے عقائد عوام میں نہ پھیل جائیں۔ اور یہ عقائد ایسے نہ تھے جن سے غریب اور محروم الارث لوگ متاثر نہ ہوتے۔ بہت سے لوگوں پر ان کا اثر پڑ چکا تھا۔ صدر اعظم ابراہیم پاشا جاں نثاروں اور دیگر سپاہیوں کے ساتھ باغیوں کے مقابلے پر روانہ ہوا۔ اور اس ہوشیاری کے ساتھ گفتگو کی کہ ترکمانوں کے قبائل اس جتھے سے علیحدہ ہوگئے۔ اب قلندر اوغلو کے پاس صرف اسی کی جماعت رہ گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ

جنگ میں اس کو شکست ہوئی اور وہ اپنے خلیفۂ خاص ولی دیندار کے ساتھ مارا گیا۔ (۱۵۲۷ء)

یہ سیاسی ہنگامے دب گئے تو ایک مذہبی فتنہ اٹھا جس کی بنا قابض نامی ایک عالم کی عوام میں وہ تقریریں تھیں جن میں وہ حضرت عیسیٰ کو حضرت محمدؐ پر ترجیح دیتا تھا۔ اناطولیہ اور رومیلی کی عدالت العالیہ میں اس کا مقدمہ پیش ہوا۔ قابض نے انجیل و قرآن کے موازنے سے اپنے دعوے کی دلیلیں پیش کیں۔ اس کے استدلال سے عاجز ہو کے غصے میں قاضیوں نے اسے موت کی سزا سنائی لیکن ابراہیم پاشا نے اس شرمناک کارروائی سے برافروختہ ہو کے اس فیصلے کو باطل ٹھیرایا۔

سلطان نے اس مقدمے کو شیخ الاسلام اور قاضئ قسطنطنیہ کے پاس رجوع کرنے کا حکم دیا۔ قابض اخیر تک اپنے استدلال پر اڑا رہا۔ اور اپنے عقائد پر اپنی جان نذر کر دی۔ (۱۵۳۰ء) [ل]

واقعۂ ذیل بھی ابراہیم کی نیک نامی کی یادگار ہے۔ ایک دفعہ حلب میں بغاوت ہوئی۔ ملا اور قاضی مسجد میں صبح کی نماز میں قتل کر دیئے گئے۔ دین کی اس بے حرمتی سے آگ بگولا ہو کے سلطان نے تمام باشندوں کے قتل کا حکم دیا مگر صدر اعظم نے جرأت کے ساتھ اس حکم سلطانی سے اختلاف کیا اور اپنے اصرار پر قائم رہ کے اس بربری حکم کو منسوخ کرا دیا۔ اور صرف انھیں کو قتل کرایا جو مجرم تھے۔ سلطان نے اپنا انصاف غریب و امیر سب پر یکساں ثابت کرنے کے لیے ان تمام امرا کے قتل کا حکم دیا جن کے ظلم و تعدی سے رعایا نے بغاوت کی تھی۔ صوبۂ سقوطری کے ساتھ عہدے داروں اور خود والئ سقوطری کو دغابازی اور رشوت کے جرم میں پھانسی دیگئی۔

ل۔ مسیحی مورخ نے اس واقعے کو اپنے منشا کے موافق بیان کیا ہے۔ حالانکہ انجیل جیسی محرف و غیر تاریخی کتاب کا قرآن مجید سے موازنہ ہی کیا؟ مترجم

بابعالی اور فرانس کے باہمی تعلقات
فرنگی پینی اور رینسو کی سفارتیں

اب وقت آچکا تھا کہ ترکی تماشا گاہ یورپ میں شریک ہو اور اس کھیل میں بہت بڑا حصہ لے۔ فرانس کے گرد خاندان آسٹریا کے مقبوضات تھے، جس سے فرانس کی حالت اپنے ہی حدود میں ایک پا بزنجیر قیدی کی سی تھی۔ چارلس پنجم ہسپانیہ، اطالیہ، جرمانیہ اور ممالک ماتحت کا فرمانروا تھا، جس کی وجہ سے فرانس گویا لوہے کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ نیپلس، صقلیہ اور ارن، چارلس پنجم کے ہی قبضے میں تھے۔ علاوہ ازیں بندقیہ سے اس کا دوستانہ تعلق تھا اور جینوا اور فلارنس پر اس کی سیادت مسلم تھی۔ اس اعتبار سے بحر روم سے فرانس متمتع نہ ہو سکتا تھا۔

یورپ کا توازن قوت اس وقت سخت خطرے میں تھا۔(۱) (اگر اس قوی ہیکل دیو کے ٹکر کی کوئی بحری و بری قوت نہ ہوتی۔) (۲) (تو اس توازن اور فرانس کی تباہی کو دیر نہ لگتی) اس وقت فرانس کے لیے کامل یکسوئی کی ضرورت تھی تاکہ اس کی سابقہ حالت عود کر آئے۔ اور اس یکسوئی کے لیے ایسے اتحاد کی ضرورت تھی جس سے بحیرۂ روم دوبارہ اس کے قبضے میں آجاتا اور لیونٹ امن و امان کے ساتھ اس کے زیر اثر ہو جاتا۔ ایسا اتحاد صرف ترکوں سے ہی ہو سکتا تھا کیونکہ ترک ہی ایسے تھے جو تین چوتھائی دنیا کے مالک تھے۔ اور ممالک آسٹریا کے عین مرکز پر ہی ان کی فوجوں کے حملہ آور ہونے کا اندیشہ تھا۔ علاوہ اس کے ان کا بیڑا مغربی بحیرۂ روم پر مسلط تھا۔ سلطنت عثمانیہ اور فرانس میں مخالفت نہ ہو سکتی تھی۔ کیونکہ دونوں کے اغراض واحد تھے۔ دونوں کے دشمن واحد تھے۔ دونوں کی ضرورتیں واحد تھیں۔ دونوں کی نفرتیں واحد تھیں۔ اور دونوں کو

ایک دوسرے کی جانبازی اور بہادری کا اعتراف بھی تھا۔

جنگ صلیبی کی روح رواں رہنے کے باوجود سلطنت فرانس ہی پہلی سلطنت تھی جس نے مسلمانوں سے سمجھوتہ کیا اور سلطنت آسٹریا کا قلع قمع کرنے کے لیے ان سے دوستی کے تعلقات قائم کیے۔ (ان حالات میں) مسلمانوں سے اتحاد پیدا کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ جب کہ خود فرانس کی رعایا اور اس کے اکثر مدبر ایک دوسری جنگ صلیبی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اس ناجائز ترکی اور فرانسیسی اتحاد سے عوام یورپ میں شورش پھیل گئی۔ آسٹریا نے فرانس کے اس طرز عمل پر جو مسیحی دنیا کے خلاف تھا ہنگامہ برپا کر دیا۔ پھر کیا تھا۔ گرجا کے خلف الرشید پر چار طرف سے لعنت ملامت کی بوچھار ہونے لگی۔ ان سب آفتوں کے باوجود فرانسس اول اپنے ارادے میں ثابت قدم رہا۔

بابعالی اور فرانس کے تعلقات سب سے پہلے بایزید ثانی کے عہد حکومت میں قائم ہوئے۔ ۱۴۸۳ء میں لوئی یازدہم کے دربار میں حسین بے اس معاہدے کی توثیق کے لیے بھیجا گیا تھا جس میں رہبان رھوڈس نے شہزادۂ جمؔ کے محافظ قید خانہ بننے کا ذمہ لیا تھا۔ وہ فرانس پہنچا تو لوئی یازدہم مر چکا تھا۔ رہبان نہیں چاہتے تھے کہ حسین بے جم کے متعلق کوئی معاملہ کرے اس لیے وہ ترکی واپس ہو گیا۔ ۱۴۸۶ء میں وہ پھر چارلس ہشتم کے دربار میں ایلچی بن کے آیا۔ شہزادۂ جم کی حوالگی کے معاوضے میں بایزید نے ان تمام تبرکات کو واپس دینے کا وعدہ کیا جو محمد الفاتح کے زمانے سے ترکوں کے ہاتھ آتے رہے تھے۔ اور بیت المقدس کو بھی فتح کے بعد دینے کا وعدہ کیا۔[1]

چارلس ہشتم نے سفیر سے ملنے سے انکار کر دیا۔ بایزید اس پر کچھ شکستہ دل نہ ہوا۔ ۱۴۸۸ء کے موسم گرما میں سلطان نے انٹیون برجکو کو شاہ فرانس کے پاس ایک خط دے کے بھیجا جس میں چارلس ہشتم کو ان مختلف امور کی سماعت کے لیے لکھا تھا جو سفیر اس سے بالمشافہ

ہینے والا تھا۔ فروری اور اپریل ۱۵۰۰ء میں سلطان نے لوئی دوازدہم کو دو خط لکھے جن میں سلطنت عثمانیہ اور جمہوریت بندوقیہ میں ثالث بننے کی خواہش کی تھی۔

اپنی تخت نشینی کے وقت فرانسس اول ترکوں کا سخت مخالف تھا۔ مجلس کیمبرائی میں (۱۵۱۷ء) اس نے شہنشاہ جرمانیہ اور فرڈی ننڈ کاثولی کے سامنے ترکی کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی تجویز پیش کی تھی مگر پاپائے روما لیو دہم نے اس سازش کو درہم برہم کر دیا۔ مئی ۱۵۱۷ء میں سلیم نے ان حقوق کو تسلیم کیا جو ۱۵۰۷ میں فرانس نے قانسوہ غوری سے حاصل کیے تھے۔ جب فرانسیسی فوج کو پیویا میں شکست ہوئی اور بادشاہ گرفتار کر لیا گیا تو چانسلر ڈوبرٹ کے شورے سے نائب السلطنت امیر لوئی سوائے نے ترکی سے اتحاد کی سوچی گو یہ تدبیر دور اندیشی کے خلاف تھی۔

۲۵۔ فروری ۱۵۲۵ء کو فرانس نے ایک سفیر بیش قیمت ہدایا کے ساتھ سلیمان کے پاس روانہ کیا اور چارلس پنجم کے خلاف اتحاد کی تجویز پیش کی۔ یہ سفیر جس کا نام معلوم نہیں بوسینہ میں اپنے بارہ ہمراہیوں کے ساتھ قتل کیا گیا۔

اسی سال ماہ دسمبر میں امیر جین فرنگی پینی جو ہنگری کا باشندہ اور فرانس کے سلک ملازمت میں تھا اس معاملے کی یکسوئی کے لیے قسطنطنیہ روانہ ہوا اور فرانسس اول کا خط سلطان کو دیا۔

اسی زمانے میں چارلس پنجم نے بھی سلطان سے اتحاد کی خواہش کی اور اپنی تجاویز پیش کیں مگر ترکی اور جرمانیہ میں ہمسایہ ہونے کے باعث فطری دشمنی تھی۔ اس لیے شہنشاہ جرمانیہ کی تجاویز کو حقارت کے ساتھ رد کر دیا گیا۔

فرانسیسی سفیر کی بہت آؤبھگت ہوئی۔ اور بیش قیمت ہدایا شاہ فرانس کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے دیئے گئے مگر کوئی معاہدہ نہیں ہوا۔ اسلامی غیرت اجازت نہ دیتی تھی کہ ایک عیسائی بادشاہ سے

علانیہ اتحاد کیا جائے؛

سلطان نے سچے عیسائی بادشاہ کے خط کا جواب دیا جس میں مربیانہ اور بزرگانہ پیرائے میں دوستی کا اظہار کیا گیا تھا۔ ذیل کی عبارت مشرقی انشاپردازی کے عجیب وغریب طرزِ تحریر کا ایک نمونہ ہے۔

اس خدائے قدوس کی ذرہ نوازی سے جس کی لایزال قوت سزاوارِ حمد وسپاس اور موجب تعظیم انام ہے۔ اور ان معجزات فیض آثار کے طفیل سے جو خاتم الانبیا سید الاصفیا سراج السالکین رحمتہ للعالمین نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ظہور میں آئے اور ان مقدس ارواح چاریار حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و حیدر کے ظل عاطفت میں شاہ سلطان سلیمان خان ابن الفاتح سلیمان خاں سلطان السلطان خاقان الخاقان عطا کنندۂ تخت وتاج و کامرانی شہنشاہ بحیرۂ ابیض و اسود و مالک رومیلیا و اناطولیہ و ممالک متعددہ جنھیں میرے آبا واجداد نے اپنی جلالت آفریں قوت سے فتح کیا اور جنھیں خود مابدولت اپنی شمشیر درخشاں وتیغ براں سے زیر نگین لائے۔ میں شاہ سلطان سلیم خاں ابن سلطان سلیم ابن السلطان بایزید: اے فرانسس تجھکو جو بادشاہ فرانس ہے لکھتا ہوں کہ تو نے اس آستانے پر جو پناہ شہنشاہان ہے جو خط اپنے محرم راز فرانکپین کے ہاتھ بھیجا تھا پہنچا۔ بعض بالمشافہ پیاموں سے جو تم نے اس سے کہے مجھے معلوم ہوا کہ دشمن نے تمھاری سلطنت چھین لی۔ تم اس وقت قید خانے میں ہو۔ اور اپنی رہائی کے لیے مدد اور حفاظت چاہتے ہو۔ تم نے جو کچھ پیام دیا اس کو مابدولت نے تفصیل سے سنا اور تمام حالات مابدولت کو معلوم ہوئے۔

یہ عجیب بات نہیں کہ شہنشاہ معزول اور مقید ہوں۔ تم اطمینان رکھو۔ اور پریشان خاطر نہ ہو۔ ہمارے نامور پیشرو اور بلند مرتبہ آبا واجداد (نوراللہ مرقدہم) دشمن کو شکست دینے کی غرض سے ہمیشہ لڑتے اور فتوحات حاصل کرتے رہے۔ خود مابدولت نے ان کی تاسّی میں سال کے ہر مہینے اور

ہر موسم میں نئے نئے صوبے، اور مضبوط و مستحکم قلعے فتح کیے ہیں۔ شب و روز ہمارے گھوڑے زینوں سے کسے اور ہماری کمریں تلواروں سے بندھی رہتی ہیں۔

احکم الحاکمین ہمارے کام کو آسان کرے۔ اور تمہارا مقصد حاصل ہو۔ تم اپنے سفیر سے واقعات و حالات دریافت کرو اور جو کچھ وہ کہے اس سے مطمئن ہو جاؤ۔ اور سمجھ لو کہ حقیقت وہی ہے۔

محررہ دہم ربیع الآخر ۹۳۲ھ (۱۵ فروری ۱۵۲۶ء) از صیانت پناہ بارگاہ سلطانی استنبول"

مسلمان مورخین نے فرانسیسی ترکی اتحاد کے ابتدائی واقعات کی تصویر ناقص کھینچی ہے۔ سطور ذیل اس مشہور ترین ترکی مورخ کی ہیں جو عہد سلیمانی میں اعلیٰ خدمت پر مامور تھا۔ ان سطور سے ترکی مورخین کی واقعہ نگاری کی قابلیت ظاہر ہوتی ہے۔

"امیر فرانس نے خود کو ہمیشہ سے بابعالی کا یار وفادار ظاہر کیا ہے۔ چنانچہ بابعالی سے اس کے نہایت دوستانہ تعلقات رہے ہیں۔ سلطان نے وعدہ فرمایا تھا کہ امیر ہسپانیہ کے غلبے سے اس کو آزادی بخشیں گے۔ یہ وعدہ منجملہ ان وجوہ کے تھا۔ جن سے وہ ہنگری کی مہم سر کرنے روانہ ہوئے۔ ہم جو کچھ لکھ رہے ہیں اس کے سمجھنے کے لیے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ ممالک جرمانیہ کے بادشاہ کے مظالم سے تمام کفار نالاں تھے۔ اور وہ ہمسایہ سلطنتوں پر بہت چھا گیا تھا۔ اس زمانے میں جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس بادشاہ کے انتقال کو ایک زمانہ گزر چکا تھا۔ موت کی خزاں اس کے باغ زندگی کو ویران کر چکی تھی .... امیر فرانس و امیر ہسپانیہ کے ممالک سلطنت جرمانیہ کے حدود پر واقع ہیں۔ ان دونوں امیروں نے اس بیش بہا جائداد کو اپنے ملکوں میں شامل کرنے کے لیے کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ کئی سال کی لڑائیوں اور خونریزیوں کے بعد امیر ہسپانیہ نے ملعون اہل ہنگری کے نفرت انگیز سردار کی مدد سے اپنے حریف پر فتح پائی۔

اس مدد اور اپنی خونچکاں تلوار کے واروں سے اس نے امیر فرانس کی فوج کو تباہ کر دیا۔ اس کے ملک پر بے شمار سوار فوج سے حملہ آور ہوا اور کئی شہر اور قلعے چھین لیے۔ امیر فرانس کی طاقت ٹوٹ گئی اور وہ بالکل کمزور ہو گیا تو ایک قلعے میں اس نے پناہ لی۔ امیر ہسپانیہ نے اس مقام کا بھی چو طرف سے محاصرہ کر لیا۔ محصور امیر نے اپنے وزرا اور مشیروں سے مشورہ کیا۔ سب نے رائے دی کہ اب آستانۂ سلطانی پہ اپنی حالت زار بیان کیجئے جو عالم پناہ فلک بارگاہ ہے۔ اور جہاں چاند اور سورج خم ہوتے ہیں۔ اور جو گورے کالے سب کا ملجا و ماوا ہے۔ بادشاہ نے یہ تجویز پسند کی۔ اور ایک سفیر بارگاہ سلطانی میں مریخ جس کا غلام ہے، روانہ کیا۔ اس کا پیام یہ تھا کہ "خونخوار دشمن نے ملعون اہل ہنگری کے غدار بادشاہ کی مدد سے ہم پہ فتح حاصل کی اور ہمیں سخت زک دی ہے۔ اگر سلطان ہفت اقلیم اپنی فیض رسانی سے دشمن کے اس حاسد معاون کو ہم سے علیحدہ کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں گے تو ہم اپنے دشمنوں سے بھگت لینگے۔ اپنے ملک کی حفاظت کرینگے اور ان کے معاندانہ منصوبوں کو پورا نہ ہونے دیں گے۔ زیر بار منت سلطانی ہونے کے بعد ہم اس کی اطاعت کا عزیز جوا اپنے کندھوں پہ عاجزی و انکساری کے ساتھ رکھ لیں گے .... سلطان عالیشان بلند نشان نے اس امیر کی بدبختی پر رحم فرما کے جو ابتری اور مایوسی کی حالت میں تھا اس کی درخواست قبول کی۔ ذات سلطانی نے بہ نفس نفیس شاندار مہم کی تیاری کی۔ اور منبر پر اپنی تلوار کو لٹکا دیا جس پر ہلال درخشاں اپنی آب و تاب سے زیور مرصع کا کام دے رہا تھا۔ امیر ہسپانیہ کا زور خاک میں ملا کر رکھ دیا۔ اس کا مغرور سر کچل دیا اور اس کی امید کا قلعہ ڈھا دیا گیا۔ امیر فرانس قلعے کے زنداں سے باہر نکلا۔ جو اس کی جائے پناہ بنا ہوا تھا۔ اور ایک زبردست فوج جمع کر کے اپنے دشمن کی حاسد خشمگیں اور خونخوار فوج کو جو بے شمار تھی بھگا دیا۔

لہ۔ جنگ موہاکز: مصنفہ کمال پاشازادہ (مترجمہ پاوٹ ڈی کورٹیل) ہنگری کا

یہ غلط ہے کہ شاہ فرانس نے ترکوں کی مدد سے آزادی حاصل کی بلکہ یہ آزادی اس نے گرانبہا صلح نامۂ میڈرڈ سے حاصل کی جس پر شاہ فرانس نے چارلس پنجم کے ساتھ دستخط کیے تھے۔ آزادی حاصل کرنے کے بعد چانسلر ڈوپرٹ نے جو دستور العمل اس کے لیے تیار کیا تھا اس پر وہ کاربند رہا۔ اپریل ۱۵۲۶ء کے اختتام پر اس نے سلیمان کو ایک خط لکھا جس میں سلیمان نے حلیف ہونے کے جو وعدے کیے تھے ان کا شکریہ ادا کیا تھا۔ لکھا تھا کہ "ہمارے آڑے وقت میں آپ نے اپنی تمام فوجیں اور مال و جواہرات عطا فرمانے کا وعدہ کیا۔ آپ کی اس فیاضی اور روریادلی سے ہم بہت خوش ہوئے۔"

دونوں بادشاہوں میں بہت کچھ مراسلت رہی۔ مشرق میں تاجرانہ تفوق حاصل کرنے کے لیے فرانسس اول نے فرانسیسی طبقۂ عام اور تمام عالم مسیحی میں مشرقی عیسائیوں کے حقوق مسلم کروانے کا بیڑا اٹھایا۔

۱۵۲۸ء میں انٹائن ڈی رنسن سلطان کے پاس فرانسس کا ایک خط لے کر گیا جس میں بیت المقدس کے ایک ایسے گرجا کی واپسی کی استدعا تھی جسے توڑ کے مسجد بنا لیا گیا تھا۔ سلیمان نے نہایت نرمی کے ساتھ اس مطالبے کو نامنظور کیا۔ "تم میں اور ما بدولت و اقبال میں جو اتحاد و محبت ہے اس سے تمہاری خواہشیں صرف ما بدولت کی ذات تک ہی قابل قبول و باعث مسرت ہو سکتی ہیں۔ لیکن یہ معاملہ دوسرے ملکی و مالی معاملوں کا سا نہیں، یہ مذہبی معاملہ ہے۔ اس ارفع و اعلیٰ مالک ارض و سما خالق بنی آدم کے حکم اور ہمارے پیغمبر سردار کونین کے قانون کی رو سے یہ گرجا ایک زمانے سے مسجد کا کام دے رہا ہے اور مسلمان یہاں نماز پڑھتے ہیں۔ احکام مذہب کے خلاف ہے کہ ایک مقام جو مسجد کہلائے اور جہاں نماز پڑھی جاتی ہو کلیسا کے نام سے موسوم ہو۔ دوسرے مقامات جو مساجد نہیں ہیں عیسائیوں کے تصرف میں ہیں۔ ان کو کوئی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ "فتح ہنگری کا حملہ ۱۵۲۶ء میں"

۱۵۲۱ء سے ترکوں اور ہنگریوں میں صلح عارضی باقی نہ رہی تھی بلکہ لڑائی چھڑی ہوئی تھی۔ ترکی مورخین نے ہنگری کے طرز عمل کے متعلق جو دعوے کیا ہے ایسا ہی دعوے پیویا کی شکست اور فرانسس اول کی گرفتاری کے متعلق کیا جا سکتا ہے۔

ہمارے معدلت پسند زمانے میں ہاتھ نہ لگائے گا۔ یہ عیسائی ہماری حفاظت میں آرام سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان کو اجازت ہے کہ اپنے دروازے اور کھڑکیاں درست کرائیں۔ جو خانقاہیں اور عبادت گاہیں ان کے قبضے میں ہیں وہ انھیں کے قبضے میں رہیں گی۔ کوئی شخص کسی طریقے سے ان پر ظلم و زیادتی نہ کرنے پائے گا۔"

اس کے ساتھ ہی سلطان نے ۲۰ ستمبر ۱۵۲۸ء کے خط شریف سے مصر میں فرانسیسی حقوق کی توثیق و توسیع کی۔

فرانسیسیوں اور کیٹلانیوں کو مصر میں سفر اور تجارت کی اجازت دی گئی اور حکام کو حکم دیا گیا کہ فرانس کے جہازوں کے خشکی پر چڑھ جانے یا کسی مصیبت میں پھنس جانے پر ان کی مدد کی جائے۔ تباہ شدہ جہازوں کی چیزیں لینے کی ممانعت کی گئی اور حکم دیا گیا کہ یہ اشیا قونصل کے حوالے کی جائیں۔

قونصلوں کو خون کے مقدمات کے علاوہ جن کی سماعت کا حق شاہی امیر مجلس کو حاصل تھا، ہم وطنوں کے متعلق عدالتی اختیارات دیئے گئے تھے۔

فرانسیسیوں اور کیٹلانیوں کو ان کی جائدادوں کے بارے میں وصیت کا اختیار دیا گیا تھا۔

ایسے اشخاص کی جائداد کا جو بلا وصیت کیے مر گئے ہوں قونصل مختار تھی۔ اور اس کی اور اس کے اہلکاروں کی عدم موجودگی میں ترکی عہدہ داروں کو لازم تھا کہ وہ اس مال کو اس مقام پر بھجوا دیں جہاں قونصل ہو۔

اسکندریہ کے مشہور گرجاؤں کی حفاظت کا حق قانوناً تسلیم کیا گیا۔ اور ایسا ہی حمام خانوں میں داخل ہونے کا بھی۔

معاہدے کی آخری دفعہ سے تمام قونصل کارخانے اور سوداگر بابعالی کی حفاظت و حمایت میں آگئے۔

ایک تو سفیر نے دانشمندی کے ساتھ اس معاملے کو طے کیا دوسرے خود سلیمان کی رضامندی بھی شامل حال تھی۔ آسٹریا کے مقابلے میں

فرانسیسی اتحاد کا پلہ کچھ کم وزنی نہ تھا۔ فرانسیسی سفیر رنسن کے تمام معروضات کو سلطان نے فراخ دلی کے ساتھ قبول کیا۔ رنسن نے سلطان سے اس معاہدے کے ساتھ یہ وعدہ بھی لیا کہ وہ ہنگری کی قدیم مخالفتوں کو تازہ کرے گا۔ اور فرانسس اول اور سزاپولیا میں ایک معاہدہ بھی کرایا جس کی رو سے سزاپولیا کے انتقال کے بعد ہنگری کی وراثت شاہ فرانس کے ایک بیٹے کو ملتی تھی۔

ہنگری سے معرکہ آرائی۔ بار بروسا اور ڈوریا

ہنگری سے جنگ جاری رہی۔ سزاپولیا نے ترکوں کے باجگزار ہونے کا اعلان کیا تھا اس لیے قومی جماعت نے فرڈنی نینڈ شاہ آسٹریا کو ہنگری کا بادشاہ قرار دیا۔ سزاپولیا اور فرڈی نینڈ ہر دو مدعیان سلطنت کا ٹوکے کے میدان میں مقابلہ ہوا۔ سزاپولیا کو سخت شکست ہوئی۔ اور اس نے اپنے خسر سجسمنڈ شاہ پولینڈ اور سلطان سے مدد کی درخواست کی۔

باب عالی اور ہنگری میں مدافعانہ وجارحانہ اتحاد ہوا۔ فرڈی نینڈ نے اس گفت وشنید میں دخل اندازی کی کوشش کی مگر اس کے سفیر نو ماہ تک حراست میں رہنے کے بعد سلطان کے اس طنز آمیز پیام کے ساتھ واپس ہوئے کہ "تمھارے آقا اور ہم میں اب تک ہمسائگی اور دوستی نہیں ہوئی۔ لیکن اب بہت جلد ہو جائے گی۔ ان سے کہو کہ ہم اپنی تمام فوجوں کے ساتھ ان سے ملاقی ہوں گے۔ اور جو کچھ وہ طلب کر رہے ہیں بہ نفس نفیس انھیں دیں گے۔ ان سے کہنا کہ ہماری ملاقات کے لیے تیار رہو"

۱۰ مئی ۱۵۲۶ء کو ابراہیم پاشا کی کمان میں جو تمام عساکر ترکی کا سرعسکر بنایا گیا تھا۔ اسلامی افواج نے پیش قدمی کی۔ دو لاکھ پچاس ہزار سپاہ سزاپولیا کی کمک پر روانہ ہوئی۔ فرڈی نینڈ، پسٹ اور اس پاس کے دوسرے علاقوں پر قابض ہو گیا تھا۔ سزاپولیا کو اس کے مقابلے میں بھاگنا پڑا۔

موہاکز میں اس کی اور سلطان کی ملاقات ہوئی۔ یہاں اس نے سلطان کی وفاداری اور باجگزاری کا حلف اٹھایا۔ اور اسے یہ بھی شرم نہ آئی کہ یہی وہ مقام تھا جہاں مسلمانوں نے ہنگریوں کو قتل کیا تھا!

چھ روز کے محاصرے کے بعد سلطان نے بودا فتح کر لیا۔ اس نے قلعے کی فوج کو مع ساز وسامان جانے کی اجازت دیدی مگر جان نثاروں نے جب غارتگری کی امید منقطع ہوتے دیکھی تو تقریباً تمام فوج کو قتل کرکے رکھدیا۔

سنرا پولیا ہینگری کا بادشاہ بنایا گیا۔ نئے بادشاہ نے اس خوشی میں اپنے دارالسلطنت کو بھاری محاصل سے زیر بار کیا۔ اس طریقے سے جو رقم بہ جبر لی گئی وہ ان جان نثاروں میں تقسیم کی گئی جو شاہ ہنگری کے محافظ بنائے گیے تھے۔ اب وہ ہنیادی اور پیتھیاس کورون کا اگلا زمانہ گزر چکا تھا۔ بزدلی کا اثر متعدی تھا۔ امیر بغدان نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کے اطاعت کا جوا اپنے کندھے پر رکھ لیا اور سلطان کی باجگزاری قبول کرلی۔

سلطان سنرا پولیا اور بغدان کے جشن اعزازی سے فارغ ہوا تو نئے بادشاہ کی معیت میں وائنا روانہ ہوا۔

ستمبر ۱۵۲۹ء میں ایک لاکھ بیس ہزار سپاہیوں اور چار سو توپوں کے ساتھ سلطان نے وائنا کا محاصرہ کیا۔ اس کے علاوہ آٹھ سو کشتیوں کا بیڑا دریائے ڈونہ میں متعین کیا۔ محصورین کے پاس سولہ ہزار آدمی اور بہتر توپیں تھیں۔ قلعے کی دیواروں پر توپیں نہ تھیں اور دیواریں صرف چھ فیٹ موٹی تھیں۔ لیکن جرمنی فوجوں کا جوش ترکوں کی نفرت سے اور بڑھ گیا تھا۔ دفاعی ذرائع کی کمی قائدین کی بہادری اور دانشمندی سے پوری ہورہی تھی۔ محصوروں نے قلعے سے نکل کے ترکوں کے مورچے زبردست حملوں سے تباہ کیے۔ اور ترکوں کے کیمپ جلا دیئے ترکوں نے توپخانے اور سرنگوں سے قلعے کی دیواروں کو منہدم کرنے کی بے سود کوشش کی۔

ایک دیوار گرتی تو اس کی جگہ نئی دیوار کھڑی کر دی جاتی تھی۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے جادو کے زور سے ان دیواروں کو کھڑا کر دیا ہے۔

اس جان توڑ مدافعت سے شکستہ دل ہو کے سپاہیوں نے حملے سے انکار کیا گو ان کے افسروں نے ان کو گھونسوں اور دھمکیوں سے بہت کچھ مجبور بھی کیا۔ ترکی فوج میں مایوسی چھائی ہوئی تھی۔ ۱۴ اکتوبر کو سلیمان غصے میں بھرا ہوا واپس ہوا۔ اس کی رخصت خونریزی کے بعد ہوئی۔ تمام قیدی یا تو زندہ جلائے گئے یا بے رحمی کے ساتھ قتل کر دیئے گئے۔ ترکی فوج کے چالیس ہزار آدمی اس محاصرے میں کام آئے۔ یہ پہلا موقع تھا جس میں سلطان کو ناکامی ہوئی۔ خود کو تسلی دینے اور رائے عامہ میں تبدیلی پیدا کرنے کے لیے جب بسٹ میں واپس آیا تو سلیمان نے ایک بڑے جشن اور عام خوشی منانے کا حکم دیا۔ سزاپولیا کی باضابطہ تاج پوشی کی گئی۔ اور سینٹ اسٹیفن کا قدیم تاج اس کے سر پر رکھا گیا۔ اگر سینٹ اسٹیفن اس موقع پر ہوتا تو اپنے جانشین کو مسلمانوں کا اطاعت گزار دیکھ کے سناٹے میں رہ جاتا۔

دو برس گفت و شنید میں گزرے۔ فرڈی نینڈ نے ابراہیم پاشا کو (بذریعہ رشوت) طرفدار بنانے کی لاحاصل کوشش کی۔ صدر اعظم راستباز نکلا۔ اس کے علاوہ فرانسس اول کے سفیر کی سازش بھی اس معاملے میں ناکامی کا ایک سبب تھی۔

رینسون شاہ فرانس کا ایک خفیہ پیام لے کے واپس ہوا۔ وہ ۱۵۳۲ء کے اوائل میں چلا تھا مگر علالت کی وجہ سے اسے وائنا اور راگوزا میں اقامت کرنی پڑی۔ سلطان بلغریڈ کا محاصرہ کیے ہوئے تھا کہ رنسن ۹ جولائی کو بارگاہ سلطانی میں باریاب ہوا۔ اس نے سلیمان کو ہنگری کے حملے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ اور ترغیب دی کہ سمندر کو اپنی تمام کوششوں کا مرکز قرار دے۔ رینسون کی ان تجاویز کے جواب میں سلطان نے کہا کہ "اگر صورت حالات ایسی خطرناک نہ ہوتی تو اس قدیم دوستی کی بنا پر جو مجھے

شاہان فرانس سے ہے میں بخوشی واپس ہو جاتا لیکن ایسے وقت میں واپس ہونے پر لوگ یہی کہیں گے کہ سلطان چارلس ہسپانیہ کے خوف سے فرار ہو گیا۔ سلطان کو حیرت تھی کہ شاہ فرانس کی درخواست اس شخص کے متعلق تھی جس نے خود اس کے ساتھ نہایت برا سلوک کیا تھا جس نے نائب مسیح اور صدر الصدور رومہ کو قید کیا اور رہائی کے لیے فدیہ وصول کیا تھا۔ اور جو جنگ کے حیلے سے ہر سال عیسائیوں کو لوٹتا رہتا ہے اور اس اعتبار سے کوئی اسے عیسائی بھی نہیں کہہ سکتا۔

رینسون کا غیر معمولی اعزاز کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا جو پہلے کسی ایلچی کا نہیں کیا گیا تھا۔ برخلاف اس کے فرڈی نینڈ کے سفرا بہت ذلت کے ساتھ رکھے گئے۔

ترکی مورخ لکھتا ہے کہ "فرانسس وسیع ملک کا مالک تھا۔ اس کے سپاہی بہادر تھے۔ اس کی بحری قوت بڑھی ہوئی تھی۔ بابعالی سے وہ اپنی اگلی دوستی باقی رکھنا چاہتا تھا جس کی وجہ سے وہ ہماری نظروں میں قابل احترام تھا۔ یہی وجہ تھی کہ صدر اعظم اس کے سفیر سے مثل ایک دوست کے مخاطب ہوا۔ برخلاف اس کے فرڈی نینڈ کے سفیر پر وہ خوفناک بادلوں کی طرح چھایا رہا۔"[۱]

فرڈی نینڈ کے سفیر کو صرف یہی جواب ملا کہ "سلطان ہنگری سے کبھی دست بردار نہ ہو گا جس کو اس نے صرف شاہ فرانس کی خاطر سے فتح کیا ہے۔"

۱۵۳۲ء کی مہم غنس کے محاصرے سے شروع ہوئی۔ نکولاس جورسکٹز نے اس چھوٹے سے شہر کی حفاظت کے لیے سلطان کی دو لاکھ فوج کو بہادری سے ایک ماہ تک روکا۔ ترکوں نے بارہ مسلسل حملے کیے اور ہر حملے میں شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ آخر جورسکٹز سخت زخمی ہوا اور دوسرے حملے کی اپنے میں

۱۔ سولاک زیل۔

تاب نہ پاکر اس نے ابراہیم پاشا کی شرطیں قبول کر لیں۔ باشندوں کو امان دی گئی۔ اور فوج کو اختیار دیا گیا کہ وہ جہاں چاہے چلی جائے۔ جب سپاہی اپنے جملہ ساز و سامان کے ساتھ نکلے تو ان کو جنگی اعزاز کے ساتھ رخصت کیا گیا۔

ترکوں کو جرأت نہ ہوئی کہ وائنا یا سٹاڈ پر حملہ کریں اس لیے وہ ایسٹیریا اور آسٹریا میں پھیل گئے اور ان میں قتال و آتش زنی کے ہنگامے برپا کیے ہاٹسٹین میں شاہی افواج نے قاسم بے کی مقاومت کی۔ اس کے ساتھ چار ہزار قیدی تھے جو فوج کی نقل و حرکت میں مانع ہو رہے تھے۔ اس نے ان تمام کو قتل کر دیا۔ اور اپنی فوج کے دو حصے کیے۔ پہلا دستہ فریس بے کی سپہ سالاری میں ایسٹریا بھیجا جو عساکر سلطانی سے جا ملا۔ دوسرا دستہ وادی امستاہر برگ میں فریڈرک امیر پلیٹائن کے ہاتھوں تباہ ہوا۔ قاسم بے ہلڑ میں مارا گیا۔ اس کی جگہ عثمان نے لی۔ اس کا بھی وہی حشر ہوا جو قاسم بے کا ہوا تھا۔ آسٹریا حملہ آوروں سے پاک کر دیا گیا۔ ایسٹریا میں بھی جنگ ترکوں کے ناموافق رہی۔ سلطان کو فرانس کے محاصرے میں ناکامی ہوئی۔ اس کی ساقۂ فوج (پچھلی فوج) کو شکست ہوئی۔ آخر ماربورگ کے ناکام حملے کے بعد اس کو مراجعت کرنی پڑی۔

سمندر میں بھی ترک ناکام رہے۔ شہرۂ آفاق جنگجو اینڈریا ڈوریا نے گزرگاہ آبنائے لیپانٹو کے دو قلعوں پر قبضہ کر لیا جن کو سلطان بایزید نے بنایا تھا۔ اور یونان کے سواحل کو برباد کر دیا۔

دوسرے سال کے آغاز پر آسٹریا اور ترکی میں عارضی صلح ہو گئی۔ سلطان نے فرڈی نینڈ سے اتحاد و دستی کا عہد کیا مگر ہینگری کے متعلق کوئی تصفیہ نہیں ہوا جس کے متعلق سلطان کا دعوے تھا کہ ہینگری اس کا مفتوحہ ملک ہے (۱۵۳۳ء)

سلیمان نے آسٹریا سے اس لیے صلح کی تھی کہ وہ ایران پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ ذو الفقار خاں والیٔ بغداد اور والیٔ آذربائجان نے شاہ طہماسپ کے خلاف بغاوت کی تھی، اور ان کے برعکس شریف بے حاکم بطلس نے

بطلس کو شاہ کے حوالے کر دیا تھا۔ ذوالفقار خاں کے قتل کے بعد بغداد پر پھر شاہ کا قبضہ ہو گیا۔ ادھر شریف بے نے ایک ایرانی فوج کی سرکردگی میں والیٔ آذربائجان کو شکست دی اور ادھر ابراہیم پاشا شریف بے کے مقابلے پر روانہ ہوا۔ راستے میں شمس الدین ابن علمائے باغی کی موت کی خبر دی اور اس کا سر حوالے کیا (۱۵۳۳ء)۔ موسم سرما حلب میں گزار کے اور جھیل وان کے اطراف کے مقامات کو گفت و شنید سے اطاعت پر (راضی) کر کے ابراہیم تبریز روانہ ہوا اور بے روک ٹوک شہر میں داخل ہو گیا (۱۳ جولائی ۱۵۳۴ء)

نہایت سخت انتظام کیا گیا تھا کہ اس عہد کے لوازم فتح یعنی قتل و غارتگری یا اور کسی قسم کی بد امنی وغیرہ کے واقعات نہ ہونے پائیں۔ ایک مشرقی مورخ کے حسب قول "کسی ایرانی کا ایک بال بھی بیکا نہ ہوا" اور جس وقت ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ایسی وسیع القلبی مذہبی عصبیت کے بالکل خلاف تھی اور مفتی کے اس فتوے کے باوجود کہ شیعوں کا مال و اسباب لوٹ لیا جائے اور وہ قتل کیے جائیں۔

ابراہیم پاشا کی یہ فیاضی جس کو ابھی ہم نے بیان کیا ہے بہت زیادہ قدر و منزلت کی مستحق معلوم ہوتی ہے۔

سلطان نے بغداد جانے والی فوج کی سرداری اپنے ہاتھ میں لی۔ کوچ نہایت صعب اور دور دراز کا تھا۔ راہ کی یہ صعوبت انگیزی دشمن کے حملوں سے نہ تھی۔ بلکہ گزرگاہ کی خرابی اور موسمی تکلیفوں نے راستے کو جہنم بنا دیا تھا۔ دارالخلافت نے مقابلہ نہیں کیا۔ چار مہینے آرام سے گزار کے فوج نے استامبول کا رخ کیا اور جنوری میں وہاں داخل ہو گئی۔ (۱۵۳۶ء)

اس فاتحانہ مہم کے اثنا میں ترکی اور چارلس پنجم کے بیڑے بحیرۂ روم پر اقتدار قائم کرنے کے لیے لڑتے رہے۔ ان ہر دو سلطنتوں کی بحری فوجوں کی سرداری دو نامور آدمیوں کے سپرد تھی۔ چارلس پنجم کا امیر البحر انڈریا ڈوریا جینوی اور ترکوں کا امیر البحر خیر الدین تھا جو

«ارلوڈانٹ باربروسا»، له «سُرخ ریش» کے نام سے مشہور تھا۔ یہ قسمت آزما یونانی النسل جزیرۂ مدللی میں پیدا ہوا تھا اور اپنے بھائی بابا عروج کے ساتھ بحری قزاقی کا پیشہ کرنے لگا تھا؛

یہ دونوں بھائی سلطان محمد تونس کے ملازم ہو گئے تھے جو بنی حفیظ کے خاندان سے تھا۔ کئی ناکام حملوں کے بعد عروج نے جرجل اور تلمسن کو فتح کیا۔ مگر ہسپانیوں کے محاصرے میں وہ دھاوا کرتے ہوئے کام آیا۔ بھائی کے انتقال کے بعد باربروسا یکہ وتنہا رہ گیا۔ موری والئ الجزائر کو قتل کرکے وہ اس کی جگہ فرمانروا بن بیٹھا۔ اور اپنے فتوح کے ساتھ سلطان سلیم کی اطاعت قبول کرلی۔ سلیم نے اس کو الجزائر کی بیگلر بیگی کا عہدہ دیا۔ اسی بندرگاہ کے کئی قزاق ہوئے ہیں جنھوں نے ہسپانیہ اور اطالیہ کے سواحل میں لوٹ مار مچائی اور مغربی بحیرۂ روم کو اپنی آماج گاہ بنا لیا تھا؛

قپودن پاشا کی حیثیت سے باربروسا نے کورن ۱۵۳۳ء میں واپس لیا گو اس معرکے میں ڈوریا کو فتح ہوئی تھی اور اس نے باربروسا کی انتالیس کشتیاں تباہ کردی تھیں۔ دوسرے سال اس نے اطالیہ کے تمام ساحلوں پر چھاپہ مارا اور تونس میں داخل ہوگیا۔ مولائے حسین کی رعایا اس کے ظلم سے ناراض تھی۔ وہ بہت جلد معزول کردیا گیا۔ اور باربروسا نے سلطان کے نام سے شہر پر قبضہ کرلیا۔ شاہ ہسپانیہ و اطالیہ کو باربروسا کی یہ رفتار ترقی بھلا کس طرح پسند آسکتی تھی۔ چارلس پنجم نے تونس واپس لینے کا ارادہ کیا صرف اسی وجہ سے نہیں کہ اس کے افریقی مقبوضات میں امن وامان رہے بلکہ اس وجہ سے بھی کہ فرانسیسی ترکی اتحاد میں رخنہ پڑے۔ زک دینے کے لیے سمندر ہی بہترین مقام تھا۔ ۱۶؍ جون ۱۵۳۵ء میں چارلس پنجم اپنے جہازوں سے لاگولیٹ پر اترا اور اس کو ایک ماہ کے لیے محاصرے اور مسلسل

له۔ اکثر یوروپی مورخین کہتے ہیں کہ باربروسا صوبۂ ہراونس کا فراری تھا۔ دیکھو
Annuaire Notiliare of Barbot De La Tresoriure

لڑائیوں کے بعد فتح کر لیا؛
عربوں نے باربروسا کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اس کو میدان میں شکست ہوئی۔ اس لیے ناچار بھاگنا پڑا۔ تونس پر چارلس کا قبضہ ہوا۔ پچاس ہزار عیسائی غلاموں کو اس نے آزاد کیا اور مولائے حسین کو دوبارہ والئی تونس بنایا۔ اور اس کی حیثیت ایک باجگزار کی رکھی۔ اور قلعۂ لاگولیٹ میں ایک ہسپانی دستے کو حفاظت کے لیے متعین کر دیا۔

فرانس اور بابعالی کا اتحاد

شرائط ۱۵۳۵ء

چارلس پنجم حامی صلیب و محافظ مسیحیت کا طرز عمل اپنے حریف مسلمانوں سے بالکل مخالفانہ تھا۔ فرانسس نے ترکی اتحاد سے پورا فائدہ اٹھانے کے لیے اس اتحاد کے اعلان کا ارادہ کیا۔
۱۵۳۴ء کے موسم بہار میں جین ڈی لافارسٹ سفیر فرانس کی حیثیت سے قسطنطنیہ میں وارد ہوا اور دو مقاصد لے کر آیا تھا۔ ایک تو دوستانہ اور تجارتی معاہدے کی تکمیل جس میں تمام عیسائی فرمانروا با استثنائے چارلس پنجم شامل کیے گئے تھے۔ اور دوسری یہ کہ شہنشاہ جرمنی علاقۂ میلان اور صوبہ آسٹی جنیوا فلانڈرس اور ارٹوئس شاہ فرانس کو واپس نہ دے تو اس صورت میں سلطان کو شاہ فرانس کے ساتھ جنگ میں شریک ہونے کے لیے رضامند کیا جائے۔ اس کے علاوہ شہنشاہ جرمن کے لیے یہ بھی لازم تھا کہ ملک ہنگری پر جان کی فرمانروائی کو تسلیم کرے۔ اور اس کو امن و اماں سے حکومت کرنے دے۔ آخر میں سفیر کو سلطان پر یہ واضح کرنے کی ہدایت دی گئی تھی کہ شاہ فرانس نادرن برگنڈی اور فلانڈرس کے علاقوں پر ایک دم سے حملہ آور ہو کے شہنشاہ جرمنی کو

خاطر خواہ پریشان کر سکتا ہے۔ اس کے بعد سلطان سے ان الفاظ میں مالی امداد کی درخواست کی گئی تھی کہ "اس بارے میں ڈی لا فورسٹ سلطان سے درخواست کرے گا اور انھیں بادشاہ مزبور کی مدد کے لیے راضی کرے گا تاکہ وہ مندرجۂ بالا اغراض کے لیے دس لاکھ اشرفیوں سے مدد کریں۔ سلطان المعظم کے لیے یہ مدد ان کی دولت کے لحاظ سے کچھ گراں نہیں ہو سکتی تھی...... ادھر شاہ کی فوجیں خشکی پر کارزار میں مصروف رہیں گی اور ادھر مذکورۂ بالا مالی امداد کے علاوہ سلطان اپنی بحری افواج کو امیر خیر الدین کی سپہ سالاری میں جلد سے جلد صقلیہ روانہ کریں گے تاکہ وہاں شاہ فرانس اور سلطان کی طرف سے اس شخص کو والی بنائے جس کے متعلق لا فورسٹ کو علیحدہ احکام دیئے گئے ہیں۔ یہ شخص مذکورہ جزیروں سے بخوبی واقف ہے اور ذی اثر بھی ہے۔ شاہ کے ظل عاطفت میں وہ ان جزیروں پر وفاداری سے حکمرانی اور ان کی حفاظت کرے گا۔ اور اس احسان اور مالی امداد کے عوض وہ سلطان کو سالانہ خراج ادا کرے گا" آخر میں دیوان کو مندرجۂ ذیل منصوبے پر غور کرنے کی دعوت دی گئی تھی کہ "نیپلس اور سارڈینیا یا ہسپانیہ کے راستوں سے حملہ آوری دشمن کے لیے بہت ضرر رساں ثابت ہوگی۔ اور یہ کوئی ایسا دشوار کام بھی نہیں ہے کیونکہ جیسا کہ پچھلا تجربہ شاہد ہے جرمن اطالیہ کی مدد نہ کریں گے اور اگر یہ خبر صحیح بھی مان لی جائے کہ شاہ ہسپانیہ نیپلس اور دوسری ریاستوں کی مدد کرے گا تو بھی سلطان المعظم اور شاہ فرانس کی بحری فوجیں اس قدر زبردست ثابت ہوں گی کہ وہ بحری راستے سے جانے کی جرأت نہ کر سکے گا"

مندرجۂ بالا امور لا فارسٹ کی سفارت کے حقیقی مقاصد تھے۔ اور تجارتی معاہدہ اور فرانسیسیوں کے حقوق کی توثیق و تجدید صرف ظاہری حیلہ تھا۔ اپنی کاربراری میں اس کو صدر اعظم ابراہیم پاشا اور قپودن پاشا خیر الدین کا بھروسہ تھا۔ شاہ فرانس نے خیر الدین سے وعدہ کیا تھا کہ الجزائر اور تونس اس کے لیے محفوظ رکھنے کی کوشش کرے گا۔

فرانسیسی سفیر کو تمام امور میں کامیابی ہوئی۔ فروری ۱۵۳۵ء
(یا جنوری ۱۵۳۶ء میں بروئے جرمن مورخ وان ہمبرگ) امن واماں کو دستی
اور تجارت کا معاہدہ طے ہوا جس کے متعلق سلطان کا مکتوب گرامی شائع ہوا۔
شاہ فرانس کو بادشاہ کا خطاب دیا گیا اور "عظمت وجبروت میں یہ سرآمد
والیان مسیحی" شاہ شاہان سلطان الارضین البحرین وظل اللہ کے مساوی
قرار دیا گیا۔ معاہدے کا مضمون حسب ذیل تھا۔

(۱) سلطان اور بادشاہ کی رعایا کو یہ حق رہے گا کہ امن وآزادی
کے ساتھ جہاز رانی کریں۔ جہاز مسلح ہوں یا غیر مسلح۔ نقل وحرکت کریں یا
کھڑے رہیں۔ کسی امر کی پابندی ان پر نہ رہے گی۔ تجارت یا مراسلت
کے لیے جس کسی بندرگاہ، شہر یا ملک میں چاہیں جائیں۔ جہاں چاہیں ٹھیریں
یا واپس آئیں۔

(۲) خراج، جرمانے، اور محصول کے بغیر ہر قسم کے مال کی آزادی کے ساتھ
خرید وفروخت، مبادلہ، اور بحری وبری راستوں سے نقل وتجارت
کی اجازت ہے۔

(۳) قونصلوں کو اہل فرانس پر دیوانی، فوجداری کے تمام وکمال اختیارات
حاصل رہیں گے باب عالی کے حکام تصفیۂ مقدمات میں ہر ممکن ذریعے
سے مدد دیں گے۔

(۴) ترکوں اور فرانسیسیوں کے دیوانی جھگڑوں میں ترکوں کا دعویٰ
صرف اسی وقت لائق پذیرائی ہوگا جب کہ مدعی علیہ یا قونصل کا تحریری وثیقہ
پیش کریں گے۔ ترجمان کی عدم موجودگی میں اہل فرانس پر قاضی اور
سوباشی کسی صورت میں بھی مقدمہ چلانے کے مجاز نہ ہوں گے۔

(۵) فوجداری مقدمات میں معمولی عدالتیں فرانسیسیوں کے مقدمے
کی سماعت کی مجاز نہ ہوں گی۔ "باب عالی میں یہ مقدمات پیش ہوں گے یا
نائب خاص سلطان المعظم کی پیشی میں ان مقدمات کا تصفیہ ہوگا جو
شاہی رعایا اور خراج گزاروں کی شہادتوں کا ایک دوسرے سے مقابلہ

کر کے فیصلہ صادر کرے گا۔

(۶) فرانسیسیوں کو مذہبی آزادی دیجائے گی اور اس بارے میں ان پر کسی قسم کا تشدد نہ کیا جائے گا۔

(۷) اگر شاہی رعایا میں سے کوئی شخص اپنا قرض ادا کیے بغیر سلطان المعظم کے ملک سے کہیں باہر چلا جائے اس کی ذمے داری نہ تو قونصل اور نہ کسی فرانسیسی پر عائد ہوگی۔ بادشاہ کے علاقے میں اگر مقروض آگیا ہو تو اس کی جائداد اور ذات سے قرض دار کا اطمینان کرے گا۔

(۸) شاہی رعایا کی مرضی کے خلاف ان کے جہازوں، توپخانوں، اسلحہ، اور ملاحوں کو خود سلطان کی خدمت کے لیے بھی نہ لیا جائے گا۔

(۹) شاہی رعایا اور سوداگروں کو وصیت کا اختیار ہوگا اور جو بغیر وصیت کیے فوت ہو جائیں اس کا ترکہ قونصل کے سپرد کیا جائے گا تاکہ وہ ان کے ورثا میں منتقل کردے۔

(۱۰) سلطان المعظم اور شاہ کے اس معاہدے پر دستخط ہونے کے بعد طرفین سے غلاموں کو آزاد کر دیا جائے گا۔ "جو شخص دوسرے بادشاہ کی رعایا پر ناروا تشدد یا اس کی جائداد پر بیجا تصرف کی کوشش کرے گا وہ اپنے شرکائے جرم کے ساتھ جلاوطن کر دیا جائے گا اور اس کی جائداد ضبط کر لی جائے گی۔ اگر یہ شخص اس بادشاہ کے علاقے میں ہو جس کا وہ مجرم ہے تو بغیر تعصب کے بادشاہ اس کو تعزیری سزا دے گا۔

(۱۱) جب ہر دو قوموں کے جہاز آپس میں ملیں تو ان کو چاہیئے کہ بادبانوں کو اتاریں اور اپنے بادشاہ کا علم بلند کریں اور توپوں سے سلامی دیں۔ اس کی قانوناً ممانعت ہے کہ ملاح ایک دوسرے کے جہاز پر جائیں۔

(۱۲) کوئی شخص شاہی جہازوں کی گم شدہ اشیا کو اپنی ملکیت میں نہ لائے گا۔

ڈھوسن اس معاہدے کو ایک دوسرے طریقے سے بیان کرتا ہے

جس میں کئی اہم اختلافات ہیں اس کی رو سے معاہدے کی شرطیں یہ تھیں۔

(۱) فرانس کا ایک سفیر قسطنطنیہ میں اور ایک قونصل اسکندریہ میں متعین رہے گا۔

(۲) فرانسیسی سوداگر اپنے مال تجارت پر پانچ فیصدی محصول ادا کریں گے۔

(۳) عثمانیہ سلطنت کے زمانۂ اقامت کے پہلے دس سالوں میں فرانسیسیوں سے کوئی محصول نہ لیا جائے گا۔ اس کے بعد انھیں جزیہ اور معمولی محصول ادا کرنا پڑیں گے۔

(۴) جن دیگر یوروپین اقوام اور بابعالی کے درمیان معاہدہ نہیں ہوا ہے مثلاً انگریز، پرتگالی، صقلی اور جینیوی وغیرہ وہ فرانسیسی علم اور فرانس کی حفاظت میں عثمانیہ ممالک کے علاقوں میں تجارت کر سکیں گے۔

(۵) فرانسیسیوں کو مذہبی آزادی حاصل رہے گی۔ اور وہ کیتھولک فرقے کے ذریعے سے فلسطین کے مقدس مقامات کی حفاظت کریں گے۔

(۶) اسلامی ممالک میں لاطینی گرجاؤں خانقاہوں اور فرانسیسیوں کی کوئی زمین شامل نہیں کی جائے گی۔

(۷) دیسی عورت اور فرانسیسی مرد سے جو اولاد ہو گی وہ سلطان المعظم کی رعایا کہلائے گی۔

اس دفعہ کی اہمیت معلوم کرنے کے لیے یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ اب تک عیسائیوں اور مسلمانوں کو ایک بڑی حد فاصل علیحدہ کیے ہوئے تھی۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کو دشمن سمجھتے تھے جن میں مذہبی خصومت کی بدولت جنگ کے علاوہ اور کوئی دوسرا تعلق نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن اب گویا عہد نو کا ظہور ہو رہا تھا۔

جارحانہ اور مدافعانہ اتحاد بھی کیا گیا مگر خفیہ۔ سلطان نے ہنگری اور نیپلس کے اور فرانسیس نے لمبارڈی کے حملے کا ذمہ لیا تاکہ اس طرح سے پچھلی لڑائیوں کو تازہ کیا جائے۔ سلیمان اور ہنری دوم میں ۱۵۳۳ء میں جو

معاہدہ ہوا تھا اس کی چھٹی دفعہ کا لحاظ کرتے ہوئے اب لا فارسٹ کے معاہدے میں یہ اجازت دیگئی تھی کہ جن شہروں قصبوں اور دیہاتوں پر ترکی بیڑے نے قبضہ کیا تھا ان میں وہ غارتگری کرنے اور ان کے باشندوں کو غلام بنانے کے مجاز نہوں گے۔ لیکن یہ علاقے شاہ فرانس کے قبضے میں رہیں گے اور سامان جنگ اور رسد پر بھی اسی کا تصرف رہے گا۔ مسلمانوں نے ان معاہدوں کو خوشی خوشی قبول کیا۔ ایک افواہ یہ بھی اڑی تھی جس کو تمام لوگوں اور قابل تاریخ نویسوںؑ نے بھی سچ سمجھا تھا کہ ان دو شاہی گھرانوں میں رشتہ بھی قائم ہوا۔

امیر البحر سروج پاشا نے ۱۴۲۳ء میں گیلیپولی کے پاس ایک جہاز گرفتار کیا تھا جس میں فرانس کی شہزادی یعنی شہنشاہ جان چہارم کی محبوبہ سفر کر رہی تھی۔ مراد ثانی کے حرم میں داخل ہونے کے بعد اس کے بطن سے ایک لڑکا تولد ہوا جو محمد ثانی کہلایا اور مسلمان ہونے کے بعد وہ علیم خانم کے نام سے موسوم ہوئی۔

نامور ابراہیم پاشا کی یہ آخری کارگزاری تھی کیونکہ سلطان کی مقرب خاص خرم سلطان کی ریشہ دوانیاں خفیہ طور سے اپنا کام کر رہی تھیں۔ سلیمان نے اسے اپنی منکوحہ بنا کے نہایت غیر معمولی عزت بخشی تھی۔

فرانس کے ساتھ جو معاہدہ ہوا تھا اس میں ابراہیم نے اپنے لیے "سر عسکر سلطان" کے القاب لکھے تھے۔ (ایران میں سپہ سالار اعظم کو سلطان کا لقب تھا) اس گستاخی سے سلطان کو شک گزرا کہ جو شخص خاص القاب سلطانی اپنے لیے لکھے اس سے حصول تخت کی کوشش بھی بعید نہیں۔ ۵ مارچ ۱۵۳۶ء کو یہ وزیر اعظم جس نے سلیمان کی ناموری کے لیے کیا کچھ نہ کیا تھا حسب دستور

ؑ ہیچیوی۔ سلانے کی۔ عالی افندی۔ شاہزادئی فرانس کے بے سر دپا قصے کو باطل ٹھیرانے کی کوشش تحصیل حاصل ہے۔

سرائے میں سلطان سے ملنے گیا۔ دوسرے دن اس کی لاش پھانسی کے تختے پر ملی۔ اس کی جگہ ایازہ پاشا البانی مامور ہوا۔

سیادت عثمانی میں ہنگری کی حالت

پینتیس سال سے بندوقیہ اور باب عالی میں صلح رہی۔ ابراہیم پاشا کے زمانۂ وزارت میں جو اس متین جمہوریت کی رعایا میں سے تھا دونوں ملکوں میں مخلصانہ تعلقات رہے۔ معاملات سلطنت میں نئے صدر اعظم کا طرز عمل اپنے پیشرو کے قدم بقدم تھا۔ فرانس اور سلیمان اپنے معاہدے میں بندوقیہ والوں کو بھی شریک کرنا چاہتے تھے اس لیے اس معاملے پر غور کرنے کے لیے ایک سفیر روانہ کیا گیا۔

جمہوریت غیر جانبدار رہنا چاہتی تھی لیکن ادھر ڈوریا کی سازشوں سے جو جمہوریت کو آسٹروی ہسپانوی اتحاد میں شریک کرنا چاہتا تھا اور ادھر باربروسا (سرخ ریش) کی ریشہ دوانیوں سے جو لوٹ مار کی تاک میں تھا یہ غیر جنبہ داری علانیہ مخالفت سے مبدل ہو گئی۔

سو ترکی جہازوں کے ایک بیڑے نے اپولیا کے ساحلوں کو لوٹا۔ اور دس ہزار قیدی گرفتار کیے۔ اس کے بعد یہ بیڑا کرفو کے محاصرے کے لیے طلب کیا گیا۔

(ستمبر ۱۵۳۷ء) سلطان نے اس مقام کا آٹھ دن تک محاصرہ کیا۔ اور قلعۂ سینٹ اینجلو پر چار بے سود حملے کیے۔ آخر میں تھک کر محاصرہ اٹھالیا۔ اور پیکسو پر قبضہ کرکے اور بٹنٹو کو جلا کے اس شکست کا بخار نکالا۔ صدر اعظم نے پانچ ماہ تک ناپولی ڈی رومین کا محاصرہ کیا مگر بے سود۔ قپودان پاشا نے الجزائر کے جزیرے فتح کیے۔ کریت کو لوٹا اور پریویزا میں ڈوریا کو شکست دی (ستمبر ۱۵۳۸ء)

دوسرے سال اطالیہ کی روانگی کے لیے ایک لاکھ آدمی اورنا وطلیہ میں

جمع ہوئے۔ باربروسا ستر کشتیوں کے ساتھ ارنٹو میں لنگر انداز ہوا۔ یہ تمام فوجیں شاہ فرانس کے انتظار میں ٹھیری ہوئی تھیں جن کے ذمے پائیڈمنٹ کا حملہ اور اپولیا کے ساحلوں پر کشتیوں کی روانگی تھی۔

مگر جب شاہ فرانس نے دیکھا کہ تمام یورپ اس سے کنارہ کش ہو گیا تو ترکوں کا ساتھ دینے کی اس کو جرأت نہ ہوئی۔ وہ اطالیہ پر حملہ کرنے سے پیشتر ترکوں کے تخلیے کا منتظر رہا۔ ترکوں نے تخلیہ کر دیا تو اس نے فی الفور چارلس پنجم کے ساتھ صلح نامہ نیس پر دستخط کر دیئے۔ (۱۵۳۸ء)

گو سلیمان شاہ فرانس کے اس طرز عمل سے راضی نہ تھا لیکن اس پر بھی اس نے معاہدے کو نہ توڑا بلکہ ۱۵۳۶ء کے مکتوب گرامی سے اس کو اور مستحکم کر دیا۔

بندوقیہ اور آسٹریا سے ترکوں کی بحری و برّی جنگ جاری رہی۔ آسٹرووچ، ابرووائز، اور اس کا رڈونا واقع ڈلمیشیا ترکوں کے ہاتھ سے نکل گئے اور عیسائی بیڑے نے کیسٹل نوو فتح کر لیا۔

مگر دوسرے سال ۱۵۳۹ء میں باربروسا نے کیسٹل نوو کو واپس لے لیا۔ بندوقیہ نے صلح کی درخواست کی۔ الجزائر کے جزیروں کے علاوہ جمہوریت نے ناپولی ڈی رومین، مالوی زی اور ڈلمیشیا کے علاقے میں ارنا اور وادین ترکوں کے حوالے کر دیئے۔ اور تین لاکھ ڈوکٹ تاوان جنگ ادا کیا۔

ان فتوحات کی خوشی میں رخنہ اندازی کے لیے پلیگ کا حملہ ہوا۔ (جولائی ۱۵۳۹ء) فہرست اموات میں صدر اعظم الیاس پاشا بھی تھا۔ یہ البانی النسل[1] اپنی راستبازی اور سچائی کے لیے مشہور تھا۔ اس میں ایک بری عادت کسی قدر عیاشی کی تھی۔ لطفی پاشا اس کا جانشین ہوا۔ یہ سائنس کا عالم تھا۔ جس سے البانی عموماً بے بہرہ ہوتے ہیں۔ اور سلطان کا بہنوئی بھی تھا۔

---

[1] اس کے بھائی کیتھولکی، خیرات خانے کے مہتمم تھے۔

اس نے دو سال تک وزارت کی۔ قرابت سلطانی باعث معزولی ہوئی۔ یعنی اس نے ایک دن ایک مسلمان کو جو عین عیاشی کی حالت میں گرفتار کیا گیا تھا استرے سے ایک ایک عضو کاٹنے کی سزا دی۔ اس حکم کی بربریت سے ہر شخص کو تکلیف پہنچی۔ لطفی پاشا نے سلطان کی ایک بہن سے شادی کی تھی۔ شہزادی نے غصے میں اس کو سرزنش کی اور سخت سست کہا اور وحشی جاہل اور جابر کے الفاظ استعمال کیے۔ غصے میں آگ بگولا ہوئے لطفی نے ایک ہتیار اٹھالیا۔ اور حملے کے لیے جھپٹا۔ شہزادی کے شور مچانے پر کنیزیں اور خواجہ سرا مدد کے لیے دوڑ پڑے۔

سلیمان نے اس کی اس حرکت پر سخت ملامت کی اور شہزادی سے علیحدگی کا حکم دیا اور وزارت سے معزول کرکے اسے جلاوطن کر دیا۔[1]

اسی صدر اعظم نے بزمانہ جلاوطنی سلطنت عثمانیہ کی وقائع نگاری کی۔

۱۵۳۷ء میں ہنگری سے جنگ شروع ہو گئی تھی۔ آسٹریا کی جنرل کیٹ زیانر نے بزدلی سے فوج کا ساتھ چھوڑ دیا۔ امیر لوئی ڈی لوڈرن نے تاج کی آبرو رکھ لی اور ازسک میں چند جانبازوں کی سرکردگی میں مارا گیا۔ کیٹ زیانر کو قید کی سزا ہوئی تھی مگر قید خانے سے بھاگ نکلا۔ اس نے والیٔ بوسینہ کے ہاتھ خود کو بیچنے کی کوشش کی تھی لیکن ایک دعوت میں کونٹ ٹرنسی ڈی سنری گیٹ کے حکم سے اس کا سر اڑا دیا گیا۔ کیٹ زیانر اپنے غدارانہ منصوبوں کے ساتھ اس کونٹ کو بھی گھسیٹنا چاہتا تھا۔

فرڈی نینڈ کے ایما پر ربیش حاکم بغدان نے بغاوت کی تیاری کی تھی لیکن ترکوں نے ہنگامے سے قبل اس کا سدباب کر دیا جس سے ربیش کو ٹرانسلوینیا میں پناہ لینی پڑی۔

---

[1] ڈھوسن۔

اس کی جگہ پر اس کا بھائی اسٹیفن اس شرط کے ساتھ حاکم بنایا گیا کہ ہر دوسرے سال اصالتاً بارگاہ سلطانی میں خراج پیش کرے۔ (۱۴۳۹ء)

سزا پولیا، فرڈی نینڈ سے بارہ سال سے جنگ کر رہا تھا۔ آخر اس طویل جنگ سے تھک کے اس نے اپنے حریف سے صلح کر لی۔ انھوں نے غروسوردین کے خفیہ معاہدے سے ملک آپس میں بانٹ لیا۔ سزا پولیا اس صلح کے چند روز بعد پندرہ دن کا ایک شیر خوار بچہ چھوڑ کے فوت ہو گیا۔ اس کے انتقال کے ساتھ ہی آسٹروی فوجوں نے اس کی بیوہ اسابل کو بوڈا میں گھیر لیا۔ اور پیسٹ، وکزین، دیسگریڈ اور استھولیوسمبرگ پر قبضہ کر لیا۔ اسابل کی درخواست پر ترکی افواج نے پیش قدمی کی۔ ان کے پہنچنے پر آسٹروی فوجوں نے پیسٹ کا تخلیہ کیا۔ اور بوڈا سے محاصرہ اٹھا لیا۔ ۲۹ اگست ۱۴۵۱ء کو شیر خوار سزا پولیا جو پورا ایک سال کا بھی نہ تھا حضور سلطانی میں جملہ مراسم کی بجا آوری کے ساتھ پیش کیا گیا۔ ان مراسم کی گڑبڑ سے فائدہ اٹھا کے جان نثار شہر میں گھس گئے۔ دوسرے دن بوڈا پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا جو پاشا کا مستقر قرار دیا گیا۔ اپنی بدعہدی کی پاداش میں سلطان نے اسابل کو ایک دستاویز نیلے اور سنہری حروف میں لکھ دی جس میں حلف کے ساتھ وعدہ کیا گیا تھا کہ شہزادے کی کمسنی تک بوڈا ترکوں کے قبضے میں رہے گا اور جب وہ سن شعور کو پہنچ جائے گا تو اس کی تخت نشینی کی رسم ادا کی جائے گی۔

دوسرے دن آسٹریا کی طرف سے دو سفیر کونٹ نکولاس ڈی سلیم اور سجسمنڈ ڈی ہربسٹین آئے اور ہنگری کا علاقہ حوالہ کرنے کے عوض ایک لاکھ فلارنس بطور خراج ادا کرنے کا ذمہ لیا۔ سلطان نے اس شرط کو نامنظور کیا۔ اور اپنی طرف سے یہ شرط پیش کی کہ فرڈی نینڈ اسٹھولیوسمبرگ وسیگریڈ اور نمران کو واپس کرے اور باقی حصے کا خراج دے۔ یہ شرطیں ناقابل قبول تھیں۔ لہذا جنگ جاری رہی۔

پالن دی لاگارد اور دار اموں کی سفارت

۱۵۵۲ء کا معاہدہ

رینبسون قسطنطنیہ ہی میں مقیم تھا۔ یہ معلوم نہیں کس حیلے سے اس کا وہاں قیام رہا۔ اس شخص نے ترکی اور فرانس کے دوستانہ تعلقات قائم رکھنے میں بہت حصہ لیا تھا۔ اس نے معاہدۂ نیس کو سلطان کی نظر میں حقیر دکھانے کی کوشش کی۔ اور کوتوال مون مورانسی اور خود شاہ فرانس کو اس خطرے سے خبردار کرتا رہا جو فرڈی نینڈ کے ساتھ تعجیلی معاہدہ کرنے سے پیش آنے والا تھا۔ فرانسس نے اپنے دشمن کے ساتھ بیجا بہادری کو کام میں لا کے سلطان کو ایک خط لکھا جس میں شہنشاہ جرمنی سے عارضی صلح کی درخواست کی تھی ۱۵۳۹ء رینبسون نے جو سلطان کا ہمراز تھا بادشاہ کی ان کوتاہ فہمیوں کی تلافی کی۔ سلیمان نے فرانسس کو جواب میں لکھا کہ

"چارلس شاہ ہسپانیہ تمہاری وساطت سے ماہدولت سے صلح کرنا چاہتا ہے۔ اگر شاہ ہسپانیہ صلح ہی کرنا چاہتا ہے اور تمہارے بھی یہی منشا ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ تمام ممالک صوبجات اور قلعے جو اس نے تم سے حاصل کیے ہیں تمہارے تفویض کر دے جب وہ ان شرطوں کو پورا کرے گا تو تم ماہدولت کو صلح کے متعلق لکھنا۔ اس وقت ہم تمہارے حسب منشا صلح کر لیں گے"

فرانسس کو اب رنج کے ساتھ حقیقت آشکارا ہوئی کہ چارلس پنجم نے اس کو صریحی دھوکا دیا۔ جنگ پھر شروع ہو گئی۔ اور پھر سلطان کے پاس شاہ فرانس کی استدعائیں آنی شروع ہوئیں۔ نہایت مجبوری کے عالم میں شاہ فرانس نے اپنے دشمن کو ترکی فوجوں سے کچلنے کا ارادہ کیا۔

اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے مسیحی دنیا کے برباد ہونے کی پروا نہ کی۔ رینسون جو سلطان کا خط لے گیا تھا اس درخواست کے ساتھ قسطنطنیہ واپس ہوا کہ ترکی کا تمام بیڑا شاہ سے متعلق کر دیا جائے گا اور ہنگری میں جنگ شروع کر دی جائے گی۔

چارلس پنجم نے یورپ کو فرانس کے خلاف برانگیختہ کرنے اور خلاف ہسپانیہ اپنے دشمن کی کارروائیوں کا ثبوت پیش کرنے کے لیے رینسون کو قتل کرا دیا۔ یہ ایک لاحاصل جرم تھا۔ پائیڈمنٹ کے فرانسیسی گورنر دیو بیلے کے پاس رینسون کے کاغذات تھے۔ فرانسس نے دول یورپ (یا مجلس عظمیٰ) کو خط لکھا جس میں رعونت کے ساتھ انسانی حقوق کی خلاف ورزی پر لعن طعن کیا تھا اور شہنشاہ پر یہ الزام عاید کیا تھا کہ اس نے اپنے جرم کی برات میں جھوٹی اور جعلی دستاویزیں بنائی ہیں۔

بہر حال رینسون کی جگہ کپتان پالن مقرر ہوا۔ یہ امیر کشتیوں کے دستے کا سردار اور آفاقی تھا۔ وہ سلطان کو رینسون کے قتل کی خبر دینے بوڈا روانہ ہوا۔ سلیمان یہ سن کر اس قدر برافروختہ ہو گیا کہ اسی وقت آسٹروی سفرا کو پھانسی دینے کا حکم دینے والا تھا مگر پالن کی مداخلت سے اس حکم سے باز رہا۔

شاہ فرانس کے عدم استقلال سے سلطان متردد تھا اور اپنے اتحادی کے مطالبات منظور کرنے پر رضامند نہ تھا۔ سلطان کے ساتھ پالن بلغراد آیا جہاں اس مقدمے کی وکالت سلطان کے روبرو اس کے عزیز وزیر رستم پاشا اور جان نثاروں کے آغا اور سب سے بڑھ کر خود بار بروسا نے کی۔ الجزائر کے قریب ہسپانیہ کے بیڑے کی تباہی سے قبودان پاشا کی شہرت میں چار چاند لگ گئے تھے۔ اور کونسل میں وہ بہت ذی اثر مانا جاتا تھا۔ ایک زمانے سے وہ فرانس کا طرفدار تھا۔ اور اب اس کے لیے بحری حملے سے مال غنیمت اور شہرت و ناموری حاصل کرنے کا یہ بہت اچھا موقع تھا۔ فرانس کی طرفداری اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ وہ دیوان میں علانیہ فرانسیسی جماعت کا صدر کہلاتا تھا۔ صدر اعظم نے

فرڈی نینڈ کے سفیر سے اس معاہدے کے متعلق دریافت کیا جو شاہ فرانس اور شاہ اطالیہ میں ہوا تھا۔ سفیر نے ہنس کے باربروسا کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ "امیر البحر سے دریافت کیجئے۔ کیا میں شاہ فرانس کا سفیر ہوں!"

ان زبردست سفارشوں کی بدولت بالآخر پالن کی سفارت کامیاب رہی ۱۵۴۱ء مگر عملی حیثیت سے سلطان کے وعدوں کی تکمیل ۱۵۴۳ء میں ہوئی۔ سلیمان نے مندرجہ ذیل خط سے اپنے حلیف کو خوش خبری سنائی:-

"سرآمد والیان مسیحی۔ تجھے معلوم ہوگا کہ تیرے سفیر پالن کی درخواست پر میں نے اپنا زبردست بیڑا مع ساز و سامان بھیجنا منظور کیا ہے۔ اور خیرالدین کو جو میرا قپودان پاشا ہے حکم دیا ہے کہ تیری تمام خواہشوں کو گوش دل سے سنے اور تیرے دشمنوں کی تباہی کے انتظامات کرے۔ اس طرح سے جنگ کرنا کہ ان انتظامات کے کامیابی سے سرانجام ہونے کے بعد خرابی موسم کے پہلے ہی میری فوج واپس ہو جائے۔ دیکھ کہیں اپنے دشمن کے دام میں نہ آجانا اور اس وقت تک صلح نہ کر جب تک کہ تیرا دشمن جان نہ لے کر تو اس سے مسلسل جنگ کے لیے تیار ہے۔ خدا ان کو خوش رکھے جو میری دوستی کی قدر کرتے اور میرے زور بازو کی حفاظت میں رہتے ہیں"

ایک سو دس جہازوں کا عثمانی بیڑا جس پر چودہ ہزار آدمی سوار تھے کونٹ ڈ۔ انجین کے بیڑے سے جو چالیس کشتیوں اور سات ہزار آدمیوں پر مشتمل تھا جا ملا۔ اس زبردست بحری فوج نے صرف نیس کو فتح کیا۔ حلیفوں میں غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں جس سے دونوں بہت جلد علیحدہ ہو گئے ۱۵۴۳ء یورپ کی برہمی سے فرانس کو ایک مرتبہ اور صلح نامہ کرنا پڑا ۱۵۴۴ء دو سال کے بعد باربروسا کا انتقال ہو گیا۔

اس لاحاصل بحری حملے کے زمانے میں سلیمان نے ہنگری پر حملہ کیا۔ اور والپو، سکلوس، گرین، اسٹولیو سیمبرگ، وسیگراڈ، نیوگراڈ اور ویسکہ کو

فتح کیا ۱۵۴۳-۴۴ء۔ ہیلا ناٹن زرینی کو سوسکا میں شکست ہوئی تو حسین پاشا کو سلا میں جہاں وہ مارا گیا اور اس طرح سے آپس میں ایک دوسرے کا معاوضہ ہو گیا۔

فرڈی ننڈ اور چارلس پنجم کو اس وقت صلح کی ضرورت تھی اس لیے مکرر گفت وشنید شروع ہوئی جس کا سلسلہ ۱۵۴۷ء تک جاری رہا۔

فرانسیسی سفیر جبریل دراموں نے اس گفت وشنید کو ناکام بنانے کے لیے کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ اس نے دیوان کو مطلع کیا کہ شاہ فرانس کا ارادہ پھر جنگ کا ہے۔ اور یہ بھی کہا کہ شہنشاہ جرمنی کے لیے یہ نازک وقت ہے کیونکہ جرمنی کے لوتھیری والیوں نے بغاوت کر دی ہے اور آخر میں ایک نئے موثر اتحاد کی درخواست کی۔ سلیمان کے خیالات شاہ فرانس کے منصوبوں کے خلاف نہ تھے۔ اس نے مئی ۱۵۴۷ء کے اوائل میں شاہ فرانس کو لکھا۔

"ہم تم کو مطلع کرنا چاہتے ہیں کہ تمہارے سفیر کے آنے پر موسم اس قابل نہ تھا کہ کسی مہم کی تیاری کی جائے اور وقت اس قدر نہ تھا کہ ہماری کثیر شہنشاہی فوج دشمن کے مقابلے پر روانہ ہو .... اس پر بھی ہم نے ایک نہایت زبردست فوج بہادر سپہ سالاروں کی سرکردگی میں ایک صوبے پر جس کا نام خزات ولایتی کرواشیہ ہے روانہ کی ہے۔ یہ صوبہ بدقسمت فرڈی ننڈ کا ہے۔ ہم کو امید ہے کہ کئی علاقے اور شہر فتح ہوں گے۔ اور ہمارے دشمنوں کا سخت نقصان ہوگا۔ اس کے علاوہ ہم نے اپنے کئی بہادر امرا اور سپہ سالاروں اور غلاموں اور سپاہیوں اور جاں نثاروں کو بوداکے بیگلر بیگ کی خدمت میں روانہ کیا ہے اور انھیں حکم دیا ہے کہ تمام فوج کو اکٹھا کر کے دشمن کے قریبی علاقے پر حملہ آور ہوں۔ اس کے علاوہ موسمی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے اپنے شہنشاہی بیڑے کے ایک دستے کو بھی روانہ کیا ہے۔ تائید ایزدی سے امید ہے کہ ہمارے

دشمنوں کا بہت کچھ نقصان ہو گا۔ اور ہم اپنی سطوت شاہانہ اور معاہدہ وفاداری کا خیال رکھتے ہوئے اپنے دشمنوں کو ہر جگہ پامال و تباہ کرتے رہیں گے۔ ہماری باہمی دوستی اور وفاداری اسی طرح سے استقلال کے ساتھ قائم رہے گی جس طرح سے زمانۂ ماسبق میں رہی ہے"

جب یہ خط فرانس پہنچا تو بادشاہ کا انتقال ہو چکا تھا (۳۱ مارچ) اس واقعے سے دونوں سلطنتوں میں معاہدہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔ اور ساتھ ہی بابعالی اور آسٹریا میں صلح نامہ ہو گیا۔ ۵ا جون کو پانچ سال کے لیے عارضی صلح اس شرط پر کی گئی کہ فرڈی ننڈ ہنگری کے اس علاقے کے لیے پچاس ہزار ڈوکٹ سالانہ خراج ادا کرے گا جو اس کے قبضے میں تھا۔

یورپ کے جھگڑوں سے فارغ ہو کے سلیمان نے ایشیا کا رخ کیا۔ ہندوستان کے مسلمان والیوں نے پرتگیزوں کے مقابلے میں اس سے مدد کی درخواست کی تھی لیکن اسی زمانے میں شاہ ایران کا باغی لڑکا الخسیت مرزا قسطنطنیہ میں وارد ہوا۔ اور سلطان سے اپنی حفاظت کی درخواست کی۔ ایران سے جنگ کی تجویز ٹھیری۔ اس تجویز کی بانی مبانی خوارزم سلطان تھی۔ اس کو امید تھی کہ سلطان کی عدم موجودگی میں اس کا بیٹا سلیم حکمرانی کرے گا۔ اس کے علاوہ اس کو یہ بھی امید تھی کہ اپنے داماد رستم پاشا کی فوجی قابلیتوں کے اظہار کا اس سے بہتر کوئی موقع نہ ملے گا ۱۵۴۸ء ایرانی کردستان آسانی سے فتح ہوا۔ وین نے اطاعت قبول کی۔ اور سلطان تبریز میں دوسری مرتبہ فاتح کی حیثیت سے داخل ہوا۔ الخسیت مرزا اصفہان کی طرف بڑھا لیکن اس کے بھائی زہراب نے اس کو شکست دی۔ اور گرفتار کیا۔ شاہ کے حکم سے وہ قید خانے بھیجا گیا۔ گرجستان کا کچھ حصہ فتح ہونے کے بعد اس مہم کا خاتمہ ہوا ۱۵۴۹ء۔ کیونکہ ہنگری کے واقعات سلطان کو یورپ کی طرف بلا رہے تھے۔

سزا پولیا نے بستر مرگ پر ملکہ اسابل کو وصیت کی تھی کہ وہ اپنا شیر

جارج مارتنیزی راہب کو بنائے۔ بہت جلد اس سازش پسند اور حریص مشیر نے فرڈی ننڈ سے خفیہ دوستانہ تعلقات پیدا کیے۔ ادھر اس نے ملکہ کو ٹرانسلوے نیا اور ٹمیسور کا علاقہ بنت اپنے حریف کو حوالے کرنے کی ترغیب دی اور ادھر سلیمان کو جھوٹی رپورٹوں سے دھوکے میں رکھا۔ جرمن فوجیں بڑھ رہی تھیں اور ایک باضابطہ قومی بغاوت کی پخت دپز ہو گئی تھی مگر سلطان ابھی تک دھوکے میں ان تمام باتوں سے بے فکر تھا۔ اسابل کے پیام نے حقیقت سے نقاب اٹھائی مگر ایسے وقت جب کہ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ بہت جلد اسی ہزار کی فوج نے دریائے طونہ عبور کیا۔ مارتنیزی کی پرجوش تقریروں سے ٹرانسلوے نیا میں بغاوت پھیل گئی تھی۔ مارتنیزی اب اسقف اعظم تھا۔ یہ عہدہ اس کے مربی فرڈی ننڈ نے پاپائے روما سے درخواست کر کے اس کو دلوایا تھا۔

لیا مسخر ہوا۔ راہب اسقف اعظم صلیب ہاتھ میں لیے ہوئے قلعے کی شکستہ دیوار پر چڑھا۔ مگر یہ راہب حد سے زیادہ حوصلہ مند تھا۔ اور اپنی حوصلہ مندی میں ٹرانسلوے نیا کا والی بننا چاہتا تھا۔ اور اسے امید تھی کہ اسابل، فرڈی ننڈ اور سلیمان کو دھوکے میں رکھ کے یہ کام نبیڑ لوں گا۔ آخر اس کی سازشوں کا قلع قمع کرنے کے لیے فرڈی ننڈ نے اسے قتل کرا دیا۔ (۱۸۔ دسمبر ۱۵۵۱ء)۔

دوسرے سال امیر کیٹلڈ و نے سنر جید ین پر اچانک حملہ کر دیا۔ سنجک بے میکال اوغلی حضو بے نے قلعے میں پناہ لی اور نامہ بر کبوتروں کے ذریعے سے والی بودا سے مدد چاہی۔ احمد پاشا جلد مدد کے لیے پہنچا۔ اس اچانک حملے سے حملہ آور ششدر رہ گئے۔ اور ان کی تمام فوج کا فیصلہ ہو گیا۔

اپنی کامیابی کے ثبوت میں احمد پاشا نے پانچ ہزار ناکیں کاٹ کے قسطنطنیہ روانہ کیں۔ اس فتح کے ساتھ تمیسوار اور بانات کے علاقے ترکی میں ملحق کیے گئے۔

نیو لک میں ایسا سمس تیو فل بیرن گوڈنڈوف کو شکست ہوئی۔ اور وہ چار ہزار آدمیوں کے ساتھ گرفتار ہوا۔ اور علاقۂ سنر ولنک اپنے گورنر لارنٹ سیاری کی بزدلی سے مطیع ہوا۔ اس جنگ کا شاندار فتح سے خاتمہ کرنے کے لیے عثمانی سپہ سالاروں نے ارلاء کا محاصرہ کیا۔ اسٹیفن ڈابو اور اسٹیفن میر ٹز کی نے اس قابلیت کے ساتھ شہر کی محافظت کی کہ ارلاؤ کو وائنا اور مالطہ کے ساتھ ہلال کی فاتحانہ پیش قدمی روکنے کا فخر ہے۔ درے پر عورتیں لڑیں اور بہادری میں شجیع سے شجیع سپاہی کا مقابلہ کیا۔ جب ترکوں نے مطالبۂ اطاعت کیا تو ڈابوڈبی روسکا نے قلعے پر دشمن کے روبرو دو نیزوں کے درمیان کفن رکھا گویا یہ جواب تھا کہ وہ اطاعت سے پہلے مرنے کے لیے راضی ہے۔

پانچ مہینے کے محاصرے اور کئی خونریز دھاووں کے بعد محاصرین ۱۵۵۲ء میں ناکام واپس ہوئے۔

ہنری دوم نے اپنے باپ کے طرز عمل پر چلتے ہوئے۔ فرانس اور بابعالی کے دوستانہ تعلقات کو ثبات و استقلال کے ساتھ قائم رکھا۔ جس سے اب بھی ان دونوں ملکوں میں وہی اگلا سا اتحاد تھا۔ فرانسیسی سفیر دارامون ایرانی مہم میں سلطان کے ہمرکاب رہا اور اسے مہدیہ فتح کرنے کی ترغیب دی جس کو چارلس پنجم نے فتح کیا تھا۔ ۱۵۵۱ء میں عثمانی بیڑے کی معرکہ آرائیاں طرابلس کی فتح پر ہی موقوف رہیں جو رہبانان مالطہ کی دستبرد میں آگیا تھا۔ دارامون کے اثر سے تمام فرانسیسی رہبانوں کو آزادی ملی اور نائب الجزائر برطرف اور اس کی جگہ صلاح رئیس مامور ہوا "جس کا مزاج اور طرز زندگی شاہ الجزائر سے جداگانہ تھا جسے شاہ فرانس کی ملازمت پسند تھی اور جو اس کا متمنی تھا"[1] فروری ۱۵۵۳ء میں چارلس پنجم کے خلاف اس نے سلطان اور شاہ میں بحری جارحانہ اتحاد قائم کرایا جس میں ثالث فرڈی ننڈ سینیبو ریتو دائی سالیرنو تھا۔

۱۔ دارامون کا خط ہنری کے نام۔

عثمانی بیڑے نے ۱۵۵۱ء سے ۱۵۵۲ء تک فرانس کی مدد کی تھی۔ جس کے معاوضے میں ہنری دوم نے تین لاکھ اشرفی دینے کا ذمہ لیا۔ اور جب تک یہ ادا ہوں فرانسیسی کشتیاں ترکی بیڑے میں رکھی گئیں تاکہ "یہ کشتیاں مذکورہ رقم کی اس وقت تک ضامن رہیں جب تک کہ پوری رقم امیرالبحر سلیمان کو ادا نہ ہو جائے" (دفعہ ۱)

اس شرط کی تکمیل کے بعد سلیمان کو چار ماہ کی مدت میں ساٹھ کشتیاں معمولی قسم کی اور پچیس تیز رو جہاز مہیا کرنے چاہیئے تھے۔ (دفعہ ۲)

اگر شاہ فرانس بحیرۂ ٹسکن (Tuscan Sea) کے آگے اپنے بیڑے کو لیجانا چاہے تو اسے سلطان کو ڈیڑھ لاکھ اشرفیاں دینی ہونگی (دفعہ ۳)

دشمن کے وہ تمام جہاز جن کو عثمانی بیڑا گرفتار کرے گا سلطان کی ملک متصور ہوں گے۔ (دفعہ ۴)

فرانسس اور سلیمان کے ۱۵۳۵ء کے معاہدے سے تمام مفتوحہ مقامات شاہ فرانس کے حوالے کر دیئے جائیں گے لیکن باشندے اور ان کا تمام مال و اسباب ترکوں کی ملکیت ہوگا (دفعہ ۵)

اگر عثمانی بیڑا بحیرۂ ٹسکن (Tuscany) میں جارحانہ نقل و حرکت کرے گا تو اس کے لیے متذکرہ بالا دفعہ کی شرطیں لازم رہیں گی۔ صرف فرق یہ رہے گا کہ یہ بیڑا بغیر تنخواہ کے شاہ فرانس کی خدمت بجا لائے گا۔ (دفعہ ۶)

عثمانی امیرالبحر کو اجازت ہے کہ وہ چارلس پنجم والئ آسٹریا کے تمام ممالک تباہ کرے اور جتنے غلام چاہے بنائے (دفعہ ۷)

اگر سلطان اٹلی کے چار شہروں میں سے کسی ایک شہر پر مع قلعہ قابض ہو جائے تو وہ فرڈی نینڈ سنزیویر یو والئ سیلرنو کے ساتھ جو وعدہ کیا ہے اس کے مطابق ادا ہو جائے (دفعہ ۱) تین لاکھ اشرفی ہنری دوم کو واپس دے گا (دفعہ ۸)

سلطان تیس کشتیاں ملاحوں سمیت بغیر تاوان سیلے حوالے کرے گا

ایسا ہی توپیں سامان رسد اور جنگی اسباب بھی اور والی سیلرنو کو جو اپنے
ملک میں واجب القتل قرار دیا گیا ہے دس ہزار اشرفیاں دے گا۔ (دفعہ ۹)

عثمانی بیڑا امیر البحر **تورغود** کے تحت فرانسیسی بیڑے سے
جس کا امیر البحر دی لاگارڈ تھا جا ملا۔ کیلبریا اور صقلیہ کو تاخت و تاراج
کرنے کے بعد ہر دو امیر البحر کارسیکا پر اترے اور بیٹیا کا محاصرہ کیا۔ یہ شہر
جینیوی علاقے میں تھا اور جینیوی چارلس پنجم کے حلیف تھے تقریباً تمام ساحلی شہر
حلیفوں کے ہاتھ آئے مگر دفعات ۵، ۶، ۷ کی خلاف ورزی پر جلد ان میں سخت جھگڑا
ہو گیا۔ ترک ان دفعات کی پوری پابندی چاہتے تھے۔ برخلاف اس کے
فرانسیسی مصر تھے کہ باشندوں کے مذہب اور مال کا احترام کیا جائے۔ دونوں بیڑے
ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے اور کارسیکا کا تخلیہ کر دیا گیا۔

سلطان تورغود پر سخت عتاب میں آیا۔ ۱۵۵۵ء میں فرانسیسی سفیر
کو دیتیاک نے سلطان سے یہ اجازت حاصل کی کہ قپودن پاشا پیال
ستر کشتیوں سے شاہی بیڑے کی مدد کرے گا۔ چند ماہ کے بعد ہنری دوم
نے براہ راست خود سلیمان کو لکھا کہ عثمانی بیڑا ہسپانوی علاقوں پر ایک
سرمائی حملہ کرے گا۔

قپودن پاشا اور بیرن ڈی سین بلانکار میں یک جہتی نہ تھی۔
علاوہ اس کے باد تند اور طوفانوں کا بھی زور رہتا اس لیے
یہ مہم ناکام رہی۔

ترک ہمیشہ سرکش حلیف رہے۔ فرانسیسی امیر البحروں کے ساتھ
جنگ میں حصہ لینے کے بجائے انھیں بعض اوقات صرف غارتگری کی
دھن سمائی رہتی تھی اور جن جن مقاموں پر ان کا قیام رہتا تھا
مال غنیمت سے اپنے جہاز بھر لیتے تھے۔ ہنری دوم نے اپنی اس
بے اطمینانی کا اظہار کیا۔ اور اپنے سفیر قسطنطنیہ کو سلطان سے یہ گوش گزار
کرنے کی ہدایت کی کہ ترکی افسروں کے طرز عمل کے بعد اب تمام
مسیحیت نے یہ سمجھ لیا ہے کہ سلطان المعظم اور ہمارے خاص دشمنوں میں

ایسا اتحاد اور سمجھوتہ ہو گیا ہے جو کبھی ہم میں بھی نہ ہوا تھا۔ اور یہ کہ سلطان المعظم کی فوج بجائے اس کے کہ مجھے اپنے معاملات میں مدد دے الٹے ان میں رکاوٹیں پیدا کرنے کے لیے روانہ کی جاتی ہے .... یہ سب قصور سلطان المعظم کے وزرا اور صرف وزرا کا ہے جو اپنے خاص اغراض کو اپنے آقا کی عزت وسطوت پر ہمیشہ ترجیح دیتے رہے ہیں"۔ [۵]

شیٹو کیمبر سیس کے صلح نامے کے بعد جو ہنری دوم اور فلپ دوم میں ہوا ترکی فرانسیسی اتحاد کی صورت بدل گئی۔

اب ان میں عملی اور جنگی اتحاد کی جگہ ایک قسم کا خیالی اتحاد باقی رہ گیا جس سے ترکی اور فرانس کے باہمی تعلقات تجارتی اغراض اور مشرقی کیتھولکوں تک محدود ہو گئے۔ اور درحقیقت اگر دیکھا جائے تو ایسا اتحاد دونوں میں سے کسی ایک کے لیے بھی مفید نہ تھا۔ فرانس کی ترکی کے ساتھ اتحاد کی غرض یہ تھی کہ آسٹریا سے جنگ کرے اور اس کو شکست دے۔ فرانس کی یہ غرض ایک حد تک حاصل ہو گئی تھی۔ ترکی کی غرض یہ تھی کہ مسیحیت کو شکست دے۔ اس میں وہ کبھی کامیاب نہ ہوئی۔ ہنگری، اطالیہ اور ہسپانیہ نے ایسی مشکلات پیدا کیں جن سے ترکی کا مقصد بر نہ آیا۔ اس کے علاوہ یہ سب سیاسی خیالات سلیمان کی زندگی تک ہی تھے جب اس کا انتقال ہو گیا تو اس کے جانشینوں میں سے کسی کو بھی ممالک غیر کی فکر نہ رہی۔ اور وہ کاہلی اور لاابالی کا شکار رہے۔ برخلاف ان کے ہنری دوم کی اولاد نے اپنے باپ اور دادا کی روش کو برقرار رکھا مگر مذہبی جنگوں میں وہ ایسے الجھ گئے کہ انھیں اس کی بھی فرصت نہ ہوئی کہ اتحاد کو اپنی اصلی نوعیت میں بھی باقی رکھتے۔

[۵] - ہنری دوم کا خط لارڈ ڈی لادین کے نام مورخہ ۲۴ - اگست ۱۵۵۸ء

سلیمان کے بیٹے

ایشیا میں پھر جنگ چھڑ گئی۔ شاہ طہماسپ نے اسکندر پاشا کو شکست دی اور ارجک اور اقلط پر قبضہ کر لیا۔ سلیمان ضعیفی اور گیارہ لڑائیوں کی مشقت سے بیکار سا ہو کر رہ گیا تھا اس لیے اس نے صدر اعظم رستم پاشا کو اس مہم کا تمام اختیار دے دیا۔

خوارزم سلطان کی سرپرستی میں رستم اس بلند مرتبے پر پہنچا تھا۔ اس ترقی کا معاوضہ اس کو اپنی بدنامی سے دینا پڑا۔ وہ بلا کا حریص تھا اور پیسے کے لیے سب کچھ اس کے نزدیک جائز تھا۔ زبان اور طبیعت کا سخت اجڈ اور تیز تھا اور کہتے ہیں کہ کبھی کسی نے اس کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ جو لفظ اس کے منہ سے نکلتا وہ بس حکم ہی ہوتا۔

سلطان کی محبوبہ خواص کے بیٹے کے وارث تخت و تاج ہونے کے لیے بڑے بھائیوں کا صفایا ضروری تھا۔ رستم پاشا نے یہ کام اپنے ذمے لیا۔

صدر اعظم نے ایک خط سلطان کو لکھا جس میں شہزادہ مصطفیٰ کے باغیانہ خیالات کا اظہار کیا تھا۔ اور لکھا تھا کہ یہ شہزادہ جان نثاروں کو بغاوت پر آمادہ کر رہا ہے۔ بات یہ تھی کہ نوجوان شہزادے کی شجاعت اور سخاوت پر سپاہی فریفتہ ہو گئے تھے اور علمی سرپرستی کی وجہ سے وہ علما اور شعرا میں ہر دلعزیز تھا۔ اپنی بیوی کی عیارانہ افترا پردازیوں سے سلطان کے کان بھرے ہوئے تھے اور وہ شہزادے کی تمام جھوٹی شکایتوں کو سچ سمجھے ہوئے تھا۔ اس پیام کے پہنچتے ہی سلطان نے ایشیا کا رخ کیا تاکہ خود فوج کی کمان کرے۔ ۲۱ ستمبر ۱۵۵۳ء کو شہزادہ مصطفیٰ سلطانی فرودگاہ پر آیا۔ یہاں اس کا نہایت اعزاز کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا اور تزک و احتشام کے ساتھ وہ خلوت گاہ سلطانی میں لایا گیا۔ مگر سلیمان کے خیمے میں قدم رکھا ہی تھا سات آدمیوں نے بالکل خاموشی کے ساتھ موت کا پھندا اس کے گلے میں ڈال دیا۔ غریب شاہزادے نے

باپ سے بے سود مدد کی درخواست کرتے ہوئے جان دی۔ سلیمان پردے کے پیچھے کھڑا ہوا اس بھیانک نظارے کو دیکھ رہا تھا۔ مصطفیٰ کا بیٹا جو بروسا میں ہی رہ گیا تھا اپنی ماں کی گود میں قتل کر دیا گیا۔

تمام سلطنت نے نوجوان شہزادے کا غم کیا۔ یہ شاہزادہ نیک، ذی علم منصف مزاج اور علم و شاعری کا زبردست سرپرست تھا۔ فوج میں جماعت علما اور طبقۂ عوام میں غرض کہ ہر جگہ ہر دلعزیز تھا۔ مخلص کے فرضی نام سے اس نے غزلیں کہی ہیں، صحیح بخاری کی شرح، تفسیر قرآن اور ایک قواعد کی کتاب لکھی ہے۔ یحییٰ نے اس المناک واقعے کا مرثیہ لکھا جو بہت جلد عوام میں مقبول ہو گیا اور ہر شخص کی زبان پر اس کے اشعار چڑھ گئے۔ انتہائے غم کے ساتھ اس نے لکھا ہے کہ "رستم نے سلیمان کو زندہ چھوڑا۔ یہ سلطنت کی بدنصیبی کا نظارہ باقی ہے۔ شیطان کی بھی کیا عمر ہے!"

مصطفیٰ کی محبت کا بہترین ثبوت سلطان جہانگیر کی وفات ہے۔ جہانگیر کو اپنے بھائی سے بیحد محبت تھی۔ اور بھائی کے انتقال کا صدمہ اس سے اٹھایا نہ گیا۔ اور گو علاج میں کسی قسم کی کمی نہ کی گئی مگر آخر بہت جلد اس شخص سے جا ملا جس کے بغیر وہ جی نہیں سکتا تھا۔ ایک دوسرا بیان یہ ہے کہ جب اپنے بھائی کی موت پر باپ کو سخت سست کہا تو سلیمان کی موجودگی میں ہی قتل کر دیا گیا۔[1]

سپاہیوں میں برہمی اور بغاوت پھیل گئی اور جان نثاروں نے صدر اعظم کی جلاوطنی کا مطالبہ شروع کیا۔

---

[1] اس بیان کا ماخذ آسٹروی سفیر کی رپورٹ ہے۔ اس واقعے کو تمام یورپین مورخین نے اسی حوالے سے لکھا ہے۔ مگر وان ہیمر کو اس واقعے سے اختلاف ہے۔ تمام عثمانی مورخین یہ کہتے ہیں کہ جہانگیر بیماری سے مرا۔ اگر اس کے خلاف صحیح ہوتا تو وہ مورخین جنھوں نے رستم کے جرائم پر شدت کے ساتھ نکتہ چینی کی ہے خود اس خودکشی کا ذکر کرتے۔

اس واقعۂ ہائلہ کے بعد فوج میں نقل و حرکت شروع ہوئی جو غریدان کی تاخت و تاراج تک ہی محدود رہی۔ ۲۹ مئی ۱۵۵۵ء میں صلح نامے پر دستخط کیے گئے۔ خوارزم سلطان کی سازشیں برابر جاری رہیں۔ اس نے سلطان سے احمد پاشا کے قتل کا حکم حاصل کیا جو اس کے داماد کی جگہ صدر اعظم ہوا تھا۔ اس کے قتل کے بعد رستم نے پھر صدارت عظمیٰ کا جائزہ لیا۔ اس کے کچھ دن کے بعد اس عورت کا انتقال ہو گیا جو سلیمان کا نفس خبیث تھی اور مصطفیٰ اور صدر اعظم ابراہیم اور صدر اعظم احمد کی حقیقی قاتلہ تھی۔

ارلاؤ کے محاصرے کے بعد عثمانیوں اور اہل ہنگری میں چھ ماہ کے لیے التوائے جنگ کا معاہدہ ہوا تھا مگر فریقین نے اس معاہدے کو برابر قائم نہ رکھا۔ اور دیرینہ عداوت کی بدولت ان میں از سر نو مخالفتوں کا آغاز ہو گیا۔

خادم علی پاشا سزیجیت میں داخل ہوا لیکن قلعہ فتح نہ کر سکا۔ شہر کا تخلیہ کر کے مراجعت کر رہا تھا کہ دریائے رائنا کے ساحلوں پر بہادر تھامس ناڈسڈی سے مٹ بھیڑ ہو گئی۔ علی پاشا کو سخت ہزیمت ہوئی ہنگریوں نے بابوکزا اور کروتنا کا محاصرہ کر لیا۔ ترکوں نے اس تمام علاقے کو تباہ کیا جو دریائے کلپہ اور رونا میں ہے۔ ٹاٹا میں اچانک گھس گئے۔ اور کافی میں شکست اٹھانے کے بعد سزکرو پر قابض ہو گئے (۱۵۵۸ء) اس تمام لڑائی میں صلح کی گفت و شنید ہوتی رہی۔ فرڈی ننڈ کے سفیر بوسبک کی بڑی کوششوں سے سلطان نے چھ ماہ کے لیے التوائے جنگ کو منظور کیا اور وہ بھی محض اس تردد کی بنا پر جو اس کے بیٹے بایزید کی بغاوت سے اسے درپیش ہو گیا تھا۔

یہ بغاوت اس خوفناک سازش کا نتیجہ تھی جو سلیم اور لالہ مصطفیٰ اتالیق بایزید میں ہوئی تھی۔ لالہ مصطفیٰ احمد پاشا کا آوردہ تھا۔ اور یہی رستم کے لیے باعث عناد تھا۔ مصطفیٰ کو تباہ کرنے کے لیے رستم نے اس کو سلیم کے محلات کا معتمد بنایا۔ مصطفیٰ اس وقت تک بایزید کا ہوا خواہ تھا۔

مگر اب اپنی آیندہ ترقی کے لیے اپنے سابقہ مالک کے ساتھ بیوفائی پر کمر باندھی۔ اور اپنے سابقہ تعلقات کی بنا پر بایزید کی خرابی کا بیڑا اٹھایا۔ اور سلیم سے بیان کیا کہ خوارزم سلطان کی وفات کے بعد سے رستم ہمیشہ اسی موقع کی تاک میں رہتا ہے کہ کسی طریقے سے خود کو اپنے باپ کے سامنے برا ٹھہرائے۔ اس سے اس کا منشا بایزید کو تخت پر بٹھانے کا ہے کیونکہ اس کی دانست میں بایزید سے بڑھ کر کوئی سلطنت کا اہل نہیں۔ سلیم نے اس معاملے میں تمام امور کا اختیار مصطفیٰ کو دیا۔ مصطفیٰ نے فوراً ایک خط بایزید کو لکھا جس میں اس کو بغاوت کی ترغیب دی تھی۔ اسی کے حسب ایما شہزادے نے ایک تہمد ایک ٹوپی اور ایک عصا اپنے بڑے بھائی کی خدمت میں روانہ کی۔ سلیم نے ان چیزوں کو سلیمان کے پاس بھجوایا جس نے بایزید کی اس حرکت پر سختی سے اعتراض کیا۔ مصطفیٰ نے ان خطوں کو جلا دیا اور نامہ بروں کو قتل کرا دیا اور سلیم نے باپ کے سامنے اس کا تمام الزام بھائی کے سر تھوپ دیا۔ سلیمان نے احکام کی اس تحقیر سے نہایت برہم ہو کے بایزید کو کرمانیا کی ولایت سے مستعفی ہونے کا حکم دیا۔ شہزادے نے اس سے انکار کیا اور بیس ہزار کی فوج تیار کی کونیا میں اس کو شکست فاش ہوئی اور وہ اپنے بیٹے ارخان کے ساتھ امیسیا بھاگ گیا (۲۰ مئی ۱۵۵۹ء)۔ یہاں سے اس نے اپنے باپ کو نہایت عاجزی سے خط لکھا جس میں سچے دل سے توبہ کر کے اپنے اور اپنے چار بیٹوں کے لیے معافی چاہی تھی۔ لیکن جو لوگ اس خط کو لے گئے تھے ان کو لالہ مصطفیٰ کے کارپردازوں نے پکڑ لیا۔ پھر ان کی کسی نے صورت نہیں دیکھی۔[1]

اپنے خط کا جواب نہ پا کے بایزید بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ ایرانی سرحد پر پناہ لینے روانہ ہوا۔ ارض روم کے بیلر بے عیاض پاشا نے ان مفروروں سے ہمدردی ظاہر کی اور اس شریفانہ طرز عمل کے معاوضے میں

---

[1] ہیمپوی۔

بیچارے کو اپنے سر سے ہاتھ دھونا پڑا۔

شاہ ایران نے شہزادے کا شاندار استقبال کیا۔ اور اس کے ساتھ اپنی بے حد دوستی جتائی اور زیر باری سے بچانے کے حیلے سے فوج کو اس طرح منتشر کر دیا کہ غریب شاہزادہ بالکل اپنے میزبان کے بس میں رہ گیا۔ اس کے بعد سے شاہ طہماسپ کو شہزادے سے جس نے اس پر بھروسا کر کے آپ کو اس کے حوالے کیا تھا رقم حاصل کرنے اور اس طرح بے آبروئی سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانے کا صرف ایک خیال دامنگیر رہا۔

"سلیمان سلیم اور طہماسپ کی مراسلت سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں باپ بیٹے اپنے بیٹے اور بھائی کے قتل پر جان ٹیکے ہوئے ہیں۔ اور شاہ ایران پاس آبرو کی پروا نہ کر کے اپنے مہمان کی گراں سے گراں قیمت لگا رہا ہے۔ بابعالی کی تاریخ کوئی ایسی نظیر نہیں پیش کر سکتی جس میں اتنے نامہ بر بھیجے گئے ہوں یا اتنی مراسلت ہوئی ہو۔ اور نہ کسی قوم کی تاریخ میں ایسی نظیر ملے گی جس میں ایک قرابت دار اور ایک مہمان کے قتل کے لیے ایسی سنجیدہ اور باضابطہ مراسلت کا سلسلہ قائم رہا ہو۔"[1]

طہماسپ ایک دغاباز اور مکار شخص تھا۔ اس نے بایزید سے قسم کھائی تھی کہ "میں کبھی آپ کو آپ کے والد کے حوالے نہ کروں گا" اس نے اپنا یہ وعدہ پورا کیا۔ اور بایزید کو اس کے بھائی کے اجرتی قاتلوں کے حوالے کر دیا۔ جنھوں نے اس کا اور اس کے ساتھ اس کے چار بیٹوں کا کام تمام کر دیا۔ ۲۸ نومبر ۱۵۶۱ء

عوام و خواص سب میں اس ناشائستہ فعل سے جس سے قول و قسم و آبرو کو پامال کر دیا گیا تھا بے حد برہمی پھیل گئی۔ یچیوی لکھتا ہے کہ "سفرا پر ہزاروں لعنتیں بھیجی گئیں اور شاہ پر ہزاروں نفرینیں کی گئیں۔" مجرموں کو خیر کا خدشہ کہاں ہوتا ہے۔ انھیں اس کی پروا کیا ہوتی ہے کہ ایک

---

[1] ہیمر

آدمی جان سے جائے گا۔ اور خصوصاً ایسی صورت میں کیا ہو سکتا ہے جب کہ کسی کی موت سے ایک لاکھ اشرفیاں حاصل ہوتی ہوں۔ ایک بیٹے کے قتل کے لیے چار لاکھ اشرفیاں کچھ گراں نہیں تھیں۔ سلیمان اور سلیم نے یہ رقم ادا کی اور ایران اور ترکی میں بھائی چارہ ہو گیا"

بایزید کے پانچویں بیٹے کا جس کی عمر تین سال کی تھی دادا کے حکم سے بروسہ میں گلا گھونٹ دیا گیا۔

رستم پاشا کا انتقال ہو گیا۔ وہ بایزید کی کچھ مدد نہ کر سکا۔ اس کا جانشین علی پاشا خلیق، فیاض، اور ہر دلعزیز تھا۔ وہ آسٹروی سفرا سے بہت ملاطفت سے پیش آیا جس کی وجہ سے جون ۱۵۶۱ء میں آسٹریا اور ترکی میں آٹھ سال کے لیے سابقہ معاہدے کی بنا پر صلح ہو گئی۔

لیکن یہ تمام معاہدے اور صلح نامے برائے نام تھے۔ سرحدی لڑائیاں جاری رہیں۔ دریائے طونہ اور دراف کے ساحلوں پر کئی مسلسل خونریز معرکہ آرائیاں رہیں۔ جان بیسیلیکس نامی ایک آفاقی فرڈی ننڈ کی خفیہ مدد سے بغدان پر قابض ہو گیا اور رشوت دے کے بابعالی سے اس کی تولیت حاصل کی ۱۵۶۳ء مگر امرائے بغدان کی بغاوت سے اس کی ایک روزہ حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور وال سابق اسکندر پھر بحال ہو گیا۔

محاصرۂ مالطہ (۱۵۶۵ء) محاصرۂ سزیجیت (۱۵۶۶ء)

ہنگری کی صلح قابل اعتبار نہ تھی مگر سلطان کو بحری کارروائیوں کی طرف متوجہ ہونے اور ان کا بندوبست کرنے کا موقع مل گیا۔ ہسپانیہ کی بحری فوجوں کو قپودان پاشا پیال، صالح بے بیلی بے الجزائر، اور ڈراگٹ بیلی بے طرابلس نے روک رکھا تھا۔ بحیرۂ روم پر پورا تسلط قائم کرنے کے لیے مالطہ کی فتح ضروری خیال کی گئی۔ ۱۱- اپریل ۱۵۶۵ء کو

قپودن پاشا ایک سو اسی جہازوں کے ساتھ روانہ ہوا۔ ۲۰ مئی کو بیس ہزار آدمی جزیرۂ مالطہ پر اترے اور قلعہ سینٹ المو پر گولہ باری کی۔ پہلے دن ڈراگٹ نے حملے کا حکم دیا۔ اس حملے میں اس کو ایک گولی لگی اور وہ مارا گیا۔ ایک ماہ کی خونریز جنگ کے بعد قلعے کو حملہ آوروں نے فتح کیا مگر ترکوں کے شدید نقصانات ہوئے جس سے سر عسکر مصطفیٰ پاشا کو آخر کہنا پڑا کہ

"بیٹے کی فتح میں جب اتنی مصیبت ہوئی ہے۔ تو باپ کی فتح کے لیے کیا کچھ قربانی نہ کرنی پڑے گی" قلعے والوں میں وحشت پیدا کرنے کے لیے اس نے حکم دیا کہ قیدیوں کے چار ٹکڑے کیے جائیں۔ ان کی انگلیوں کو تختوں میں بصورت صلیب ٹھونکا جائے۔ اور یہ تختے قلعے کی دیواروں کے نیچے پھینک دیئے جائیں۔

صدر رہبابان پرڈی لاویلیٹ نے اس کے جواب میں عثمانی قیدیوں کو قتل اور ان کے سروں کو توپوں میں رکھ کے اڑانے کا حکم دیا تھا کہ جو سر حملہ آوروں کے پاس پہنچ جائیں۔ اطاعت کے لیے جب کہا گیا تو بہادر مالٹی نے پاشا کے ایلچی کو خندقیں بتاتے ہوئے کہا "دیکھو بس یہی زمین میں تمہارے آقا کے حوالے کروں گا۔ وہ آئیں اور ان خندقوں کو جاں نثاروں سے پاٹ دیں۔ آخر بیس ہزار آدمی مرنے کے بعد ۱۱ ستمبر کو قپودن پاشا جہازوں میں سوار ہو گیا۔ ہنگری سے جنگ چھڑ چکی تھی۔ فرڈی فنڈ سنہ ۱۵۶۴ء میں مرا۔ اس کے بیٹے میکزی ملین نے تجدید صلح کی درخواست کی۔ اس سے زیادہ کوئی مفید بات نہ تھی مگر اسٹیفن سزاپولیا نے فوراً آسٹروی علاقے پر حملہ کر دیا۔ اور سزتمار پر شبخون مارا۔ میکزی ملین نے اس کے جواب میں ٹوکئی پر قبضہ کر لیا اس طرح پر دو طرف سے معاہدے کی شکست ہو رہی تھی کہ صدر اعظم علی پاشا کا انتقال ہو گیا۔ سنہ ۱۵۶۵ء اس کا جانشین محمد سقولو وچ بوسنہ کا صقلبی اور ایک جنگجو آدمی تھا۔ جس کی وجہ سے بہت جلد مخالفتیں پیدا ہو گئیں۔

غروات ولایتی (کروشیہ) اور ٹرانسلوے نیا پر حملہ کیا گیا۔ ارسلان بے والئ بودا کو جو لڑائی پر تلا ہوا تھا پلاٹوئی کے آگے امیر اگ ڈی سلم نے شکست دی (۱۵۶۶ء)۔

۲۹۔ جون کو شاہباز میں سلطان نے شہزادہ اسٹیفن سزاپولیا کو باریاب کیا۔ اور بہت محبت کے ساتھ ملا اور دریائے تھئیس اور ٹرانسلوے نیا کی سرحد میں جو علاقہ تھا اس کو بخشا اور یہ وعدہ کیا کہ جب تک یہ علاقہ باضابطہ اس کے قبضے میں نہ دے گا ہنگری سے نہ جائے گا۔

فوج ارلاؤ پر کوچ کر رہی تھی کہ خبر آئی کہ ترہان کے سنجک محمد بے اور سزیجیت کے بہادر امیر نکولس زرنگ میں مقابلہ ہوا۔ محمد بے کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا۔ اس سے منصوبہ بدل دینا اور سلطان کو سزیجیت کے محاصرے کے لیے روانہ ہونا پڑا۔ امیر زرنگ نے آخر وقت تک لڑنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اس کی مدافعت میں بھی ایک شان تھی جو سلطانی دبدبے سے جو حملوں کے وقت ظاہر ہوتا تھا کم نہ تھی۔

قلعے کی دیواروں پر کپڑا اور خاص برج پر ٹین منڈھی گئی تھی جو چمک دمک میں چاندی سے کم نہ تھی۔ سلطان کے ورود پر قلعے کی توپوں نے سلامی دی۔ جب چودہ دن کے بعد سامنے کے مورچوں پر ترک قابض ہو گئے تو محصورین نے شہر میں آگ لگا دی اور قلعے میں پناہ گزیں ہو کے جوانمردی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ چار ماہ گزرنے پر بھی ترکوں نے کوئی ایسی نمایاں ترقی نہیں کی۔ ۵۔ ستمبر کو طویل علالت کے بعد سلطان کا انتقال ہوا۔ اخیر دم تک بھی اس کو فتح کا مژدہ سننے کی آرزو رہ گئی۔

اپنے نامور شہنشاہ کی خبر وفات سے فوج میں اضمحلال و افسردگی پھیل جانے کا اندیشہ تھا اس لیے محمد سقولوچ نے اس سانحے کو بہت ہوشیاری کے ساتھ چھپایا اور سپاہیوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے سلطان کے فرضی خطوط انھیں سنائے۔ آخر ۸۔ ستمبر کو محصورین کے پاس

ایک بڑا برج باقی رہ گیا جس کو انھوں نے بارود خانہ بنا لیا تھا۔ جب زرنگ نے دیکھا کہ کہیں سے کچھ مدد کی امید نہیں تو ریشمی لباس زیب تن کیا اور قلعے کی کنجیاں اور سو ڈوکٹ اپنے پاس رکھ لئے اور کہا "جب تک اس بازو میں قوت ہے کوئی مجھ سے یہ کنجیاں لے گا اور نہ یہ سونا۔ وہ یہی بازو تھا جس سے میں نے اپنی پہلی عزت اور شہرت حاصل کی۔ اور اسی بازو سے میں خدا کے سامنے اپنا فیصلہ سننے کے لیے جاؤں گا"

اس نے بقیہ چھ سو آدمیوں کے سامنے ایک مختصر تقریر کی۔ پھر قلعے کا دروازہ کھولنے کا حکم دیا۔ جس وقت جان نثاروں نے پیش قدمی کی تو بہت ہی قریب سے ان پر ایک بڑی توپ سے شہر ابتیل گولے برسائے گئے۔ گولوں کے دھوئیں میں امیر نے اپنے نشان بردار کے پیچھے اور سائیس کے آگے اس طرف کا رخ کیا جہاں فوج ٹڈی دل کی طرح جمع تھی جوانمردی سے لڑنے کے باوجود وہ گرفتار ہوا اور توپ کے منہ میں دیا گیا۔ جان نثار غصے میں بھرے ہوئے قلعے میں گھس گئے اور عورتوں بچوں سبھی کو قتل کر دیا اس گڑبڑ میں برج کی سرنگ کا دھماکہ ہوا اور تین ہزار عثمانی برج کے ساتھ ڈھیر ہو گئے۔ تین ہفتے تک سلیمان کی وفات کو راز میں رکھا گیا۔ جب تک ولیعہد سلطنت کوہتیا سے قسطنطنیہ نہ آیا تمام کاروبار سلطنت کی دیکھ بھال صدر اعظم کرتا رہا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ عثمان کی نسل میں سلیمان سے بڑھ کر نامور بادشاہ نہیں گزرا۔ یہ صحیح ہے کہ اس نے آپ کو اپنی چہیتی بیوی راکزنا کے اختیار میں دے دیا تھا اور یہ بھی صحیح ہے کہ اسی محبت میں دیوانہ ہو کے ابراہیم پاشا کے قتل کا حکم صادر کیا تھا حالانکہ ابراہیم پاشا سلطنت کا مستحکم ترین ستون تھا اور اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اپنے بیٹوں سے بعض اوقات اس قدر محبت سے پیش آتا تھا جو کمزوری کے درجے کو پہنچ جاتی تھی اور کبھی اس تشدد سے پیش آتا جو ظلم سے متجاوز ہو جاتا[1]

[1] وان ہیمر۔

مگر ان تمام نقائص پر بھی اس کے اعلیٰ اور غیر معمولی اوصاف کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ سلیمان کا زمانہ عثمانی سلطنت کا نہایت شاندار زمانہ تھا، وہ بہت عالی حوصلہ اولوالعزم اور بلند ارادہ شخص تھا اور اسلامی قانون پر سختی کے ساتھ پابند ہونے کے باوجود اس میں رواداری تھی۔ انتظام اور کفایت شعاری کے باوجود دبدبہ اور کروفر بھی تھا۔ وہ علم دوست تھا اور نہایت فراخ دلی کے ساتھ علما کی سرپرستی کرتا تھا۔[1]

عہد سلیمان

ملکی نظم ونسق

ادب وفنون لطیفہ اور جنگ کے درخشاں کارناموں میں اس نامور شہنشاہ کا عہد حکومت لوئی چہاردہم کے عہد حکومت کا مقابلہ کرسکتا ہے بلکہ لوئی پر اس کو یہ فوقیت حاصل ہے کہ جس کامیابی کے نشے میں اس نے کسی کام کو شروع کیا اسی طرح اس کو تکمیل کو پہنچا کے چھوڑا۔ ترکی میں اس دور کے سے جلیل القدر افراد کسی دور میں بھی پیدا نہیں ہوئے۔ صدر اعظموں میں ابراہیم رستم اور سکولی امیر البحروں میں خیرالدین، باربروسا، ثارگت، ڈراگٹ، اور پیال۔ سرعسکروں میں فرہاد، ارسلان، حمزہ، میکال اوغلی عمائدین سلطنت میں جلال زادہ اور محمد اغری عبدی فقہا میں ابوسعود اور کمال پاشا زادے، محققین زبان میں سیروری اور ملا ابراہیم حلبی یہ سب اہل کمال سلیمان کے درخشندہ جواہر پارے تھے۔

فن ادب میں کچھ کم مشاہیر نہیں گزرے۔ عبدالباقی جو غزل گوئی میں سلطنت عثمانیہ کا سب سے بڑا شاعر ہے اسی عہد کی یادگار ہے شاعری میں

---

[1] وان ہیمر

اس کا مرتبہ عرب کے شاعر متنبی اور ایران کے شاعر حافظ کے برابر ہے۔ سلیمان نے جو خود بھی شاعر تھا اپنے عہد کے ارباب کمال میں اس کو سب پر فضیلت دی ہے۔

اس نے عبد الباقی پر ایک نظم لکھی ہے جس میں اس کو پہلا عثمانی شاعر کہا ہے۔ اور یہ سچی پیشین گوئی کی ہے کہ اس کو شہرت عام و بقائے دوام کے دربار میں جگہ ملے گی۔ یحیی جس کو بچپن میں جاں نثار بنانے کی غرض سے بھگا لیا گیا تھا اور جس نے بدقسمت بایزید کا مرثیہ کہا ہے عاشقانہ نظمیں لکھتا تھا۔ ان نظموں کے علاوہ اس نے ایک کتاب اصول اخلاق پر بھی لکھی ہے۔ سلیمان کو بایزید کے مرثیے کی وجہ سے اس سے کوئی عناد نہ تھا۔ جب رستم مرگیا تو اس نے ستائیس ہزار اشرفی کی آمدنی کی جاگیر بطور پنشن یحیی کو مرحمت کی۔ خیالی باسمی تخلص تھا۔ اس کی شاعری میں بلا کی خیال آفرینی ہے۔ اور اس کی واقعہ نگاری رنگ آمیزی سے لبریز ہے۔ فضولی کے اشعار میں افیم اور مسکرات ہی کے تذکرے ہیں۔ ادانی اس زمانے کا پہلا عثمانی پند گو شاعر ہے۔ عبد السمیع عمدہ شاعر اور نثار تھا۔ یہ تمام شعرا منجملہ ان صدہا نامور شاعروں کے ہیں جنھوں نے سلطان المعظم کے اعلے کارناموں پر قصیدہ سرائی کی ہے۔ اور عثمانی شعرا کی صف اولین میں ان کی جگہ ہے۔

اسی کے عہد حکومت میں سلیمانیہ مسجد تیار ہوئی جو ترکی فن عمارت کا لاجواب نمونہ ہے۔ سلیم اول کی قبر پر سلیمیہ بنائی گئی۔ غلطہ میں شاہزادہ محمد اور شاہزادہ جہانگیر کی مسجدیں اور عورتوں کی مارکٹ میں سلطانہ خاصکی کی مسجد تیار ہوئی۔ ایک بڑا نل شہر میں پانی پہنچانے کی غرض سے بنایا گیا جو دو سو فواروں کو سیراب کرتا تھا۔ جسٹنین کے نل کی مرمت اور آراستگی کی گئی۔ چیک میجی پر ایک پتھر کا پل تعمیر کیا گیا۔ عہد سلیمانی کی تعمیرات کا اگر تفصیلی حال لکھا جائے تو یہ کسی طرح پروکوپیس کے تذکرے سے کم نہ ہوگا جس نے چھ ابواب میں ان تمام آثار کا حال لکھا ہے۔ جنھیں جسٹنین نے

بنوایا تھا۔ اور پروکوپیس کی طرح اس کتاب کا مصنف بھی عمارات سلیمانی کی بالتفصیل مدح سرائی کر سکتا ہے جو صوبوں اور دارالخلافت کی مسجدوں، نلوں، پلوں، قلعوں اور مختلف آثار کی صورت میں تمام مملکت عثمانیہ میں تعمیر کی گئیں [1]

اس کے فتوحات اور بڑی بڑی معرکہ آرائیاں اس کی فوجی ناموری کی دلیل ہیں۔ یہی نہیں کہ وہ ایک بڑا فاتح تھا۔ بلکہ وہ ایک بڑا مقنن بھی تھا اور اس فن میں وہ تعریف سے بالاتر ہے، اپنی قوم میں وہ مقنن کی اعلیٰ وصف کے لیے ہی مشہور رہا ہے۔ کیونکہ تمام عثمانی سلیمان کو سلیمان القانونی کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

علما کی مقدس جماعت پر اس کی خاص طور پر توجہ رہی۔ ان کے حقوق اور اختیارات کو اس نے وسیع کیا۔ افریقہ کے ہرسہ نیابتی علاقوں کی عملداری صدر روم کو منتقل ہو گئی تھی۔ محمد اول کے عہد تک یہ علاقے صدر روم کے زیر اقتدار تھے۔ لیکن محمد اول نے سیاسی اور مذہبی اسباب کو مدنظر رکھ کے ان علاقوں کی استدعا پر جملہ اختیارات انھیں واپس دیئے۔

قرم کے تمام قاضیوں پر بھی صدر روم کی حکومت تھی اور جب روس نے قرم فتح کیا تو عینہ لی قواق کی مجلس سے صدر روم کے لیے یہ حق برقرار رکھا (۱۷۹۰ء) لیکن اہم ترین اصلاح شیخ الاسلام کے اختیارات کی توسیع تھی۔

محمد ثانی کے زمانے سے مختلف مفتیوں کی قابلیت اور ہوشیاری کی بدولت اس عہدے کے تمام اختیارات بحال رہے بلکہ روز بروز جدید اختیارات کا اضافہ ہوتا گیا۔ کیمی زادے محمد افندی نے تو اس خدمت کو صدارت عظمیٰ کے برابر بنا دیا تھا۔ سلیمان نے شیوخ الاسلام کو علما پر پورا اختیار دیا تھا۔ اس کے پہلے قاضی عسکر اور خواجہ کا مرتبہ

---

[1] وان ہیمر۔

شیخ الاسلام جملہ علما کا شیخ الاسلام سے بڑھ کر تھا لیکن سلیمان کے زمانے میں شیخ الاسلام صدر کر دیا گیا۔ گو شیخ الاسلام صدر الصدور امور مذہبی تھا لیکن صرف ان تبرک مراسم کی بجا آوری اس کے ذمے تھی جو خاص ذات سلطانی سے متعلق ہوتے تھے۔ یہ شیخ الاسلام کا فریضہ تھا کہ سلطان کی تخت نشینی کے موقعے پر اس کی کمر میں تلوار باندھے اور اس کے انتقال پر اس کے جنازے کی نماز پڑھائے۔

عدالتہائے فوجداری کا صدر ہونے کے لحاظ سے اس کا کوئی خاص محکمہ نہ تھا۔ اور جب وہ کسی مقدمے کی سماعت کرتا تو یہ سماعت بحیثیت منصف نہ ہوتی بلکہ بحیثیت حاکم اعلیٰ ہوتی۔

"تمام قوانین کا تعلق شیخ الاسلام سے تھا اور اس بارے میں اس کا فیصلہ حکم ناطق ہوتا تھا۔ چونکہ یہ قوانین قوانین الٰہی اور مذہبی، تعلیمی، انتظامی، سیاسی، اور فوجی معاملات پر حاوی ہوتے ہیں اس لیے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ عام امور مملکت میں ان کا کتنا کچھ اثر نہ ہوگا۔"[1]

شیخ الاسلام کے چار خاص مددگار تھے۔ پہلا شیخ الاسلام سیاسی، دوسرا تلخیص جی، تیسرا مکتوبجی، چوتھا فتوے العمی۔

شیخ الاسلام سیاسی معاشی اور سیاسی معاملات میں شیخ الاسلام کا دست راست اور تمام موقوفہ جائداد کا انتظام اس کے ذمے تھا۔

تلخیص جی گورنمنٹ کی طرف سے شیخ الاسلام کا نائب تھا۔ تلخیص جی کا ماخذ تلخیص سے ہے اور یہ ایک یادداشت ہوتی ہے جو وہ اپنے بالادست کی طرف سے بھیجتا ہے۔

مکتوبجی کا تعلق عدالت سے تھا۔ اجازت نامے، اسنادات، اور تمام احکامات کی اجرائی اس کا فریضہ تھا جو صدر الصدور عدالت نے صادر کیے ہوں۔

فتوے العمی کا فرض تھا کہ فتاوے عمدہ قانونی عبارت میں شائع کرے۔

---

[1] ڈھاسن۔

سلیمان کے پہلے مفتی خود اپنے ہاتھ سے فتوے لکھتے۔ سلیمان کے زمانے میں یہ کام فتوے الغمی کے سپرد کر دیا گیا۔ حکومت ہی اس بات کی مجاز تھی کہ وہ فتوے الغمی سے انتظامات مملکت کے متعلق مشورہ کرے۔ اب چاہیں یہ انتظامات صلح یا جنگ کے متعلق ہوں یا نئی سیاسی تنظیم، یا فوجی قانون یا صدر المہام یا کوئی اعلےٰ عہدے دار کی سزا دہی کے متعلق ہوں۔ فتوے الغمی، مفتی سے مشورے اور فتوے حاصل کرتا لیکن اس ضابطے کی پابندی سے پہلے وہ اس بارے میں خاص خاص علما سے بھی مشورہ کر لیتا تھا۔ یہ ناکافی تھا کہ وہ کسی امر کے متعلق قانوناً جائز ہونے کا اطمینان کر لے۔ علما کی رائے اس بارے میں ضروری تھی۔ اور سب سے بڑھ کر صدر علما کی کہ فلاں امر ضروری اور مفید ہے اور اس سے فلاں فلاں فوائد حاصل ہوں گے۔[1]

امور عامہ میں سلطان کو فتوے لینے کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن اکثر سلاطین اپنی کمزوری کی وجہ سے اور لوگوں کے مذہب کا خیال اور سیاسی مصلحت کو مدنظر رکھتے ہوئے عموماً فتوے لے لیا کرتے تھے۔ بعض زبردست سلاطین جیسے مثلاً مراد رابع و محمود ثانی کے پاس یہ فتوے کوئی حیثیت نہ رکھتے تھے۔ انھوں نے کبھی ان ضوابط کا خیال نہ رکھا۔ اور نہ کبھی علما یا صدر الصدور کے مشوروں کی پروا کی۔

سلیمان نے علما کو تمام قسم کے محصول سے مستثنیٰ رکھا۔ قرقیٔ جائداد کے جابرانہ قانون سے وہ مستثنیٰ اور حقارت آمیز سزاؤں سے بھی وہ بری تھے۔ قید خانہ یا جلاوطنی یہی دو سزائیں ان کے لیے مخصوص تھیں۔ سزائے موت کی صورت میں انھیں کولھو میں پیس دینے کا حکم تھا۔" اس خاص طرز عمل میں کوئی خاص بات خوشی کی نہیں پائی جاتی۔ لیکن اتنا تو سمجھ میں آتا ہے کہ ایسی مہیب سزائیں شاذ و نادر ہی دی جاتی ہوں گی کیونکہ علما کی یہ کوشش رہتی ہوگی کہ ان مثالوں میں اضافہ نہ ہونے پائے۔[2]

---

[1] ڈھاسن

[2] بیرن ڈٹاٹ۔ اس روایت کی اصلیت سے ڈھاسن کو انکار ہے جس کا بیان یہ ہے کہ

جنگ کا دار و مدار روپیے پر ہے اس لیے سلیمان مالی مسائل پر بھی خصوصیت کے ساتھ متوجہ رہتا تھا۔

رستم پہلا صدر اعظم ہے جس نے والیان صوبہ جات پر ان کی مالگزاری کے مطابق محصول عاید کیا۔ یونانی بطریرق کے انتخاب پر محمود ثانی نے پانسو ڈوکٹ کی رقم مقرر کی تھی۔ رستم نے اس رقم کو تین ہزار کر دیا۔

شریعت اسلام کی رو سے زمین خدا کی ہے اور اس لحاظ سے سلطان کی ہے جو اس کا خلیفہ ہے۔ زمین کی تقسیم تین مدوں میں ہوئی تھی۔ اول وہ زمینیں جو بزور شمشیر فتح کی گئی تھیں۔ ان کے لیے دسواں حصہ مقرر کیا گیا تھا۔ دوم وہ زمینیں جو مفتوحین اور رعایا کے ہی قبضے میں تھیں۔ ان کے لیے بھی دسواں حصہ اور خراج مقرر تھا۔ سوم وہ زمینیں جن کو بادشاہ نے جنگی خدمات کے صلے میں عطا کیا تھا یعنی تمار اور زعامہ (جاگیرات اور مقطعہ جات)

مصر کے لیے ایک جداگانہ قانون تھا۔ تمار اور زعامہ کے بجائے ان کو عمر بھر کے لیے پٹہ دیا جاتا تھا جو ان کے ورثا میں نئے مالک کو تجدید حقوق کے ساتھ منتقل ہوتا تھا۔ زمیندار (ملتزم) دہائی اور محصول فلاحوں (کسانوں) سے لیتے تھے جن کا کچھ حصہ وہ خزانے میں داخل کرتے تھے۔ اس مالی چندے کی بدولت انھیں فوجی خدمت معاف تھی۔ یہ دستور مملوکوں کی حکومت میں جاری تھا۔ سلیم نے اسی دستور کو برقرار رکھا اس انتظام سے کسان ملتزمین کے دباؤ میں تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملتزمین کی جبر و زیادتی سے کسان تنگ آ گئے جس سے لازمی طور پر فوج رکھنے کی ضرورت ہوئی۔ اور وہی زمیندار پن وصول کر سکتے تھے جو فوجی سردار ہوتے۔ رفتہ رفتہ یہ سلسلہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ یہ روایت مسلمانوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ تاریخ سلطنت میں کوئی نظیر ایسی نہیں ملتی۔ مراد رابع کے زمانے میں مفتی آقازادہ حسین افندی کو سات برج کے قلعے میں پھانسی دیگئی تھی۔ محمود رابع کی حکومت میں استانبولی قادسی سرائے میں قتل کر دیا گیا۔ اور مفتی مسعود افندی کو جو معزول اور بروسہ جلاوطن کیا گیا تھا بروسہ میں سولی دیگئی۔

موروثی اور ۱۵۹۰ء میں تو بالکل قانون بن گیا۔

قانون رعایت میں رعایا اور جاگیرداروں کے زر محصول کی تشریح تھی۔ اس میں مالگزاری، ناکد خدائی، منگنی، بکریوں کے گلے اور چراگاہ، سرمائی چراگاہ، شہد کی مکھیوں، گرنیوں، تمباکو، مسالوں اور غلاموں کے محصولوں کی شرح تھی۔ محاصل کی دو مدیں تھیں۔ ایک محصول شرعی جس پر عمل درآمد شرع اسلامی یعنے قرآن سے ہوتا تھا۔ دوسرا محصول قانونی جس کا نفاذ مقنن کے استصواب پر ہوتا تھا۔ اور اوانی (زیادہ ستانی) وہ محصول تھا جس کا نفاذ نہ تو قرآن سے اور نہ مقنن کے مشورے سے ہوتا تھا۔ بروئے قانون حسب ذیل محاصل تھے۔ جزیہ، دھائی، مالگزاری، اور محصول پیداوار۔ ان تمام محاصل کا عام نام خراج تھا۔

غیر قانونی محاصل میں درآمد، تاوان، کرڈوڑگیری، اور خود محصول شامل تھا۔ محاصل دو قسم کے تھے۔ ایک محصول اشخاص دوسرا محصول اشیا۔ محصول اشخاص میں محصول ناکد خدائی، منگیتر کا محصول اور محصول کدخدائی تھا۔ محصول اشیا میں اجرت قانونی، اور محصول مصالحہ جات تھا۔ کرڈوڑگیری میں محصول درآمد و برآمد اور محصول راہ داری تھا۔ مال کا گودام میں بھرنا، تولنا اور مہر لگانا چنگی کے خاص فرائض میں داخل تھا۔ آخر میں دستور جدید کی رو سے گورنمنٹ کو اختیار تھا کہ جو محصول چاہے لگائے۔

دہائی اور خراج کی شرح مقرر ہوئی۔ اور شادی، تجارت، اور مختلف تغیرات کے متعلق غیر قانونی محصول مرتب کیا گیا۔

تمار اور زعامت رکھنے والے خزانے میں کسی قسم کی رقم نہیں داخل کرتے تھے مگر اپنی رعایا سے جو مالگزاری اور دہائی وصول کرتے تھے وہ عموماً پیداوار کی دہائی سے بڑھ جاتی تھی۔

سلیمان نے ان محاصل کو جو جاگیردار بدقسمت رعایا سے حاصل کرتے تھے گھٹایا۔ اور ایک شرع مقرر کی۔ اور جاگیرات کو سابقہ نوعیت پر لانے کی کوشش کی جس کی رو سے ان جاگیرات کی ضبطی و بحالی بادشاہ کی مرضی پر

موقوف ہو گئی۔

والیان صوبہ جات سے جاگیرات عطا کرنے کا حق لے لیا گیا۔ اب زعامتیں صرف بابعالی کی طرف سے عطا ہوتی تھیں۔ تماری کا بیٹا ہی تمار رکھ سکتا تھا۔ اگر ایک زعامت دار بیس ہزار سے پچاس ہزار اشرفی آمدنی کی جاگیر چھوڑ کر مرجائے اور اس کے کئی بچے ہوں تو ان کو پہلے ایک تمار ہی مل سکتی تھی۔ جس کی شرح حسب ذیل ہے۔ جو شخص جنگ میں مرے اس کے دو لڑکوں کو چار ہزار سے چھ ہزار اشرفی تک کی ایک تمار۔ اور اگر جنگ میں نہیں مرا ہے تو دو لڑکوں میں پانچ ہزار ورنہ ایک لڑکے کو چار ہزار کی ایک تمار۔ اگر لڑکوں کو پہلے ہی سے تمار موجود ہیں تو باپ کے حصے میں سے ان کو کچھ حصہ مل سکتا تھا۔

فی مکان ایک ڈوکٹ محصول تھا۔ غیر معمولی محصول اگر لینا ہوتا تو اسی شرح سے لیا جاتا۔ ہر ترک کو دو بکروں کے لیے ایک اشرفی دینی پڑتی تھی۔ اور ہر (تعلقدار) کے لیے تین اشرفیوں سے پانچ اشرفیاں مقرر تھیں۔ سلطنت عثمانیہ کے محاصل کی مقدار بند وقیہ سفرا کے حساب سے نوے لاکھ بیس ہزار ڈوکٹ ہوتی ہے جس کا حساب حسب ذیل ہے۔

جزیہ فی کس ایک ڈوکٹ اور فی جانور ڈیڑھ اشرفی جملہ ۱۵ لاکھ ڈوکٹ محاصل عطائے حقوق واسنادات وغیرہ ایک لاکھ۔ از ضبطی جائداد درصورت عدم موجودگی ورثا تین لاکھ ڈوکٹ۔

محاصل مصر و عربستان ۱۸ لاکھ (جس میں سے آدھی رقم انھیں صوبوں میں انتظامات و استحکام قبضے کی غرض سے بد امانت رکھی جاتی تھی)

رقم معدنیات	۱۵ لاکھ ڈوکٹ
گیہوں کی دہائی	۸ لاکھ ڈوکٹ

خراج نجدان ۱۶ ہزار۔ خراج افلاق ۱۲ ہزار۔ خراج ٹرانسلوے نیا ۱۲ ہزار، خراج راگوزا ۱۰ ہزار۔ خراج قبرص ۸ ہزار۔

فوج پر تقریباً ۶۰ لاکھ ڈوکٹ خرچ ہوتے تھے۔ کل فوج میں بیس ہزار

جانثاری۔ چار ہزار سوار باقاعدہ جن میں سپاہی، سلحدار، علوفہ جی اور غربا شامل تھے۔ دس ہزار عجم اوغلان اور ساٹھ ہزار موصلین تھے۔ اکنجیوں (بے قاعدہ سوار فوج) غربیوں (بے قاعدہ پیدل) اور مارٹولوسیوں (ایک قسم کی سرحدی فوج) کو چھوڑ کے جملہ چھیاسی ہزار سپاہی تھے۔ بیڑے میں تین سو کشتیاں تھیں۔

خزانے کے ان مستقل وسائل کے علاوہ شاہی اراضی کا حساب جداگانہ ہے۔ جن کی مالگزاری پچاس لاکھ ڈوکٹ کی خطیر رقم تھی۔ مگر اس پر بھی یہ تمام ذرائع ناکافی تھے۔ رستم پاشا نے عہدے بیچ بیچ کے سلطنت کا خزانہ بھرا۔ سلیمان اس سے ناواقف نہ تھا لیکن فوجی عہدوں میں اس تجارت کو اس نے چلنے نہ دیا۔

قانون تعزیرات کے تین حصے تھے۔ پہلا حصہ اہانت اصول اخلاق، دوسرا سینہ زوری اور فحش گوئی۔ تیسرا چوری اور ڈکیتی، چوتھا شہروں کی پولیس پانچواں تجارتی دستور العمل۔

معمولی سزا جرمانہ تھی۔ موت اور قطع اعضا کی سنگین سزائیں شاذونادر ہی دی جاتی تھیں۔ منڈیوں میں خاص طور پر پولیس کا انتظام رہتا تھا۔ اور بہبودئی رعایا پر خصوصیت کے ساتھ توجہ کی جاتی تھی۔

یہ مسلم ہے کہ سلیمان کا عہد حکومت نہایت شاندار رہا اور سلیمان سلیمان مقنن و سلیمان اعظم کا بجا طور پر مستحق ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی مسلم ہے کہ سلیمان ہی کے زمانے میں جسد حکومت کے اندر زوال سلطنت کے جراثیم داخل ہوئے جو اس کے نااہل جانشینوں کے عہد حکومت میں بہت جلد قوت پکڑ گئے۔

مراد چہارم کے ہمعصر مورخ کوچی بیگ نے زوال سلطنت عثمانیہ کی ایک تاریخ لکھی ہے۔ جس سے وہ بہت مشہور ہو گیا اور اسے ترکی مانٹسکو کا لقب دیا گیا۔ اس تاریخ میں اس نے ان اسباب زوال کو بیان کیا ہے جو سلیمان کی بدولت رونما ہوئے۔

اپنے آخر زمانے میں سلطان نے ایشیا کے زنانہ مزاج مطلق العنان بادشاہوں کی روش پر چلتے ہوئے دربار عام میں آنا بند کردیا تھا۔ ذات سلطانی کو تقدس مآب بنانے کے لیے وہ بالکل پوشیدہ رہنے لگا۔ اس حجاب و خلوت نے اس کی ذات میں بہت کچھ زنانہ پن اور کاہلی پیدا کردی۔ سلطنت کے اہم ترین خدمات پر مقربین خاص مقرر کیے گئے۔ ان خطرناک اصول کی بنا پر عہدے اب قابلیت اور تجربہ کاری پر مبنی نہیں رہے بلکہ سازشوں پر ان کا انحصار ہوگیا۔ معاملات سلطنت میں حرم کا اثر گو بظاہر سستم کے لیے باعث قوت تھا لیکن درپردہ باعث کمزوری کہا جاسکتا ہے۔ اور غضب تو یہ ہوا کہ صرف عورتیں ہی امور سلطنت میں دخیل نہیں ہوئیں بلکہ خواجہ سرا بھی ان میں حصہ لینے لگے۔ ؎۱

رستم پاشا کے دور میں انتظامی معاملات میں زرپرستی اور رشوت ستانی کا دخل ہوا۔ وہ ولایتوں کو مقررہ قیمتوں پر فروخت کرتا تھا۔ اور بڑی بڑی رقموں پر یہودیوں اور ادنے ادنے آدمیوں کو اراضی سلطنت کے اجارے دیتا تھا۔ جن کے نزدیک پیسے کی خاطر ہر قسم کی بدعنوانیاں جائز تھیں۔

صدر اعظم کی تنخواہ جو پہلے دس ہزار اشرفی ماہوار تھی ابراہیم پاشا کی خاطر سے پچیس ہزار تک بڑھ گئی۔

شراب کا استعمال جسے شارع اسلام نے سختی سے روکا تھا عام ہونے لگا۔ اور اس معصیت کو دیندار مسلمان نفرت سے دیکھتے تھے۔ سلیمان نے جو ایک روادار اور روشن خیال بادشاہ تھا شراب خواری کے رواج سے اغماض کیا۔ شعرا نے اس ممانعت شرع کا خاکہ اڑایا۔ حافظ نے شراب کی تعریف میں غزل سرائی کی ہے۔ اپنی ایک بہترین غزل میں وہ شرع کی مطلق پروا نہ کرکے اس طرح لکھتا ہے۔

اشهى لنا و احلى من قبلة العذارا

مفتی امیر سعود نے اس پر مقدمہ قائم کرنے سے انکار کیا۔ اور کہا کہ

؎۱۔ وان ہیمر

اس کا اس قدر سختی کے ساتھ محاسبہ نہ ہونا چاہیے۔ یہ رواداری کے خیالات اس جلیل القدر شخص کے ساتھ فنا ہو گئے اور جو کچھ تھوڑا بہت ہوا تھا اس سے قومی آئین کی خرابی میں مدد ملی۔ فوج کا زوال بھی اسی فاتح کی وجہ سے ہوا۔ عثمانی فوج میں جاں نثاروں کی فوج ہی بہترین فوج تھی۔ یہ منتخب دستہ اسی وقت میدان جنگ میں جاتا تھا جب کہ سلطان خود اس کی کمان کرتا تھا۔ اور ہمیشہ اہم معرکوں میں سلطان کی شرکت لازمی تھی۔ سلیمان نے جاں نثاروں کو اس حق سے محروم کرکے آئندہ کے لیے اپنے جانشینوں کو فوج کی سالاری سے سبکدوش کر دیا۔ اور اس طرح سے ان میں کاہلی پیدا کی۔ پہلے کے سلاطین ہمیشہ جنگی خیموں میں رہتے تھے۔ سلیمان کے جانشینوں نے محل سے باہر قدم ہی نہ نکالا۔

جاں نثاروں کی فوج میں صرف مفرور عیسائی بچے ہی بھرتی نہ ہوتے تھے بلکہ اس میں وہ قسمت آزما بھی حصہ لیتے تھے جو جاں نثاروں کے حقوق سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ ان کو شادی کی اجازت تھی اور بجائے ان کے ان کے بیٹے فوج میں بھرتی کر لیے جاتے۔ وہ تجارت کرتے اور اپنے قلعوں میں آرام سے زندگی بسر کرتے تھے۔ اب سپاہیوں میں ان کا شمار نہ رہتا بلکہ شہری گنے جاتے تھے۔

اس فوج کی حیثیت جو پہلے سلطنت کی بہترین فوج تھی اب ایک قومی دستے کی رہ گئی جب تک سلیمان زندہ رہا اور اس کے بعد جب تک صقولی اس کی روایت کو باقی رکھا گیا یہ تمام اسباب زوال دبے رہے۔ لیکن بعد میں جتنا جتنا ان کے ابھرنے کی کوشش کو روکا گیا وہ روز روشن کی طرح نمایاں سے نمایاں تر ہوتے چلے گئے۔

ساتواں باب

صلحنامہ سیتوا کرک تک۔ سنہ ۱۵۶۶-۱۶۱۴ء

سلیم ثانی اور صقولی۔ فتح عربستان۔ بندوقیہ سے جنگ سنہ ۱۵۷۰ء فتح قبرس۔ جنگ لیپانٹو۔ (سنہ ۱۵۷۲ء)۔ مراد ثالث (سنہ ۱۵۷۴ء) قتل صقولی (سنہ ۱۵۷۹ء) ایران سے (سنہ ۱۵۷۳ء تا سنہ ۱۵۹۰ء) اور ہنگری سے جنگیں۔ محمد ثالث (سنہ ۱۵۹۶ء) میکائیل بہادر۔ بغاوت فراریاں۔ احمد اول (سنہ ۱۶۰۳ء)۔ اندرونی پریشانیاں۔ صلحنامۂ سیتوا کرک (سنہ ۱۶۱۴ء)۔

سلیم ثانی اور صقولی۔ فتح عربستان

۲۴ ستمبر کو سلیم قاد کوئی پہنچا۔ یہاں سے اس نے ایک پیام روانہ کیا جس میں جلیل القدر فرمانروا کے انتقال کی خبر سے دار الخلافت کو مطلع کیا گیا تھا۔ قسطنطنیہ میں خاص خاص عمائد کو باریاب کرنے کے بعد نیا سلطان بلغرید روانہ ہوا جہاں وہ ۶ اکتوبر کو پہنچا۔ سلیمان کے انتقال کے پونے دو مہینے بعد فوج کو اس واقعے کی خبر ہوئی۔ قرآن کے قاریوں نے سلطانی خیمے کے پاس برگزیدہ سورۃ الحمد پڑھی۔ اپنے باپ کی نماز جنازہ پڑھا کے سلیم دائیں بائیں سلام لیتا ہوا بغیر یہ ظاہر ہوئے کہ اب وہ تخت وتاج کا مالک ہے واپس ہوا۔

جان نثاروں نے باواز بلند مطالبہ کیا کہ سلاطین عثمانی کو چاہیے کہ تخت نشینی سے پہلے سپاہیوں کی تلواروں کی چھاؤں میں سے گزریں۔" سلیم نے سپاہیوں میں کچھ رقم تقسیم کی اور اپنے باپ کے جنازے کی معیت میں قسطنطنیہ روانہ ہوا۔ اسے امید تھی کہ تقسیم رقم کے بعد سپاہیوں کا ہنگامہ

دب جائے گا۔ اور گو فوج کی شورش چھپی ہوئی تھی، مگر تھی ضرور اور آخر کار وہ بہت جلد علانیہ بغاوت سے مبدل ہو گئی۔ باغیوں کو راہ پر لانے کے لیے وزیروں، قپودن پاشا، اور جان نثاروں کے آغا نے بہت کوشش کی مگر سب بے سود ثابت ہوئی۔ باغیوں نے انھیں گھوڑے سے گرا دیا اور انھیں ٹاپوں سے روندتے ہوئے گذر گئے۔ آخر انھوں نے سلطان کو گھیر کر یہ آواز دی "کہ رسم قدیم کو پورا کرو"۔ سلیم نے ڈر گیا اور رسم قدیم کو پورا 205
کر دیا۔ انعامات تخت نشینی تقسیم ہوئے۔ اس قدر کہ علما اور افسران سہرا ہیں انعامات تقسیم ہوتے ہوتے خزانہ خالی ہو گیا۔

اب تک جتنے سلطان ہوتے آئے تھے ان میں مختلف قابلیتیں تھیں۔ یا تو وہ مرد میدان تھے یا مدبر یا متقین۔ ان کا مطمح نظر سلطنت اور صرف سلطنت کی بھلائی تھا۔ سلیم پہلا شخص ہے جس نے اپنے کو نا قابل بادشاہت ثابت کیا۔ بچپن ہی سے اس کو شاہد و شراب کا چسکا تھا۔ کاہلی اور زنانے پن کی وجہ سے اس نے ہمیشہ حرم کی مست و مہمل زندگی کو کیمپ کی سخت و جفاکش زندگی پر ترجیح دی۔ ابھی وہ کوٹھیا کا والی تھا کہ ایک روز شام کو سر جلسہ بدمستی کے عالم میں اس نے اپنے مصاحب جلال بے سے دریافت کیا کہ ولیعہد خاص کے متعلق لوگ کیا خیال رکھتے ہیں مصاحب بھی شراب کے نشے میں بدمست ہو رہا تھا اس بدمستی میں آئین دربار کو بالائے طاق رکھ کے اس نے آزادی سے جواب دیا کہ لوگ جس قدر اس کے بھائیوں کو چاہتے ہیں اسی قدر اس کے لہو و لعب کے باعث اس سے متنفر ہیں اور یہ امر ایک شاہزادے کے لیے کسی طرح سزاوار نہیں۔ سلیم نے قہقہہ لگا کے جواب دیا کہ میرے بھائیوں کو دنیا کا گھمنڈ مبارک ہو۔ مجھے اس قادر مطلق پر بھروسا ہے اور میں اٹل احکام آسمانی پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ مجھے تو اپنے شبانہ روز کے مزے سے غرض ہے۔ آئندہ کی کون سوچے۔

تخت پر بیٹھتے ہی اس نے شراب کے امتناعی حکم کو منسوخ کر دیا جس

جس سے عوام نے اس کو شرابی کا خطاب دیا۔ سلطان کی اس نظیر سے لوگوں کو اچھا موقع مل گیا۔ مختلف شرابیں عام طور پر تیار اور فروخت ہونے لگیں۔ آخر ترکوں میں یہ ضرب المثل پڑ گئی کہ "آج ہم شراب کس سے لے کر پییں۔ مفتی سے قاضی سے"؟

ایسے شاہزادے کی حکومت شرمناک اور رسواکن ہونی لازمی تھی۔ مگر سلطنت کی خوش قسمتی تھی کہ اس نے تمام امور مملکت کو صدر اعظم محمد صقولووچ یا صقولی پر چھوڑ دیا تھا۔ صقولی نے شاندار روایات سلیمانی کو بحال رکھا۔ اور سلطنت کو ترقی کی شاہراہ پر لیئے چلا گیا۔

سلیمان کی وفات کا پہلا نتیجہ یہ تھا کہ ہنگری کے ساتھ صلح کر لی گئی۔ ۱۷ فروری ۱۵۶۸ء کو ایک صلح نامہ مرتب ہوا۔ جس سے فریقین اپنے اپنے مقبوضات پر متصرف رہے۔ آسٹریا نے ہدایا کے نام سے سالانہ تیس ہزار ڈوکٹ خراج ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ اور افلاق، بغدان، اور ٹرانسلوے نیا پر باب عالی کی سیادت تسلیم کی۔ اس مقصد میں کامیاب ہونے کے لیے باب عالی کے کارپرداز کو چالیس ہزار ڈوکٹ سے بھی زیادہ رقم بطور ہدیہ آسٹروی سفرا کی نذر کرنی پڑی۔

سلطان تو ادھر دن رات رنگ رلیوں میں مصروف تھا لیکن وزیر ادھر اپنی اعلےٰ قابلیتوں کے ثبوت دے رہا تھا۔ مسقوی ممالک پر قطعی طور سے مسلط ہونے کے لیے اس نے دریائے ڈان کو دریائے والگا سے ملانے کی تجویز سوچی۔

اس منصوبے میں کامیاب ہونے کے لیے پہلے اسٹراکان پر قبضہ ضروری تھا۔ چنانچہ اس کے محاصرے کی تجویز ٹھیری مگر محاصرہ ہوشیاری سے نہیں کیا گیا جس سے ناکامی نصیب ہوئی۔ روسیوں نے محاصرین کو شکست دی۔ اور جو کچھ کام شروع ہو چکا تھا اسے تباہ کر دیا علاوہ ازیں یہ منصوبہ خان قرم دولت غرائے کے مصالح کے خلاف تھا اس لیے اس نے نہایت دانشمندی سے کام لے کے مسلمانوں کے اس توہم سے فائدہ اٹھایا کہ

سبحے مسلمانوں کے لیے شمال کی طرف پیش قدمی ممنوع ہے۔ اور یہ حجت پیش کی کہ وہاں رات صرف چار گھنٹوں کی ہوتی ہے۔ عشا کی نماز کے لیے غروب سے دو گھنٹے کے بعد بیدار ہونا پڑے گا اور سحر کے ساتھ ہی نماز فجر ادا کرنی پڑے گی ورنہ احکام قرآنی کی خلاف ورزی ہوگی۔"

ان اسباب کے علاوہ سردی، بھوک اور طوفان جدا تھے۔ فوج میں ابتری پھیل گئی۔ اور سپاہیوں نے اپنے جنرلوں کے احکام کی بجا آوری سے انکار کر دیا جس سے اس منصوبے سے دست بردار ہونا پڑا اور زار سے تجدید صلح کر لی گئی۔

صدر اعظم کا اس سے بھی زیادہ شاندار منصوبہ خاکنائے سوئز میں در آنے کا تھا لیکن عربوں کی بغاوت کے باعث یہ منصوبہ رہ گیا۔

گو عرب، مسلمان تھے اور اسلامی شرع کے پیرو بھی تھے مگر حجاز و یمن میں قدیم خاندانوں کی حکومت چلی آ رہی تھی چنانچہ اب بھی عثمانیوں کی ماتحتی میں ایک خاندان برسر حکومت ہے۔

حجاز پر ایک صدی تک خاندان ادقیندا کی حکومت رہی۔ ان کے بعد شریف مکہ اور خاندان ہاشمی کا دور دورہ رہا جو ڈیڑھ صدی تک فرمانروا رہے۔ ان کے بعد اسی خاندان کے شرفائے مدینہ میں یہ سیادت منتقل ہو گئی۔ مگر چونکہ مکے اور مدینے کا تعلق مصر سے تھا اس لیے جب مصر کو ترکوں نے فتح کیا تو یہ بھی عثمانی عملداری میں آ گئے۔ برعکس ان کے یمن مصر سے دور اور تمول، زرخیزی اور تجارت کے لیے مشہور تھا چنانچہ اہل یمن نے مصریوں کی اطاعت قبول نہیں کی۔ اور اسی طرح بعد کو عثمانی سیادت کے تسلیم کرنے سے بھی انکار کر دیا۔

سلیم اول کے عہد میں عثمانیوں نے یمن میں قدم رکھا۔ اور طاہریہ خاندان کے آخری فرمانروا کو شکست دی اور اس کو قتل کر دیا اور سنا اور سوبد کو فتح کر لیا۔

سلیمان کے وسط عہد میں زیدی یمن کے مالک ہوئے چنانچہ اب بھی

یہی خاندان خود مختار چلا آ رہا ہے۔ فرقۂ زیدی جسے سنی معتزلہ کہتے ہیں دراصل حضرت علی کے پروتے زید سے منسوب ہے گو مذہبی عقائد کا بانی مبانی زید کا استاد واصل بن عطا ہے۔ من جملہ دیگر اختلافات کے زیدی قضا و قدر کے قائل نہیں ہیں۔ اور ان کے ہاں جنت و دوزخ کے علاوہ ایک تیسرا عالم عالم ارواح بھی ہے۔ اور وہ ایسے فلسفیانہ مسائل کو بھی مانتے ہیں جو مسائل قرآنی سے بالکل مختلف ہیں۔

ان جھگڑوں کی بدولت نئے خاندان کا اس کے قیام کے ساتھ ہی قریب قریب خاتمہ ہو گیا۔ عثمانیوں نے زیدی امیر کے دو بیٹوں مطہر اور شمس الدین کی باہمی نزاعوں سے فائدہ اٹھا کے تازہ کو فتح کیا (۱۵۴۷ء)۔ اور اس لحاظ سے یمن کی جو برائے نام مطیع ہوا تھا دو حکومتیں ہو گئیں۔ یمن فوقی پہاڑی ملک تھا۔ ایک حکومت یہاں قائم ہوئی جس کا دار الحکومت سنا تھا۔ یمن تحتی پر دوسری حکومت قائم ہوئی۔ کسبید اس کا مستقر تھا۔ لیکن بہت جلد عربوں کی ایک عام بغاوت رونما ہوئی جس میں مراد پاشا کو شکست ہوئی اور وہ جان سے بھی مارا گیا۔ اور سنا پر مطہر کا قبضہ ہو گیا۔ (اگست ۱۵۶۷ء) طیف وہاں سے فتح ہوا۔ (۷ر اکتوبر)۔ اس کی تسخیر کے ساتھ ہی ساتھ عدن، ہاب، مدسیئی، اور موشا فتح ہوئے۔ سبید کو چھوڑ کے جو عثمانی افواج کا مستقر تھا تمام یمن مطہر کے قبضے میں آ گیا۔ اب مطہر نے خلیفہ اور امیر المومنین کے القاب اپنے لیے مقرر کیے۔

صقولی نے لالہ مصطفیٰ سے جو سلطان کا مصاحب تھا چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے یمن کی فتح کا کام اس کے سپرد کیا لیکن والئ مصر سنن پاشا کے حسد سے یہ مہم ناکام رہی اور مصاحب سلطان مورد عتاب ہوا۔

"سنن پاشا ان سرکش البانیوں سے تھا جو اپنے اعتقادات پر اڑے رہتے ہیں۔ اس کو تجربے کار آدمیوں، شاعروں اور عالموں سے دشمنی تھی چنانچہ اس دشمنی کا اظہار وہ ان کی ہر قسم کی تذلیل سے

کرتا تھا۔ اس کی یہ نفرت اس کے چہرے کی جھریوں سے ظاہر ہوتی تھی"[۱]
اس نے لالہ مصطفیٰ پر اپنی زہر خورانی کا جرم قائم کیا تھا جس سے اس پر عتاب ہوا۔ یمن کا بیلی بے از دیز عثمان پاشا موت کے چنگل سے محض اس وجہ سے بچ گیا کہ سات دن پہلے ہی وہ عرب روانہ ہو چکا تھا۔
اس کے فتوحات سے اس کے دشمنوں کی نفرت میں اور بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ زیدیوں سے جنگ کرنے اور طیف لے لے کہ یکایک سنن پاشا عربوں کے مقابلے میں سپہ سالار افواج کی حیثیت سے آ پہنچا۔
سر عسکر نے آتے ہی پہلے بیلی بے کو برطرف کر دیا جس کو اپنی جان بچانے کے لیے بھیس بدل کے بھاگنا پڑا۔ صقولی نے اس کو تباہ کرنے کی کوشش کی۔ "مسلمان اور مشرک سبھی عثمان پاشا کی میانہ روی کے مداح ہیں۔ برخلاف اس کے سب کو صدر اعظم کی اس احمقانہ نفرت کی شکایت ہے جو اس سے عثمان پاشا کی بے پروائی سے ظاہر ہوئی ہے چنانچہ ان کو اپنی حاسدانہ خوشی کے اظہار کا یہ اچھا موقع ہاتھ آگیا ہے۔"[۲]
لالہ مصطفیٰ کی ہی سازشوں سے سلیم تخت پر بیٹھا تھا اس لیے بہت جلد سلطان اس پر پہلے کی طرح سے مہربان ہو گیا۔ سلطان کو اپنے پر مہربان دیکھتے ہی اس نے عثمان پاشا کی سرپرستی کی۔ اور اس کو بصرے کا والی بنا دیا۔ سنن پاشا فوج پر اب اکیلا افسر تھا اس لیے پوری قوت کے ساتھ جنگ میں مصروف ہو گیا۔ آخر مطہر کو فوج کی زیادہ تعداد سے مجبور ہو کے بابعالی کی سیادت تسلیم کرنا پڑی۔

۱۔ علی ۲۔ علی

بندوقیہ سے جنگ۔ (۱۵۷۰ء) فتح قبرس۔

جنگ لیپانٹو (۱۵۷۱ء)

یمن کے ساتھ قبرس بھی فتح ہوا۔ بہت زمانے سے بلکہ تخت نشینی سے بھی پہلے سلیم کو قبرس کی فتح کا خیال تھا۔ یہ خیال نام ونمود کی خواہش یا سلطنت کے حدود کو وسیع کرنے کی غرض سے نہ تھا۔ اور نہ یہ مطلب تھا کہ بحر متوسط پر اطراف کے جزائر فتح کر کے تسلط حاصل کیا جائے بلکہ اصلی اور بڑی غرض ذوق شراب کی تکمیل تھی۔ جوزف نیسی جو ایک پرتگالی یہودی اور سلطان کا مصاحب تھا اپنے مالک کی تمام بری عادتوں کی مدح سرائی کرتا تھا جس سے سلیم کے مزاج میں اس کو بہت بڑا دخل ہوگیا تھا۔ سلیم کے تمام خیالات بد میں وہ حصہ لیا کرتا تھا چنانچہ قبرس کی شرابوں کی لمبی چوڑی تعریف کر کر کے سلیم سے اس کی بدمستی میں فتح قبرس کا وعدہ لے لیا۔ سلطان کے اس وعدے پر یہودی اس قدر پھول گیا کہ اس نے قبرس کا امتیازی نشان "جوزف شاہ قبرس" ہتھیار پر کندہ کرا کے اپنے گھر میں آویزاں کیا۔ مگر اس ذلت سے لوسگنن کا ملک بچ گیا۔ سلطان نے اس بدمعاش کو صرف "امیر نیکزاس اور امیر سائیکلیڈیس کا خطاب دے کے ٹال دیا"۔

وزیر پیال، قپودن پاشا اور سلیم کے سابق اتالیق لالہ مصطفٰی نے اس جنگی منصوبے کی بہت کچھ تائید کی کیونکہ فتح قبرس سے وہ چاہتے تھے کہ بادشاہ کی نگاہوں میں ان کا وقار بڑھ جائے صقولی نے اس منصوبے کی مخالفت کی اور ہسپانیہ کے مغربیوں کی مدد پر سلطان کو ابھارا جنھوں نے تنگ آمد بہ جنگ آمد کے مصداق بغاوت کردی تھی اور سلطان سے نہایت عاجزی کے ساتھ مدد کی درخواست کی تھی۔ مگر وزیر اعظم کی کوشش بیکار گئی۔ سلیم پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ مفتی نے اس امر پر فتویٰ شائع کیا کہ

مشرکوں کے ساتھ جو معاہدے کیے جاتے ہیں ان کی پابندی ضروری نہیں ہے بلکہ ان معاہدوں کا توڑنا داخل ثواب ہے جن میں فتح کی صورت نکلتی ہو۔[1]

یکم اگست سنہ ۱۵۷۰ء کو ایک لاکھ آدمی جزیرے پر اترے۔ لیفقارڈ بغیر مقاومت کے فتح ہو گیا۔ اس کے بعد دار الحکومت نکوزیا کا محاصرہ کیا گیا۔ ایک ماہ تک محاصرہ قائم رہا محصورین نے بہادری کے ساتھ حملے روکے۔ لیکن والی قبرص ایک نا اہل شخص تھا جس کی وجہ سے محافظت ناکام رہی۔ آخر ۹۔ ستمبر کو نکوزیا فتح اور قتل و غارتگری کی نذر ہوا۔ دو ہزار نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کو چھوڑ کے بیس ہزار باشندے قتل کیے گئے۔ لڑکیوں کو حرم سلطانی میں داخل کرنے کے لیے رکھا گیا تھا مگر جس جہاز میں یہ سب سوار تھے اس میں کسی قیدی نے آگ لگا دی جس سے سب ڈوب گئے۔

---

[1] فتوے مفتی ابو سعود۔

سوال۔ جب ایک ایسے ملک میں جو سابق میں اسلامی علاقے میں ہو اور جو بزور چھین لیا گیا ہو کفار مساجد کو توڑ کے گرجا بنائیں۔ مسلمانوں پر ظلم کریں۔ اور دنیا میں رسوائی و ذلت پھیلائیں اگر ایک مسلمان بادشاہ اسلامی جذبے سے بے قرار ہو کے اس ملک کو کفار سے واپس لینا۔ اور اس کو اسلامی ملک بنانا چاہے تو کیا ایسے ملک کے ساتھ مصالحت کا توڑنا ناجائز ہے؟

جواب۔ کچھ ناجائز نہیں۔ بادشاہ اسلام پر کفاروں کے ساتھ معاہدے میں قانوناً (شرعاً) کوئی پابندی لازمی نہیں بجز اس صورت کے جس میں جمہور مسلمانوں کا خاطر خواہ فائدہ ہوتا ہو۔ اس مطلب کے حاصل نہ ہونے کی صورت میں معاہدہ قانونی معاہدہ نہیں کہلایا جا سکتا بلکہ ایسی صورت میں اس کا توڑنا بھی ضروری ہے جب کہ کوئی موقتی یا دوامی فائدہ اس سے حاصل ہوتا ہو"

پیغمبر اسلام کی نظیر پیش کرنے کے بعد مفتی نے فتوے کو اس طرح ختم کیا تھا "سلطان ظل اللہ نے اپنے گرانبہا خطبۂ سلطانی میں ہمیشہ سنت رسول پر چلنے کا ارادہ ظاہر فرمایا ہے" حررہ فقیر ابن سعد

بلادیفو (پافس)، لیمازل (ایاتھانٹی)، لازماکا اور کارسین بغیر لڑائی کے مطیع ہو گئے۔ صرف فیاگسٹا ہی ایسا شہر تھا جس نے بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا۔

نکولاکس بریگیڈ نیو کے پاس سرعسکر کی فوج عظیم کے مقابلے کے لئے صرف سات ہزار آدمی اور ایک بوسیدہ قلعہ تھا۔ لیکن اس سے وہ ہراسان نہ ہوا۔ دیواریں درست کی گئیں توپیں ڈھالنے کا کارخانہ قائم کیا گیا۔ نہایت ہوشیاری کے ساتھ قلعے سے نکل کے اچانک زبردست حملے کیے گئے اور محاصرین کے مورچوں کو تباہ کیا گیا۔ انھیں موقعوں میں مارک انٹونی کو برینی کو بارہ سو آدمیوں سے مدد کرنے کا موقع مل گیا۔ جاڑے کی شدت سے مصطفےٰ نے محاصرے کو سخت ناکہ بندی سے بدل دیا تھا۔ مئی کے اوائل میں ایک عام حملہ ناکام رہا اور ڈھائی مہینے میں جو پانچ حملے کیے گئے ان پانچوں میں پسپا ہونا پڑا۔ مگر بزور جنگ جو بات نہ ہو سکی تھی وہ بزور قحط پوری ہو گئی اور ریکم اگست کو فیاگسٹا فتح ہو گیا۔

یہ تصفیہ ہوا تھا کہ محصورین کو پانچ توپوں اور پندرہ گھوڑوں کے ساتھ جانے کی اجازت دی جائے گی اور وہ ترکی کشتیوں سے اکریت بھیج دیئے جائیں گے۔ یہ معاہدہ کچھ کسی قدر پورا ہوا تھا کہ کیننگی کے ساتھ توڑ دیا گیا۔ مصطفےٰ چھوٹے انٹونیو کو برینی کی حوالگی پر مصر ہوا۔ بریگیڈ نیو نے نہایت غصے کے ساتھ اس کو حوالہ کرنے سے انکار کیا۔ پھر کیا تھا وہ باندھ لیا گیا اور اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے افسر قتل کیے گئے اور خود اس کی ناک اور کان کاٹ لیے گئے۔ بارہ دن کے بعد اس کو جلادوں کے حوالے کیا گیا تاکہ نہایت اذیت سے اس کا خاتمہ کریں۔ ان لوگوں نے اس کو جہاز کے ڈنڈے سے لٹکایا اور سمندر میں کئی بار غوطے دیئے اور برج کی مرمت کے لیے مٹی کے ٹوکرے ڈھونے پر مجبور کیا۔ آخر اس کو زندہ جلا دیا۔ ان تکالیف کے ماسوا مصطفےٰ نے اس کی اور بھی ہتک کی اور طنزیہ مستفسر ہوا کہ تمھارا عیسیٰ کہاں ہے؟ کیوں وہ اب تمھاری مدد نہیں کرتا؟ اس جوانمرد کی ہمت میں ذرا بھی فرق نہ آیا

اور اس نے اف تک نہیں کی۔ اور التجائے رحم کے آیات پڑھتے ہوئے اس نے جان دے دی۔ مرنے کے بعد انھوں نے اس کے جسم کو کاٹا اور اس کے چمڑے میں گھاس بھر کے پڑاؤ کے اطراف پھرایا اور پھر تین سرداروں کے ساتھ اس کو قسطنطنیہ بھیجا۔

باوجود اس فتح کے صقولی کا ارادہ صلح کرنے کا تھا۔ لیکن اکریت میں بربری بیڑے کی وحشیانہ غارتگری سے گفت و شنید منقطع ہوگئی۔ بندقیہ نے مسیحی دنیا سے مدد کی درخواست کی چنانچہ جمہوریت بندقیہ، پوپ، اور ہسپانیہ کے درمیان مجلس اتحاد قائم ہوئی۔ اس مجلس سے بابعالی کو خوف ہوا اور ترکوں نے فرانس سے ثالث ہونے کی درخواست کی اس ثالثی کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

بہر طور عیسائی بیڑا الجزائر کی طرف روانہ ہوا۔ اس میں ستر ہسپانوی اور نور ہبانان مالطہ کے جہاز چارلس کونٹ کے ایک ولد الحرام آسٹریا کے انفنٹ ڈان جوین کی کمان میں تھے۔ ان کے علاوہ پاپائے رومائے بارہ جہاز مارک انٹونیو کولینا کی کمان میں تھے۔ اور ایک سو چالیس کشتیاں بندوقی امیر البحر وینیرو کی ماتحتی میں تھیں۔ راس لیپانٹو پر قپودن پاشا نے تین سو جہازوں کے ساتھ ان کی مقاومت کی۔

۷ اکتوبر ۱۵۷۱ء کو جزائر کرزولاری پر (جو ساحل البانیا پر واقع ہیں اور جو سابق میں جزائر ایچین کے نام سے موسوم تھے) دونوں بیڑوں کا مقابلہ ہوا۔ تین گھنٹے تک بڑی گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی فتح مذبذب تھی۔ مگر تین گھنٹے کے بعد عیسائی بیڑے کے عین درمیانی حصے میں ڈان جوین کے جہاز کے گرد لڑائی کا زور بڑھ گیا۔ بندوقی اور ہسپانوی امیر البحروں میں قپودن پاشا گھر گیا تھا۔ چار عثمانی جہاز ایک سرعسکر اور تین سنجک بے کے تحت اس کی مدد کو پہنچے۔ معززادہ کے گولی لگی۔ اور وہ گر پڑا۔ ہسپانوی اس کے جہاز میں گھسے اور اس کا سر کاٹ کے ڈان جوین کے ہاں لے گئے جس نے اس تمغۂ فتح کو جس سے خون جاری تھا نفرت سے دور کر دیا۔

فتح مسلم تھی۔ ایک سو تیس جہاز فاتحین کے ہاتھ آئے۔ چورانوے جہاز جلائے اور غرق کیے گئے۔ تین سو توپیں تیس ہزار قیدی اور پندرہ ہزار رہاشدہ عیسائی غلام جنگ کے صلے میں متحدین کو ملے۔ صرف الجزائر کا علی بے چالیس جہازوں کے ساتھ جو عثمانی بیڑے کی یادگار تھے بھاگ گیا۔ فاتحین کے پندرہ جہاز اور آٹھ ہزار آدمی ضائع ہوئے۔

جنگ لیپانٹو کی خبر سے تمام یورپ میں خوشی پھیل گئی۔ مارک انٹونیو ہیکل کی گڑھی پر چڑھ گیا جیسا کہ قدیم فاتح چڑھا کرتے تھے۔ اور ایک چاندی کا ستون اپنے نام کے لئے اور فتح کی یادگار میں مریم کے نذر کیا۔ پاپا کے حکم سے ڈون جوان کے احترام کو مسیحی دنیا میں چار چاند لگ گئے اور اس نے بہ نفس نفیس سینٹ پیر کی مسند پر بیٹھ کر اس کی مدح سرائی میں انجیل مقدس کے الفاظ کا اطلاق کیا۔

مسیحی دنیا مسرت کے نشے میں سرشار تھی اور قسطنطنیہ میں شورش پھیلی ہوئی تھی سلیم اول اور سلیمان نے جس بحری طاقت کو تیار کیا تھا وہ تباہ ہوگئی تھی۔ سلطان اس قدر دل گیر ہوگیا تھا کہ وہ تین دن تک بغیر کھائے پیئے خدا سے نہایت زاری کے ساتھ دعا مانگتا رہا کہ اپنی قوم پر رحم کرے" جنگ لیپانٹو سے عثمانیوں کے آدمیوں اور جہازوں کا اتنا نقصان ہوا جس کی تلافی نہ ہوسکتی تھی کیونکہ رائے عامہ میں ان کی قدر و منزلت گھٹ گئی جو فاتحین کی بڑی قوت ہوتی ہے اور جو ایک بار جانے کے بعد پھر نہیں آسکتی۔[1]

تشویش کے ساتھ برہمی پھیل گئی عوام نے غارتگری کی اور تمام عیسائیوں کے قتل کا مطالبہ کیا۔ پادریوں کو قید کرلیا گیا تھا کہ فرانسیسی سفیر فرانکوئی ڈی نوئیس اسقف اعظم عفس قسطنطنیہ پہنچا تاکہ عثمانیوں اور بندقیوں میں صلح کرائے۔ اسقف بغیر تحائف کے پیشگاہ سلطانی میں حاضر ہوا۔ اس نے

[1] بونالڈ۔

وزراء سے کہا کہ حرص یا لالچ کی وجہ سے شاہ فرانس نے سلطان المعظم کو ہدایا نہیں پیش کئے۔ بلکہ شاہ فرانس نے جو عالم مسیحیت میں سب سے بڑا بادشاہ ہے ان ہدایا کو پیش کرنے سے اس لئے مجھے منع کیا کہ سلطان ان ہدایا کو خراج سمجھ کے لیتا ہے"

یہ درباری آداب میں داخل تھا کہ حضور سلطانی میں جاتے وقت دونوں طرف دو کپی جی (یا چوبدار) پکڑے ہوئے رہتے تھے اسقف نے اس طرح چلنے سے انکار کیا اور کہا کہ "ایک آزاد فرانسیسی اور اسقف اعظم برداشت نہیں کر سکتا کہ وہ غلاموں کی طرح لے جایا جائے" اور خادموں کو ہٹا کے وہ تنہا اور کھلے بندوں سلیم کے پاس گیا اور اس کے کپڑے یا ہاتھ کو بوسہ دے کے آداب بجالایا۔ اور عام دستور کے خلاف وہ بادشاہ کے قدموں پر نہیں گرا[1]

فرانس کے اتحاد میں شریک ہونے کی دھمکی ایسی تھی کہ دیوان نے تمام مقید راہبوں کو رہا کرنے اور عیسائیوں کو نہ ستانے کا فیصلہ کر لیا۔

ان سب باتوں پر بھی جنگ لیپانٹو سے وہ نتائج حاصل نہ ہوئے جن کی بجا توقع تھی۔ اس جنگ کا نتیجہ نہ نکلا بلکہ اس جنگ سے سلطنت عثمانیہ کی مرفہ الحالی میں اور اضافہ ہو گیا۔ اپنے دشمنوں کی خاموشی سے فائدہ اٹھا کے صقوللی نے نہایت مستعدی سے حیرت انگیز سرعت کے ساتھ عثمانی بحری قوت کی تلافی کر دی۔

الجزائر کا بیلی بے قپودن پاشاہ بنایا گیا تھا۔ اس نے بھی سرگرمی سے صدر اعظم کے مساعی میں مدد کی بندوقی اپنے سلح خانے کو نقش و نگار سے مزین کرنے میں مصروف تھے تو ترکوں نے ڈیڑھ سو جہاز تیار کر لئے۔ قپودن پادشاہ نے اپنا خیال ظاہر کیا تھا کہ سرما میں ڈیڑھ سو جہاز تو بن جائینگے۔

---

[1] واقعات سلطنت عثمانیہ مصنفہ بو ڈیرہ وان ہیمر کو اس آخری واقعہ میں شک ہے جس کی صحت ہیٹس ڈی لاگورس نے کی ہے۔

مگر شاید ضروری اسباب کی فراہمی اس مدت میں غیر ممکن ہوگی۔ اس کا جواب صقولی نے یہ دیا کہ "جناب عالی۔ ملک کی قوت اور اس کا تمول اس قدر ہے کہ ضرورت پڑے تو چاندی کے ہتیار چاندی کا جہازی سامان اور اطلس کے بادبان تیار ہو سکتے ہیں"۔

جون ۱۵۷۲ء میں ڈھائی سو عثمانی جہاز روانہ ہوئے۔ عیسائی بیڑے میں اس سے بڑھکر جہاز تھے مگر سرداروں میں نااتفاقی تھی۔ چند معمولی جھڑپیں ہو کے رہ گئیں۔ بندوقیہ کو اب اتحادیوں سے علی حصہ لینے کی امید نہ تھی اس لیے ۷ مارچ ۱۵۷۳ء کو عثمانیوں اور بندوقیوں میں صلح نامے پر دستخط ہو گئے۔ بندوقیوں نے قبرص حوالے کر دیا اور تین لاکھ ڈوکٹ تاوان جنگ بھی دیا۔

بندوقیہ نے باب عالی کے سامنے اپنے کو اس طرح ذلیل کیا لیکن ہسپانیہ نے اس کے برعکس ترکوں سے جنگ جاری رکھی۔ ترکوں نے تونس فتح کیا اور چارلس کونٹ کے بنائے ہوئے مغربی والی کو مار نکالا صرف لاگولیٹ ہی ہسپانیہ کے قبضے میں باقی رہ گیا۔

۱۵۷۲ء کے اختتام پر ڈان جوان آسٹروی تونس روانہ ہوا اس کے آتے ہی ترکوں نے شہر خالی کر دیا اور مولی حسین پھر واپس آ گیا۔ مگر یہ عارضی باتیں تھیں اٹھارہ (۱۸) مہینے بعد (اگست ۱۵۷۴ء) سنن پادشاہ نے چالیس ہزار کی فوج کے ساتھ محاصرہ کیا۔ لاگولیٹ والوں نے بہادرانہ مقابلہ کیا۔ لیکن تینتیس دن کے بعد اس کو ترکوں نے مسخر کر لیا۔

اسی زمانے میں مولڈیو یا (بغدان) والوں نے عثمانی سیادت کا جوا اپنے کندھوں سے اتار دینے کی کوشش کی۔ لیکن وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ والئی بغدان کی بغدان شاہ لہستان سے قرابت تھی اور ترک اس وجہ سے کسی قدر مشوش تھے۔ ترکوں کے اس اضطراب سے فائدہ اٹھا کے آئوونیا نامی ایک صاحب ہمت نے سلطان سے اس صوبے کی ولایت اپنے نام کرالی۔ (۱۵۷۲ء) بغدان نے مقابلے کی

کوشش کی لیکن اس کو شکست ہوئی۔ اور وہ روس بھاگ گیا جہاں زار روس آئیوان ہولناک نے اس کو ختم کرا دیا۔ حاکم بغدان ہونے کے بعد آئوڈ دیٹا نے خراج دینے سے انکار کیا اور باشندوں کو بغاوت پر آمادہ کیا اور کاسکون کے سردار کی مدد سے اس نے ترکوں کو تین بار شکست دی اور بریلہ، بندر اور اکرمان پر قابض ہو گیا۔ (۱۵۷۴ء) ۹۔جون کو اس نے ساٹھ ہزار عثمانی فوج کا جو سالہ زادے کی کمان میں تھی مقابلہ کیا۔ تین روز کی خونریز لڑائی کے بعد بغدانیوں نے اپنے سردار کو اطاعت پر مجبور کیا۔ اس سے اس کی جان بخشی کا وعدہ کیا گیا تھا مگر اس کو ٹکڑے ٹکڑے اور اس کا سر جاسی کے محل کے پھاٹک پر مینخ سے ٹھونک دیا گیا۔ کاسکون نے ہتیار ہاتھ میں لیے ہوئے راستہ صاف کرنے کی کوشش کی لیکن سوائے سولہ[16] کے سب کے سب مارے گئے۔ چھ ماہ کے بعد سلیم مے نوشی کا شکار ہوا۔ (۱۲۔دسمبر ۱۵۷۴ء) اس سلطان کی ناقابلیت کے باوجود ملک کو اس کی وفات سے سخت نقصان پہنچا کیونکہ اس کے بعد صدر اعظم محمد صقولی پر تباہی آگئی۔

مراد ثالث ۱۵۷۴ء قتل صقولی ۱۵۷۹ء

ایران اور ہنگری سے لڑائیاں

مراد ثالث بہادر اور علم دوست تھا۔ اور اس سے بہت کچھ امیدیں تھیں۔ مگر دو باتیں اس میں جنون کی حد تک پہنچ گئی تھیں جنھوں نے اس کو بیکار کر دیا تھا۔ پہلی بات عورتوں کی محبت تھی۔ اور دوسری طمع زر۔ جس رات کو وہ سرائے میں داخل ہوا اس نے اپنے پانچوں بھائیوں کو پھانسی دلوا دی۔ اس کا پہلا انتظامی حکم جو نکلا وہ مسلمانوں کے لیے شراب کی ممانعت پر تھا۔ یہ حکم بدمست جاں نثاروں کی گستاخی پر مبنی تھا۔ جو ایک دن سلطان سے بالمشافہ گفتگو کرتے ہوئے ان سے اس وقت سرزد ہوئی تھی۔ جب کہ

وہ ایک شراب خانے سے گزر رہا تھا جس میں وہ جمع تھے۔ جاں نثاروں اور سپاہیوں کے ہنگامے پر سلطان کو اپنا حکم منسوخ کرنا پڑا۔ سپاہیوں کو شراب کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی گئی کہ کوئی شورش ان سے سرزد نہ ہو۔ جاں نثاروں کے آغا کو اس کے سپاہیوں کی نافرمانی کی وجہ سے سزا دیگئی۔ اس کو برطرف کیا گیا اور اس کی جگہ سالہ کو دیگئی جو اطالیہ کا ایک فراری تھا۔

گو بابعالی اور آسٹریا میں صلح تھی لیکن اسٹلہو سمبرگ اور گونوں کے والیوں نے ہنگری پر حملہ کیا ہربرٹ امیر آئسبرگ کو شکست ہوئی وہ کرپا کے قریب مارا گیا اور اس کا سر قسطنطنیہ بھیجدیا گیا۔ شہنشاہ روڈلف میکسی میلین کے جانشین نے صلح کی درخواست اور تجدید کی۔ (یکم جنوری سنہ ۱۵۷۷ء)۔ لیکن عثمانیوں کے سرحدی حملے اس سے نہیں رکے۔ آرچ ڈیوک چارلس والئی آسٹریا کارنیولا اور کارنتھیا نے فوج کا فوج سے مقابلہ کرنے کا تہیہ کیا۔ یہی حالت مراد کے تمام دور حکومت میں رہی۔

لہستان کی صورت حال تو اس سے بھی زیادہ خطرناک تھی۔ اور ترکی پر ایک بڑا طوفان آنیوالا تھا لیکن اسٹیفن باٹوری کی موت سے بے خبر عثمانی بچ گئے۔ خاندان جیگیلن کے آخری فرمانروا کے انتقال پر کسی قدر سلطان کی سفارش کے ساتھ اسٹیفن باٹوری لہستان کا بادشاہ مقرر کیا گیا تھا۔ اس نے بڑے بڑے منصوبے سوچے تھے۔ مسقوی ریاست اور سلطنت عثمانیہ دونوں کو تباہ کر کے اس کا تمام یورپ کے نقشے کو بدل ڈالنے کا ارادہ تھا۔ پاپائے روما اور شہنشاہ جرمنی نے جو اس کے ہمراز تھے اسے فوجی اور مالی مدد دینے کا وعدہ کیا تھا۔ پاپائے روما سیکسٹس کونٹ زیادہ تر ان منصوبوں کی تائید کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنا تمام خزانہ شاہ لہستان کے حوالے کر دیا اور تا اختتام جنگ فوج کے اخراجات برداشت کرنے کا ذمہ لیا۔ اس کو زعم تھا کہ تین ہی حملوں میں وہ ترکوں کو یورپ سے نکالدے گا۔ آسٹریا کو ٹرانسلوئنیا حوالے کر کے وہ دریائے طونہ کے

صقلبی ممالک کو ملا دینا چاہتا تھا۔ یونان کی قسمت پر بھی گفتگو ہوئی تھی بادشاہ کو یقین تھا کہ بیس ہزار زرہ پوشوں۔ دس ہزار سبک سوار فوج اور چالیس ہزار پیدلوں سے وہ تمام دنیا کو روند ڈالے گا۔ اس نے اپنے مشیروں سے کہا تھا کہ "میری زبردست فوج کے آگے مقدونی فوج بھی کوئی چیز نہ ہوگی"۔ اور تجربہ شاہد ہے کہ اس نے اپنی قوت کے اظہار میں مبالغے سے کام نہیں لیا۔[1]

ماسکویوں کو اس نے تین مسلسل معرکہ آرائیوں میں تباہ کیا۔ اور اب ترکی کا رخ کرنے والا تھا کہ قبل از وقت موت نے اس پر حملہ کر دیا۔ اس کے ساتھ وہ بڑے بڑے منصوبے بھی خاک میں مل گئے جن میں وہ کامیابی کی تیاری کر رہا تھا۔

سلطان کی تخت نشینی کے بعد سے اس کے مصاحب صدر اعظم کو گرانے کی سخت کوشش میں لگے ہوئے تھے اس پر براہ راست حملہ کرنے سے بیشتر انھوں نے اس کے متوسلین اور آوردوں سے راستہ صاف کیا۔ عماد السلطنت فریڈون کو جس کی وجہ سے وہ اس مرتبے پر پہنچا تھا برطرف کیا گیا۔ کنٹاسوزینی یونانی جو بحر اسود کا نمک ساز تھا پھانسی دی گئی۔ اور آخر میں صدر اعظم کے بھتیجے مصطفیٰ پاشاہ وائی بودا کو نہایت ہی لغو حیلہ کر کے قتل کر دیا گیا۔ ایک سال کے بعد صقولی بھی ایک قاتل کی تیغ کا شکار ہوا۔ (۱۵۷۹ء) اور اس طرح ملک کا نہایت قوی بازو ایسے وقت جاتا رہا جب کہ ایران سے از سر نو جنگ چھڑ گئی تھی۔

۱۵۷۶ء میں بڈھے شاہ طہماسپ کا بیوی کے زہر دینے سے انتقال ہوا اس کا پانچواں بیٹا حیدر تخت کا وارث ہوا لیکن اس کی سلطنت چند ہی گھنٹے رہی کیونکہ چرکس پارٹی نے اس کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد اس کا بھائی اسمٰعیل ایک مجنون بکو اسی تخت پر بیٹھا۔ اٹھارہ (۱۸) مہینے کی

---

[1] آدم میکوز۔ ہسٹری آف پولیر ڈی پولون

جابرانہ حکومت کے بعد اس کا بھی پھانسی سے خاتمہ ہوا۔ وزرائے سلطانی سنن بادشاہ اور مصطفیٰ پاشاہ نے سلطان کو ان اندرونی رخنوں سے فائدہ اٹھانے اور ایران فتح کرنے کی ترغیب دی۔ مصطفیٰ بادشاہ نے جو فوج کا سپہ سالار بنایا گیا تھا بغیر اعلان جنگ کے جارجیا پر حملہ کر دیا اور چلدیر میں تکمک خاں پر شاندار فتح حاصل کی۔ تفلیو فاتحین کے ہاتھ آیا۔ دریائے کنک پر ایرانیوں کو ایک دوسری بار شکست ہوئی اور تمام جارجیا کا علاقہ مطیع و منقاد ہو گیا۔

جارجیا کے چار صوبے کئے گئے۔ اور ہر ایک پر ایک بیلی بے مقرر ہوا۔ ازدمیر عثمان بادشاہ چروان پر، محمد بادشاہ طفلس پر۔ حیدر بادشاہ سوگون اور ابن لیوند خاص جارجیا پر مامور ہوئے۔ چار ایرانی فوجیں پیاپے کوچ کرتی ہوئی آگے بڑھیں تاکہ عثمانیوں سے ان کے نئے مفتوحہ علاقے چھین لیں۔ عثمان بادشاہ نے حاکم چما کیا اور ارس خاں، اور امیر حمزہ کو شکست دی مگر اس بڑی ایرانی فوج کے حملے سے اس کو چروان خالی کرنا اور دربند پر ہٹنا پڑا۔ سمن لوارلیب سابق امیر طفلس نے اپنے سابقہ دارالحکومت کا محاصرہ کیا۔ قلعے والوں کی بہادرانہ مدافعت سے حسن بادشاہ ابن صقولی کو کمک پہنچنے کا موقع مل گیا اور شہر بچ گیا۔ ۱۵۷۹ء

ایران کی اندرونی پریشانیوں اور ترکی افسروں کی تبدیلیوں کی بدولت جنگ نے طول کھینچا۔ سنن بادشاہ اور مصطفیٰ بادشاہ دونوں صقولی کی جگہ پر مقرر ہونا چاہتے تھے لیکن ان کی امید بر نہ آئی۔ سلطان نے عہدۂ صدارت احمد بادشاہ کو دیا۔ صدر اعظم نے پہلا کام یہ کیا کہ مصطفیٰ بادشاہ کو برطرف کر دیا۔ اور سنن پاشاہ کو اس کی جگہ پر مامور کیا جس نے چند ماہ کے بعد خود احمد کو ہٹا دیا۔ (اگست ۱۵۸۰ء)

مصطفیٰ بادشاہ نے ناکام رہنے کے قلق میں زہر کھا لیا۔ سنن پاشا جنگ کو آہستہ لیے جا رہا تھا اور شبہہ بھی تھا کہ اس نے آپ کو شاہ ایران کے ہاتھ بیچ لیا ہے۔ اس لیے برطرف اور جلاوطن کیا گیا اور بجائے اس کے

ہنگری النسل سیاوس پاشا مامور کیا گیا۔ روم ایلیا کے بیلی بے فرہاد پاشا کو حملہ آور فوج کی کمان دی گئی لیکن اس کے منصوبوں میں سرکش فوج اور جاں نثاروں کی مسلسل بغاوتیں مانع ہوتی رہیں۔

بہرطور عثمان ازدمر پاشا نے داغستان میں جانبازی کے ساتھ سلطانی افواج کی آبرو رکھ لی۔ دریائے سامور کے ساحلوں پر ایک زبردست جنگ ہوئی۔ جوش و خروش اس قدر تھا کہ رات کے وقت بھی مشعلوں کے ذریعے سے میدان کارزار گرم رہا۔ بعد کے چار دن جنگی داؤ گھات میں گزرے۔ یہ چوتھا دن ختم ہوا تو عثمانیوں کو معلوم ہوا کہ وہ ہر طرف سے بالکل گھر گئے ہیں انھوں نے استقلال کے ساتھ حملہ کیا اور اپنے جانے کے لیے راستہ نکالا۔ اور دشمن کو منتشر کر دیا۔ تین ہزار قیدی اور ایک اہرام سرہائے مقتولین گویا فتح کا ثمرہ تھے۔ داغستان کو فتح کر کے عثمان پاشا نے کوہ قاف طے کیا اور ایک تکلیف دہ سفر کے بعد جس میں روسیوں نے کئی بار مداخلت کی کافہ پہنچا۔ اس کو خان قرم محمد غرائے کو معزول کرنے کا حکم دیا گیا تھا کیونکہ اس نے باب عالی کو مدد دینے سے انکار کیا تھا۔ لیکن محمد غرائے نے جنگ کی تیاری کی اور چالیس ہزار آدمیوں کے ساتھ کافے کا محاصرہ کیا جہاں عثمان پاشا اپنی کمزوری کی وجہ سے جنگ جاری نہ رکھ سکتا تھا۔

خوش قسمتی سے محمد غرائے کے بھائی اسلام غرائی نے جس کو باب عالی نے خان بنانے کا وعدہ کیا تھا بھائی سے بغاوت کی اور محمد اپنے ہی لوگوں کی غداری سے قتل کیا گیا (۱۵۸۵ء) عثمان پاشا مظفر و منصور قسطنطنیہ میں داخل ہوا۔ اعزازات کی بھرمار اس پر اس قدر کی گئی جو پہلے کبھی کسی جنرل پر نہ ہوئی تھی۔ چند دن بعد وہ صدر اعظم اور اس فوج کا سر عسکر بنایا گیا۔ جو آذربائجان پر حملہ آور ہونے والی تھی۔

ساٹھ ہزار فوج کی قیادت میں وہ تبریز پر روانہ ہوا۔ حمزہ مرزا نے اس کے طلایہ کو بے سود شکست دی اور بے سود محمد بادشاہ کو تباہ کیا۔ ایرانیوں کو کثرت تعداد سے مغلوب اور تبریز کا تخلیہ کرنا پڑا۔

وزیر کی خرابی صحت سے جنگی کامیابی رک گئی۔ سالہ کو حمزہ مرزا نے شمبی غزن میں شکست دی اور اس کے بیس ہزار آدمی ہلاک ہوئے

شکست کے ساتھ ہی اس کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے نے کمان لی اور باقاعدہ پسپا ہوا بلکہ پسپا ہوتے ہوتے اس نے اپنے دشمن پر فتح بھی حاصل کرلی۔

ادھر حمزہ نے اپنی کامیابیوں کی جلو میں والیان اریوان اور سلماس سے جنگ کی تو ادھر تکلک خاں اور علی قلی خاں نے تبریز کا اور سیمن والی جارجیا نے طفلس کا از سر نو محاصرہ کرلیا۔ تبریز کے قلعہ بندوں نے بہادرانہ مقابلہ کیا۔ دس ماہ کے اندر ان پر پندرہ۱۵ حملے کیے گئے اور خود انھوں نے اڑتالیس۴۸ حملے کیے۔ آخر فرہاد بادشاہ نے جو ایک مرتبہ اور سر عسکر بنایا گیا ان کو محاصرین سے آزاد کیا۔

حمزہ کا ایک قاتل کے ہاتھ سے کام تمام ہو گیا جسے قبیلہ تملس کے سردار عثمان خاں نے مامور کیا تھا۔ تین دن کی لڑائی کے بعد فرہاد بادشاہ کو میدان غروزیں شاندار کامیابی ہوئی تھی (۱۵۸۶ء) خورستان میں سسالہ زادہ کے ہاتھ میدان رہا تھا۔ اور یہ نہ ہو کے قرہ باغ کا دار الحکومت سر ہو چکا تھا (۱۵۸۸ء) اور مزید براں ازبکوں کا خدشہ لگا ہوا تھا۔ ان تمام وجوہ سے شاہ عباس شاہ ایران نے صلح کا ارادہ کیا (۲۱ مارچ ۱۵۹۰ء) اس صلح سے جارجیا شروان، لارستان، تبریز اور کچھ حصہ آذربانجان کا ترکوں کے علاقے میں آگیا۔

اس کے چند ماہ قبل قسطنطنیہ میں جاں نثاروں نے بغاوت کردی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو ایسے کھوٹے سکے ملتے تھے جو "بادام کے پتے کے موافق سبک تھے اور شبنم کے قطروں کے برابران کی قیمت تھی۔" باغیوں نے سرائے پر حملہ کیا اور دفتر دار اور رومیلیا کے بیلی بے کے سروں کا مطالبہ کیا۔ سلطان کو مجبوراً ان آدمیوں کو ان کے حوالے کرنا پڑا۔ ۱۵۸۹ء سے ۱۵۹۲ء تک تمام قسم کی بدنظمیوں اور مصائب سے سلطنت کی خرابی کا ثبوت مل رہا تھا۔ مصر میں مدافعتی فوج (Militias) نے والی مصر اویس پاشا کے خلاف بغاوت کردی۔ تبریز میں فوجوں نے

بغاوت کردی اور قسطنطنیہ کے تبدیل شدہ سکوں کو لینے سے انکار کر دیا جس پر جعفر نے ۸۰۰ اکو قتل کیا۔ بو دا میں قلعے کی فوج نے جس کو چھ ماہ سے تنخواہ نہ ملی تھی والی بودا کو قتل کر دیا۔ خفی واقع ایشیا میں ایک آفاقی نے جسے اپنے آپ کو شاہ طہماسپ کا بیٹا مشہور کیا تھا اس صوبے کو بغاوت پر ابھارنے کی کوشش کی۔ والی ارجن روم نے اس کو شکست دی اور گرفتار کر لیا ان تمام مصائب پر ایک اور مصیبت یہ ہوئی کہ دارالخلافت پلیگ کا شکار ہو گیا۔

جاں نثاروں کی سرکشی روز بروز بڑھتی جارہی تھی ان کی گستاخی کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مولڈیویا پر خود انھوں نے اپنی طرف سے امیر مقرر کیا۔ سنن پادشاہ نے جواب دوبارہ صدر اعظم تھا اس شورہ پشت فوج کو مصروف رکھنے کے لیے ہنگری پر حملہ کرنے کی تجویز سوچی۔ حسن پادشاہ نے والی بوسنہ نے سسک کے محاصرے سے مخالفتوں کا آغاز کیا مگر دریائے کولپہ اور دریائے اودرا کے زاویے میں مجبوراً گھر جانے سے اس کو شکست فاش ہوئی وہ اور اس کے ساتھ ایک بڑا حصہ فوج کا دریا میں غرق ہو گیا۔ سنن پادشاہ نے جلدی سے فوج کی کمان لی اور ویسپرم اور پلوٹا کے محاصرے سے دست کش ہو گیا۔ مگر اس مدت میں والئ بودا کو اسٹھلوسمبرگ میں شکست ہوئی اور نو قلعے شہنشاہی فوجوں کے ہاتھ آئے (۱۵۹۳ء)۔ کامیابی کا پلہ برابر برابر تھا کہ ٹرانسلوینیا۔ افلاق اور بغدان نے یکے بعد دیگرے بغاوت کی اور شہنشاہ کے حلیف ہو کے ان تمام مسلمانوں کو قتل کر دیا جو ان ممالک میں آباد تھے (۱۵۹۴ء)۔ مراد نے اس مقدس علم کو بلند کر کے فوجوں کو ہمت دلانی چاہی جو کہا جاتا ہے کہ خاص پیغمبر اسلام کا علم تھا اور شام سے لایا گیا تھا۔ مگر فوج کی سرکشی اور بدنظمی کا کوئی علاج نہ تھا۔ بہت جلد یہ کمزور سلطان بیمار پڑا اور چند ہی دن میں انتقال کر گیا۔ (۱۶ جنوری ۱۵۹۶ء)۔ انتقال سے پہلے اس نے ایک خواب دیکھا تھا جس سے وہ بہت متاثر ہوا تھا اور جس کی تعبیر خود اس نے اپنی موت کی دے لی تھی۔

محمد ثالث (۱۵۹۶ئہ) بہادر میکائیل فراریوں کی بغاوت

مراد کے بعد محمد ثالث تخت نشین ہوا۔ یہ ایک بندوقی عورت بغا کے بطن سے تھا۔ تخت پر بیٹھتے ہی اس نے اپنے انیس بھائیوں کو قتل کر دیا۔ وہ شاعر بوی اور سعد الدین کا جو مورخ بھی تھا اور شاعر بھی شاگرد تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اس نے قانون برادرکشی کی نہایت دہشت انگیز سختی کے ساتھ پابندی کی تھی مگر اعلے مقاصد کا جذبہ اس سختی کا محرک معلوم ہوتا ہے۔ اس نے اپنے باپ کا تمام قرض ادا کیا۔ شریعت اسلامی کا سخت پابند تھا۔ اور اس کی کوشش بھی کی کہ جمہور مسلمان شریعت اسلامی کی پیروی کریں۔ اس نے اپنے، ایک وزیر سے کہا کہ "جان لو کہ میں نے اپنے آبا و اجداد کی ارواح کی قسم کھائی ہے کہ کبھی کسی صدر اعظم کو معاف نہ کروں گا بلکہ اس کی ذرا سی لغزش پر بھی سخت سزا دوں گا۔ وہ قتل کیا جائے گا۔ اس کے جسم کے چار ٹکڑے کئے جائیں گے۔ اور اس پر لعنت بھیجی جائے گی"۔ ان پر زور الفاظ کے باوجود سلطنت میں روز بروز زوال کے آثار جن کی بنا مراد کے زمانے سے پڑ گئی تھی نمایاں ہوتے جا رہے تھے۔ محمد کی ماں حرم کے اہتمام کی وجہ سے اس پر مسلط تھی۔ تمام معاملات سلطنت میں اس کے وزرا سنن پاشا، مسلہ زادہ، اور ظالم حسن دخیل تھے۔ ان لوگوں نے فوجی اور دیوانی خدمات کی تجارت شروع کر دی۔ سکہ بدلا اور مختلف جنگیوں اور محاصل مالی و جنسی سے باشندوں کو تباہ کیا۔

جنگ خونریزی کے ساتھ جانبین میں جاری رہی۔ کامیابی کا پلہ ہر دو طرف برابر برابر تھا بہ استثنائے افلاق کے جہاں عثمانی افواج کو خونریز شکستیں ہوئیں۔

بہادر میکائیل امیر افلاق نے مراد کے آخری عہد حکومت میں آرون امیر بغدان سجسمنڈ باتوری، دائی ٹرانسلونیا، اور شہنشاہ روڈلف ثانی سے معاہدۂ اتحاد کیا تھا۔ صدر اعظم سنن پاشا نے بخارست کی طرف

کوچ کیا اور اس کو فتح کر لیا (۱۵۹۵ء) میکائیل نے عثمانیوں کو مہلک دلدلوں میں پسپا کیا۔ اور ٹرگیوٹز پر قبضہ کر لیا۔ قلعے کی فوج کو پھانسی دی اور علی پاشا اور رقدجی پاشا کو جو اس فوج کے افسر تھے دھیمی آنچ پر بھنوا دیا۔

اس طرح ایک سال کے اندر تمام ترکی فوجیں پسپا کی گئیں۔ دریائے طونہ کے قلعے اب ہلال کے قبضے سے نکل گئے اور افلاق کا عقاب ان کی فصیلوں پر اڑنے لگا۔ بابعالی کے پاشاہوں اور افسروں کو ان لوگوں کے مقابلے میں ناکامی نصیب ہوئی جو اپنے وطن کی آزادی کے لیے نبرد آزما ہوئے تھے۔ ...... لیکن یہ خودمختاری قطعی نہ ہوئی تھی بلکہ ابھی نئی قربانیاں اور باقی تھیں۔ ترک نہیں چاہتے تھے کہ افلاق کا علاقہ ان کے تصرف سے نکل جائے۔ اور وہ تمام ممکنہ وسائل سے کام نہ لیں۔ افلاق کو وہ اس وجہ سے نہیں چھوڑنا چاہتے کہ یہ علاقہ دولت کا لامحدود مخزن تھا۔ یا انھیں کے الفاظ میں "قسطنطنیہ کا اناج گودام تھا" اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو دارالخلافت کی زندگی افلاق کی پیداوار پر تھی۔ یہاں سے دارالخلافت کے لیے گائے اور بکرے کا گوشت، گیہوں اور مختلف اناج پنیر مکھن اور شہد جاتا تھا۔ ان تمام منافعے سے دست کش ہونا بابعالی کے لیے ناقابل تلافی نقصان تھا[1]"

خود افلاق میں ایسے عیسائی تھے جو عثمانیوں کے طرفدار تھے۔ (۱۵۹۷ء) میں ایک سازش عثمانیوں کی تائید میں ہوئی تھی جس کو کئی صدر پادریوں کے قتل سے فرو کیا گیا۔ میکائیل نے بجز اپنی حکومت میں بغدان اور ٹرانسلوینیا کا کچھ حصہ شریک کر لیا تھا اور اب شاہ ہنگری و لہستان ہونے کے خوش آیند خواب دیکھ رہا تھا۔ اپنے مقاصد میں کامیاب ہونے کی غرض سے اس نے مسلمانوں سے تعلقات قائم رکھے تھے بلکہ

[1] تاریخ افلاق و بغدان مصنفہ میکائیل ڈی کاکینیسیانو۔

ایک خفیہ معاہدہ بھی ان کے ساتھ کیا تھا مگر موت نے اس کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ شہنشاہ کی ٹرانسلوینی فوجوں کے جنرل بسٹا کے حکم سے وہ قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد افلاق خانہ جنگیوں کا شکار اور مسلمانوں کے حملے کے لیے آماجگاہ ہو گیا۔ (۱۶۰۱ء)۔

بہادر میکائیل نے ترکی بربریت کو یورپ کے دوسرے علاقوں میں مصروف رکھنے میں بہت کچھ مدد دی تھی۔ اگر وہ کچھ دن اور زندہ رہتا تو ضرور ان ممالک کی خدمت کر جاتا جو دریائے طونہ کے نشیب میں واقع تھے۔ مگر تتالیسویں سال ہی اس کی زندگی کا چراغ ایکدم سے بجھ گیا۔ اور گو اس کی مہمیں بے سود تھیں لیکن اس پر بھی اس کا نام تاریخ میں یادگار رہے گا۔" [1]

ادھر میکائیل نے عارضی طور پر رومانی قوم کو بغاوت پر آمادہ کیا تھا تو ادھر شہنشاہی افواج نے غران، وسیگراڈ، بابلزا، اور قلنس کو فتح کیا۔ رعایا کے پرجوش ہنگامے سے مجبور ہو کے سلطان حرم سے نکلا۔ اور اپنے آباؤ اجداد کی روش کے مطابق افواج کی سپہ سالاری پر تیار ہو گیا۔ ارلائے فتح ہوا۔ آرچ ڈیوک میکسمیلین، اور سجسمنڈ باٹوری جو مقام مذکور کو بچانے کے لیے آئے تھے دیر سے پہنچے۔ میدان کرسٹز میں ان دونوں کا مقابلہ ہوا (۲۸ اکتوبر ۱۵۹۶ء) یہ تباہی ہوبا کزی تباہی سے کچھ کم نہ تھی۔ پچاس ہزار جرمنوں اور ہنگریوں کی لاشوں سے میدان پٹا پڑا تھا۔

فاتح اپنی کامیابی سے فائدہ اٹھانا نہیں جانتے تھے۔ ۱۵۹۸ء میں شہنشاہی فوج نے سیٹورڈجی پاشا کے جمود سے فائدہ اٹھا کے کاب پر دھاوا کر دیا۔ پاشا نے اطاعت سے انکار کیا تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ تین سو عثمانیوں نے جنھوں نے گڑھی کے جھروکوں میں

---

[1] تاریخ افلاق و بغدان مصنفہ اینگل۔

پناہ لی تھی بارود میں آگ لگا دی اور حملہ آوروں کے ساتھ اڑ گئے۔ اس کے ساتھ ہی ڈولا، ویسپیرم، اور ریاپا مسخر ہو گئے۔ نیکوپولس میں حافظ احمد پاشا کو شکست ہوئی اور بودا کا محاصرہ کیا گیا۔ مگر صدر اعظم ابراہیم نے اس شہر کو محاصرین سے پاک کیا اور کانیشا کا سا زبردست قلعہ فتح کر لیا۔ (۱۶۰۰ء) بقیہ جنگ میں چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہوتی رہیں جن میں فریقین نے ایک دوسرے پر ظلم و بے رحمی میں سبقت لے جانے کی کوشش کی۔ ابراہیم نے اپنی رحمدلی سے سرحدی باشندوں اور عیسائی رعایا کو اپنا طرفدار بنانا چاہا۔ "صربی اور سمندریہ اور تمسوار کے دیہاتی اس کے پاس آنے جانے لگے۔ اس نے ان کو بہت کچھ ہدایا اور جھنڈے دیئے........ چاپلوسی، فیاضی، اور مراعات سے وہ عیسائی رعایا کو اپنا طرفدار بنا کے قبائل ہیدک کا صفایا کرنا چاہتا تھا جنھوں نے تیس سال سے سلیوانیا میں ایک طوفان بے تمیزی برپا کر رکھا تھا۔"[1]

سلطنت کی اندرونی حالت بالکل ابتر تھی۔ بغاوت پر بغاوت ہوتی تھی۔ ایک جگہ اس کا انسداد کیا جاتا تو دوسری جگہ اس سے زیادہ سختی کے ساتھ نمودار ہوتی۔ سب سے زیادہ اہم بغاوت قرہ یزدجی عبدالحلیم اور اس کے بھائی دلی حسن کی تھی جس سے سلطان کے تقریباً تمام ایشیائی صوبے ہاتھ سے نکل گئے۔ جو عارضی فوجیں کرسٹنز میں موقوف کر دی گئی تھیں اور جن کی صدر اعظم سسلہ زادہ نے مفرور کا لقب دے کے ذلت کی تھی اور جو ایشیا میں بطور سزا کے بھیجی گئی تھیں ان کو قرہ یزدجی جو صفباؤں کا افسر تھا قابو میں لایا اور آپ ان کا سردار بنا۔ اس کو قدیم خاندان بن شداد کے ایک رکن ہونے کا بھی دعوے تھا۔ اپنی شہرت کے لیے یہ خبر بھی اس نے مشہور کی کہ خود پیغمبر کو اس نے دیکھا اور پیغمبر نے اس کو ایشیائے کوچک کی بادشاہت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا۔

---

[1] ۔ وان ہیمر

پھر کیا تھا اس کے پاس فوجوں کی فوجیں جمع ہو گئیں۔
باغیوں نے کرامانیا کے عثملوں کو شکست دی اور اوریس پر قبضہ کر لیا۔ اوریس میں محصور ہو کے یزد جی نے اطاعت قبول کی لیکن اطاعت سے پہلے اپنی شرطیں پیش کیں اور امیسیا کی گورنری کا وعدہ حاصل کیا مگر جیسے ہی عثمانی فوج چلی گئی اس نے پھر سر اٹھایا۔ اب کے اس کا بھائی ولی حسن والی بغداد بھی اس کے ساتھ ہو گیا۔ دونوں بھائیوں نے مل کے حسن اور حاجی ابراہیم ہر دو وزرا کو شکست فاش دی۔

ان فتوح کے ساتھ ساتھ باغی سردار نے تمام حقوق شاہانہ کے ساتھ بادشاہ کا لقب اختیار کیا۔ اور فرمان میں لکھا کہ "میں نے عثمانی حکومت کو ان ممالک میں شکست دی ہے۔ اور آج سے میں بادشاہ ہوں"۔

لیکن چند ہی دن بعد سیٹلی میں صقولی حسن پاشا نے اس کو شکست دی مجبوراً اس کو بحر اسود کے حدود یعنی جانیک کی گھاٹیوں کی طرف بھاگنا پڑا۔ اور یہاں زخموں سے اس کا انتقال ہو گیا اس کے بعد اس کا بھائی ولی حسن اس کا انتقام لینے کے لیے باقی رہ گیا۔ دشمن کے بدل جانے سے عثمانیوں کو کوئی فائدہ نہ ہوا۔ صقولی کو ولی حسن نے شکست دی جس سے اس کو ٹوکٹ کی طرف بھاگنا پڑا۔ فصیل پر وہ مارا گیا تو شہر والوں نے باغی کی اطاعت قبول کر لی۔ والی دیاربکر (خوشرو) اور والیان دمشق و حلب کاٹ کے رکھ دیئے گئے۔ اور رفاتح نے کوٹھایہ کا محاصرہ کر لیا (۱۶۰۱)

ایسا زبردست دشمن جب قوت سے مغلوب نہ ہو سکا تو دیوان نے رشوت سے کام لیا۔ ولی حسن کو زر و جواہر سے مالا مال کر دیا اور بوسنہ کی ولایت عطا کی اور اس طرح اس کو مطیع کر لیا۔ (۱۶۰۳)۔ اس کے وحشی جرگے جس میں صرف باغی سپاہی ہی نہ تھے بلکہ کرد اور ترکمان بھی شامل تھے عیسائیوں کے مقابلے پر روانہ ہوا ان کی ایک

دوسری بڑی تعداد ہنگریوں کے ساتھ معرکہ آرائی میں کام آئی۔ فراریوں کی اس بغاوت کا اثر قسطنطنیہ پر بھی پڑا جہاں مسلح سپاہیوں نے بغاوت کر دی۔

باغیوں نے سپاہیوں کے تمار غصب کر لیے تھے اس لیے سپاہیوں نے مساجد کو لوٹ کے عوض لینا چاہا۔ سلطان اور صدر اعظم نے اپنی خیر نہیں دیکھی۔ مگر خیر یہ گزری کہ جاں نثاروں نے ان سپاہیوں کا ساتھ نہیں دیا اور وفادار رہے۔ آخر ایک خونریز جنگ کے بعد سپاہیوں کو مطیع ہونا پڑا۔ اس وقت سے ان ہر دو دستوں میں سخت مخالفت ہو گئی۔ (۱۰۱۲ھ)

احمد اول (۱۶۰۳ء) اندرونی پریشانیاں۔ صلحنامہ سیتواترک (۱۶۰۶ء)

اسی سال محمد ثالث کا انتقال ہوا۔ اس کا چہاردہ سالہ لڑکا اس سلطنت کا مالک ہوا۔ جو سپاہیوں کی بغاوت سے کمزور ہو گئی تھی۔ ابھی دو لڑائیاں اور درپیش تھیں۔ ایک یورپ میں شہنشاہی افواج اور دوسری ایرانی افواج کے مقابلے میں۔

عثمانی دستے نے جو تبریز میں مقیم تھا صلح کے باوجود آذربائجان میں غارتگری کی۔ اور غازی بے والی سیلماس کو بھگا دیا۔ شاہ عباس اعظم نے عثمانیوں سے جنگ کا اعلان کر دیا۔ عثمانی فوج کو شکست ہوئی۔ تبریز، دین اور اریوان ایرانیوں کے ہاتھ آئے۔ شاہ عباس عثمانی قیدیوں کے ساتھ رحم دلی سے پیش آیا مگر علماء کے ساتھ اس کا سلوک نہایت بے رحمی کا تھا جس کا سبب ان کا وہ فتویٰ تھا جس میں ایک ایرانی کے قتل کو ستر مشرکوں کے قتل کے برابر قرار دیا گیا تھا (۱۰۱۳ھ۔ ۱۶۰۴ء)

ایرانیوں کی کامیابی کی وجہ یہ بھی تھی کہ ایشیا میں سلطنت عثمانیہ بغاوتوں سے کمزور ہو رہی تھی۔ بابعالی کی امیدیں والی حسن کی اطاعت سے پوری نہ ہوئی تھیں۔ باغیوں نے ہتھیار نہیں رکھے تھے۔

ان کے چار سردار قلندر راوغلی، حلیل، سہلو اور سعید نے اپنی حکومت کو حدود ایران و شام سے دریائے باسفورس کے کناروں تک وسیع کر لیا تھا۔ لبنان اور تارس کے تمام قبائل کے علاوہ جم پولاد کی سرکردگی میں قبیلۂ کرد اور امیر فخر الدین کی سیادت میں جماعت دروزی ایشیائی باشندوں کے اس اتحاد میں شریک تھی جو عثمانی تسلط کی مخالفت میں کیا گیا تھا۔ صدر اعظم مراد پاشا نے ولایت انگورہ دے کے قلندر راوغلو کو اپنا بنا لیا جم پولاد (روح فولاد) اور فخر الدین کو عوج ادائی میں شکست ہوئی اور وہ صحرا میں بھاگ گئے۔ احمد بے کونیا میں گرفتار ہوا اور ایک باولی میں پھینک دیا گیا۔ (۱۶۰۶ء) جم پولاد نے اپنے کو بچانے کی فکر کی۔ اپنی فوجوں کو چھوڑ کے قسطنطنیہ روانہ ہوا اور سلطان سے معافی مانگی۔ سلطان نے اس کو معاف کر دیا۔ اس کی سرگذشت سن کر خوش ہوا اور تیمسوار کی ولایت اسے عطا کی۔

قلندر راوغلو نے جسے انگورہ والوں نے انگورہ آنے سے روک دیا تھا پھر بغاوت کی۔ اور قرہ سعید کے ساتھ گویک سوئی پیلاغی کی گھاٹیوں میں سلطان کا مقابلہ کیا۔ ایک خونریز جنگ کے بعد عثمانیوں نے فتح پائی۔ مغلوبوں نے بیبورٹ میں جمع ہونے کی کوشش کی مگر ایک دوسری شکست سے انھیں اریوان بھاگنا پڑا۔ ہیمون نے قلندر راوغلو کی مدد پر پہنچنے کی بے سود کوشش کی۔ مراد اس کے راستے میں حائل تھا جس سے اس کو قرہ حسن بجی کی گھاٹیوں میں بھاگنا پڑا۔ (۱۶۰۸ء)

چاوش موصلی نے سائلیشیا کے مستحکم مقام سے فائدہ اٹھا کے اپنی اطاعت کے صلے میں کرمانیا کی ولایت حاصل کی لیکن مراد کے ایک فرستادہ نے اس کو قتل کر دیا اور اس طرح سے اس کا خاتمہ ہو گیا۔ یوسف پاشا جو منتیش اور ایدین واقع سروخان میں خود مختاری کے ساتھ حکومت کر رہا تھا صدر اعظم کے وعدوں کو

سچ سمجھ کے بیوقوفی سے دار الخلافت چلا آیا۔ پہلے پہل عزت و احترام کے ساتھ اس کی ضیافت کی گئی لیکن جیسے ہی مراد کو موصلی کے قتل کی خبر معلوم ہو گئی اس نے اپنی نقاب الٹ دی اور یوسف کو حسن ظن کے اصلے میں پھانسی کی سزا دی (۱۶۰۹ء)

اس طرح سے بغاوت کا انسداد ہو گیا۔ تمام سرگروہ یا تو مر چکے تھے یا بھاگ گئے تھے یا مطیع ہو چکے تھے۔ ان باغیوں کو جو جنگ کے بعد بھی زندہ رہ گئے تھے مثل جنگلی جانوروں کے ڈھونڈ ڈھونڈ کے تکلیفوں کے ساتھ مارا گیا۔ زبردست قوت اور اس صبر آزما جنگ میں حیرت انگیز قابلیتوں کے اظہار کی وجہ سے صدر اعظم کو سیف السلطنت (Restorer) اور معید المملکت کا خطاب ملا۔ نہایت سختی سے خرابیوں کا انسداد کرنے کی خواہش میں وہ اپنے مقصد سے بھی متجاوز ہو گیا تھا جس سے سرد مہری کے ساتھ باضابطہ ظلم کو اس نے اپنا شعار قرار دے لیا تھا۔

ایک دن جب کہ باغیوں کو شکست ہوئی تھی تو قیدیوں میں ایک چھوٹا بچہ بھی تھا۔ سب کو اس پر ترس آیا یہاں تک کہ جلاد نے بھی اس کو قتل کرنے سے انکار کر دیا۔ مراد نے بیکس بچے کو پکڑا اور خود اپنے ہاتھ سے یہ کہتے ہوئے اس کا گلا گھونٹ دیا کہ باغی سردار بھی سب بچپن میں اتنے ہی تھے اور بغاوت کی جڑوں کو پیش از پیش کاٹ دینا ضروری ہے۔

صدر اعظم کو جب ان بغاوتوں سے فرصت ہوئی تو ایران کی طرف بڑھا مگر ابھی مہم کا آغاز ہی ہوا تھا کہ اس جوانمرد بڈھے نے نوے سال کی عمر میں اس بڑی مہم کی مشقتوں سے چور چور ہو کے انتقال کیا۔ (۵۔ اگست ۱۶۱۱ء) اسے اس مہم میں عثمانی سطوت کو دوبارہ قائم کرنے میں کامیابی ہو گئی تھی۔ نصوح پاشا والی دیار بکر نے صدارت عظمیٰ اور سرعسکری کا جائزہ لیا مگر سلطان اس جنگ سے برداشتہ خاطر ہو گیا تھا

اس لیے صلح کرلی گئی۔ یہ پہلا موقع ہے کہ ترکوں نے اپنے شکار کو ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ بابعالی نے وہ تمام ممالک واپس کردیئے جو سلیمان کے زمانے سے فتح ہوئے تھے (۱۶۱۲ء)۔

یورپ میں ہنگری سے ابھی پرخاش جاری تھی۔ بابعالی کی پریشانیوں سے آسٹریا متمتع ہونا نہیں جانتا تھا ورنہ اس سے بہتر کونسا موقع ہوسکتا تھا جب کہ ترکی ایران سے مصروف جنگ تھا اور ایشیا میں بغاوتیں پھیلی ہوئی تھیں اور بابعالی کے لیے فوجوں کی فراہمی کوئی آسان بات نہ تھی۔ شہنشاہ نے تجاویز صلح کو سنا اور صدر اعظم سے گفت وشنید کے لیے اپنے سفرا روانہ کیے۔ عثمانی موقع کے منتظر تھے۔ انھوں نے گفت وشنید کو بغیر کسی سمجھوتے کے طول دیا تاکہ اس نفرت سے فائدہ اٹھائیں جو ہنگریوں کے دلوں میں جرمنوں کے اس ملال انگیز معاملات کی وجہ سے پیدا ہونے والی تھی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ تھوڑی ہی مدت میں ہنگری والوں نے بغاوت کردی۔ اور سربرآوردہ حکام نے بوکسکئی کو اپنا بادشاہ بنالیا جس نے سلطان سے اپنی محافظت کی درخواست کی (۱۶۰۵ء)۔ احمد نے اسے فوراً ہنگری کا والی تسلیم کرلیا اور وزیر لالہ محمد کو فوجوں کے ساتھ نئے بادشاہ کی کمک پر روانہ کیا۔ گران، وسیگراڈ، اور ویسپرم کو عثمانیوں نے فتح کیا اور بوکسکئی نے ہنوہیسل کو فتح کرلیا۔ اس طرز عمل سے سبق حاصل کرکے شہنشاہ آسٹریا نے بوکسکئی سے گفت وشنید شروع کی (۱۶۰۶ء) چنانچہ بوکسکئی کو شاہ ٹرانسلونیا تسلیم کیا گیا اور اس کو ہنگری کے وہ اضلاع بھی دیئے گئے جو پہلے بٹیوری کے قبضے میں تھے مگر شرط یہ کی گئی کہ یہ اراضی اس کے انتقال کے بعد سلطنت آسٹریا کو واپس کی جائے گی۔

بوکسکئی کے اس انحراف سے عثمانیوں کو صرف اپنے ہی ذرائع پر بھروسا کرنا پڑا۔ اگر اس وقت ایشیا میں انھیں اپنی تمام قوتوں کو جمع کرنا تھا اس لیے انھوں نے سیتوا ٹروک کے صلحنامے پر دستخط کردیئے۔ (۱۶۰۶ء)

تیس ہزار ڈوکٹ خراج جو سالانہ آسٹریا ادا کرتا تھا موقوف کر دیا گیا۔ ''صرف اس وقت ہی'' شہنشاہ نے دو لاکھ اشرفیاں دیں۔ ہر دو ملوک درجے میں مساوی قرار دیئے گئے۔ فوجوں میں مخالفت ممنوع قرار دی گئی۔ قیدیوں کا باہمی تبادلہ منظور کیا گیا۔ آخر میں گران، ارلاؤ اور کینشا ترکی حکومت میں اور راب، اور کومورن آسٹروی مملکت میں تصور کئے گئے۔ ممالک ہنگری اور آسٹریا کی طرف سے ہرسبرگ میں صلحنامہ کی توثیق ہوئی (۱۶۰۸ء) اور مجلس وائنا نے اس کو بیس سال کے لیے بحال رکھا (۱۶۱۵ء)

''سیتواکرک کا یہ صلح نامہ جس پر سیاسی مورخین نے کافی توجہ نہیں کی ہے اور جو اب صلح نامہ کارلووٹز کی وجہ سے جو اس کے ایک صدی بعد کیا گیا بالکل نسیاً منسیاً ہو گیا ہے دراصل ترکی اور دول یورپ کی تاریخ قانون سیاسی اور تعلقات سیاست میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ یہ پہلا موقع ہے جب کہ عثمانی فتوح کی جس سے مغرب کو خدشہ رہتا تھا حد بندی کی گئی۔ آثار محکومیت اب باقی نہ رہے اور سالانہ خراج جنھیں سفرا دربار عثمانی میں پیش کرتے تھے موقوف کر دیئے گئے اور تعلقات مساوات پر قائم ہوئے۔ عثمانی تسلط سے ٹرانسلوانیا کا ایک حصہ نکال لیا گیا اور گو ہنگری کے ایک حصے پر اب بھی ترک متصرف تھے لیکن بقیہ حصہ خراج سے آزاد تھا اور یہ پہلی دفعہ ہے جب کہ سلطان اور صدر اعظم نے ان ضوابط کی پابندی کی جو اقوام یورپ میں مروج تھے۔ پہلے ترکی میں جو قانون نافذ ہوتا تھا وہ شہنشاہی سفرا پر بغیر اس کے مفہوم و مطلب سے واقف ہونے کے نافذ کر دیا جاتا تھا مگر اب یہ بات نہ رہی۔ قبل از نفاذ فریقین کے ترجمان اس کو جانچ لیتے تھے۔ دول یورپ، صلح نامہ سیتواکرک سے زوال ترکی سے بخوبی واقف ہو گئیں اور آیندہ صلح نامہ کارلوٹز کے لیے راستہ بھی صاف ہو گیا۔

آٹھواں باب

زوال

صلحنامہ کارلووٹز تک (Carlowitz) (سنہ ۱۶۱۴ء۔ سنہ ۱۶۹۹ء)

مصطفیٰ اول (سنہ ۱۶۱۷ء) عثمان ثانی (سنہ ۱۶۱۸ء) ڈک ڈی نیورس کی جنگ صلیبی۔ قتل عثمان (سنہ ۱۶۲۲ء) مصطفیٰ اول۔ مراد ثانی سنہ ۱۶۲۳ء۔ سنہ ۱۶۴۰ء سلطنت کی نئی تنظیم ابراہیم اول سنہ ۱۶۴۰ء۔ سنہ ۱۶۴۸ء۔ اکریت پر چڑھائی۔ محمد رابع (سنہ ۱۶۴۸ء) جنگی شورشیں کوپرولی محمد کی وزارت۔ اکریت پر قبضہ (سنہ ۱۶۶۹ء) فرانس اور بابعالی۔ لہستان اور روجر کی لڑائیاں۔ وائنا کا محاصرہ (سنہ ۱۶۸۷ء) کوپرولی مصطفیٰ کی وزارت۔ صلح کارلووٹز (سنہ ۱۶۳۳ء)۔ کوپرولی حسین۔

مصطفیٰ اول (سنہ ۱۶۱۷ء) عثمان ثانی (سنہ ۱۶۱۸ء)

سیتواترک کے صلحنامے پر دستخط ہونے والے تھے کہ بوسکئی کا انتقال ہوگیا۔ ٹرانسلوینیوں نے دوبارہ شہنشاہ کے زیرنگین رہنے سے انکار کردیا۔ اور بابعالی نے اس حق کو تسلیم نہ کرکے جس کی رو سے بوسکئی نے ملک حوالے کیا تھا سجسمنڈ کاکوسزی، گبریل بیٹوری اور بیٹلن گابر کو

یکے بعد دیگرے اس ملک کا والی بنا دیا۔ ان تینوں میں بیٹلن خاندان آسٹریا کا سخت دشمن تھا۔ آسٹریا کے سفیر نے جب اس کی شکایت کی تو صدر اعظم نے جواب دیا کہ صلح نامہ معتبر نہ تھا کیونکہ اس پر مفتی کے دستخط نہیں ہوئے تھے۔

بیٹلن گابر ہر ممکن طریقے سے والیان بغدان و افلاق کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرنے کی کوشش کرتا رہا تاکہ اگر وہ اس کے علاقے پر متصرف ہونا چاہیں تو ناکامی ہو۔ اور ترکی سے یہ وعدہ بھی کیا کہ حکام بغدان و افلاق بابعالی سے بغاوت کریں گے تو میں انھیں پناہ نہ دوں گا اور ان کو حوالے کر دوں گا۔

ترکی حکومت نے سمجھ لیا تھا کہ (ملک املاک کے مفاد یا پناہ گیری کی امید پر) جب تک والیان بغدان و افلاق کے توقعات وجرستان اور ٹرانسوال سے رہیں گے۔ وہ ان دونوں ملکوں اور اس لحاظ سے دنیائے یجی کے طرف دار رہیں گے۔

بیٹلن کے نام جو ولایت کا فرمان صادر ہوا تھا اس میں باشندگان بغدان و افلاق کو دیگر عیسائیوں سے جدا ٹھیرا کے مسلمہ طور پر ترکی کی رعایا قرار دیا گیا تھا۔ [1]

اہل بغدان نے ہتیار اٹھائے اور حاکم بغدان تھامزا نامی کو جو بابعالی سے نامزد کیا گیا تھا مار کے نکال دیا اور آخر تاجدار بغدان گربیل تمیلا کے بیٹے نے ترکوں کو شکست دی لیکن اس مدت میں اسکندر پاشا کمک لے کر پہنچ گئے اور دوبارہ عثمانی تسلط قائم کر دیا (سنہ ۱۶۱۲ء)

اگر آسٹریا (Aushia) سے صلح تھی تو ہسپانیہ سے بغیر کسی قسم کے توقف یا عارضی صلح کے جنگ چھڑی رہی۔ بہادران مالطا کے ایک دستے نے کورنتھ کو لوٹا۔ اور پانسو قیدی گرفتار کر لیے۔ امیر البحر فلارنس انزامی جزیرہ کوس پہنچ گیا اور قلعے پر دھاوا کر دیا۔ اور بارہ سو قیدی

---

[1] Cogn Cogalniceana "Histori-de la Moldavie et de la Valachie"

گرفتار کرلیے۔ اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد اس نے آغا الیمانو میں عثمانی جہاز گرفتار کرلیے۔ یہ ادھر مصروف تھا اور ادھر ڈون ایٹویوڈراگن نے نیولین بیڑے کے زیر سایہ راس کاردہ کے قریب قپودن پاشا کو شکست دی۔ اور سات بڑی کشتیاں گرفتار کرلیں (۱۰۲۳ھ ۱۶۱۴ء) چونکہ تمام عثمانی جہاز جزائر میں جمع ہوگئے تھے اس لیے کاسکون نے یہ موقع غنیمت سمجھ کے سینوب پر دھاوا کرکے اس کو بالکل برباد کردیا۔

نصوح پاشا اس ہزیمت کو سلطان سے چھپانا چاہتے تھے۔ لیکن مفتی نے یہ خبر سلطان تک پہنچادی۔ سلطان یہ خبر سن کے صدر اعظم کی حیلسازی سے بہت برافروختہ ہوگیا۔ صدر اعظم کے دشمنوں کو یہ موقع اچھا ہاتھ آیا۔ ان لوگوں نے سلطان سے جڑدی کہ صدر اعظم کا ارادہ خود سلطان بننے کا ہے جس کا سلطان کو یقین ہوگیا۔

نصوح پاشا اپنی شجاعت، طلاقت لسانی، اور فیاضی کی بدولت سپاہیوں اور عوام میں ہر دلعزیز تھے۔ اور ان کی شادی احمد پاشا کی صاحبزادی سے ہونے والی تھی۔ بنابریں وہ عالی حوصلہ اور تندمزاج تھے۔ انھوں نے مفتی اور قیذلر آغا کی سازشوں کا خاتمہ کرنے کے لیے ان کو مار ڈالنے کا تہیہ کرلیا۔ سلطان کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو وہ غصے میں آپے سے باہر ہوگیا۔ صدر اعظم نے یہ کہہ کے سلطان کو اور بھی بھڑکا دیا کہ "یا تو جو میں نے ارادہ کیا ہے وہ پورا ہوگا اور آپ میری رائے سے اتفاق فرمائیں گے۔ یا بصورت دیگر میرا استعفا منظور فرما کے کسی دوسرے تابعدار کو اس خدمت سے سرفراز فرمائیں گے" میں زہر سے اپنا خاتمہ کرلوں گا" سلطان نے برافروختہ ہوکر فرمایا "تو باغی ہے۔ تونے ہی مراد پاشا کو زہر دیا۔ اسی جمعہ کو ۱۴ اکتوبر ۱۰۲۳ھ ۱۶۱۴ء نصوح پاشا کے کونک کو جان نثاروں کے ایک دستے اور بستانجیوں (مالیوں) نے گھیر لیا۔ صدر اعظم نے کوئی مقاومت نہیں کی۔ اور بستانجی باشی نے ان کا گلا گھونٹ دیا۔ فرانس سے شرائط صلح طے ہوگئے تھے۔ ۱۰۲۴ھ ۱۶۱۵ء میں فرانسیسی سفیر

سواری ڈی بریوز کی طرف سے یہ شرائط اور زیادہ کئے گئے۔

بابعالی سے مغربی بحری قزاقوں کا بخوبی انسداد کیا گیا۔ تونس کا نائب السلطنت موقوف کیا گیا اور الجزائر کے نائب السلطنت کو پھانسی دیگئی لہستان نے اس صلحنامے کی جو محمد ثالث کے عہد میں ۱۶۰۹ء میں لکھا گیا تھا تجدید کی۔ اور بغدان میں کاسکوں کی یورشوں کو روکنے کا ذمہ لیا۔ بابعالی کی طرف سے اس کے معاوضے میں لہستان کو تاتاری تاخت وتاراج سے بچانے کا وعدہ کیا گیا۔ اور یہ بھی طے پایا کہ اگر کوئی لہی ترکی میں مرے یا کوئی ترک لہستان میں انتقال کرے تو متوفیوں کی جائداد پر کوئی محصول نہ لیا جائے۔ ۱۶۱۲ء میں صوبجات متحدہ ممالک تحتی (ہالینڈ) نے فرانس اور انگلستان کے عہدناموں کے طرز پر ایک تجارتی معاہدہ کیا۔ اس معاہدے سے ہالینڈ والوں کو ترکی میں تمباکو کے رائج کرنے کا حق عطا کیا گیا تھا۔ مفتی نے اس بدعت کی مخالفت کی۔ اور اس کے استعمال کی ممانعت پر ایک سخت فتویٰ شایع کیا۔ اس فتوے سے دنیا میں ایک ہلچل مچ گئی۔ یہ حجت پیش کی گئی کہ تمباکو جسم میں نہیں رہتا اس لئے اس سے جسم ناپاک نہیں ہوتا۔ محمد (صلعم) نے اس کی ممانعت نہیں فرمائی۔ مفتی کو کوئی حق نہیں ہے کہ پیغمبر سے زیادہ تشدد سے کام لے۔ ان دلائل کی تائید میں ایک ہنگامہ برپا ہوا جس میں سرائے کے سپاہیوں اور افسروں نے برابر کا حصہ لیا مجبوراً مفتی صاحب کو اپنا فتویٰ منسوخ کر دینا پڑا۔[1]

احمد پندرہ برس کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ یہی ایک عثمان کی اولاد میں ایسا تھا جو بغیر قابلیت کے سلطنت کا وارث ہوا۔ لیکن اخیر زمانہ حکومت

---

[1] مشرقی شعرا تمباکو، قہوہ، افیم اور شراب کو عالم عشرت کے چار عنصر اور عیش کی گدی کے چار تکیے قرار دیتے ہیں۔ برخلاف ان کے علمائے شریعت کے لیے یہ چیزیں شہوت پرستی کے خیمے کے چار ستون اور شیطان کے چار دزیرہیں۔

میں اس کو حکومت کا سلیقہ آ گیا تھا۔ وہ دراصل عادل، نیک، بیدار مغز، اور عمدہ منصوبے سوچنے والا بادشاہ تھا۔ لیکن حرم کے اثر بد نے اس کی ان قابلیتوں کو بیکار کر دیا تھا۔ عورتوں کے اثر کی وجہ سے عمدہ مشیر سلطنت اس کو ملتے نہ تھے جس کے باعث انتظام مملکت نا اہلوں کے ہاتھوں میں تھا جس کا صدر ایک حبشی خواجہ سرا تھا۔

اس کے انتقال پر (۱۶۱۷ء) اس کا بیٹا عثمان تیرہ سال کا تھا۔ سلطان نے اس امر کو مد نظر رکھ کے مروجہ قانون میں ترمیم کی تھی اور اپنا جانشین اپنے بھائی مصطفیٰ کو بنایا تھا۔ مصطفیٰ کے متعلق دو بار موت کا حکم ہوا تھا مگر دونوں بار وہ بچ گیا۔ اس لحاظ سے اسے تائید ایزدی ہوئی۔ اس دور سے وراثت کا سلسلہ بدل گیا اور بڑے بیٹے کا حق منسوخ قرار پایا۔

حرم میں مصطفیٰ چودہ سال مقید رہا تھا اس لیے رہا ہونے پر وہ سٹپٹا گیا تھا۔ علما نے اس کے نام سے حکومت کرنے کے لیے زہد و اتقا کو اس کی کمزوری کا سبب ٹھیرایا۔

نئی حکومت کے ابتدائی انتظامات ایسے تھے کہ باب عالی اور فرانس میں جنگ چھڑ گئی تھی۔ ایک معزز ہی نے جو "ہفت مینارے" میں مقید تھا معتمد سفیر فرانس کی مدد سے فرار ہو کے فرانسیسی سفیر آشیل دے آرلے نواب سانسی کے پاس پناہ لی۔ صدر اعظم نے تمام سفارت کو اس معاملے سے چشم پوشی کا ملزم ٹھیرایا۔ سفیر گرفتار و مقید کیا گیا اور مترجم و معتمد سفارت سے جواب طلب کیا گیا۔ خود سفیر کو سخت سزا دیجانے والی تھی لیکن وہ بمشکل تمام اس سے بچ گیا۔ چار ماہ کے بعد اس نے پندرہ ہزار قرش دے کے رہائی حاصل کی۔ اس کے بعد ہی سلطنت فرانس نے اپنے سفیر کو بلا لیا۔ اور ایک شخص موسیو دے نون کو بھیجا تاکہ اس معاملے کی تہ کی سے باز پرس کرے اور بصورت دیگر جنگ کا اعلان کر دے لیکن اس کے پہنچنے تک سلطان معزول کر دیا گیا

اور وزیر کو پھانسی دیدی گئی، مفتی، قیذلر آغا اور خیاخموں کی سازش سے مصطفیٰ معزول اور اس کا بھتیجا عثمان دوم اس کا جانشین ہوا (سنہ ۱۶۱۸ء) مصطفیٰ نے صرف تین ماہ سلطنت کی۔

نئے سلطان نے شاہ فرانس کو بہت جلد اطمینان دلادیا۔ اس نے ایک خط حسین چاؤش کو دے کے لوئی تیرھویں کے پاس فرانس روانہ کیا جس میں بہت کچھ معذرت کی گئی تھی اور جس پر خود سلطان، صدر اعظم، اور رقیو دن پاشا کے دستخط تھے۔ سینسی کو شاہ کے حضور میں پیش کرنے کے لیے بہت کچھ تحفے تحائف دیئے گئے تھے۔

بیٹلین گابر والئ ٹرانسلوے نیا نے اپنے دشمن عزیز یانی امیر نیکراس اور رحال والئ بغدان کو علیحدہ کر کے اسکندر چرین کو اس کا جانشین کیا۔ یہ اسکندر والیان افلاق کے خاندان سے تھا۔ عزیز یانی نے پولینڈ والوں سے مدد مانگی۔ سلطان روس کی ہوس ملک گیری سے باخبر تھا اور اس کو اس کی طرف سے خدشہ تھا اس لیے وہ پولینڈ کو اپنے قبضے میں لانا چاہتا تھا تاکہ روس سے مقابلے کی صورت میں وہ ایک قلعے کا کام دے۔ جب لہیسیوں نے بغدان کے معاملے میں مداخلت کی تو اس نے لہیسیون سے اعلان جنگ کر دیا۔ حملے سے پہلے سلطان نے اپنے بھائی کو پھانسی دلوا دی۔ مفتی اسد افندی نے فتوے دینے سے انکار کیا تو قاضی عسکر نے جو زیادہ صاحب مروت تھا اس جرم کو اپنے سر لینے کی ہامی بھری۔ مفتی کا یہ انکار شریعت کی بنا پر نہ تھا بلکہ وہ سلطان سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔ بات یہ تھی کہ عثمان نے تخت نشینی کے بعد شیخ الاسلام سے تمام اختیارات چھین لیے تھے صرف مفتی کا اصل منصب یعنی فتوی دہی بحال رکھا تھا۔

اس نے اپنے مدرس عمر افندی کو تمام علما کی صدارت دی تھی۔ اس کے علاوہ منصفوں کا تقرر بھی اس کے اختیار میں دیا تھا۔ اور قضاۃ عسکر اور مفتیوں کا صدر الصدر بھی اسی کو بنایا تھا۔ اس نئے

انتظام سے تمام قوم میں ناخوشی پھیل گئی۔ جو آگے چل کے ان مصائب کا جزو اعظم بن گئی جن کی بدولت عثمان ثالث کی حکومت کا افسوس ناک خاتمہ ہوا۔

جب شاہزادہ محمد نے جلادوں کے بس میں اپنے آپ کو پایا تو اس نے اپنے بھائی کے لیے بد دعا کی جو بہت جلد پوری ہوئی "عثمان میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ جلد تیرا اور تیری سلطنت کا خاتمہ کردے۔ اور تو بھی اسی طرح ہی مرے جس طرح تو نے مجھے مارا ہے"۔

پہلے پہل فوج کی نقل و حرکت بہت تیزی کے ساتھ عمل میں آئی۔ اور عثمانی فوجیں دریائے نیسٹر کے کناروں تک بڑھ گئیں۔ یہاں ولنا کا بہادر لہسی افواج کے ساتھ مقابلے کے لیے کھڑا تھا۔ تیرہ سال کا ولیعہد سلطنت شاہزادہ ولیڈ سلاہس اس کے ساتھ تھا۔

ترکوں کی فوج زیادہ تعداد میں تھی اور لہسی کم اس لیے لہسی جنرل نے جوکزم کے قریب ایک مستحکم مقام پر مورچہ بندی کی تھی۔ اور دشمن کے حملے کا منتظر تھا۔ پانچ مرتبہ عثمانیوں نے حملہ کیا اور پانچوں مرتبہ وہ شدت کی گولہ باری سے کثیر نقصان اٹھا کے پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوئے۔ اس ہزیمت سے ترکی سپاہیوں کی کمر ٹوٹ گئی۔ اور انھوں نے واپسی کا تقاضا شروع کیا۔ ادھر ترکوں کی یہ حالت تھی اور ادھر لہسیوں کا سپہ سالار جنگ میں کام آیا تھا۔ اور رسد کی کمی تھی اس لیے انھوں نے صلح کی تجاویز پیش کیں اور کچھ گفت و شنید کے بعد صلحنامہ پر دونوں جانب سے دستخط ہو گئے (۶۔ اکتوبر ۱۶۲۰ء)

امیر نیویر کی جنگ صلیبی۔ قتل عثمان ۱۶۲۲ء

ترک فتح لہستان کے منصوبے میں ناکام رہے۔ فرانس میں مذہبی ولولے سے اس جنگی جذبے کو ابھارنے کی کوشش کی گئی جو سابق میں

صلیبی لڑائیوں کا باعث ہوا تھا۔ اور تقریباً وہی زمانہ پلٹ آیا جب کہ امرائے فرانس نے قسطنطنیہ میں لاطینی سلطنت قائم کی تھی۔ چارلس دوم ڈی گنزیگو امیر نیورس ور تھیل و منیٹوا اور والی کلیوز نے چارلس دوم والی گونزاگیو امیر نیویرو رتل شہزادہ کلو نواب منتونے (Charles II de Gongague, Duke of Nevers + Rethel Prince of Cleves, Duke of Mantua) شہنشاہان بائی زنطہ کے وارث ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس دعوے کی اصلیت یہ تھی کہ اس کی نانی مارگرٹ پالیلوگ مارکونس ڈی مون فرائبڈھے شہنشاہ انڈرونیکس پالیلوگ کی خاص نسل سے تھی۔ امیر نیویر نے ۱۶۱۲ء سے ہی مین کے خود مختار پہاڑی باشندوں سے سمجھوتا کر لیا تھا جس کی رو سے مورہ کو بغاوت پر آمادہ کرنے کی تجویز طے ہوئی تھی۔ لیکن چارلس کا ارادہ صرف مورہ پر قابض ہونے کی حد تک ہی نہ تھا بلکہ وہ چاہتا تھا کہ مشرقی سلطنت بھی حاصل کرلے۔ جب اس کو اطمینان ہو گیا کہ شہنشاہ جرمنی اور شاہ ہسپانیہ جنگ میں اس کو مدد دیں گے تو وہ بلقان کے مسیحی علاقے میں اپنے مقاصد کی اشاعت کے لیے چلا گیا صربستان، خروات و لایتی، ڈلمیشیا، ارناوطلۂ اور مقدونیہ میں اس نے خصوصیت کے ساتھ کوشش کی۔ ایک طریقے سے یہ چارلس ہشتم کے منصوبے کی دوسری اشاعت تھی جو ہنوز زیر غور تھا۔ ۸ ستمبر ۱۶۱۴ء کو کوچی کے کیتھولک قبیلے کے ارناوطی علاقے میں ایک مجلس ارناوطلۂ اعلیٰ ہرزیگونیا، بوسنہ، صربستان، اور ڈلمیشیا کے خاص خاص سرداروں کی منعقد ہوئی۔ صربستان، کا رئیس پادری اور چند بڑے پادری موجود تھے۔ حسب ذیل تجاویز پر تصفیہ ہوا۔

جبل اسود اور جبال خمیرہ کے خود مختار قبیلوں تک گولہ بارود اور اسلحہ وسیع پیمانے پر پہنچائے جائیں۔ اور پھر وہاں سے قبائل دوجن (مرڈیٹیس)، پائیری کوچی سیلمنٹی اور بائلو پاوٹی میں تقسیم کیے جائیں۔ یہ قبائل صربستان، ہرزیگونیا، اور مقدونیہ کے صلیبی رضاکاروں کی

مدد سے بیالیس ہزار سپاہ بھیج سکتے تھے جس میں بارہ ہزار سواروں اور تیس ہزار پیادوں کا اندازہ تھا۔ ایک دن مقرر کر لیا گیا تھا جس میں تمام مقامات پر ایک ہی وقت میں بغاوت ہو جانی چاہیئے تھی۔ تاکہ ترکوں کو سنبھلنے کا موقع نہ ملے۔

آٹھ ہزار تین سو خمیر یوطی افلونہ پر حملہ کر کے اس کو فتح کریں۔ قبیلہ مرڈیٹیس اور اس کے ساتھی البانی قبائل کو کردبیا (اق حصار) اور اسقودرہ کی فتح کا کام سپرد کیا گیا تھا۔ اور مانٹینگرو والوں کے ساتھ کیسٹلنورو پر قابض ہونے کی شرط تھی۔ یہ تمام مقامات بغیر لڑے بھڑے فتح ہونے تھے کیونکہ سازشیوں نے پہلے ہی سے عیسائی علاقوں کو ملا رکھا تھا۔ منصوبے کے پہلے حصے کی تکمیل کے بعد ترکوں کی ایک عام مجلس نہیں منعقد ہو سکتی تھی۔ اس وقت تک تمام باغی جماعتوں کے لیے ضروری تھا کہ اسقب میں سلیو والبانی فوج سے مل کے اڈریانوپل پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوں۔ والیان بخدان وافلاق کو اس سازش کی خبر افلاق کے یونانی گرجا کے رئیس پادری سے مل گئی تھی جو صربستان کے لاٹ پادری کا عزیز تھا۔ اور انھوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنی فوج کی معیت میں دریائے ڈینیوب عبور کریں گے تاکہ وہاں سے عیسائی افواج کی سرکردگی میں آگے بڑھیں۔ بغاوت کی تاریخ ماہ اکتوبر میں قرار پائی تھی۔ اس کی وجہ سازشیوں کے دستورالعمل سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ "اس زمانے میں ترک غیر مسلح رہتے ہیں۔ یورپ میں ان کی کوئی فوج ہماری فوجوں کے مقابلے کے لیے نہیں رہتی۔ یہ سچ ہے کہ ایشیا سے ان کی فوجیں آسکتی ہیں لیکن ان کے آتے آتے چھ ماہ گذر جائیں گے۔ ترکوں میں دستور ہے کہ اپنے سپاہیوں کو میدان جنگ میں زمانۂ درو کے قبل نہیں بھیجتے اس لیے ہم کو ہر طرح سے اپنی قوت بڑھانے کے لیے کامل آٹھ ماہ کی مہلت ہے۔"

صرف ان وعدوں کے بھروسے پر امیر نیویر کو مشرق کی جانب پیش قدمی کی جرأت نہیں ہوئی۔ کیتھولک مذہب کے نامی رئیس پادری پیری جوزف کی رائے سے جو عام طور پر "بھورے لاٹ پادری" کے لقب سے مشہور تھا اور پوپ کی رضامندی سے اس نے ایک جماعت تیار کی تھی جس کا نام عیسائی جنگی آدمی تھا۔ یہ جماعت مریم عذرا کی خاص حفاظت میں دی گئی تھی۔ اور اس کا فریضہ یہ تھا کہ صلیبی جنگ میں ترکوں کے مقابلے میں سپاہیوں سے مدد کرے۔ اس کے علاوہ وہ ایک رنگروٹ فوج تیار کر رہا تھا۔ اور ذاتی مصارف سے پانچ جنگی جہازوں کا ایک بیڑا تیار کرا رہا تھا جس میں ساز و سامان اور فوج کی فراہمی بھی شامل تھی۔ پوپ شاہ ہسپانیہ اور بہادران مالطہ نے اس کی آدمیوں اور روپیے سے مدد کی۔ پوپ نے دو لاکھ پاونڈ اور دس مسلح اور مکمل جنگی جہاز مہیا کرنے کا ذمہ لیا۔ یہ جہاز دو ہزار آدمی لیجانے والے تھے۔ شاہ ہسپانیہ نے چھ لاکھ پاونڈ اور بیس جہازوں کا اور بہادران مالطا نے چھ جہازوں کا ذمہ لیا۔ خلاصہ یہ کہ اٹھارہ ہزار چنے ہوئے سپاہی امیر نیورس کی مدد کو آنے والے تھے۔ یہ طے پایا کہ جمعیت مورہ میں خشکی پر اترے اور منوتیوں اور پلیپونیسوں کو جمع کرکے مقدونیہ کی راہ لے۔ امیر کے ایک مصاحب ایم ڈی چینٹو رینا ڈ نے تمام فضی کا سفر کیا۔ فضی کے تمام سرداروں نے ایک سیاسنامہ پر دستخط کئے جو جلیل القدر امیر نیورس پلیلوگس کے حضور میں پیش کیا گیا تھا۔ لیسیڈیمونیا اور ملووٹیزی کے رئیس پادریوں نے پلیلوگس کے جانشین کے لیے وفاداری کا حلف اٹھایا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ایک اور قاصد جین ڈی کلر نامی ارناوطلہ پہنچا تاکہ وہاں ڈورازو کے بڑے لاٹ پادری ایم جیرٹین سے ملے جس نے اس سازش میں ارنا اور جنینہ کے غالی اسقفوں اور ٹرنوود دارالریاست بلغیریا کے اسقف اعظم کو شریک کر لیا تھا۔

فرانس میں عام رائے عثمانیوں کے مقابلے میں جو مہم تجویز کیگئی تھی

اس کی حمایت میں تھی۔ ان کے نزدیک کافروں کی مخالفت میں یہ مقدس جنگ تھی جو بلاشبہ قابل ستائش تھی۔ سواری دے برہ وسابق سفیر ترکی نے ۱۶۱۹ء میں ایک کتاب شایع کی جس کا نام "شاہان عثمانیہ کی سلطنت کو تباہ و برباد کرنے کے یقینی ذرائع پر ایک مختصر رسالہ" تھا پہلی نومبر کی عید پر جوزف پادری نے نیویرنے کلیسا میں پوپ کے کمشنر جنرل کی حیثیت سے صلیبی جنگ پر وعظ کہا۔ اور صلیبی سپاہیوں کے حلف لیے۔ آسٹریا کے دارالسلطنت وائنا میں صلیبی جنگ پر وعظ کیا گیا اور امیر سیکس لائن برگ اور امیر بوکیں اور ریڈزیون امیر لہستان (پولینڈ) نے صلیب اٹھائی اور وہ سرفروش جنھیں امیر نیورس نے جنگ میں بھرتی کیا تھا اب مشرق کی طرف کوچ کرنے والے تھے کہ اس کا بیڑا ایک دم جل گیا۔ اس بلائے ناگہانی سے چارلس دے گون زاگو امیر نیورس کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے۔ (۱۶۲۰ء) اور شاید ترکی معاصر مورخین کے سوا تمام مورخ اس واقعے کی تفصیل کے موقع پر خاموش ہیں۔

جاں نثاروں کی خودسری سے عثمان کو لہستان سے صلح کرنی پڑی تھی۔ اس لیے اس نے اس سرکش رسالے کے تباہ کرنے کی تجویز سوچی۔ اس نے ایک ایسی زبردست فوج تیار کرنے کا ارادہ کیا جس سے یہ باغی سپاہ زیر ہو سکے۔ اس مدعا کے حصول کے لیے اس نے ایشیا میں غیر معمولی دربار منعقد کئے لیکن سلطان کا راز طشت از بام ہو گیا۔ اور استامبولی سپاہ نے بغاوت کر دی۔ جاں نثاروں نے سرائے کو ڈھا دیا۔ بزدل مصطفیٰ کو نکالا اور اس کے تخت و تاج کے مالک ہونے کا اعلان کر دیا بدقسمت عثمان فرار ہو گیا تھا مگر گرفتار ہو کے راستے بھر نشانۂ ملامت بنتا ہوا جاں نثاروں کی چھاونی میں لایا گیا۔ اس نے اپنی طرف سے جلادوں کے دل نرم کرنے کی کوشش کی مگر بے سود۔ اس نے جاں نثاروں سے کہا کہ "تم اپنے بادشاہ سے کیا کرو گے؟ تم سلطنت کو اور اپنے کو دونوں کو تباہ کرو گے۔ اگر میں نے بیوقوفی سے تمھیں ناراض کیا ہے تو مجھے معاف کرو۔ کل میں

تمہارا بادشاہ تھا۔ آج میری ہستی کوئی چیز نہیں۔ مجھ کو دیکھو اور عبرت حاصل کرو۔ تم سب کو بھی اس دنیا کے انقلاب سے ایک نہ ایک دن دوچار ہونا پڑے گا۔" یہ منت سماجت بیکار تھی۔ داؤد پاشا نے جن کو باغی سرداروں نے صدر اعظم بنایا تھا اس بدقسمت بادشاہ کے قتل کا حکم دیا۔ عثمان نے جبہ جی باشی کو گرادیا اور دریچہ کھول کے ان سپاہیوں سے مخاطب ہوا جو میدان میں جمع تھے اور کہا۔" اے میرے بہادر سپاہیو اور اے سب سے بوڑھے جاں نثارو جو میرے باپ کے برابر ہو۔ سنو کہ میں اپنی ناتجربہ کاری سے بُرے مشوروں پر چلا۔ اب تم کیوں مجھے یوں ذلیل کرتے ہو۔ کیا تمھیں اب میری ضرورت نہیں"؟ سپاہیوں نے جواب دیا کہ" نہ تو ہمیں تمھاری ضرورت ہے اور نہ ہم تمھارا خون چاہتے ہیں۔"

مایوس بادشاہ کو" ہفت مینارہ" کے قید خانے میں پہنچایا گیا جہاں داؤد پاشا اور اس کے کیا لفٹنٹ پولیس عمر پاشا، اور قلندر اغنی اور جبہ جی باشی نے اپنے بڑے عہدوں کو جلاد کی ذلیل خدمت میں تبدیل کردیا۔ بادشاہ اور ان چار قاتلوں کے درمیان سخت لڑائی ہوئی۔ شاہ عثمان جس کی نوجوانی کی طاقت مایوسی کی وجہ سے المضاعف ہو گئی تھی بہت دیر تک مقابلہ کرتا رہا۔ جب وہ کسی طرح بس میں نہ آیا تو ایک قاتل نے اس پر پیچھے سے آکے وار کیا۔ اور مار ڈالا۔

یہ بادشاہ کشی کی پہلی مثال تھی جس سے عثمانی قوم کے ہاتھ آلودہ ہوئے تھے۔

مصطفیٰ اول۔ مراد چہارم (۱۶۲۳ء۔۱۶۴۰ء)

سلطنت کی نئی تنظیم

مصطفیٰ تخت پر بیٹھا ہی تھا کہ سپاہی اپنے کئے پر متاسف ہوئے۔

مصطفیٰ کی تخت نشینی کے دو روز بعد انھوں نے داؤد پاشا کو گھیر لیا اور کہا کہ "تم نے عثمان کو کیوں قتل کیا۔ ہم نے تو اسے صرف تمھاری تحویل میں دیا تھا۔ صدر اعظم نے جواب دیا کہ میں نے ان کو شاہ عالم پناہ غازی سلطان مصطفیٰ کے حکم سے قتل کیا۔

بیس روز کے بعد داؤد پاشا کو فوج نے نکال دیا۔ سپاہیوں کا کھلونا یعنے مصطفیٰ جس کی دیوانگی اپنی آخری حد تک پہنچ گئی تھی برائے نام بادشاہ تھا۔ سپاہی جو چاہتے اس سے حکم لے لیتے تھے۔ اس کی حکومت کو پندرہ ماہ ہوئے تھے مگر اس مدت میں فوج نے چھ صدر اعظم مقرر اور چھ صدر اعظم معزول کئے۔ ان میں سے بعض ایسے تھے جنھوں نے رشوت دے کے یہ جلیل القدر عہدہ خریدا تھا۔ سپاہیوں اور جان نثاروں کی یہ حالت تھی کہ دار الخلافت ان کے مظالم سے کانپ رہا تھا۔ اہم ترین اور اعلیٰ عہدے نیلام ہو رہے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صوبوں نے بغاوت کر دی۔

طرابلوس الشام کے حاکم نے جان نثاروں کو اپنے صوبے سے نکال دیا اور اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ ارض روم کے گورنر ابازا پاشا نے ہتیار اٹھائے اور اعلان کیا کہ ہم قتل عثمان کا بدلہ لیں گے۔ جن پولاد اور قلندر اغلی کی رہی سہی فوج جمع کرکے وہ انگورہ اور سیوا کی طرف روانہ ہوا۔ جان نثاروں کی جتنی جائدادیں ملیں اس نے ضبط کر لیں۔ اور جو جان نثار اس کے ہاتھ لگا اس کو سخت مصیبتوں سے مارا۔ سیواز کا حاکم اور قرہ شہری سنجک بے دونوں قتل عثمان کے دعوے میں اس کے ساتھ ہو گئے۔ تین ماہ کے محاصرے کے بعد بروزا فتح ہوا۔ اور اب صرف قلعہ ہی باقی رہ گیا تھا۔

قسطنطنیہ میں شورش روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ علما نے ایک مخالف انقلاب سے فوج کا زور توڑنے کی کوشش کی لیکن جان نثاران پر غالب آ گئے۔ آخر غارتگری سے تنگ آ گئے جرائم سے

بیزار ہوکے، اور بدامنی سے تھک کے سپاہیوں نے ریاقیق علی پاشا کو صدر اعظم بنالیا۔ نئے صدر اعظم نے مصطفیٰ کو معزول کرنے اور عثمان کے چھوٹے بھائی مراد کو تخت پر بٹھانے کا مشورہ دیا۔ جاں نثاروں نے اس تجویز کی تعریف کی۔ مصطفیٰ کا عزل عمل میں آیا اور مراد رابع کی بادشاہی کا اعلان کیا گیا۔

مراد کی عمر اس وقت بارہ سال کی تھی۔ سپاہی کم سن سمجھ کے اس کو خاطر میں نہیں لائے۔ اور خوف سزا سے بے پروا ہوکے انھوں نے اپنی دست درازیوں اور بدعنوانیوں کو جاری رکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مراد کی ابتدائی دہ سالہ حکومت میں سپاہیوں اور جاں نثاروں نے اس کے نام سے سلطنت میں اندھیر مچا رکھا تھا۔ اور اس مدت میں ایران اپنا دائرۂ فتوح بڑھاتا چلا جارہا تھا۔

بغداد کے لفٹننٹ پولیس بکر آغا نے والی بغداد کو شکست دی اور اس کا کام تمام کرکے خود وہاں کا والی بن بیٹھا۔ حافظ پاشا نے بکر کو شکست دی اور بغداد کا محاصرہ کرلیا۔ بکر نے شاہ عباس سے امداد طلب کی اور خود بغداد اس کے حوالے کرنے کا وعدہ کیا۔ شاہ عباس تو چاہتا ہی یہی تھا۔ اسے یہ خداداد موقع مل گیا۔ فوراً اس نے صفی قلی خاں کو بغداد کی کنجیاں قبضے میں کرنے کے لیے روانہ کیا۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ بکر نے عثمانی جنرل سے مصالحت کرلی جس نے بغداد کو ایرانیوں کے دست تغلب سے بچانے کے لیے باغی کو ہی اس کے غصب کردہ عہدے پر بحال رکھا۔ شاہ عباس نے بہت جلد بغداد پر حملہ کیا جو تین ماہ کے محاصرے کے بعد دغابازی سے فتح ہوگیا۔ بیٹے نے دغابازی کی اور باپ کو اس شرط سے حوالے کردیا کہ خود اس کو بغداد کا گورنر بنایا جائے گا۔ سنیوں پر خوفناک مظالم توڑے گئے۔ بغداد کے منصف نوذی افندی اور جامع مسجد کے واعظ عمر افندی دونوں کو پھانسی دی گئی۔ بکر پاشا کو سات دن تک تکلیفیں دی گئیں۔

اس کے بعد گرم گرم رال سے تمام جسم لیپ کے کشتی میں بٹھا دیا گیا اور کشتی دریا میں چھوڑ دی گئی۔ بیٹے کا شاہ عباس کے حکم سے سر اڑا دیا گیا۔ کیونکہ وہ باپ کی بیقراری اور آہ و زاری کو گلاس ہاتھ میں لیے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اور اس کی یہ خلاف انسانیت حرکت بادشاہ کو سخت ناگوار گزری تھی۔

صدر اعظم بغداد کے ہاتھ سے نکل جانے کو نوجوان بادشاہ سے چھپانا چاہتا تھا۔ مفتی اسد افندی اور قیذلر آغا کی سازشوں سے وہ بادشاہ کی نظر میں باغی ٹھیرا اور اس کی صدارت کا خاتمہ ہو گیا۔ کانکش علی پاشا کو پھانسی دیگئی۔ اور اس کی جگہ پر چرکس محمد کا تقرر عمل میں آیا۔ اس کے سوا چرکس محمد کو اس فوج کی سپہ سالاری کا بھی حکم ہوا جو ابازا سے لڑ رہی تھی۔ باغی سردار نے جاں نثاروں سے قتل عثمان کا نہایت سفاکی سے بدلہ لیا۔ سیواز میں روشن فتیلوں سے ان کے کندھے جلائے اور انھیں پھانسی دی۔ لیونڈس اور سیمنس نے سپاہیوں کو قتل کیا۔ ترکمانوں کی بغاوت اور حافظ پاشا سے شکست کھانے کے بعد ابازا ارض روم چلا گیا (۲۶ مئی ۱۶۲۴ء) ابازا سے کسی طرح نجات ملنی مشکل تھی اس لیے حافظ پاشا نے اس کو اپنی جگہ پر اس خاص شرط کے ساتھ بحال رکھا کہ وہ جاں نثاروں کا ایک رسالہ سیواز میں متعین رکھے۔

اس کامیابی کے صلے میں محمد کے انتقال کے بعد حافظ پاشا صدر اعظم بنایا گیا۔ (۱۶۲۴ء)۔ موسم خزاں کے اوائل میں وہ بغداد روانہ ہوا (۱۶۲۶ء) اور اس کا محاصرہ کیا محصورین کی جانباز مقاومت سے عثمانیوں کے حوصلے پست ہو گئے اور جان نثاروں کی بغاوت سے تنگ آ کے صدر اعظم کو محاصرے سے دست کش ہونا اور موصل کی طرف پلٹنا پڑا۔ موصل سے دیار بکر تک کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرا جس میں لڑائی نہ ہوئی ہو۔ عثمانی فوج کے ہر دس آدمیوں میں سے ایک آدمی کام آیا۔ اس پر رسد کی کمی

مزید براں۔ صدر اعظم کی شجاعت قابلیت اور ہمت نے عثمانی افواج کو اس مصیبت سے نجات دلائی۔ لیکن جاں نثاروں کی ایک نئی بغاوت سے حافظ پاشا کی صدارت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور خلیل پاشا صدر اعظم بنائے گئے۔

نئے صدر اعظم نے صدارت حاصل کرتے ہی اباز اپاشا کو حکم دیا کہ وہ فرودگاہ صدارت میں پھر چلے آئیں مگر چونکہ اباز انے صدر اعظم کی مراسلت میں رخنہ اندازی کی تھی اس لیے اس کو اپنے سر کی خیر نظر نہ آئی۔ بغیر کسی پس و پیش کے اس نے جاں نثاروں پر حملہ کر دیا اور ایک دم ان پر ٹوٹ پڑا اور ان سب کو قتل کر کے نئے سرے سے بغاوت کا علم بلند کر دیا۔ حسین پاشا کو شکست ہوئی اور وہ ارض روم کی گھاٹیوں میں مارا گیا۔ خلیل پاشا نے چھ ماہ تک ارض روم کا محاصرہ کیا لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی اور آخر اس کو محاصرہ اٹھانا پڑا (نومبر ۱۶۲۷ء) خلیل پاشا کا جانشین خوش رو پاشا زیادہ خوش قسمت تھا کیونکہ نامور باغی نے اسی کے عہد وزارت میں اطاعت قبول کر لی سلطان نے اطاعت کے بعد اباز اکو بوسنہ کی گورنری دیدی (۱۶۲۹ء)

ادھر خانہ جنگی سے سلطنت تباہ ہو رہی تھی اور ادھر قسطنطنیہ میں فوج کی شورہ پشتی بڑھتی جا رہی تھی۔ ہر ہنگامے پر سلطنت کے سب سے زیادہ وفادار خادم کا سر باغیوں کی نذر کرنا پڑتا تھا تاکہ فتنہ فرو کیا جائے۔ شاہ عباس کی موت سے عثمانی فتوح میں کوئی مشکل باقی نہ رہی تھی کیونکہ شاہ عباس خاندان صفی کا سب سے بڑا ایرانی بادشاہ تھا۔ اس کا جانشین سن مرزا نوجوان اور نا تجربہ کار تھا۔ خوشرو پاشا نے ان معرکوں کو خود اپنے ذمے لیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ دجلے اور فرات کی طغیانی کے سبب الجزیرہ میں سیلاب آگیا تھا۔ فوج میدان جنگ میں جانے سے ناراض تھی۔ راہ میں بے حد صعوبتیں اٹھانی پڑی تھیں باایں ہمہ ۱۶۔ جون ۱۶۳۰ء میں وہ ہمدان پہنچا۔ تین پئے در پئے

فتوح سے بغداد کا راستہ کھل گیا۔ اور ستمبر ۱۶۳۰ء حملے کا آغاز ہوا۔ گورنر صفی قلی خاں نے سر توڑ مقاومت کی۔ اور ایک ناکام سرسری حملے کی بدولت صدر اعظم کو موصل کی طرف پسپا ہونا پڑا۔ (۴۱) نومبر ۱۶۳۰ء) دوسرے سال اس کا ارادہ دوبارہ حملے کا تھا۔ لیکن فوج میں بغاوت ہوگئی اور اس لیے کوشش سے ہاتھ دھونا پڑا۔ اس نے جاڑے کا زمانہ حلب میں گزارا۔

سلطان نے سابق صدر اعظم حافظ پاشا کو مجبوراً معزول کیا تھا۔ اب جو انھوں نے ملک کی یہ حالت دیکھی تو حافظ پاشا کو اپنے سابقہ عہدے پر پھر مامور کر دیا جس پر وہ قابلیت کے ساتھ کارگزار تھے۔

جب فوج کو خوشرو پاشا کی معزولی کا حال معلوم ہوا تو اس نے خوشرو کی شہہ پر بغاوت کا علم بلند کیا اور تحکمانہ طریقے پر اپنے جنرل کے صدارت عظمیٰ پر بحال کیے جانے کا مطالبہ کیا۔ سپاہیوں کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے سلطان نے انھیں اپنے اپنے گھر واپس جانے کی اجازت دی۔ لیکن اس سلطانی حکم سے ان کی بغاوت اور خودسری میں اور اضافہ ہوگیا۔ ۶ فبروری ۱۶۳۲ء میں فوجیں قسطنطنیہ پہنچیں۔ یہاں ان کا ورود ایک بغاوت عظیم کا پیش خیمہ تھا۔ سرائے پر باغی گروہ نے حملہ کر دیا۔ اور حافظ پاشا کے سر کا بیک آواز مطالبہ کیا۔ انھیں تاسف انگیز حالات کا ایک بار اور اعادہ ہوا جو معزولی عثمان کے ساتھ پیش آئے تھے۔ سلطان نے جب یہ حالت دیکھی تو اندر کے کمرے کھولنے اور صرف دو سپاہیوں اور دو جاں نثاروں کے اندر آنے کی اجازت دی۔ سلطان نے ان کو اپنے مجرمانہ منصوبوں سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن یہ بے سود تھی۔ حافظ پاشا نے اپنی جان اپنے سلطان پر قربان کر دی۔ اور آپ کو جلادوں کے سپرد کر دیا جنھوں نے ان کا خنجر سے کام تمام کر دیا۔ شریف بڈھا قتل ہونے کو ہو گیا مگر یہ خون بیگناہ رنگ لانے والا تھا۔ سلطان کو اس واقعے سے نہایت ملال ہوا۔

نہایت غضب کے ساتھ اس نے کہا "بدذات قاتلو۔ تمھیں نہ تو خدا کا خوف ہے نہ اس کے رسول کا۔ خدا نے چاہا تو تم اس کے بدلے میں ایک روز سخت عذاب میں گرفتار ہو گے" (۶۔ فبروری ۱۶۳۲ء)

خوشرو پاشا پہلی بھینٹ تھا جو حافظ پر چڑھائی گئی۔ سلطان نے ایک فرمان کے ذریعے سے اس کی پھانسی کا حکم دیا۔ ایک ماہ کے بعد ایک نئی بغاوت رجب پاشا کے اشارے سے رونما ہوئی۔ جان نثاروں کا آغا، ایک دفتردار اور سلطان کا ایک اور مقرب خاص تینوں اس بغاوت میں کام آئے۔ باغیوں نے مراد کی معزولی کا بھی اعلان کر دیا۔ ایسے پرخطر موقع پر نوجوان بادشاہ کی قوت موجزن ہوئی۔ رجب پاشا اس کے حکم سے اس کے روبرو قتل کیا گیا۔ گورے خواجہ سراؤں نے اس کی لاش باغیوں کی طرف پھینکدی۔ سرغنہ جب مر گیا تو بلوائی بھی منتشر ہو گئے (۱۸۔ مئی ۱۶۳۲ء)

اس ساعت سے مراد رابع کی اصلی بادشاہی شروع ہوئی۔ اناطولیا کے قاضی عسکر نے اس سے کہا تھا کہ "میرے بادشاہ برائیوں کا خاص علاج تلوار ہے۔" اس نے یہ مشورہ یاد رکھا اور اس پر عمل پیرا ہو اتھا۔ جاں نثاروں اور سپاہیوں نے وفاداری کا حلف اٹھایا سلطان نے منتظموں، امینوں، محصلوں اور منشیوں کی خدمت پر سپاہیوں کا حق عود توڑ دیا۔ احمد پاشا سیمنس اور سپاہیوں کا جنرل تھا۔ جب اس نے اس آخری بغاوت کے سرغنوں کی نشان دہی سے انکار کر دیا تو مراد نے فوراً اس کا اور اس کے ساتھ چار مشتبہ سرغنوں کا سر اڑوا دیا۔ آخر یہ زبردست تدبیریں خالی نہ گئیں۔ باغیوں کا زور ٹوٹ گیا۔ اور بغاوت کی آگ بالکل دب گئی۔

سلطان نے ان سب کو جن پر بغاوت میں شریک رہنے کا گمان تھا، چن چن کے مارا۔ پھر تو یہ حالت تھی کہ فوج میں اضطراب پھیل گیا۔ اس سخت اور بے رحم انصاف کے ہاتھوں کوئی نہ بچا۔ نائکومیڈیا کے

قاضی کو پھانسی دی گئی جس کی وجہ یہ تھی کہ نائسیا کے اطراف کے راستے بالکل خراب حالت میں تھے۔ مفتی نے بیچ بچاؤ کی کوشش کی اور سلطان کو مطلع بھی کیا کہ اس کی یہ حرکت آئین سیاست کے خلاف ہے۔ علما میں اس کی طرف سے نفرت پھیل جائے گی۔ اس بے باکانہ دلیرانہ اظہار کے جواب میں مفتی کا سر اڑا دیا گیا (۱۶۳۳ء)

دیگر صوبوں میں بھی ایسے ہی تشدد اور ایسی ہی قوت نے باغیوں کو خبردار کر دیا کہ بد امنی کا زمانہ گزر گیا۔

تیس سال سے جبل لبنان کے دروز باشندے امیر فخر الدین ابن معن کے زیر اثر خود مختار چلے آ رہے تھے۔ امیر فخر الدین ابن معن کے متعلق عیسائی ہونے کا گمان تھا۔ بظاہر اس نے یوروپین لباس اختیار کر لیا تھا۔ کئی یوروپین سلطنتوں سے اس نے معاہدے کئے تھے۔ اور خود فلارنس کا سفر کیا تھا تاکہ ان سیاسی معاہدات کو اپنی موجودگی سے اور مستحکم کر دے۔ مراد نے گورنر دمشق الشام کو جبل لبنان فتح کرنے کا فرمان بھیجا۔ اول اول تو میدان دروزیوں کے ہاتھ رہا لیکن بہت جلد فخر الدین کو سغد میں شکست ہوئی۔ اور اس کو جبل لبنان نوف کے غاروں میں پناہ لینے کے لیے بھاگنا پڑا۔ وہ اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ مقید ہو کے قسطنطنیہ پہنچا۔ سلطان ان کے ساتھ اخلاق سے پیش آیا۔ لیکن جب چند ماہ کے بعد یہ خبر آئی کہ فخر الدین کے پوتے ملہم نے حاکم دمشق کی فوج کو شکست دی اور سور، بیروت، اور عکہ کو لوٹ لیا تو فخر الدین قتل کیا گیا اور اس کے بڑے بیٹے کو پھانسی دیدی گئی (۱۶۳۵ء)

فخر الدین کی اولاد جبل لبنان میں اور ایک صدی تک حکمران رہی۔ جب اس نامی امیر کے خاندان کا آخری چراغ بھی گل ہو گیا تو لبنان کی بادشاہی خاندان شہاب میں چلی گئی۔ یہ خاندان ابتداً مکہ سے آیا تھا۔ اور اس کا نامور فرد امیر بشیر تھا۔

جب فوجی بد عملی کا خاتمہ ہو گیا تو عثمانی فتوح شروع ہوئے۔ مراد نے

بنفس نفیس فوج کی قیادت کی۔ اور اپنی خاص نگرانی میں جنگ ایران کا اہتمام کیا۔ اسقودار سے اریوان تک اس کی سزاؤں کا سلسلہ برابر جاری رہا جس سے ہر طرف اس کا خوف چھا گیا تھا۔ آٹھ دن کے محاصرے کے بعد اریوان نے اپنے دروازے کھول دیئے۔ گورنر امیرگن خاں نے روپئے کے لالچ میں آکر گڑھی دیدی جو اسے تفویض کی گئی تھی (اگست ۱۶۳۵ء) اریوان کی فتح کے بعد مراد نے دو چاؤشوں کو بظاہر شہر کی روشنی کے اہتمام پر بھیجا۔ لیکن مخفی یہ حکم دیا تھا کہ وہ اس کے دو بھائیوں بایزید اور سلیمان کو قتل کر ڈالیں [1]۔ فاتحانہ پیش قدمی کے ساتھ عثمانی عساکر نے ارکزس سے کوچ کیا اور تبریز فتح کر لیا جو فتح کے بعد جلا دیا گیا (ستمبر ۱۶۳۵ء) سلطان پھر قسطنطنیہ واپس آیا تاکہ جنگ کی کلفت سے آرام لے۔ ایرانیوں نے بہت جلد حملہ کر کے اریوان واپس لے لیا۔ اور رستم خاں نے عثمانیوں کو وادئ مہربان میں شکست فاش دی (۱۶۳۶ء) اپنی مدافعت کے استحکام اور فیصلہ کن معرکے کے لیے مراد نے بغداد پر حملے کا تہیہ کیا۔ ۱۵ر نومبر ۱۶۳۸ء کو محاصرہ شروع ہوا۔ اس کی فوجوں نے جب دیکھا کہ وہ خود معمولی سپاہی کی وردی میں خندقوں میں ان کے ساتھ کام کر رہا ہے تو ان میں بے حد جوش پھیل گیا۔ محاصرے کا کام بہت مضبوطی اور تیزی کے ساتھ آگے بڑھا۔ ۲۴ر دسمبر کو درّہ آنے جانے کے قابل ہو گیا۔ صدر اعظم طاہر محمد پاشا جب حملے کے لیے سوار ہو کر آگے بڑھے تو ان کے سر میں ایک گولی لگی۔ قپودن پاشا نے ان کی کمان لی۔ اڑتالیس گھنٹے کی گھمسان کی لڑائی کے بعد شہر فتح ہو گیا۔ بغداد پر پھر عثمانی تسلط قائم ہو گیا اور اب کی ایسا قائم ہوا کہ پھر ہمیشہ قائم رہا۔ ۱۹ر ستمبر ۱۶۳۹ء کو صلحنامہ پر دستخط ہوئے۔ اس صلح سے ایرانیوں نے بغداد حوالے کر دیا اور اریوان واپس لے لیا۔

[1] ۔ ریس کی ٹریجڈی "باجازت" کی بنیاد اسی واقعے پر ہے۔

اس جنگ سے سلطان کی بہت شہرت ہو گئی۔ لیکن سلطنت کو کوئی فائدہ نہ ہوا۔ "ایران کا سرحدی علاقہ سلطان المعظم کے لیے ایسا ہی ہے جیسا شاہ ہسپانیہ کے لیے فلانڈرس یا بندقیوں کے لیے جزیرۂ اکریت۔ خرچ بہت ہے اور محاصل کم۔ اور ایک بات اس فتح میں ترکوں کو ایسی پیش آئی جو کسی دوسری فتح میں نہ آئی تھی۔ وہ یہ کہ وہ کسی صورت سے تماری اور رعیت کا اصول نہیں قائم کر سکتے تھے تاکہ وقت ضرورت ملک کی حفاظت کے لیے فوج تیار ہو سکے یا جنگی آدمی شاہی افواج میں بھرتی ہو سکیں[1]

مراد اپنی پوری جوانی پر تھا۔ اور امید تھی کہ اس کی سلطنت سلیمان کی سلطنت کے مثل شاندار ہو گی کہ قسمت سے پیام اجل آپہنچا۔ آخری لڑائی کے بعد سے اس کو عرق النسا کی شکایت ہو گئی تھی۔ ڈاکٹروں نے اس کو بہت احتیاط برتنے کی تاکید کی تھی جب اس کو اپنی صحت کا یقین ہو گیا تو غسل صحت میں اس نے ایک جشن شب مرتب کیا۔ ایک ترکی مورخ لکھتا ہے۔ "سلطان المعظم بنت العنب سے کچھ مدت تک الگ رہے تھے اور کئی ماہ سے صبوحی کے گلاس میں اپنی صورت نہ دیکھی تھی۔ اور صبوحی وہ تھی جو کئی سال سے بزم سلطانی میں ناغہ نہ ہوئی تھی۔ خدا نے چاہا کہ پھر طلسم کے گلاس میں صبح کی شراب جلوہ افروز ہو اور پھر شاہ اپنے لب لعلیں سے گلاس کا بوسہ لیں جس میں مئے احمر چھلک رہی تھی۔"

اس عیاشی کے نتائج بہت جلد ظاہر ہوئے۔ سلطان کی زندگی چند دن کی تھی۔ مرتے دم تک اس کی قوت اور غصہ کم نہ ہوا۔ اس نے ڈاکٹروں کو دھمکایا کہ اگر وہ اس کو اچھا نہ کریں گے تو انھیں سخت سزا دے گا۔ اور جب وہ موت کے پنجے میں گرفتار تھا اور اس پر سکرات

[1] بندقیوں کے تعلقات۔ بحوالہ رانکی۔

کی حالت طاری تھی) تو اس نے اپنے بھائی ابراہیم کے قتل کا حکم دیا۔ والدۂ سلطانہ نے قتل روکدیا لیکن اس جاں بلب سفاک سے کہدیا گیا کہ اس کے حکم کی تعمیل کردی گئی۔ آخر ۹۔ فروری ۱۶۴۰ئہ میں مراد نے انتیس سال کی عمر میں قضا کی۔

اس کے عہد میں سلطنت عثمانیہ اپنے پچھلے عروج پر آگئی تھی۔ اس نے بہت سی خرابیوں کا ازالہ کردیا تھا۔ مالگزاری میں اضافہ کیا تھا۔ اور فوج میں نئی روح پھونکدی تھی۔ اس کی انتہائی سخت گیری سے باغی سپاہ رام ہو گئی اور ملک خطرات سے مامون ہو گیا تھا۔ اس نے امرا کو ان کے فرائض کی طرف متوجہ کیا اور انھیں جبری زر اندوزیوں اور غارتگری سے روکا۔ لیکن اس سخت گیری نے اس میں ایک دیوانہ پن پیدا کردیا تھا۔

جب وہ دن کو نکلتا تو جاں نثاروں کی سپاہ لوگوں کو لکڑیوں اور پتھروں سے منتشر کرتی۔ رات کو بعض اوقات وہ اپنے محل سے نکلتا۔ اور ہاتھ میں تیغہ لیے ہوئے بازاروں میں پھرتا تھا۔ اور جو کوئی اس کو ملتا وہ مار ڈالتا تھا۔ اس شخص کے لیے قتل اجرائے کار کا ذریعہ نہ تھا بلکہ ایک کھیل تھا۔ خون دیکھ کے وہ ایسا ہی مست ہو جاتا جیسا شراب پی کے۔ وہ جس قدر خون کا پیاسا تھا اتنا ہی زر کا بھی دلدادہ تھا۔ "ہر شخص خود کو غریب ظاہر کرنے کی کوشش کرتا تھا اور سونے چاندی کی چیزیں رکھنے یا بھاری کپڑے پہننے سے پرہیز کرتا تھا۔ رقم پوشیدہ رکھی جاتی تھی تاکہ اسے دیکھ کے بادشاہ کے تقاضائے زر اور خون طلبی کے جذبات میں ہیجان پیدا نہ ہو۔ مراد نے بس ایسی سلطنت کی۔ بلاشبہ اس نے اپنی جان محفوظ اور اپنا خزانہ معمور رکھا۔ اور اطمینان سے اپنے بستر پر جان دی۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ جس دہشت سے اس نے اپنی سلامتی حاصل کی تھی اس دہشت سے سلطنت کی قوتیں مفلوج ہو گئی تھیں۔ اور جس تیغ سے اس کو روپیہ حاصل ہوا تھا اسی تیغ سے

ایسے آدمی ضائع ہوئے جو دنیائے مسیحی میں ہلچل ڈالنے والے تھے؛[1]

ابراہیم اول (۱۶۴۰ء۔ ۱۶۴۸ء) جنگ اکریت

محمد رابع (۱۶۴۸ء) فوجی بغاوتیں

مراد کے اولاد نہ تھی اس لیے اس کا بھائی ابراہیم جو خاندان عثمان کا آخری چشم وچراغ تھا تخت پر بیٹھا۔ مراد کی تقلید کرتے ہوئے وہ نمسا (آسٹریا) کو قابو میں لایا۔ اور راکسنری والئ ٹرانسلوینیا کو بھی حکم دیا کہ وہ شہنشاہ کی مخالفت سے باز آئے اور ٹارسٹنسن سے جو اتحاد ہوا تھا اسے توڑ ڈالے۔

محل کی ایک سازش جمہوریت بندقیہ کے مقابلے میں عثمانیوں نے ہتھیار اٹھائے۔ قیذلر آغا سیمبلا نامی کے حرم میں ایک نوجوان خوبصورت لونڈی تھی جو حاملہ تھی۔ ابراہیم کے بیٹے شہزادہ محمد کی دایہ گری پر اس کو مقرر کیا گیا۔ سلطان کو لونڈی سے محبت ہوگئی تھی اور وہ اس کے بیٹے کو اپنے بڑے بیٹے سے زیادہ چاہتا تھا۔ خاصکی کے جلاپے سے بڑا جھگڑا ہوا۔ ابراہیم نے غصے میں اپنے بیٹے کی جان ہی لے لی تھی۔ قیذلر آغا خواص کے خوف غضب سے حج کا بہانہ کرکے قسطنطنیہ سے چلا گیا۔ اور اپنے ساتھ اس لونڈی اور بچے کو بھی لیتا گیا۔ سیمبلا کے جہاز کے بیڑے پر بہادران مالٹا نے حملہ کر دیا۔ قیذلر آغا نے لڑ بھڑ کے جان دی جب اس کا جہاز فاتحین کے ہاتھ لگا تو بہادران مالٹا نے یقین کر لیا کہ یہ لڑکا ولیعہد سلطنت ہے اس لیے انھوں نے اس کو نہایت احترام کے ساتھ رکھا جب انھیں اپنی غلطی کا علم ہوا تو انھوں اس کو عیسائیوں میں ملا لیا اور اس کے لیے راہبانہ زندگی تجویز کی۔ پادری اوٹومنٹو کو

---

[1] بندقیوں کے تعلقات محولہ رانکی۔

یورپ والوں نے ہمیشہ سلطان کا بیٹا سمجھا۔ بہادران مالطا غارتگری کے بعد مال غنیمت کے ساتھ اکریت پہنچے۔ یہاں کے حاکم نے بیوقوفی سے ان کو اتار لیا۔ یہ خبر سنتے ہی ابراہیم غصے میں آپے سے باہر ہو گیا۔ اس نے حکم دیا کہ ملک میں جتنے عیسائی ہیں سب قتل کر دیئے جائیں۔

مفتی کی جرأت آمیز مخالفت سے اس حکم کی تعمیل نہ ہوئی۔ سلطان نے پھر خواہش کی کہ ملک کے تمام یورپین باشندے تہ تیغ کئے جائیں۔ وزیروں کی صلاح پر پھر اس نے حکم دیا کہ صرف کیتھولک مذہب کے پادری مارے جائیں۔ بڑی مشکل سے مشیران سلطنت نے بادشاہ کے اس حکم کو منسوخ کرایا۔ عیسائی سفرا اپنے اپنے مکانوں میں قید کر دیئے گئے۔ سلطان نے کہا کہ اس حملے کے ذمہ دار وہی ہیں۔ انگلستان، وینس، اور ہالینڈ کے سفیروں نے شاہ کی حضور میں درخواست پیش کی کہ بہادران مالطا میں کوئی بھی ان کا ہم وطن نہیں ہے بلکہ ان کے جتھے میں سب فرانسیسی ہیں۔

اب سلطان کے غصے کے بادل فرانس پر برسنے والے تھے کہ صدر اعظم نے اپنے مالک کو اکریت فتح کرنے کا مشورہ دیا۔ یہی ایک ایسا علاقہ تھا جو یونانی مقبوضات سے بندقیوں کے قبضے میں باقی رہ گیا تھا۔

۲۴۔ جون ۱۶۴۵ء کو تین سو اڑتالیس جہاز کے ایک بیڑے نے پانچ ہزار آدمیوں کو بغیر اعلان جنگ قانہ پر اتارا۔ قانہ بغیر کسی لڑائی کے فتح ہو گیا۔ بندقی بیڑا جو شہر کو بچانے کے لیے بھیجا گیا تھا وقت پر نہ پہنچا۔ قانہ عثمانیوں نے فتح کر لیا تھا اس لیے بندقیوں نے پیرٹس، کورن، اور موڈن کو جلا کے اس کی بھڑاس نکالی، اور وہاں انھوں نے پانچ ہزار آدمی اسیر کر لیے۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر ایک بار اور مفتی ابوسعید جن کی بددعا سے سلطان خوف کھاتا تھا، اس موقع پر جرأت و ہمت سے کام نہ لیتے تو اس غارتگری کی پاداش میں تمام عیسائی قتل کر دیئے جاتے۔

ان غلط فہمیوں کے باوجود جو عثمانی جنرلوں میں تھی بلاد کسانو، اپوکورونو، اور ریتیھو ان کے قبضے میں آ گئے (۱۶۴۶ء)

ترکوں نے پھر جزیرۂ قندیہ کے دارالحکومت قندیہ پر حملہ کیا لیکن ناکام رہے[1] عیاشی کے ساتھ ساتھ ابراہیم میں بے انتہا اسراف تھا۔ سلطان کی منظور نظر بیگمات سلطنت کی تمام مالگزاری ہضم کر رہی تھیں تمام عہدے ان کے اختیار میں تھے۔ جسے چاہتیں مقرر کر دیتیں۔ ان ناروا من مانی خواہشوں کو اگر ذرا بھی روکا جاتا تو سلطان آگ بگولا ہو جاتا۔ بیجا سے بیجا خواہش کی آسودگی ضروری تھی ورنہ نہایت خونریز احکامات صادر ہوتے تھے اور کشتوں کے پشتے لگ جاتے تھے۔

اس مجنونانہ عیش و عشرت اور ان تباہ کن خواہشات اور مظالم سے عام بے چینی پھیل گئی۔ بغاوت کا مادہ جو گذشتہ حکومت میں دبا دیا گیا تھا پھر نمودار ہوا۔ اور یہ پہلے سے زیادہ خطرناک تھا کیونکہ حکومت کی حالت ابتر تھی چنانچہ ایک آخری وحشیانہ حرکت سے پیمانہ چھلک گیا اور لوگ بھڑک اٹھے۔

سلطان نے اپنی ایک لڑکی کی شادی صدر اعظم کے لڑکے سے کی۔ اس شادی سے فائدہ اٹھانے کے لیے اس نے جاں نثاروں کے خاص خاص افسروں کے قتل کا تہیہ کیا۔ جب وہ سلطان کے ارادے سے مطلع ہوئے تو انھوں نے جامع اورطہ میں پناہ لی۔ اور جاں نثاروں اور سپاہیوں کو مسلح ہونے کا حکم دیا۔ علما نے بھی باغیوں کا ساتھ دیا چنانچہ ابراہیم معزول کیا گیا اور اس کا بیٹا محمد اس کا جانشین قرار پایا (۸ ر اگست)

[1] سلطان نے یوسف پاشا کو جو کریٹ میں ترکی افواج کے سپہ سالار تھے قتل کروا دیا کیونکہ اس نے سلطان سے اختلاف کر کے کہا تھا کہ سلطان بحری انتظامات سے واقف نہیں۔

اس انقلاب کو کچھ ہی دن گزرے تھے کہ چھوٹے بچے کی بادشاہی پر بھی سپاہیوں نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ اور اس کے باپ کو تخت پر بحال کر دینے کا مطالبہ کیا۔ یہ مطالبہ معزول سلطان کے حق میں موت کا پروانہ تھا۔ مفتی اور دوسرے حکام نے جنھوں نے ابراہیم کو معزول کیا تھا اس بلا کو سر سے دور کر دینے کا ارادہ کر لیا جس سے ان کی زندگی خطرے میں تھی۔ وہ سب مل کے قرہ علی (حبشی) جلاد کو لے کے سرائے پہنچے (۱۸ اگسٹ ۱۶۴۸ء) ان کو دیکھ کے ابراہیم خوف سے کھڑا ہو گیا اور کہا "کیا تم میں ایسا کوئی بھی نہیں جس نے میرا نمک کھایا ہو اور اب جسے میری حالت پر ترس آئے اور میری مدد کرے۔ اس نے مفتی کی طرف مخاطب ہو کے کہا۔ "عبد الرحیم۔ رحم کر۔ رحم کر یوسف پاشا نے مجھ سے تیرا فیصلہ کر دینے کے لیے کہا تھا۔ میں نے تجھے چھوڑ دیا اور اب تو مجھے مار ڈالنا چاہتا ہے۔ مقدس کتاب کلام اللہ تو نے نہیں پڑھی۔ اس میں ظالم اور ناانصاف کی سخت مذمت ہے۔"

جلاد نے اس منت سماجت کو روک دیا۔ اور دفعتاً بدقسمت سلطان کے گلے میں پھندا ڈالا اور پھانسی دیدی۔ اب نوعمر محمد رابع کا جس کی عمر سات سال کی تھی کوئی مدمقابل خوف کے قابل نہ رہا۔

لیکن اب پھر اس بدامنی کا دور دورہ تھا جس کا مراد نے اپنے فولادی ہاتھوں سے قلع قمع کیا تھا۔ جاں نثاروں نے ایست اوغلانیوں اور سپاہیوں کی بغاوت فرو کی۔ لیکن کم سن سلطان سے اپنی حفاظت کا خاطر خواہ معاوضہ وصول کیا۔ ان کی سرکشی سے حسین پاشا کو اکریت کا محاصرہ اٹھانا پڑا۔ اور دشمن کے مقابلے میں ان کے فرار ہو جانے سے قدیم فوشیا کے قریب عثمانی بیڑے کو شکست ہوئی (۱۶۴۹ء) ان کی اس بزدلی کی سزا صدر اعظم صوفی محمد کو ملی جو معزول کر دیا گیا۔ اس کی جگہ جاں نثاروں کے آغا نے لی۔ اور پھر صوفی محمد کو پھانسی دیدی گئی۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ اناطول خانہ جنگی کا شکار ہو رہا تھا۔ قاطرجی اوغلو نے بغاوت تازہ کی۔ اناطول پاشا کو باغیوں نے شکست دی اور مار ڈالا۔ اس کے بعد وہ قسطنطنیہ روانہ ہوئے۔ صدر اعظم قرہ مراد نے ان کو روکنے کی بے سود کوشش کی۔ اس کو نائسیا میں شکست فاش ہوئی۔ لیکن قاطرجی اوغلی اور گورجی بنی دو بڑے باغی سرداروں میں پھوٹ پڑ گئی۔ گورجی بنی، قاطرجی سے الگ ہو کے اپنا عملدرآمد کرنے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسحاق بے گورنر قیرشہری نے اسے شکست دی اور اس کا سر کاٹ کے سلطان کے پاس روانہ کر دیا۔

قاطرجی خوش قسمت تھا۔ اس نے دیوان کو صلح پر مجبور کیا اور کرمانیا کی گورنری حاصل کر لی۔ (۱۶۴۹ء)

۱۶۵۱ء میں باغی جان نثاروں نے مفتی بھائی کی معزولی اور جلاوطنی کا حکم حاصل کیا جو متعصب سنیوں کے نزدیک تمباکو اور قہوے کی ناجائز اجازت دینے کا جرم تھا۔ تجار پیشہ نے بغاوت کر کے صدر اعظم کو معزول کرایا۔ جاں نثاروں کی ایک تازہ بغاوت جو جدّہ محمد رابع کی اشتعالک سے ہوئی تھی ناکام رہی۔ اس بغاوت سے محمد رابع کی دادی چاہتی تھی کہ نوجوان والدۂ سلطانہ کا زور توڑ دے۔ بڈھی سلطانہ کا اس کے دشمن کے طرفداروں نے خاتمہ کر دیا۔

۱۶۵۱ء سے ۱۶۵۶ء تک حرم کی سازشوں کی بدولت صدر اعظم یکے بعد دیگرے جلد جلد کرسی صدارت پر متمکن اور جاں نثاروں کی خودسریوں سے معزول ہوتے گئے۔ ۱۶۵۶ء میں جان نثاروں اور سپاہیوں نے تنخواہ کی تاخیر سے تنگ آ کے بغاوت کر دی۔ اور تحکمانہ طور پر اراکین کونسل کے قتل کا مطالبہ کیا۔ آت میدان نے اپنی فہرست قتل مشتہر کی اور سلطان کو مجبوراً اس کی اجازت دینا پڑی۔

سلطنت ترکی کی خوش قسمتی تھی کہ آسٹریا تیس سال کی جنگ سے تھک کے خاموش تھا۔ اور مجرستان واپس لینے کا اس کا ارادہ نہ تھا۔ ترکی کو صرف بندقیوں سے جنگ کرنی تھی۔ لیکن اس جنگ میں فتح کی دیوی ترکوں کے خلاف تھی۔ امیر البحر ماسینیگو نے قلعہ چناق کے پاس عثمانی بیڑا تباہ کر دیا۔ اور تندوس، سیموتھریس، اور لیمناس پر قبضہ کر لیا۔ قلعہ چناق کا محاصرہ کیا اور قسطنطنیہ کو بھوکوں مارا۔ ترکی کی یہ حالت تھی جب کہ کوہر ولی محمد پاشا نے صدارت عظمیٰ حاصل کی۔

کوہرولی محمد کی وزارت۔ فرانس اور بابعالی کے تعلقات

نئے صدر اعظم نے اس خاص شرط پر انتظام مملکت اپنے ہاتھ میں لیا کہ ان کے انتظامات میں کوئی مزاحم نہ ہو جس کا والدہ سلطانہ نے باضابطہ وعدہ کیا۔

صدر اعظم کا پہلا کام عدل و انصاف اور انسانیت پر مبنی تھا۔ قتل کا حکم جو سابق صدر اعظم پر صادر ہوا تھا انھوں نے منسوخ کرا دیا۔ اور سلطنت کا نیشا کی مالگزاری اس کے لیے مقرر کر دی۔ اس زبردست دور میں پھر خوش انتظامی اور اطاعت پسندی و امن کا عملدرآمد ہو گیا۔ صدر اعظم نے سپاہیوں کی ایک بغاوت سخت سزاؤں سے فرو کی اور چار ہزار لاشیں دریا میں بہا دیں۔ اسی کے ساتھ یونانی پادریوں کا رئیس بغاوت کے الزام میں سولی پر چڑھا دیا گیا۔ کوہرولی نے عزم کر لیا تھا کہ کسی مجرم کو معاف نہ کرے گو وہ کیسا ہی بڑے سے بڑا شخص ہو۔ بندقیوں کے مقابلے میں فوجی تیاریاں پھر استحکام کے ساتھ شروع ہوئیں۔ عثمانیوں کو درۂ دانیال سے کسی قدر فاصلے پر

بحری شکست ہوئی۔ لیکن بندقیوں نے یہ فتح کچھ آسانی سے حاصل نہیں کی۔ ان کا بہترین جنرل بہادر موسینگو اس جنگ میں مارا گیا (۱۶۵۷ء) اس کے چھ ہفتے بعد کوپرولی نے ٹینیڈ اس اور لیمناس پھر اپنے قبضے میں کر لئے۔

اس مدت میں چارلس گسٹیورس شاہ سویڈن کے سفرا نے لہستان کے خلاف جارحانہ اور مدافعانہ اتحاد کی تجویز پیش کی۔ کوپرولی نے یہ تجویز نامنظور کی اور راکوسزی والی ٹرانسلوینیا کے ایلچیوں کو "سات قلعہ" میں قید کر دیا۔ راکوسزی نے لہستان کے خلاف اہل سویڈن اور کاسکوں سے اتحاد کیا تھا۔ لہسیوں نے راکوسزی کو حاکمان افلاق وبغدان کی مدد کے باوجود شکست دی۔ بابعالی نے راکوسزی اور قسطنطین اول حاکم افلاق دونوں کو معزول کر دیا۔ قسطنطین کی جگہ ایک یونانی لہاریٹنی مقرر کیا گیا۔

اس طریقے سے بیسرابا کے خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔ اس خاندان سے افلاق کو دوسرے درجے کی قابلیت رکھنے والے رئیسوں کے سوا چار یگانہ روزگار افراد ملے تھے جن کے نام حسب ذیل ہیں۔ مارسیا اکبر بانی فوج۔ روڈلف اکبر مصلح فرقہ قسیسان۔ بہادر سوررا اور رفاتح میتھیو راول مقنن افلاق۔

ارادت (ترکی اعلان) سے راکوسزی معزول کیا گیا تھا اس کے جواب میں اس نے ہتیار اٹھائے اور لپا میں فتح حاصل کی (۱۶۵۸ء)۔ کپرولی سے شکست کھانے کے بعد اس نے حاکم افلاق کو اپنی مدد پر ابھار امیتینی کا ارادہ اس کی مدد کا تھا لیکن اس کے امرا نے ترکوں سے اس کی مخبری کر دی۔ وفاداری کے ثبوت میں اس کو صدر اعظم کے ساتھ ٹرانسلوینیا جانا پڑا اور راکسزی کو ترکوں کی فوج زیادہ ہونے سے شکست فاش ہوئی۔ افلاق کی ولایت پر ترکوں نے اکیتیس بارسزی کو اس شرط پر مامور کیا کہ وہ چالیس ہزار ڈکٹ

خراج دے میٹینی کے تمام منصوبے عثمانیوں کو معلوم ہو گئے تھے۔ اس لیے اس نے اپنی مخدوش حالت محسوس کر کے اپنی نقاب الٹ دی اور کھلم کھلا ترکوں کی مخالفت شروع کر دی جو امرا ابا بعالی کے وفادار تھے اس نے ان کو قتل کیا۔ اس کے بعد وہ ٹرگوویٹز گیرگیو اور بربلا پر قابض ہو گیا۔ تمام مسلمان قتل کئے گئے اور ان کا مال اسباب ضبط کیا گیا۔ راکوسزی کی معیت میں وہ بغدان کے حاکم گھیکا سے جنگ کے لیے روانہ ہوا یاسی کے قریب جنگ ہوئی۔ مگر یہاں تک پہنچ کے اس کی کامیابی رک گئی۔ ادھر کوہر دلی نے افلاق پر حملہ کر دیا اور ادھر تاتاری بغدان میں داخل ہوئے۔ راکوسزی اور میٹینی کو دریائے بوعنی کے کنارے ایک خونریز جنگ میں شکست ہوئی اور گھیکا حاکم افلاق مقرر ہوا (۱۶۵۹ء)

"افلاقی خاموشی کے ساتھ ان والیوں سے راضی ہو جاتے تھے جنھیں پہلا ترکی ملاح جو صدارت عظمیٰ کے جلیل القدر عہدے پر فائز تھا ان پر حاکم بنا کے بھیجتا تھا۔ وہ اس طوق کو چومتے جو ان کے مصائب کا باعث تھا۔ اس قوم پر زوال آگیا تھا اور اس میں قومیت کے فقدان سے آزادی باقی نہ رہی تھی۔"[۱]

آسٹریا کے علاقے میں تاتاری حملے جاری رہے جن کی مدافعت امیر سوچیس کرتا رہا۔ بودہ کے ترکی حاکم نے گراس وارڈین پر حملہ کیا۔ اور اس کو باغیوں کی مدد سے قبضے میں لے آیا (۱۶۶۰ء)

بندوقیہ سے جنگ جاری رہی۔ اس کی ابتدا آسٹریا سے ہوئی۔ اور فرانس سے بھی جنگ چھڑ جانے میں کچھ باقی نہ رہا تھا۔

ترکی اور فرانس میں جو اتحاد سلیمان کے زمانے میں ہوا تھا۔ اس پر ہمیشہ عملدرآمد رہا۔ محمد ثالث اور احمد کے زمانے میں (دیوان میں فرانس کا اثر عروج پر تھا) فرانسیسی سفیر سواری دے برو کی قابلیت

---

[۱] تاریخ بغدان و افلاق مصنفہ کوگال نی سیانو

اور دانشمندی کی بدولت ۱۶۰۴ء میں اس کی درخواست پر شرائط کی تجدید کی گئی تھی۔ انگریزوں اور بندقیوں کے سوا تمام قوموں کے لیے ضروری تھا کہ وہ فرانس کے جھنڈے اور اس کی نگرانی میں ترکی سے تجارت کریں۔ (دفعات ۲، ۴، ۵)

فرانس کی ذراسی شکایت پر مغربی ڈاکوؤں کو سختی کے ساتھ ممانعت کی گئی تھی کہ فرنچ جہازوں کو نہ چھیڑیں۔ اس کی خلاف ورزی میں ان کے حاکموں کی معزولی کے احکام تھے۔ یہی نہیں بلکہ ڈاکو چوری سے باز نہ رہنے کی صورت میں فرنچ گورنمنٹ کو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ جیسی کچھ سزا چاہے انھیں دے۔ (دفعہ ۱۷)

صرف فرانسیسیوں کو ہی مغربی ساحلوں سے مرجان نکالنے کی خاص اجازت تھی۔ (دفعہ ۱۸)

دفعات ۱۹ سے ۲۴ میں فرنچ سفرا اور قونصلوں کو اپنے ہم وطنوں پر عدالت کے پورے پورے اختیارات دیئے گئے تھے۔ سواری دے برو کی اس قدر عزت کی جاتی تھی کہ ایک ترکی مورخ لکھتا ہے:۔

اسلامی ریاست میں فرانس کے لیے حقیقی جوش محسوس کیا جاتا تھا جس کی وجہ ملعون سفیر کی سازشیں تھیں[۱] سواری دے برو کے جانشینوں کے زمانے میں تعلقات رفتہ رفتہ بدل گئے۔ اور خلوص کم ہوتا گیا۔ ترکوں کی طرف سے اہانت کی جاتی تھی۔ اور فرانسیسیوں کی طرف سے کھلم کھلا عداوت۔ لیکن ان اہانتوں اور عداوتوں سے علانیہ بگاڑ اور اعلان جنگ تک نوبت نہ آئی۔ مراد رابع کے زمانے میں فرنچ اثر کم ہوتا گیا۔ غلطہ کے گرجاؤں کی محافظت میں فرانس کے ساتھ بندقیہ بھی شامل تھا۔ انگریزوں اور ولندیزیوں نے سلطان سے یسوعی پادریوں کو

۱؎ سیلانیکی۔

قسطنطنیہ سے نکالنے کی اجازت لی۔ (۱۶۲۸ء)۔ ہنری دے غور نے نواب مارشن ویل کی سفارت میں غلطہ کے گرجا بند کر دیئے گئے تھے اور فرانسیسی بے ہتیار کر دیئے گئے تھے۔ اور مارسیلیز سے آنے والی تجارتی اشیا پر بے وجہ محصول لگایا گیا تھا۔

امیر مارکیول کو آئین شکن اور ناشائستہ حرکات کا ملزم ٹھیرایا جاتا ہے۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ سلطان کے سامنے ٹوپی نہیں اتارتا تھا۔ اور ان جاں نثاروں پر تلوار سے حملہ کرتا تھا جو جلدی سے اس کے راستے سے الگ نہیں ہو جاتے تھے۔ یہ باتیں صرف آسٹروی سفرا کی رپورٹوں میں نظر آتی ہیں۔ آسٹروی سفرا کا قاعدہ ہے کہ فرانس کا جہاں ذکر آتا ہے تو جھوٹ ہانکنے لگتے ہیں۔ نہ تو بندقی وکیل کے بیانات سے جس نے چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی قلم بند کیا ہے اور نہ مارشن ویل کے بیانات سے ان باتوں کا پتا چلتا ہے۔ اور مارشس ویل ایسا آدمی تھا جو اگر ایسا واقعہ گزرتا تو ضرور سختی سے لکھتا کہ میں نے جاں نثاروں پر اس طرح حملے کیے۔

۱۶۳۴ء میں یونانیوں نے بابعالی کی مخالفت سے فائدہ اٹھا کے مقدس مقامات کی سرپرستی کا حق غصب کر لیا جو قدیم ایام سے فرانسیسیوں کی محافظت میں فرانسیسکیوں سے متعلق تھا۔ فینا ریوں کی رشوت اس غصب کے لیے کافی تھی۔ ادھر الغرب کے باشندے عملاً خود مختار ہو گئے اور پراونس کا ساحل ان کی تاخت وتاراج کا مرکز بن گیا تھا۔ رچلیو آسٹریا سے لڑ رہا تھا اس لیے فرانسیسی تجارت کی ضروری حفاظت اس کے امکان سے باہر تھی۔ فرانس کی عام رائے ترکی کے بالکل خلاف تھی اور ان مہموں کا (جنگ مقدس کے نام سے) مطالبہ کر رہی تھی جو ترکوں کے خلاف زیر غور تھیں۔ ان دو ملکوں کے تعلقات اس نازک حالت میں تھے کہ فرانسیسی سفیر اور صدر اعظم میں آداب کا سوال چھڑ گیا۔ کینہ ور کپرولی کو زیادتی کے لیے اچھا بہانہ مل گیا۔ دونوں ملکوں نے

گویا ہتھیار اٹھا لئے تھے اور دونوں میں تیس سال تک علانیہ مخالفت اور مخفی جنگ رہی۔

جب کپر ولی محمد صدارت عظمٰی کے ممتاز عہدے سے سرفراز کیا گیا تو ایم ڈی لاہے نے یہ یقین کرکے کہ اس وزیر کا بھی وہی حشر ہوگا جو سابق کے وزرا کا ہوا حسب قاعدہ تحائف پیش کرنے میں درنگ کی۔ جب اس نے دیکھا کہ صدر اعظم مستقل طور سے وزارت کر رہے ہیں تو اس نے اس غلطی کی تلافی کر دی۔ کپر ولی کو سفیر کی یہ حرکت بہت شاق گزری۔ اس نے بدلہ لینے کی قسم کھالی۔

"وزیر کو بغض نکالنے کا بہت جلد موقع مل گیا۔ اور فاسد ارادوں کے پورا کرنے کے لیے اسے کسی موقع کا انتظار ہی نہ کرنا پڑا بلکہ وہ خود ہی سے آپ پیش آ گیا۔ اکریت اور ترکوں میں لڑائی ہو رہی تھی۔ فرانس نے بندقیوں کی خفیہ مدد کی تھی۔ اور یہ سمجھا گیا تھا کہ ایم ڈی لاہے کو بندقیوں سے خفیہ ساز باز کرنے اور ترکوں کے منصوبوں سے مطلع کرنے کے لیے فرانس نے احکام دیئے ہیں۔ ۱۶۵۹ء میں ایک فرانسیسی جو اپنا نام ورتامون بتاتا تھا قسطنطنیہ آیا۔ اس شخص کے پاس فرانسیسی سفیر کے نام مراسلات کا ایک بڑا ذخیرہ تھا۔ بندوقی افواج میں یہ ایک اعلٰی خدمت پر مامور تھا۔ اس نے خود کو قائم مقام کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ میں نے عیسائیوں کا کیمپ چھوڑ دیا ہے۔ میں ان کے مذہب سے توبہ کرکے اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔ میرے پاس مراسلات کا ایک بڑا ذخیرہ ہے جسے میں خود صدر اعظم کو اپنے ہاتھ سے دوں گا۔ اس دغا باز باغی نے صدر اعظم سے سفیر کا تمام کچا چٹھا بیان کیا اور کہا کہ ان مراسلات سے جو اس کے ملاحظے میں پیش ہیں سب کچھ کھل جائے گا۔ موسیو دے لاہی کو ورتامون کے منصوبوں کی خبر تھی اور وہ اس سے بھی واقف تھا کہ اس کا دربار میں آنے سے کیا منشا تھا لیکن اسے یہ خبر نہ تھی کہ یہ مراسلات کا گرفتار شدہ ذخیرہ کس قدر اہم تھا۔ وہ سنگ منانہ سے صاحب فراش تھا

اور اس لیے جب اس کی طلبی کا پروانہ آیا تو وہ ایڈریا نوپل نہیں جا سکتا تھا۔ اس نے قائم مقام سے کہا کہ اس کا بیٹا اس کے عوض جائے گا۔ صدر اعظم نے اس کے ذخیرے کے مراسلات دیکھے تو وہ سب خفیہ تحریریں تھے۔ اس نے تمام مفروروں اور مترجموں سے جو دربار عثمانی میں موجود تھے دریافت کیا مگر کوئی نہ بتا سکا۔ صدر اعظم کا غصہ اس پیچیدگی سے اور بڑھتا گیا۔ وہ اس غصے کی حالت میں تھا کہ ایڈریا نوپل موسیو دے لا ہئی سفیر کا بیٹا پہنچا۔ صدر اعظم نے مراسلات کا معما اس سے دریافت کیا تو اس نے جواب میں بے محل سختی سے کام لیا۔ کپردلی نے طیش میں آکے اس کی اپنے روبرو ذلت کی۔ اور ایک قلعے میں یہ کہہ کے قید کر دیا کہ وہ ایک نائب سفیر ہے گو وہ اس کا بیٹا ہی سہی ایسی بات روا نہیں رکھ سکتا جو خود سفیر سے روا رکھ سکتا ہے [1]

فرانسیسی سفیر علالت کے باوجود بیٹے کو چھڑانے جلدی سے ایڈریانوپل آیا صدر اعظم نے سفیر سے ان مراسلات کا مطلب دریافت کیا مگر بے سود۔ اس لیے وہ اپنی واپسی تک نوجوان آدمی کو مقید رکھنے کا حکم دے کے ٹرانسلوینیا روانہ ہو گیا (۱۶۶۰ء)

مازران نے سپہ سالار اعظم موسیو دے بلوندل کو بادشاہ کا ایک خط دے کے روانہ کیا جس میں فرانس سے معافی مانگنے اور صدر اعظم کو معزول کرنے کا مطالبہ تھا۔ کپردلی سفیر کے ساتھ نخوت سے پیش آیا۔ اور سلطان کے سامنے جانے کی اجازت نہیں دی۔

مازران نے دیکھا کہ ترکی کے ساتھ اعلان جنگ کرنا آئین سیاست کے خلاف ہے۔ اس لیے ترکی کے دشمنوں کی امداد پر ہی اکتفا کیا۔ اکریت میں چار ہزار فرانسیسی بھیجے۔ اور فرانس میں مجلس کو رنگروٹ بھرتی کرنے اور مالی امداد حاصل کرنے کی اجازت دی۔

---

[1] چارڈن جنرل ڈیس وائجیس دو شویلیر چاردن۔ Char.

ہیبت ناک صدر اعظم کے سامنے سب کے سر خم تھے۔ وہ لوگ جنھوں نے اس کو تباہ کرنے کی کوشش کی تھی ہار مان کے مطیع ہو گئے تھے۔ وہ ایک بے رحم فاتح تھا جو عفو سے آشنا نہ تھا۔ بڑھاپے اور اس مرض کے آغاز کے باوجود جس سے اس کی ہلاکت ہوئی اس میں قوت اور جالاکی دگنی ہو گئی تھی۔ ایشیائے کوچک میں الباز اپاشا نے اعلان جنگ کیا اور مصر میں بغاوت ہو گئی۔ ان ہر دو بغاوتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ باغی سردار قتل کیے گئے۔ مرنے سے پہلے اس نے سلطان کو عورتوں کے اثر سے بچنے کی نصیحت کی۔

اور یہ بھی مشورہ دیا کہ وہ دن رات محل میں رہنے سے پرہیز کرے۔ فوجوں کی صحت کا ہمیشہ خیال رکھے۔ اور وزیر بہت دولتمند انتخاب نہ کرے۔ جب محمد نے اس سے درخواست کی کہ کس کو وہ اپنا بہترین جانشین سمجھتا ہے تو دم توڑنے والے آدمی نے کہا "میری نظر میں کوئی میرے بیٹے احمد سے زیادہ لائق اور قابل نہیں۔ ترکی کے رشلو نے یہ سچ کہا تھا۔ احمد پاشا اپنے باپ کے منصب اور عہد سے کے ساتھ ساتھ اس کی قابلیتوں کا بھی وارث ہوا تھا۔ (سنہ ۱۶۶۱ء)

کپر ولی احمد کی وزارت۔ اکریت پر قبضہ

فرانس اور بابعالی

کپر ولی احمد نے بندوقیوں اور شہنشاہ کی درخواست نامنظور کی۔ اور رغرانہ کے پاس دریائے طونہ عبور کیا۔ کونٹ ٹارنگس کو شکست دی۔ اور نیوہیسل کا محاصرہ کر لیا (۱۷۔ اگست سنہ ۱۶۶۳ء) چھ ہفتے بعد ہنگری کا یہ قلعہ جو اب تک ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا فتح ہو گیا۔ ہنگری، سالیشیا، موریویا، بے رحمی کے ساتھ تباہ ہوئے اور اڑتالیس ہزار باشندے

قید کئے گئے۔ شہنشاہ لیوپالٹ کے پاس اب صرف اُنہی کی فوجیں رہ گئیں۔ پوپ اسکندر ہفتم سلطنت آسٹریا کے بہی خواہوں سے تھا۔ اس نے ترکوں کے خلاف ایک عیسائی لیگ قائم کرنے کی تجویز سوچی۔ لوئی چہار دہم کو وہ تحقیر یاد تھی جو اس کے سفیر کے ساتھ روا رکھی گئی تھی۔ جب فوجی امداد مانگی گئی تو اس نے ساٹھ ہزار کی سپاہ کا وعدہ کیا جس میں تیس ہزار جرمن متحدین شامل تھے۔ شہنشاہ اس قدر قلیل امداد سے ناراض ہوا۔ پوپ نے اس کی رائے سے یہ امداد نامنظور کی۔ کپرولی احمد پیش قدمی کرتا جا رہا تھا۔ پوپ اور شہنشاہ نے دوبارہ فرانس سے مدد طلب کی۔ آخر بہت کچھ رسل و رسائل کے بعد لوئی چہاردہم چھ ہزار فرانسیسی اور (۲۴۰۰۰) رہائن لیگ کے آدمی کمٹ ڈی کولگنی کی کمان میں بھیجنے پر راضی ہوا۔ فرانس کے تمام نوجوان امیر بحیثیت رضا کار اس فوج میں شامل ہوئے۔ یہ بہترین رسالہ ڈیوک دے لافیاد کی کمان میں تھا۔

کوپرولی نے سرینوار اور کرمون کو جلد فتح کیا۔ اس کے بعد وہ پوری فوج کی معیت میں راب ندی پار کرنا چاہتا تھا مگر ایک جان توڑ لڑائی میں مانٹی کوکلی اور کولینی سے اسے پسپا ہونا پڑا۔ اس نے پھر ایک کوشش کی مگر یہ بھی ناکام رہی۔ آخر ۳۱۔ جولائی ۱۶۶۴ء کو صدر اعظم نے آسٹریوں کے سامنے ہی ندی پار کر کے ایک عام مقابلے کا ارادہ کیا۔ عثمانی فوج نے جو سین گوتھار کی خانقاہ کے پاس قیام کیا تھا سختی سے حملہ کیا۔ راب ندی پایاب تھی۔ ترکی فوج پیدل اتر پڑی۔ اور عیسائی فوجوں کو گھیر لیا۔ کولینی نے فوجوں کو از سر نو مرتب کیا اور اس کی فوجوں کی بہادری سے میدان اسی کے ہاتھ رہا[1]

[1] کونٹ کولینی کے دربار میں مراسم اچھے نہ تھے۔ تمام خوشامدی اور درباری لافیاد کو باغی کی جگہ سراہتے تھے۔ لافیاد نے کولینی کی ناموری اور شہرت پر قبضہ کر لیا تھا۔ یہ ہمارے زمانے کی بات ہے کہ تاریخ نے امیر البحر کے پوتے کا انصاف کیا دیکھو ردسے کی تاریخ لو دا جلد اول

کہتے ہیں کہ جب کپرولی نے فرانسیسی امرا کو ریشمی فیتے اور ریشمی کپڑے اور عمدہ بالوں کی ٹوپیاں پہنے آگے بڑھتے دیکھا تو اس نے کہا تھا "یہ تو نوخیز لڑکیاں معلوم ہوتی ہیں!" لیکن بہت جلد اس کو معلوم ہو گیا کہ اس نے دھوکا کھایا۔ آن واحد میں فرانسیسی منچلوں کے آگے جاں نثار فوج مغلوب ہو گئی۔ جو لوگ اس جنگ سے سلامت بچے تھے وہ ان نوجوان لڑکیوں سے غیرت میں آکے بہت زمانے تک "چلو" "چلو" "مارو" "مارو" کے نعروں میں جنگی قواعد کرتے تھے۔ عثمانی مورخین نے ان نوجوان لڑکیوں کو فولادی آدمیوں کے مثل بتایا ہے جنگ سین گوتھا کے دس دن بعد کپرولی احمد نے آسٹریوں کے ساتھ صلحنامہ ویسوار پر دستخط کر دئے (۱۶۶۴ء)

اس صلحنامے سے ہر دو فریق کے لیے ٹرانسلوینیا کا تخلیہ لازمی قرار پایا۔ بابعالی کی شہنشاہی میں اپافی اس ملک کا والی قرار دیا گیا۔ ان سات ہنگری اضلاع میں سے جو ٹرانسلوینیا اور دریائے تھیس کے درمیان واقع تھے تین پر شہنشاہ کا قبضہ رہا اور ان چار پر جو راکوسزی سے لیے گئے تھے بابعالی کا تسلط بحال رہا۔ نودی گراڈ اور نیو ہنیسل بھی بابعالی ہی کے قبضے میں رہے۔

آسٹریا اور ترکی میں صلح ہو جانے کے باوجود فرانسیسی بیڑے نے بحر متوسط میں ہلال احمر سے جنگ جاری رکھی۔ لوفورٹ، ڈیوکین، ڈیسرے، اور توردیل مغربی قزاقوں سے لڑتے رہے۔ آخر گیگیری کی مہم سے جہاں لوئی اپنا فوجی عمل دخل رکھنا چاہتا تھا بابعالی کا غصہ انتہائی درجے کو پہنچ گیا۔

"ترکوں نے انتقام کا مطالبہ کیا۔ انھوں نے جرأت سے کہا کہ جتنے فرانسیسی سلطنت میں مقیم ہیں تہ تیغ کئے جائیں، انگریز، ولندیزی اور فرانسیسی جو اسکلہ میں رہتے تھے ہم سے الگ ہو گئے اور جھوٹ موٹ کہدیا کہ ہم فرانسیسی نہیں ہیں اور ہمیں گیگیری کے معاملے سے کوئی سروکار نہیں

ہمیں ہر طرف سے اطلاعیں پہنچ رہی ہیں کہ نہایت اہم خطرہ درپیش ہے اور اپنے بچنے کی سبیل کریں۔ اور آثار ایسے نظر آتے ہیں کہ ترک قتل صقلیہ کا واقعہ تازہ کریں گے۔"[1]

کوبیرلی نے جو اپنے خیالات کے لحاظ سے میزاران ثانی تھا صلح کی آخری کوشش کی۔ اس نے موسیو دے لاای کو سفارت پر قسطنطنیہ بھیجا۔ صدر اعظم اور فرانسیسی فرستادہ میں شخصی نفرت تھی۔ اس لحاظ سے یہ انتخاب نامسعود تھا۔

(۱۶۶۶ئہ) ادھر کپر ولی کا اکھڑپن تھا اُدھر موسیو دے لاای و تلے کی رعونت۔ اپنی سخت توہین سے آگ بگولا ہو کے دے لاای نے شرائط صلح کی دستاویز کپر ولی کے پاؤں کے پاس پھینک دی اور یہ کہتا ہوا چلا کہ وہ دارالسلطنت سے چلا جائے گا لیکن دروازے تک پہنچا تھا کہ گرفتار ہو کر صدر اعظم کے کمرے میں قید کر دیا گیا۔

سلطان نے کپر ولی کو حکم دیا کہ ایلچی کو رہا کر دے۔ صلح کر لے اور حسب معمول اعزاز سے پیش آئے موسیو دے لاای نے یہ مصالحت قبول کی۔ کپر ولی نے ہدایا اور تکلفات کی بھرمار کر دی لیکن بغض کی آگ دونوں کے دلوں میں تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو جب کبھی موقع ملا پوشیدہ نقصان پہنچاتے رہے۔

کپر ولی نے تجدید شرائط سے انکار کیا۔ اور یہ بھی اجازت نہ دی کہ فرانسیسی بحر احمر اور مصر کی راہ سے جزائر الہند سے آزادی کے ساتھ تجارت کریں۔ اس نے جنیوا والوں سے جو فرانس کے دشمن تھے علیحدہ معاہدہ کیا۔ اور ایسا ہی ایک معاہدہ انگریزوں کے ساتھ بھی کیا۔ فرانسیسی سلطنت نے دق ہو کے بندقیوں کو مدد دے کے اپنا انتقام لیا۔

ہنگری سے مطمئن ہوا تو کپر ولی احمد نے ایک آخری حملے سے اکریت کا

---

[1] تذکرۂ شیوا لیئے دار دیو۔

قضیہ ختم کرنے کا ارادہ کیا۔

اس نے اکریت کی مہم خود اپنے سر لی۔ ۲۸ مئی ۱۶۶۷ء کو ایک اور بار اکریت کا محاصرہ شروع ہوا۔ محصورین نے مورو زینی اور مارکوئس پوئی مون بران دے سین آندرے کی کمان میں نہایت استقلال سے مقابلہ کیا۔ جونہی فصیل گرتی دوسری فصیل زمین سے نمودار ہو جاتی۔ ”کوئی دیکھتا تو یہی کہتا کہ شہر کی پناہ کی دیواریں حملہ آوروں کے مقابلے میں گرنے کے بجائے اور مستحکم ہو رہی ہیں۔“

دوسرے سال مالطا کے جہازوں سے بارہ ہزار بہترین خاندانی فرانسیسی ڈیوک دے لافیاد کی کمان میں ساحل اکریت پر اترے۔ مورو زینی کی رائے حملے کے خلاف تھی لیکن یہ لوگ حملے کے متمنی تھے۔ بہادران مالطا کی کمک میں وہ چھیاں ہاتھ میں لیے آگے بڑھے۔ ان کے آگے آگے چھ راہب صلیبیں لیے جا رہے تھے۔

پہلے پہل عثمانیوں کو پسپا ہونا پڑا۔ اور ان کے بارہ سو آدمی ہلاک ہوئے۔ لیکن جلد انھوں نے اپنی پراگندہ فوج مرتب کر لی۔ اور اس چھوٹی سی فوج کو گھیر کے اس کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا۔ سو آدمی اس فوج کے کام آئے۔ فرانسیسی اپنی ناکامی سے بددل ہو کے جہازوں میں سوار ہو گئے (۱۶۶۸ء)

باب عالی نے اس کا انتقام لیوان کے فرانسیسی تجار پر زیادتیاں کر کے لیا۔ لوئی چہار دہم نے آخر مجبور ہو کے دالمیرا کی کمان میں چار جہاز بھیجے اور حکم دیا کہ دے لاای اور ان فرانسیسیوں کو جو واپس آنا چاہیں لے آئے۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے اکریت کی رہائی کا بھی سامان کیا۔ اس فوج میں بارہ پیدل کے رسالے تین سو شاہی سوار فوج کا دستہ، دو سو رضا کار شرفا جملہ چھ ہزار آدمی تھے جنھیں ترکی مورخ ”چھ ہزار سوار بارادۂ فاسد“ لکھتا ہے۔ ڈیوک دے نوائی اس تعجیلی فوج کی کمان کر رہا تھا جو پندرہ جنگی جہازوں کو ڈیوک دے بوفور کی

سرکردگی میں لا رہی تھی۔ جنوری ۱۶۶۹ء

نوائی اپنے اختیار سے کام کرنا چاہتا تھا اس لیے اس نے موروزینی کے مشورے پر چلنے سے انکار کیا۔ سرداران عساکر کے باہمی جھگڑوں سے مہم ناکام رہی۔ نوائی نے ناراض ہو کے اپنی چھوٹی فوج کے ساتھ سمندر کا راستہ لیا۔ جلا وطنی اس کی اس روش کی معقول سزا تھی۔ اکریت کی محصورہ فوج گھٹ کے چار ہزار رہ گئی تھی۔ اس نے صلح کا ارادہ کیا۔ ۶ ستمبر ۱۶۶۹ء کو صلحنامے پر دستخط ہو گئے۔ جمہوریت اکریت نے کورابوسا، سوداؔ اور اسپینالانگا کی بندرگاہیں چھوڑ کے تمام اکریت سلطان کے حوالے کر دیا۔

"تمام تاریخ میں کوئی مستحکم جگہ ایسی نہیں ملتی جس کی تسخیر میں اس قدر دولت، وقت اور کوششیں صرف ہوئی ہوں۔ یہ فخر صرف اکریت کو حاصل ہے۔ اس کی فتح کے لیے پچیس سال تک جنگ جاری رہی۔ اس مدت میں تین بار اس کا محاصرہ ہوا۔ جن میں سے تیسرا محاصرہ تین سال تک رہا۔ ترکوں نے چھپن دھاوے اور پینتالیس زمین دوز حملے کیے۔ محصورین نے ایک سو بیس سرنگیں اڑائیں تو ترکوں نے اس سے سہ چند۔ بندقیہ کے پچاس ہزار آدمی ہلاک ہوئے۔ ترکوں کے ایک لاکھ سے بھی زیادہ"[1]

یہ سب کچھ ترکوں اور فرانسیسیوں میں ہو رہا تھا مگر موسیو دے لاائی ترکی میں ہی سفیر کی حیثیت سے مقیم تھا۔ اس نے ترکی میں رہنے کے لیے اپنی حکومت کو غلط باور کرایا کہ اس سے سفیر کے شایان شان برتاؤ کیا جاتا ہے۔ اس کی سازشیں آخر رنگ لائیں۔ سلطان نے متفرقہ (شاہی فوج کے ایک افسر) کو ایک مکتوب کے ساتھ فرانس روانہ کیا جس میں مبہم اور جھوٹے موٹے باتیں لکھی تھیں۔ لوئی چہاردہم نے جواب طلب کیا۔

---

[1] - دان ہیمر۔

شاہ فرانس نوجوانی اور قوت کی لہر میں اپنے درباریوں کے کہنے سننے میں آگیا جنھوں نے اسے بابعالی سے جنگ کا مشورہ دیا۔ کولبیر نے اور بھی ستم کیا۔ لاای دُتلے کی جگہ مارکوئس دے نواں تل مشیر مجلس پیرس مامور ہوا (۱۶۷۰ئ)۔ یہ ایک جنگی بیڑے کی معیت میں قسطنطنیہ پہنچا۔ کمانیر مارکوئس داپرمون جنگی وردی میں بیرائے کی سلامی دیے بغیر بندرگاہ میں داخل ہوگیا۔ اس طرز عمل کا سبب قپودن پاشا کا ان کی شاہی سلامی دینے سے انکار تھا۔ جنگ چھڑنے میں کچھ باقی نہ تھا کہ والدۂ سلطان جب اسکوتری میں تھیں تو موسیو دے داپرمون سے سلامی دینے کے لیے کہا۔ شجیع امیر البحر نے والدۂ سلطان کی خواہش بخوشی پوری کی۔ فرانسیسی جہازوں کو جھنڈیوں سے آراستہ کیا۔ اور توپوں سے سلطانہ کو سلامی دی۔ اس اہانت آمیز داخلے سے مجلس ترکی نے دے نواں تل سے مطالبات کی شنوائی نہیں کی۔

سفیر کو ہدایات دی گئی تھیں کہ وہ معاہدے میں حسب ذیل ترمیم کرائے۔

(۱) پانچ فیصدی محصول میں تخفیف کر کے تین فیصدی رکھا جائے۔

(۲) شاہ فرانس مشرق کے تمام کیتھولک عیسائیوں کا والی قرار دیا جائے۔

(۳) فرانسیسی مال تجارت پر جو ہندوستان سے آئے مصر اور بحر احمر میں کوئی قید و بند نہ رکھی جائے بلکہ اس کو آزادی کے ساتھ جانے کی اجازت ملے۔

کپرولی نے اس کا جواب تحقیرانہ نفی میں دیا کہ یہ سلطان المعظم کی عنایت ہے کہ وہ معاہدے کرتے ہیں ورنہ انھیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔ اگر سفیر کا اطمینان نہیں ہوا ہے تو وہ ترکی سے چلا جاسکتا ہے۔

لوئی چہاردہم جو اتنے زمانے سے ضبط و خودداری سے کام لے رہا تھا آگ بگولا ہوگیا" بخوبی سوچ سمجھ کے اس اہم کام کو انجام دینے

کے لیے اس نے موسیو دپیدا ایکس کے سابق میر مجلس کو حکم دیا کہ وہ لیوان کے سوداگروں اور ان آدمیوں کی ایک کمیٹی منعقد کرے جو ترکی کے حالات سے واقف ہوں۔ اور ان سے اس معاملے میں مشورہ لے جس کے متعلق اکثر اشخاص نے کیفیت دی تھی کہ فرانس لیوان کی تجارت کے بغیر چند سال تک رہ سکتا۔ اور آسانی کے ساتھ ترکوں کو سمندر میں نقصان پہنچا کے سلطان المعظم کو مجبور کر سکتا ہے کہ وہ شاہ فرانس کے تمام مطالبات منظور کرے۔ کمیٹی کی رائے تھی کہ کیفیت درست اور تجاویز صحیح ہیں۔ اگر بادشاہ دس جہاز بحر روم خصوصاً درۂ دانیال میں روانہ کرے تو قسطنطنیہ میں قحط پڑ جائے"[1]

تولون میں کثیر فوج تیار ہوئی۔ پچاس جہازوں کا بیڑا تیس ہزار فوج کو اپنی حفاظت میں خشکی پر اتارنے والا تھا لیکن فرانس اور ہالینڈ کی جنگ سے عثمانی سلطنت متزلزل ہونے کا اندیشہ جاتا رہا اور گفت وشنید شروع ہوئی۔

بابعالی کے ترجمان یونانی پینیوٹی نے انگلستان اور آسٹریا سے رشوت لی تھی۔ اس لیے اس گفت وشنید میں قصداً الجھاؤ اور مشکلات پیدا کیں۔ مگر ہالینڈ کی فتح سے مجلس ترکی کا ارادہ فاسد رہ گیا۔ معاہدات فوراً طے ہوئے اور دے نوان تل کے انھیں دستاویزوں پر دستخط ہوئے (۱۶۷۳ء)۔ فرانس نے مقدس مقامات کے مسئلے میں خصوصاً تشفی کر لی۔

اس کے بعد ترکی اور فرانس میں دوستانہ تعلقات رہے لیکن وہ اگلا سا خلوص اب ان میں باقی نہ رہا تھا۔ لوئی چہار دہم اپنے تمام زمانۂ حکومت میں فتح ترکی کے منصوبوں میں لگا رہا۔ پیرس کے "کتب خانۂ قومی" میں ایک قلمی کتاب عنوان ذیل کی موجود ہے۔

---

[1] شاردوان۔

"مقامات لیوان کی حالت۔ اسکلہ کے بندرگاہوں کی جب کہ سنہ ۱۶۸۵ء و سنہ ۱۶۸۶ء و سنہ ۱۶۸۷ء میں معائنہ کیا گیا تھا تو اور بادشاہ کے حکم سے وہاں قبضہ حاصل کرنے کی غرض سے ایک خاکہ مرتب کیا گیا تھا" خاص ابواب حسب ذیل ہیں:۔ قسطنطنیہ کے جلانے کے لیے ضروری امور فرانسیسی سفیر اور دوسرے فرانسیسیوں کو ترکی سے باہر نکال لیجانے کے ذرائع — سلطنت عثمانیہ کی خراب حالت۔

لہستان (پولینڈ) اور ہنگری کی لڑائیاں۔

وائنا کا محاصرہ سنہ ۱۶۸۳ء

کپرولی احمد کی روشن دماغی اور قابلیت کی بدولت سلطنت عثمانیہ پھر عروج کو پہنچی۔ اہل قفقاز کی اطاعت سے سلطنت کے حدود اور وسیع ہوئے۔ ان کے دو گروہ تھے۔ ایک دریائے ڈان کا دوسرا دریائے نیپر کا جنھیں زاپوروگ قفقازی بھی کہتے ہیں۔ پہلے پہل قفقازی تمام ملکوں کے ان پناہ گزینوں پر مشتمل تھے جو ترکوں اور تاتاریوں کی یورشوں سے بھاگ کے دریائے یوکرین کے کسانوں میں آبسے تھے۔ اور اپنی تعداد سے ان کسانوں کو قوت دے کے اس علاقے میں جنگی نوآبادیاں قائم کرلی تھیں۔ سنہ ۱۵۱۱ء میں قفقازیوں نے اپنی خوشی سے لہستان کی اطاعت قبول کی۔ جس کے علاقے میں دریائے اوکرین تھا۔ اور لہستانی جنرل کے تحت عثمانیوں کے مقابلے میں مسیحیت کی پشت پناہ بنے رہے۔ سنہ ۱۵۹۰ء میں انھوں نے اپنی مادر وطن کے خلاف بغاوت کی آسٹراکومن میں زولکائسکی نے انھیں شکست دی۔ لیکن پھر سنہ ۱۶۳۷ء اور سنہ ۱۶۴۸ء میں جب کہ جنرل بغدان چملنسکی نے زبردست بغاوت کی تھی تو انھوں نے بھی سر اٹھایا۔ جب جنرل بغدان لہستانیوں کے مقابلے سے

عاجز ہو گیا تو اس نے پہلے راکوسزی والی برانڈن برگ سے اور بعد کو سقوفیوں سے مدد مانگی۔ لیکن مسقوفی سرداروں نے ان معاہدوں کی توثیق سے انکار کیا جو بغدان نے روسیوں سے کئے تھے۔ ہیڈ زیاک کے معاہدے سے لہیوں اور قفقازیوں کی لڑائی ملتوی ہو چکی تھی۔ (۱۶۶۷ء) اکریت کا محاصرہ جاری تھا کہ قفقازیوں کے جنرل ڈوروزینسکو نے بغدان چلنیسکی کی کارروائی اپنے ہاتھ میں لی اور خان قرم کی وساطت سے محمد چہارم کو علاقہ اوکرین کی شہنشاہی پیش کی۔

ڈوروزینسکو نے تاتاری فوج کی کمک پر لہیوں سے مخالفت تازہ کی۔ جان سوبریسکی سے پوڈہیس میں مغلوب ہو کے اس نے عثمانیوں کو ابھارا۔ مجلس ترکی نے لہستان سے اعلان جنگ کر دیا اور ۱۸ اگست ۱۶۷۲ء کو سلطان کی کمان میں عثمانی فوج نے کامینیک کا محاصرہ کر لیا۔ دس دن کے بعد کامینیک فتح ہو گیا جان سوبیسکی نے قفقازیوں اور ترکوں کو کیلوٹی میں شکست دی تھی اور یوبازیں محمد کے کیمپ پر اچانک آگرا تھا مگر اس پر بھی شاہ لہستان مشیل وسموویکی نے ایک شرمناک معاہدے پر دستخط کر دیئے۔ اور بائیس ہزار ڈوکٹ سالانہ خراج دینے کا ذمہ لے لیا۔ لہیوں نے اس معاہدے کی تصدیق سے انکار کیا۔ صدر حاکم عدالت نے کیر ولی کو لکھا کہ "چونکہ شاہ لہستان نے جمہوریت کی اجازت کے بغیر شرائط صلح پر دستخط کئے ہیں اس لیے جمہوریت کے نزدیک یہ صلحنامہ باطل ہے۔ وہ خراج وغیرہ کچھ نہ دیگی۔ اور بجائے اس کے کہ خراج کی ذلت برداشت کرے ہزاروں قربانیاں اسے منظور ہیں۔"

سپہ سالار جمہوریت سوبیسکی نے لیمبرگ واپس لے لیا اور عثمانی فوج کو چوکزم میں تباہ کر دیا (۱۶۷۳ء) شاہ مشیل کے انتقال سے فاتح کو درسوئی آنا پڑا جہاں مجلس جمہوریت نے کارہائے نمایاں کے صلے میں اس کو اپنا بادشاہ بنایا۔ لہستانی امرا نئے بادشاہ کے تسلط سے کچھ

خوف سے فوجی اور مالی مددیں جزئیات سے بحث کرنے لگے۔ لیکن ان موانع کے باوجود سوبیسکی کے فتوح بڑھتے گئے۔ خان تاتار عادل غرائے کو اس نے شکست دی۔ سپہ سالار ششمان پاشا کو لیمبرگ کے محاصرے میں سخت ہزیمت ہوئی اور اس کا ٹرمبولا کا محاصرہ بھی ناکام رہا جس کی حفاظت پر بہادر کرازنوسکی مامور تھا (۱۶۷۴ء) ان کامیابیوں کے باوجود شاہ لہستان کی صورت حال خطرناک تھی۔ مجلس انتظامی نے فوج بھرتی کرنے سے انکار کیا تھا اس لیے اس کے پاس صرف اس کی ذاتی فوج رہ گئی تھی جس کے بھروسے پر دشمن کی کثیر تعداد سے ٹکرانے کا خطرہ اس نے اپنے سر لیا تھا۔

زورانا کی غیر تصفیہ کن لڑائی کے بعد خان قرم کی مداخلت سے صلح ہو گئی (۱۶۷۶ء) کامینیک اور دریائے اوکرین کا کچھ علاقہ ترکوں کے قبضے میں رہا۔ اس کے کچھ دن بعد کپرولی احمد کا انتقال ہو گیا۔ اس نے پندرہ سال وزارت کی۔ اس کی عمر کے اکتالیس سال ابھی پورے نہ ہوئے تھے۔ (۳۰۔ اکتوبر)۔ وہ اپنے باپ کے مثل خونخوار نہ تھا۔ ظلم اور ناانصافی کا وہ دشمن تھا۔ خود غرضی حرص اور رشوت ستانی سے اسے بیر تھا یہاں تک کہ تحائف لینے کے بعد بھی وہ کسی کی درخواست منظور کرنے کے بجائے رد کر دیتا تھا۔" اس کے بعد اس کا رشتے کا بھائی قرہ مصطفیٰ صدر اعظم ہوا۔

ڈوروزنیسکو نے باب عالی سے ناراض ہو کے خود کو روس کی محافظت میں دیا۔ (فروری ۱۶۷۷ء) محمد چہارم نے جنرل بعد ان کے بیٹے جارجس سیلنیکی کو قید خانے سے نکالا اور ڈوروزنیسکو کی جگہ پر مامور کیا۔ قفقازیوں نے اس نئے والی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور روسیوں کی مدد سے سپہ سالار کی فوج کے پرخچے اڑا دیئے (۱۶۷۷ء) قرہ مصطفیٰ نے کمان اپنے ہاتھ میں لی اور ایک زبردست فوج کے ساتھ دریائے روکرین کے علاقے پر حملہ آور ہوا اس کی کامیابی صرف کوہرن کی فتح تک محدود رہی۔

جنگ ۱۶۷۹ء تک جاری رہی۔ عموماً ترک معرض شکست میں رہے۔ آخر خان تاتار کی ثالثی سے رڈذن میں صلحنامے پر دستخط ہو گئے۔ (۱۶۸۱ء) سابقہ شرطیں بحال رہیں۔ بابعالی کو اپنے تمام وسائل سے ان واقعات کے مقابلے میں کام لینا تھا جو ہنگری میں گزر رہے تھے۔

۱۶۶۵ء سے اہل ہنگری کو آسٹردیوں کی حکومت باعث نفرت تھی۔ لیوپالڈ کا مذہبی تعصب دیوانگی تک پہنچ گیا تھا۔ اس نے ان تمام عمائد کو قتل کیا جن کے متعلق اسے شبہ تھا کہ وہ پروٹسٹنٹ فرقے کی طرف مائل ہیں۔ جو جرمنی عہدہ دار اور فوجی حکام آتے تھے وہ جبر و زیادتی سے کام لیتے تھے۔ ان کے حق میں ہنگری گویا ایک مفتوحہ ملک تھا۔ یہ اسباب تھے جن سے ایک عام بغاوت کی وبا پھیل گئی۔ شہنشاہ کے ایک شہید مظالم کا بیٹا کونٹ ایمرک قید خانے سے بھاگ گیا اور اس نے بغاوت کا علم بلند کر دیا۔ (۱۶۷۶ء) اس کا نشان "خدا اور اپنے ملک کے لیے" تمام ہنگریوں کا نشان بن گیا۔ جنھوں نے آسٹردیوں کو ہر طرف شکست دی۔ شہنشاہ نے اب اصلاحات کی ضرورت محسوس کی۔ اولڈنبرگ کی مجلس قوانین نے ہنگریوں کی شکایات کا ازالہ کیا۔ (۱۶۸۱ء)۔ اس سیاسی چال سے اکثر عمائد ٹیکیلی کی جماعت سے علیحدہ ہو گئے۔ یہ دیکھ کے ٹیکیلی نے سلطان سے مدد طلب کی اور معاوضے میں ہنگری کی شہنشاہی بابعالی کی نذر کی۔ آسٹریا اور ترکی میں ۱۶۶۵ء میں جو التوائے جنگ کی صورت منظور ہوئی تھی وہ ابھی ختم بھی نہ ہوئی تھی لیکن مجلس ترکی نے اس کا مطلق خیال نہ کیا اور حاکم بودا کو ٹیکیلی کی مدد پر روانہ ہونے کا حکم دے دیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ قرہ مصطفیٰ نے ایک لاکھ پچاس ہزار فوج کے ساتھ ہنگری پر حملہ کر دیا (۱۶۸۳ء)۔

حاکم بودا، صدر اعظم اور فوجی افسروں نے جو آسانی اور جلدی کے ساتھ فتح حاصل کی تو بدمست ہو گئے اور ٹیکیلی کے مشورے کے باوجود انھوں نے دائنا کے محاصرے کا ارادہ کر لیا۔ استارمبرگ شہر کی حفاظت پر تھا۔ اس کے پاس قلعے میں صرف دس ہزار آدمی تھے۔ مدافعت کی

تکمیل کے لیے اس نے شہر کے متوسط طبقے کے پانچ رسالے ترتیب دیئے جو قلعے کی حفاظت میں شریک تھے۔ یہ تجویز قرار پائی تھی کہ سینٹ اسٹیفن کا بڑا گھنٹہ بجتے ہی یہ لوگ شہنشاہ کے محل کے پاس ملیں طلباڈی ٹریننگ میں جمع ہو جائیں اور تجارتی مارکیٹ میں۔ ساٹھ دن میں چالیس سرنگیں دس سرنگ در سرنگ اڑائی گئیں۔ ترکوں نے اٹھارہ دھاوے کئے اور محصورین نے چوبیس یورشیں کیں۔

حملہ آوروں کے قبضے میں سامنے کے مورچے آگئے تھے قلعے کی دیواریں چاروں طرف سے گر رہی تھیں۔ استار مبرگ نے ڈیوک لارین کو لکھا کہ "جناب پانی سر سے گزر گیا۔ اب ایک لمحہ بھی بھاری ہے" اگر اس حالت میں قرہ مصطفےٰ ایک عام حملے کا حکم دیدیتا تو غالباً کامیابی ہو جاتی لیکن اس کی حرص نے فوجوں کے جوش سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ اس کو یقین تھا کہ وائنا میں خزانے بھرے پڑے ہیں اس لیے لوٹ سے دست کش ہو گیا۔ اور حملے کا حکم نہ دینے پر مصر رہا۔ صدر اعظم کی اس تاخیر سے بوسوبیسکی کو کمک پہنچنے کا موقع مل گیا۔

لیو پالڈ نے اس خطرناک حالت میں یورپ سے مدد مانگی۔ پوپ نے شاہ فرانس کی خدا ترسی سے اپیل کی مگر بے سود۔ لوئی چہاردہم نے اس معاملے میں تمام دول یورپ کو ملا لیا کہ شہنشاہ آسٹریا کی کوئی مدد نہ کرے۔ اس نے سوبیسکی کو بھی آسٹریوں کی مدد سے باز رکھنے کی کوشش کی اور یہ واضح کیا کہ اس کے اصلی دشمن اسٹریا، برانڈنبرگ اور زار ہیں۔ اس نے سوبیسکی کو وہ وقت یاد دلایا جب کہ سینٹ گٹ ہرڈ کی جنگ میں فرانسیسیوں نے آسٹریا کی مدد کی تھی اور اسے تباہ ہونے سے بچایا تھا جس کی شکر گزاری میں آسٹریوں نے فرانسیسیوں کو بھوکا مارا تھا۔ لوئی کی کوششیں بیکار ثابت ہوئیں۔ سوبیسکی نے کافروں کی عداوت میں یہ سب باتیں بالائے طاق رکھیں۔ اور یہ امیرلارین

اور والیان سیکسنی اور بویریا کی افواج سے مل کے عثمانیوں کی طرف بڑھا۔ ۱۲ ستمبر ۱۶۸۳ئہ میں لہسی و ستے کیلمبرگ پر سیڑھی لگا کے چڑھ گئے جہاں عثمانیوں نے مورچہ بندی کی تھی۔ شاہ لہستان کی جانبازی سے جنگ کا تصفیہ ہوا۔ شام کے سات بجے وائنا میں دشمن کا پتا بھی نہ تھا۔ مال غنیمت بہت ہاتھ آیا۔ تین سو توپیں پانچ ہزار خیمے جنگی خزانے کے صندوق اور (Chancellery) اور سنجک شریف کی جھنڈیوں کے علاوہ تمام جھنڈیاں ان کے ہاتھ لگیں یہ سب فاتحین نے لیا۔ قرۃ مصطفیٰ جو سلطنت جرمنی اور سلطان[ٹ] کا خطاب حاصل کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا اپنے مشیخت مآب خوابوں سے بیدار ہوا۔ دریائے راب کے پاس اپنی بچی کھچی فوج جمع کی اور بودا کی طرف ہٹ گیا۔ اور ایک خونریز جنگ کے بعد پارکانی میں دریائے طونہ پار کیا۔ اس جنگ میں آٹھ ہزار ترک قتل اور بارہ سو قید ہوئے۔ گرین نے سوبیسکی کے پہلے ہی مطالبے پر اپنے دروازے کھول دیئے۔ ترکی فوج کی ہمت پست ہوگئی اور وہ اپنے سپہ سالار کے قابو سے نکل گئی۔ قرۃ مصطفیٰ نے ہر دس آدمیوں میں سے ایک کو قتل کر کے بھاگڑ کو روکنے کی کوشش کی۔ مگر اس پر بھی فوجوں کی ہیبت بڑھتی گئی۔ صدر اعظم کی سختی سے فوج کے سپاہی اور افسر دونوں مخالف ہو گئے۔ استامبول میں اس کے دشمنوں نے والدہ سلطان[ٹ] کی مدد سے محمد چہارم سے اس بدقسمت جنرل کے قتل کا حکم حاصل کیا۔ بلغراد کا افسر اعلےٰ قرۃ مصطفیٰ کا سر لانے کے لیے بھیجا گیا۔

مقدس لیگ۔ محمد چہارم کی معزولی

قائم مقام ابراہیم پاشا صدارت عظمیٰ سے ناراض تھا لیکن قرۃ مصطفیٰ

ٹ۔ کیننٹیمر

ٹ۔ قرۃ مصطفیٰ کی اتنی جلد ترقی کی وجہ یہی نہ تھی کہ وہ کپرولی اکبر کا بھتیجا تھا بلکہ اس کی

کے بعد صدر اعظم اور سپہ سالار افواج ہوا۔ اس سے قبل کبھی ایسی خطرناک صورت حال پیدا نہ ہوئی تھی۔ عثمانیوں کے خلاف ایک مجلس مقدس لیگ کے نام سے قائم ہوئی جس میں آسٹریا، لہستان، بندقیہ، بہادران مالٹا، پوپ اور روسی شامل تھے۔ لہستان کو فرانس نے اس لیگ میں شامل ہونے سے روکا تھا مگر لہسیوں نے کوئی اعتنا نہ کیا۔ بندوقی اکریت کا بدلہ لینے پر تلے ہوئے تھے۔ پوپ مذہب کے اعتبار سے ترکوں کا ہمیشہ سے مخالف تھا۔ لیوپالڈ نے روسیوں سے درخواست کی تھی کہ "بحر اسود کا راستہ جاری کر کے قسطنطنیہ پر حملہ کر دے۔ یونان اور ایشیا ان کا ساتھ دیں گے"۔ ان تمام دشمنوں کے مقابلے میں بابعالی کے پاس تھکی ہوئی اور پست ہمت فوج تھی۔ دولت بھی اس کے پاس ختم ہو چکی تھی۔ فرانس کے اتحاد کی امید نہ تھی کہ وہ خود تازہ ذلتوں سے مشتعل ہو رہا تھا۔

ڈیوکن اور دے تورویل کے فتوح سے بحر متوسط میں فرانسیسی پرچم لہرا رہا تھا۔ اگر اس سمندر میں اس کے حریف تھے تو وہ مغربی قزاق تھے جنھوں نے اپنی قدیم غارتگری جاری رکھی تھی لیکن فرانسیسیوں نے انھیں پھر بالکل تہس نہس کرنے کا بیڑا اٹھایا اور فرانسیسی دستے ہر طرف سے ان کے تعاقب میں مصروف ہو گئے۔

ڈیوکن نے طرابلس سے کیو کی بندرگاہ تک آٹھ جہازوں کا

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ زیادہ تر توجہ والدۂ سلطان کی۔ اس کے ساتھ محبت تھی۔ مگر قرۂ مصطفیٰ نے والدۂ سلطان سے دست کش ہو کے محمد چہارم کی بہن بیہ سلطانہ سے محبت پیدا کی جس سے اس کی سابقہ محبوبہ اس کی سخت دشمن ہو گئی۔ والدۂ سلطان نے کوشش کی کہ بیہ سلطانہ کی شادی اس کے ساتھ نہ ہو اور سلطان کو ترغیب دی کہ اپنی بہن کی شادی والی بودا سے کرے۔ بعض عثمانی مورخ لکھتے ہیں کہ صدر اعظم نے ہنگری کی جنگ محض اس لیے اپنے سر لی تھی کہ بیہ لاڈی کو دیکھنے کا موقع ملے۔

تعاقب کیا۔ یہاں ترکی نے اس کو واپسی کا حکم دیا اور جب اس نے انکار کیا تو فرانسیسی بیڑے پر گولہ باری کی۔ دیوکن نے اس کے جواب میں قلعے پر گولہ باری کی۔ جو بالکل تباہ ہوگیا اور دو مسجدیں بھی جلا دیں۔ آخر باشندگانِ کیئو کی درخواست پر اس نے گولہ باری موقوف کی۔ قپودان پاشا بیالیس جہاز کے ساتھ کمک کو پہنچا۔ دیوکن نے اسے سمجھا دیا کہ اگر وہ طرابلسیوں کو اطاعت پر مجبور اور ان کے فرانسیسی غلام آزاد نہ کرے گا تو وہ کیئو عثمانی بیڑے، اور اُن آٹھ طرابلسی جہازوں کو جلا ڈالے گا۔

استانبول میں برہمی پھیل گئی۔ فرانسیسی سفیر مارکوئی دے گیئے راگ کو موت کی دھمکی دی گئی اور وہ صدر اعظم کے گھروں میں قید کر دیا گیا۔ دیوکن دس جہازوں کے ساتھ درۂ دانیال میں داخل ہوا۔ اور مجلس ترکی کو کہلا بھیجا کہ اگر سفیر کو ذرا بھی تکلیف پہنچی یا فرانس کی کامل تشفی کے ساتھ جملہ امور نہیں طے ہوئے تو وہ مارکوئی دے گیئے راگ کو واپس لے جانے کے لیے قسطنطنیہ آجائے گا۔ وزیر نے سفیر کو صلاح دی کہ وہ اپنی طرف سے سلطان کو کچھ نذرانہ دیکے معاملات کی یکسوئی کر لے۔ گیئے راگ نے پندرہ سو پاونڈ دیئے اور سوداگروں اور مشنریوں کے متعلق حسب دلخواہ فرامین حاصل کر لیے (۱۶۸۱ء)

مگر اس پر بھی لوئی چہاردہم نے الجزائریوں سے خوفناک انتقام لیا۔ الجزائر پر دو ماہ تک دیوکن نے گولہ باری کی اور اسے قریب قریب تباہ کر دیا۔ باشندوں سے صلح اسی وقت کی گئی جس وقت انھوں نے اپنے تمام غلام آزاد کر دیئے اور بارہ لاکھ فرش تاوان جنگ دیا (۱۶۸۴ء)۔ طرابلس کی بھی وہی حالت ہوئی جو الجزائر کی ہوئی۔ دیوکن نے پانچ ہزار بمپ پھینکے (۱۶۸۵ء) تونس نے خوف سے اطاعت قبول کی۔ شاتو رینا ڈ نے مغرب اقصیٰ کی بندرگاہوں کی ناکہ بندی کی اور اس کا بیڑا تباہ کر دیا۔ جینوا نے الجزائر کو جہاز اور

سامان حرب پہنچایا تھا اس لیے اس پر بھی بے رحمی کے ساتھ گولہ باری کی گئی۔

بابعالی نے اب فرانس سے مصالحت کی کوشش کی۔ مارکوئی دوبے بگئے راگ مورد اعزاز و عنایات ہوا۔ اس کے مطالبات بغیر کسی حجت کے قبول کئے گئے لیکن مجلس ترکی نے نخوت سے اس والی کے ساتھ اتحاد کرنا نہیں پسند کیا جس نے مسلمانوں کے شہر جلائے تھے۔ مجلس نے صرف اس کی ثالثی کی درخواست پر اکتفا کی۔

ترکوں کو پے درپے اور جلد جلد ہزیمتیں ہوتی گئیں۔ ڈیوک دے لورین نے ہنگری پر حملہ کیا۔ سوبیسکی یاسی میں داخل ہوا۔ اور بندوقیوں نے مورہ فتح کرنے کی کوشش کی۔ فرانس کے ایما پر لہستان کی طرف سے ایسی زیادہ مخالفت نہ ہوئی۔

بندوقیوں نے بہت جلد کامیابی حاصل کی۔ سینٹ مار اور پریزیوا ان کے قبضے میں آ گئے۔ موروسینی نے خلیل اور مصطفیٰ پاشا کو شکست دے کے کورن پر قبضہ کر لیا۔ مینوٹیوں کی مدد سے اس نے زرناطہ، قلماطہ، اور پساوا حاصل کر لیا۔ اور ارنا وطلعہ پر چڑھ آیا۔ (۱۶۸۵ء)۔ دوسرے سال کونگس مارک کی مدد سے اس نے یکے بعد دیگرے نوارن، مودن، ناپل ڈی رومین، ارکاڈی، پطرس، لیپانٹو، کورنتھ، اور ایتھنس فتح کر لیے۔ سنگ مرمر کے وہ شیر جو گویا پائریس کے دروازوں کے نگہبان تھے بندقیہ بھیجے گئے۔ موروزینی کا بت حکام جمہوریت بندقیہ کے محل کے بڑے دیوان میں حسب ذیل کتبے کے ساتھ رکھا گیا۔ "پیش کردۂ مجلس بخدمت موروزینی باشندۂ موری درحین حیات او" (۱۶۸۶ء)

آسٹریا بھی بندقیہ والوں سے قسمت میں گھٹے ہوئے نہ رہے۔ امیر لارین نے دگزین کی دیواروں میں شاندار فتح کے بعد دگزین اور روسگراڈ پر قبضہ کیا۔ پھر ترکوں کو سینٹ اینڈری میں

شکست دے کے وہ پیسٹ میں داخل ہوا۔ اور بودا کا محاصرہ کر لیا۔ گورنر ابراہیم پاشا کی بہادرانہ مدافعت سے شاہی افواج کو پسپا ہونا پڑا۔ ٹھیک اسی وقت جنرل لزلی اور جنرل ٹاٹ منڈورف نے حکام بوسنہ کو شکست دی اور رغادسکہ نے ویرو وٹز اور زخروات ولایتی کے چند مستحکم مقامات حاصل کر لیے (۱۶۸۴ء)

۱۶۸۵ء کی جنگ ترکوں کے لیے اور بھی بدنصیبی کا باعث تھی۔ ڈیوک دے لورین نے غران سے محاصرہ اٹھا لیا اور نیوہیسل پر چڑھائی کی اور اس کو فتح کیا۔ کونٹ ہربسٹین نے علاقہ لکا، کاربوی، اور وادی او دینا کو تاخت و تاراج کیا اور لزلی نے ازسک کو آگ کے نذر کیا اور جنرل شولز نے ٹیکیلی کو اپریس، انگوار، اور کراسنا ٹیورکا کے تخلیے پر مجبور کر دیا۔

ان شکستوں کی ذمہ داری سے بچنے کے لیے صدر اعظم نے تمام الزام اپنے ماتحت فوجی افسروں کے سر تھوپا۔ ٹیکیلی "ہفت مینارہ" کے قید خانے میں مقید اور نیوہیسل کا کمیدان چیطان ابراہیم پاشا قتل کیا گیا سلیمان پاشا سپہ سالار افواج لہسی پر بھی اب صدر اعظم کا نیشتر چلنے والا تھا کہ اس نے ابراہیم کو موقع دینے سے پہلے خود اس پر وار کر دیا اور اس کو معطل کر کے رھوڈس جلا وطن کرنے میں کامیاب ہو گیا سلیمان صدر اعظم ہوا لیکن اس نے اپنے ہم وطنوں کی امیدیں توڑ دیں۔ اس میں ہمت اور مستعدی ضرور تھی لیکن وہ قابلیتیں مفقود تھیں جو ڈیوک لارین جیسے زبردست دشمن کے مقابلے میں ہونی چاہئے تھیں۔ یہ ڈیوک وہ تھا جس کے مدرسے میں فن حرب کی تعلیم حاصل کرنا یورپ کے لیے باعث افتخار تھا۔

ٹیکیلی کو قید خانے سے رہا کر کے سلیمان بودہ کی مدد کو پہنچا جس کا ڈیوک لارین کے نوّے ہزار آدمیوں نے محاصرہ کیا تھا۔ محاصرہ ۱۸ جون ۱۶۸۶ء کو شروع ہوا تھا۔ گورنر عبدی پاشا نے اطاعت سے

انکار کیا اور اپنا فرض منصبی جوانمردی سے ادا کیا۔ دو حملوں میں شاہی فوجوں کو پسپا ہونا پڑا لیکن تیسرے حملے میں وہ شہر میں گھس گئیں جسے انھوں نے جلا دیا اور جس کی زمین کو خون سے سیراب کر دیا۔ بہادر جنرل چار ہزار آدمیوں کے ساتھ درّے پر کام آیا۔ ہنگری کا دار السلطنت ترکوں کے قبضے میں ۱۴۵ برس سے تھا۔ یہ شہر ان کے حق میں اسلام کا حصن حصین مقدس جنگ کا ماوٰی و ملجا اور کلید سلطنت عثمانیہ تھا۔

سلیمان کے ہاتھ سے بودا نکل جا چکا تھا اس لیے وہ ایک شاندار فتح سے بودا کی تباہی کا عوض لینا چاہتا تھا۔ ستّر توپیں اور ساٹھ ہزار سپاہیوں کی معیت میں وہ عیسائیوں کے مقابلے میں بڑھا۔ موہاکز کے میدان میں دونوں فوجوں میں لڑائی ہوئی۔ یہ مقام ہنگریوں کی شکست کے لیے مشہور تھا جو ایک سو ساٹھ برس پہلے انھیں ہوئی تھی۔

لیکن اس دفعہ عثمانیوں نے شکست کھائی۔ ان کے بیس ہزار آدمی کام آئے۔ اور تمام اسباب اور توپخانہ غنیم نے لے لیا۔ (۱۰۔ اگست ۱۶۸۷ء) ٹرانسلوینیا فاتحین کے قبضے میں آیا اور بد دل ترکوں نے اسیک، والپو، سلیوانیا کے ۱۴ مضبوط قلعے اور خیروات اور مجرستان تحتی کے کئی مقامات کا تخلیہ کر دیا۔

اتنی شکستوں کے بعد فوج میں بے حد بے چینی پھیل گئی سپاہیوں اور جاں نثاروں نے صدر اعظم کے خلاف سر اٹھایا جو آخر کار بلغراد بھاگ گیا۔ افسروں نے شکایات سلیمان کی ایک باضابطہ درخواست سلطان کو گزرانی۔ سلطان ڈر کے وزیر کا سر باغیوں کی نذر کیا۔ اس رعایت سے بغاوت کی رفتار میں کمی نہ ہوئی۔ باغیوں نے لڑائی کا میدان چھوڑ کے قسطنطنیہ کا رخ کیا۔ قائم مقام کپرولی مصطفیٰ نے بادشاہ کو سلطنت پر قربان کر دیا۔ اس نے علما سے کہا کہ وہ سلطان کو مطلع کریں کہ اس کی حکومت کا خاتمہ ہو چکا۔ محمد چہارم نے جواب دیا۔

"خدا مالک ہے۔" وہ سرائے میں مقیّد کیا گیا اور اس کا بھائی سلیمان اس کی جگہ تخت پر بیٹھا۔ (۸۔ نومبر ۱۶۸۷ء)

کپرولی مصطفیٰ کی وزارت۔ صلحنامۂ کارلووٹز

کپرولی حسین

سلیمان کی زندگی کے چھیالیس سال سرائے کی قید میں تمام تر قانون اور مذہب کے مطالعے میں گزرے تھے۔ وہ اپنی تخت نشینی کی خبر سُن کے مضطرب ہو گیا۔ اس کو جبر اور زبردستی سے بادشاہ بنایا گیا۔ باغی فوجوں میں دولت تقسیم ہوئی اور باغی سردار روم ایلی اور جدے کی ولایت پر مامور ہوئے۔ ان بزدلانہ انتظامات کا وہی نتیجہ ہوا جو ہونا چاہیئے تھا۔ سپاہیوں اور جاں نثاروں نے اپنے آغا کو قتل کیا۔ اور شویش پاشا صدر اعظم کو اس کے محل میں بند کر دیا جس کا انتخاب ایک ماہ پہلے ہوا تھا۔ شویش مردانہ وار لڑ کے قتل ہوا۔ اس کے قتل کے بعد شورش پسند اس کے حرم میں گھس گئے۔ اس کی بیوی اور بہن کو مثلہ کیا اور انھیں بازاروں میں گشت کرایا۔ اور دوسری عورتوں پر بھی شرمناک حملے کئے۔ اس ناشائستہ نظّارے سے عوام سخت متنفّر ہو گئے۔ علما نے لوائے اسلام بلند کیا اور تمام دیندار مسلمانوں کو سپاہیوں پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی۔ سپاہیوں نے ڈر کے اطاعت قبول کر لی بعض سرغنوں کی تعزیر سے امن و امان قائم ہو گیا۔

ان بدامنیوں سے فائدہ اٹھا کے آسٹریوں نے اپنے فتوح کا دائرہ وسیع کیا۔ کارفا نے آرلاڈ، لیپا، اور سگاکس فتح کیا اس کے ساتھ ہی ساتھ مورو زینی نے تھیبس اور نکارنیو و پر قبضہ کیا اور ان مقامات کی

محافظ عثمانی فوج کو ڈلمیشیا میں بھگا دیا (۱۶۸۸ء) دوسرے سال لوئی امیر بیڈن نے سمندریہ، کولمباز، اسٹولوسمبرگ اور بلغراد فتح کر لیا۔ مسلمان ان شہروں کو "مقدس جنگ کی شہرپناہیں" کہتے تھے۔ بالعالی نے ان پیہم ہزیمتوں سے تنگ ہو کے صلح کی درخواست کی۔ فاتحین نے ناممکن شرطیں پیش کیں۔ ترک ان کڑی شرطوں کو بھی قبول کر کے صلح کر لیتے مگر فرانس نے شہنشاہ کی توجہ ترکوں سے اپنی طرف پھیر لی جس سے آسٹروی افواج کا زیادہ حصہ دریائے رہائن کی طرف منتقل ہوا۔ (۱۶۸۹ء) لیکن ترکوں اور آسٹریوں میں مخالفت بدستور رہی۔ ترکی کا صدر اعظم ان دنوں مصطفیٰ رو ڈسٹوی ایک نااہل شخص تھا۔ کارٹانٹزا (کروشیا) بلوچنیا (سرویا) اور نش میں ترکوں کو شکستیں ہوئیں۔ بلادنش اور ودون سے ان کا قبضہ اٹھ گیا۔ سرویوں نے بغاوت کی اور اسقطہ پر آسٹروی حملہ کرنے والے تھے۔ ایک کیپرولی نے حکم لگا دیا تھا کہ ایک اور جنگ کی دیر ہے پھر دشمن قسطنطنیہ میں پڑاؤ کرے گا۔ سلطنت تباہی کے کنارے لگ رہی تھی۔ ایک باضابطہ مجلس ایڈریانوبل میں منعقد ہوئی جس نے اس تباہی سے نجات کا ذریعہ ایک تیسرے کیپرولی کو قرار دیا۔

کیپرولی زاد مصطفیٰ نے خود کو اپنے باپ اور بھائی کے ہم پلہ ثابت کیا۔ اس نے ایک عام اصلاح تجویز کی۔ اس کا باپ بڈھا کیپرولی ہوتا تو اس سیاسی عمارت کے استحکام میں تشدد برتتا۔ مگر اس نے کسی اصلاح میں بھی کسی قسم کی سختی نہیں کی۔ اس نے خزانہ بھر دیا اور مال ان چوروں سے اگلوا لیا جنھوں نے اس کے پیشروؤں کے زمانے میں لوگوں پر مظالم توڑے تھے۔ نئے اصول پر محصول عائد کئے۔ تموّل کے اعتبار سے خراج کے تین درجے رکھے۔ اوقاف کی رقم جو دیندار لوگ مساجد کی نذر کرتے تھے خزانے میں جمع کرائی۔ مفتی نے اس روش کو مذہبی بے حرمتی سے تعبیر کیا۔ کیپرولی نے جواب دیا کہ

وہ مال جو مذہبی امور میں وقف ہو مذہبی جنگوں پر لگانا چاہیئے۔ اس طریقے سے یہ بجا تصرف میں آسکتا ہے۔ اسلام کا تقاضہ یہ ہے کہ اس مال کو دشمنوں اور رہزنوں پر خرچ کرنے کی جگہ ان کی پرداخت میں صرف کریں جو مقدس ستونوں کے رکھوالی ہیں۔" [1]

جب فوجوں کی تنخواہ اور ذرائع معیشت کا انتظام کر چکا تو انھیں ایک فرمان لکھا جس میں ان کے اسلامی جذبات کو برانگیختہ کیا تھا۔ اس نے انھیں یاد دلایا کہ خدا نے انھیں کفار سے لڑنے مرنے کا حکم دیا ہے۔ اور ان پر یہ واضح کر دیا کہ مجھے انھیں لوگوں کی ضرورت ہے جو اپنی جان فدا کرنے پر تیار رہیں۔ ڈرپوک اور بزدل لوگوں کو میں اجازت دیتا ہوں کہ وہ فوج سے نکل جائیں۔ میں انھیں کچھ نہ کہونگا" ان پُر زور الفاظ کا فوج پر بڑا اثر ہوا۔ صدر اعظم کے جھنڈے کے نیچے کثیر فوج جمع ہوگئی جو جوش میں بھری ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اس نے نرمی اور آشتی سے سلطنت کے عیسائیوں کو بھی اپنا طرفدار کرنے کی کوشش کی۔ سلطان کی تمام رعایا کے ساتھ "بغیر کسی قسم کی مذہبی تفریق اور جنبہ داری ملحوظ رکھے" اس نے عیسائیوں پر تشدد کرنے کو منع کیا۔ اور فوجوں کو حکم دیا کہ جو کچھ مال ان سے لیا گیا ہو وہ واپس کر دیں۔ اس پر بھی کسی شخص نے کسی کسان کا ایک انڈا بھی چُرایا تو اسے موت کی سزا دی۔ اس نے قسطنطنیہ کے عیسائیوں کو اجازت دی کہ اپنے قدیم گرجاؤں کی مرمّت کرلیں۔ اور وہ سابقہ قدیم رسم توڑ دی جس سے لازم تھا کہ ٹوٹے گرجاؤں میں وہی پتھر اور لکڑی لگے جو ان میں پہلے لگی ہو۔ اور کہا کہ "اس دستور کے موجد بیوقوف تھے۔ اور ان کی اتباع کرنے والے ان سے بھی بڑھ کر بیوقوف تھے"۔

اس نے آزاد تجارت کا اصول رائج کیا۔ اور امتناعی قواعد

[1] کانیتمر۔ "تاریخ عروج و زوال دولت عثمانیہ"

منسوخ کردیئے۔ اس کا قول تھا۔ "قرآن اس بارے میں کوئی حکم نہیں دیتا۔ خرید و فروخت بائع اور مشتری کی مرضی سے ہونی چاہیئے"۔ اس اصلاح سے خاص کر یہودی اور عیسائی مستفید ہوئے کیونکہ عثمانیوں کو تجارت سے نفرت تھی۔ عدالت میں بھی اصلاح کی ایسی ہی شدید ضرورت تھی۔ حکام رشوت خوار تھے اور جھوٹی گواہی کا پیشہ ڈنکے کی چوٹ جاری تھا۔ اس نے شخصیّت کا مطلق خیال نہ کیا اور نہ سازشوں کی پروا کی۔ جتنے مشتبہ منصف تھے سب کو سختی کے ساتھ معطل کر دیا۔ ان اصلاحات کے بعد کپرولی اگر غرور میں یہ کہتا تو بجا تھا کہ "صبر و تحمل کے نتائج یہ ہیں۔ میں نے بادشاہ کی قوت میں اضافہ کیا۔ اور اس کی سلطنت ان لوگوں سے آباد کی جو اس سلطنت سے متنفر تھے"۔

اس دانشمندی اور نرم دلی کی بدولت موُرہ سلطنت تُرکی میں آگیا۔ بندقیوں کے مظالم سے چور چور ہو کے جو انھیں لاطینی گرجا کے رسوم کا پابند کرانا چاہتے تھے۔ موُرہ اور ایتھنس کے یونانیوں نے صدر اعظم کی نرم دلی پر فریفتہ ہو کر بندقیوں کا ساتھ چھوڑ دیا اور اپنے آپ کو بابعالی کی اطاعت میں دیدیا۔

سلطنت اور فوج میں امن و امان اور انتظام قائم کرنے کے بعد کپرولی دشمن کی طرف بڑھا۔ خان قرم سلیم غرائے نے صربستان کی بغاوت فرو کی۔ اور ایک جرمن رسالے کو کوسووو میں شکست دی۔ ٹیکیلی نے جنرل ہاسلر کی فوج ٹرنسٹ میں تباہ کی۔ اور جنرل کو قید کر کے ٹرانسلوینیا کے والی ہونے کا اعلان کیا۔ خود کپرولی نے سکندروف کو ڈراگومن میں شکست دی اور نش و ڈن سمندریہ اور بلغراد واپس لے لیا۔ (۱۶۹۰ء)۔

چند ماہ بعد سلیمان کا انتقال ہو گیا۔ اس کا بھائی احمد دوم تخت پر بیٹھا۔ (۲۳ جون ۱۶۹۱ء) کپرولی کی حکومت اور اثرات اس عہد میں بھی ویسے ہی رہے جیسے سابقہ عہد میں رہے تھے بلکہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ

ایک روز سلطان نے یہ کہا کہ "میں نے سلطنت کا تمام نظم و نسق کیپرولی پر چھوڑ دیا ہے۔ اگر میں ایسا نہ کروں تو مجھے خوف ہے کہ میری مداخلت سے وہ سب بنا بنایا کام بگڑ جائے جو اس کی دانشمندی سے عمل میں آیا ہے۔" بدقسمتی سے ملک سے ایسا بہترین وزیر اٹھ گیا جو خوبی قسمت سے اس کو ملا تھا۔ ۱۸ / ۱۹ اگست ۱۶۹۱ء کو اس نے شہنشاہی فوج کا سالنکینیم کے قریب مقابلہ کیا جو لوئی امیر باڈن کی کمان میں تھی۔ تلوار ہاتھ میں لیے ہوئے سلحداروں کی سرگردگی میں حملہ کر رہا تھا کہ ایک گولی کنپٹی میں لگنے سے گر پڑا اور اپنے ساتھ سلطنت کو بھی لے گرا۔ ترکوں نے ۲۸ ہزار آدمی میدان جنگ میں چھوڑے۔ اور ۱۵۰ توپیں دشمن کے حوالے کیں۔

کیپرولی ایک فہمیدہ اور منصف مزاج حاکم ایک مستعد اور بہادر جنرل اور ایک متدیّن اور صاف دل آدمی تھا۔ اس نے کبھی اپنے ضمیر کو دھوکا نہیں دیا۔ اور نہ اپنے فرض منصبی میں راستبازی سے انحراف کیا۔ اس کے انتقال پر ملک کے عیسائی اور مسلمان دونوں نے یکساں تاسف کیا۔ اور لوگ اب بھی نیک کیپرولی کی یادگار مناتے ہیں۔

بعد کے چار سالوں میں (۱۶۹۱ء۔ ۱۶۹۵ء) جنگ کی رفتار مدھم رہی۔ قابل ذکر واقعہ عثمانیوں کی پیٹرووردین کے لئے بے سود کوشش ہے۔

محمد چہارم کے بیٹے مصطفیٰ دوم کی تخت نشینی سے (۱۶۹۵ء) سلطنت کے معاملات تیزی سے آگے بڑھے۔ اپنی تخت نشینی کے تین دن بعد اس نے ایک "خط شریف" صادر کیا جس میں سابق سلطان کی روش پر نکتہ چینی کی تھی کہ اس نے عیّاشی کا غلام بن کے تمام سلطنت کے کاروبار اپنے وزرا پر چھوڑ دیئے تھے۔ اور خود بنفس نفیس فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لینے کا ارادہ ظاہر کیا۔ جب اس کے وزرا نے اس بارے میں مزاحمت کی اور اس کو اپنی ہستی کو خطرے میں ڈالنے

سے روکا تو وہ بھی کہتا رہا کہ "میں اپنے کوچ کے ارادے پر مصر ہوں"۔ نئی بادشاہی کا افتتاح کامیابی سے ہوا۔ میزو مورٹو نے جو پہلے تونس کا قزاق تھا دوبار بندوقی بیڑے کو خلیج میں خوس کے پاس شکست دی۔ اور دوبارہ اس جزیرے کو فتح کر لیا۔ خان تاتار نے لہستان پر حملہ کیا۔ لیکن لمبرگ کے زبردست مقابلے میں اس کو رک جانا پڑا۔ روسیوں کو ازوف کا محاصرہ اٹھا دینا پڑا جس میں ان کے تیس ہزار آدمی ضائع ہوئے۔ (اکتوبر ۱۶۹۵ء) سلطان خود ہنگری میں گھس گیا اور لیپا کو حملہ کر کے فتح کر لیا۔ جنرل ویٹارنی نے چھ ہزار آدمیوں کے ساتھ عثمانیوں کو لوگس میں روکنے کی کوشش کی۔ اس کی فوج نے ان کو بہت بھاری نقصان پہنچایا۔ اور پندرہ ہزار آدمی قتل کئے لیکن بعد میں تعداد کثیر سے محصور ہو کے وہ بالکل تباہ ہو گئی۔ ویٹارنی خود زخمی قید اور قتل ہوا (۲۲ ستمبر ۱۶۹۵ء)۔

ان جدید غیر معمولی کامیابیوں سے عثمانیوں کے ولولے پھر تازہ ہو گئے۔ مفت کے نذرانوں سے فوج کی تنخواہ نکلنے لگی۔ دولتمند لوگوں نے رضاکاروں کے رسالے تیار کئے۔ اولاش کی فتح سے جس میں سلطان کو والی سیکسنی پر کامیابی ہوئی تھی ان کے جوش مسرت میں مزید اضافہ ہو گیا (۱۶۹۶ء) اور جب زار اطراس اوّل نے ازوف پر قبضہ کر لیا تو انھوں نے خوشی میں اس کا مطلق خیال بھی نہ کیا۔

لیکن قسمت کا پانسہ جلد پلٹ گیا۔ عثمانی فتوح یہیں تک ہی محدود رہے۔ یوجین ناہور والی سوائے نے شاہی افواج کی کمان اب اپنے ہاتھ میں لی تھی۔ پُر فریب پیش قدمیوں اور مراجعتوں کے بعد زنتا کے قریب دریائے تھیئس کے سنگم پر حملہ آور ہوا۔ بیس ہزار ترک آسٹریوں کی گولہ باری سے مارے گئے۔ دس ہزار دریا میں غرق ہوئے۔ صدر اعظم قتل ہوا۔ سلطان بھاگ گیا۔ اور بوسنہ پر آسٹریوں نے حملہ کر دیا (۱۶۹۷ء)۔ سلطنت پھر خدشے میں تھی۔ اور پھر چوتھی مرتبہ

ایک کپرولی اس کو منجدھار سے نکالنے کے لیے بلایا گیا۔ کپرولی حسین، کپرولی اکبر کا بھتیجا تھا جس نے صدارت عظمیٰ کے ساتھ افواج کی سپہ سالاری کا جائزہ لیا۔ خزانہ خالی تھا۔ کپرولی نے اسکو اپنے اعلیٰ تدابیر سے بھر دیا۔ اور جوں توں کر کے ایک فوج مرتب کی جس نے دولتین پاشا کی کمان میں شاہی افواج کی فاتحانہ پیش قدمی روک دی۔ اور اسے دریائے ساو واپس عبور کرنے پر مجبور کیا۔ لوئی چہاردہم نے رسوک کے صلحنامے پر دستخط کر دیئے تھے۔ اس کا ارادہ تھا کہ ترکوں کو بھی اس معاہدے میں شریک کرے لیکن انھوں نے انگریزی سفیر کی ثالثی منظور کی۔ فرانسیسی سفیر مارکوئی ذے فیریول نے ولیم آرینج کی رشوت کے مقابلے میں بے سود کوشش کی۔ ترکوں نے اس کا کہنا نہ مانا اور صلحنامے پر دستخط کر دیئے۔ اس نے اپنے بادشاہ کے نام سے ترکوں کو یقین دلایا کہ فرانس اپنے ہتیار اس وقت تک نہ رکھے گا جس وقت تک ترکوں کو ہنگری اور اس کے تمام سابقہ صوبے اس کو نہ دلادے لیکن یہ سب بیکار باتیں تھیں۔ "مجلس ترکی نے اس تمام گفت وشنید کا یہ کہہ کے خاتمہ کر دیا کہ سفیر بیکار جھگڑوں میں نہ پڑے گا۔ اس وقت ضرورت صلح کی ہے اور صلح کی جائے گی"۔[۱] اس صلحنامے پر بغیر کسی تاخیر کے کارلو ؤٹز میں دستخط ہو گئے۔

آسٹریا اور ترکی نے ۲۵ سال تک التوائے جنگ کا اقرار کیا۔ ترکی نے ہنگری اور ٹرانسلوینیا لیوپالڈ کے حوالے کیے۔ اور صرف دریائے تھیئس اور میراس کا علاقہ اپنے قبضے میں رکھا۔ سرستان میں بالاتفاق حدّ فاصل مقرر کی گئی جو دریائے ظونہ اور دریائے تھیئس کے سنگم سے دریائے بوسنہ اور دریائے ساؤ کے سنگم تک جاتی تھی، اس مقام سے دونوں سلطنتوں کی سرحد دریائے ساؤ سے دریائے اونا تک

---

[۱] کانتیمر۔

قرار پائی۔ لہستان نے کامینیک پوڈولیا، اور دریائے اکبرین واپس لیا۔ روس ازوف پر قابض رہا۔ بندوقیہ نے ہیکزامین تک مورہ اور قریب قریب تمام ڈلمیشیا وغیرہ حاصل کیا۔ اور وہ تمام خراج جو دول یورپ پہلے ادا کرتی تھیں موقوف کر دیئے گئے۔

یہ ترکی سلطنت کی پہلی تقسیم تھی۔ یورپ میں روس کی سیاسی اہمیت اسی وقت سے جنوبی سمندروں کے راستے کھلنے کے ساتھ شروع ہوتی ہے۔

کارلو وئز کے صلحنامے سے ترک لہستان (پولینڈ) اور ہنگری کے حدود میں مقیّد ہو گئے۔ اور ان کا تمام رقبہ دریائے سینسٹر، ساؤ اور آنا تک محدود رہا۔ یہ صلحنامہ بآواز بلند سلطنت عثمانیہ کے زوال کا اعلان کر رہا تھا۔ اور گو ترکی سلطنت مراد چہارم کے فولادی بازو اور بڈھے کپرولی کے سیاسی تدابیر سے کچھ دنوں تک اور قائم رہی لیکن ان کے بعد اس سلطنت کا عروج برقرار نہ رہ سکا ہرچند کپرولی وزرا نے اپنے دانشمندانہ طرز عمل سے اس کو ہر طرح برقرار رکھنا چاہا۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ ترکی سرکش سپاہیوں میں گھرا ہوا ہے جو اس کی تباہی میں مزید اضافے کا باعث ہیں۔

ملک کی تمام انتظامی شاخوں میں بدنظمی چھائی ہوئی تھی۔ ایران، آفریقہ، قرم، مصر اور عربستان کے تمام سرحدی علاقوں نے بغاوت کر دی۔ بغاوت کا سختی سے سدّباب ہوا۔ اور باغی مطیع بنائے گئے۔ اس کے بعد کپرولی احمد اپنے مجوزہ اصلاحات کی تکمیل میں مصروف ہو گیا۔ نیک کپرولی کے قدم بقدم چلتے ہوئے اس نے بوسنہ اور سربت کے باشندوں کو اس سال کے خرچے سے مستثنیٰ رکھا۔ رومالیا کی رعایا کو پندرہ لاکھ کا بقایا معاف کر دیا۔ شام میں مویشیوں کے لیے چراگاہ کی آزادی دی۔ مفتی کے ذریعے سے تفصیلی ہدایات سلطنت کے حکام میں بھیجے جن میں قرآن و نماز کی کامل واقفیت کے لئے دستور و قواعد مندرج تھے۔ اور نظامئے مدارس

کے لیے ضروری احکام صادر کیے۔ یہی نہیں کیا کہ عیسائیوں کو مصیبت سے نجات دی اور مسلمانوں کو ان کے مذہب کے مطابق اور اس پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دی بلکہ سلطنت میں امن پھیلایا۔ فوج کو رام کیا۔ مالیات میں کفایت سے کام لیا۔ بحری قانون مدوّن کیا۔ اور منافع عام کی عمارتیں بنوائیں۔ ہر طرف مساجد، مدارس، بازار اور چھاؤنیاں تعمیر کرائیں۔ بلغراد تمسوار اور نش کے قلعے درست کرائے اور ان میں نئی عمارتوں کا اضافہ کرکے تمام قسم کے اسلحہ رکھنے کا انتظام کرایا۔ قپودن پاشا موزومورٹو اس کا نہایت ہی وفادار مددگار تھا۔ جب وہ مرگیا تو کپرولی یکہ و تنہا رہ گیا۔ اب مفتی کی مخالفانہ سازشوں کے لیے میدان کھلا ہوا تھا۔ اس کے حلقہ بگوشوں میں وہ لوگ تھے جن کی زندگی برائیوں میں بسر ہوتی تھی اور جنھوں نے صدر اعظم کی نیکیوں اور قابلیتوں کو معاف نہیں کیا تھا۔ اس جتھے کی سازشوں سے کپرولی کے نہایت ہی وفادار ملازموں، قائم مقاموں اور تشویش باشی مصطفیٰ آغا کا خاتمہ کردیا گیا۔

ان مصیبتوں پر یہ اک اور مصیبت ہوئی کہ کپرولی کے بھتیجے زیبلی زادہ علی بے پر سلطانہ کی محبت کا جرم عائد کیا گیا اور اسے سخت تکلیف پہنچائی گئی۔ صدر اعظم کو اپنے بھتیجے کی مصیبت آگاہ کر رہی تھی کہ اس کا کیا حشر ہونے والا ہے۔ رنج سے گھبرکے اور لاعلاج مرض میں مبتلا ہوکے اس نے قلمدان وزارت سلطان کو واپس کیا (۵ ستمبر ۱۷۰۲ء) اور سترہ دن کے بعد اس دار فانی سے رحلت کرگیا۔

نواں باب

ترکی ۱۶۹۹ء سے ۱۷۵۷ء تک

احمد سوم (۱۷۰۳ء)۔ کوپرولی نعمان۔ فلک سین (۱۷۱۱ء) ایڈریانوپل (۱۷۱۳ء) اور پیسارووٹز (۱۷۱۸ء) کے صلحنامے۔ چھاپے کا رواج۔ محمد اول (۱۷۳۰ء) صلحنامۂ بغداد (۱۷۳۹ء)۔ بابعالی کا براطرزعمل عثمان سوم (۱۷۵۴ء۔ ۱۷۵۷ء)

احمد سوم (۱۷۰۳ء) کوپرولی نعمان

کوپرولی کی وفات سے بد انتظامیاں تازہ ہوگئیں۔ اس کا جانشین دولتین پاشا ایک سپاہی منش شخص تھا جس کی زندگی جنگ پر تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ کارلووٹز کا صلحنامہ توڑ ڈالے لیکن وہ مفتی کی سازشوں کا شکار ہوا۔ اور اسے پھانسی دی گئی۔ قتل ہونے سے پہلے اس نے جلّادوں سے کہا تھا" کافر مسلمانو۔ مجھے ضرور قتل کرنا۔ میں وہ آدمی ہوں جو غیور کو نہ مار سکا۔"

دولتین پاشا کے بعد رئیس افندی محمد صدر اعظم ہوا۔ یہ امن دوست آدمی تھا۔ اس نے کوپرولی کا نا تمام کام مکمل کرنا چاہا لیکن جب اُس نے خرابیوں کے انسداد کی کوشش کی تو علما اور جان نثار

اس کے مخالف ہو گئے۔ جو فوجیں باغیوں سے لڑنے کے لیے بھیجی گئی تھیں انھوں نے باغیوں سے صلح کر لی۔ اور جب مصطفیٰ تخت سے اتار دیا گیا تو اس نے جنگ و جدل کے بغیر تخت اپنے بھائی احمد سوم کے حوالے کر دیا (۲۲۔ اگست ۱۷۰۳ء)

احمد جب تخت نشیں ہوا تو اسے باغیوں کو صرف سونے سے ہی مالا مال نہیں بلکہ خون سے بھی سیراب کرنا پڑا۔ مفتی فیض اللہ افندی بلوائیوں کی بھینٹ چڑھا۔ اس کا جانشین محمد افندی ہی ایک ایسا شخص تھا جس نے اس کے قتل کا فتویٰ دے کے اپنی نظیر آپ پیش کی۔ جب سلطان کو تخت سے یکسوئی ہوئی تو اس نے باغی سرگروہوں کا معقول بندوبست کیا۔ اکثر آغا اور جاں نثار قتل کئے گئے۔ احمد پاشا جسے باغیوں نے صدر اعظم بنایا تھا جلا وطن ہوا۔ داماد حسن پاشا جسے صدارت عظمیٰ کے عہدے پر ترقی دی گئی تھی فوراً امن و انتظام قائم کرنے میں مصروف ہوا۔ گرجستان اور لزستان نے بغاوت کر دی تھی۔ انھیں سخت سزا دی گئی۔ اور ان قافلوں اور زائروں کی حفاظت کا معقول انتظام کیا گیا جو ملک شام سے جاتے تھے۔ اسلحہ خانے اور مدارس کھولے گئے۔ لیکن اس عمدہ انتظام اور سلطان کے بہنوئی ہونے کے باوجود حرم کی سازش سے بہت جلد وزیر معزول کر دیا گیا۔

اس کے بعد صدارت عظمیٰ کی کرسی پر متعدد لوگ بیٹھے اور اترے۔ ان کی کثرت کے اعتبار سے ان کے مجمل حالات بھی نہیں لکھے جاسکتے البتہ ان کے نام بتائے جاسکتے ہیں۔ مختصر یہ کہ یہ لوگ سازش اور سفلہ پن سے صدارت پر پہنچے۔ اور فساد اور بغاوت سے معزول ہوئے۔

لوئی چاردہم نے وراثت ہسپانیہ کی جنگ شروع کر دی تھی فیریول کو حکم دیا تھا کہ بابعالی کو اچھی طرح سے مطلع کر دے کہ پہلی شکستوں کی تلافی کرنے اور سابقہ حالت پر عود کر آنے کا یہ اچھا موقع ہے۔ اطالیہ اور ہسپانیہ کا خاندان بوربون سے متعلق تھا۔ بندوقیہ اور لہستان غیر جانبدار تھے۔

اس لیے مذہبی مجلس کے دوبارہ قائم ہونے کا اب خدشہ نہ تھا۔ لیکن امن پسند جماعت کا سرائے میں زور تھا۔ سلطان نے ایسی جنگ میں شریک ہونے سے انکار کردیا جس میں کفار آپس میں کٹ مر رہے تھے۔ اس جمود سے فائدہ اٹھاکے اور تمام مغربی حکومتوں کو ہسپانی جنگ میں مصروف دیکھ کے روس نے ترکی سے جنگ چھیڑ دی جس کا سلسلہ ہمارے زمانے تک جاری رہا۔ اور جس سے ترک تباہی کے کنارے آ گئے۔

تُرک اس نئے دشمن کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب پطرس اعظم نے قلعۂ ازف درست کیا اور جہاز بنوائے تو انھوں نے کوئی پروانہ کی۔ وہ چارلس دوازدہم کی اس خوفناک جنگ کو اسی طرح خاموشی کے ساتھ دیکھتے رہے جو نو مولود روس کو تہس نہس کرنے کے لیے کی گئی تھی۔ انھوں نے شاہ سویڈن سے جھوٹ موٹ وعدہ کرلیا کہ خان تتارستان اس کی مدد کو پہنچے گا۔ چارلس دوازدہم اس وعدے کو سچ سمجھ کے روس کے اندرونی علاقے میں سولہ ہزار آدمیوں کے ساتھ گھس گیا۔ پولٹاوا میں شکست فاش کھاکے اس نے عثمانی علاقہ بندر میں پناہ لی۔ اور احمد سوم کو زار کے مقابلے پر جنگ میں گھسیٹنے کی کوشش کی۔

فیریول اور دیسا یور سفرائے فرانس اور خان تاتار چارلس دوازدہم کی درخواست میں شریک ہوئے لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ صدر اعظم کپرولو نعمان روس کے ساتھ مصالحت پر مصر رہا۔ شاہ سویڈن کے طرفداروں نے صدر اعظم کی تباہی کی حتی الامکان کوشش کی۔ گو وہ عادل، ضابط، راستباز، اور مستعد تھا لیکن اس میں سیاسی قوت تمیز اور دُور بینی کی جس کے لیے کوپرولی خاندان مشہور تھا کمی تھی۔ اس کی معزولی جنگی جماعت کی سازشوں سے نہیں ہوئی بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے سلطان کے احمقانہ اسراف کی دلالی کرنے کو ناپسند اور اس سے قطعاً انکار کیا تھا۔ اس کے پیشرو جاں نثاروں کو روپیہ

اپنے خزانے سے نہیں دیتے تھے۔ بلکہ انھیں کی غارتگری اور لوٹ سے جو آتا تھا وہ تقسیم کر دیتے تھے۔ نئے صدر اعظم کے عہد معدلت مہد میں اس خرابی کا انسداد ہوا۔ احمد اب خزانے سے رقم نہیں لے سکتا تھا۔ اس نے صدر اعظم کو رعایا کے حقوق کو سلطان کے حقوق پر ترجیح دینے کا ملزم ٹھیرایا۔ اور اس سے کہا "تمہارا پیشرو شور لولی بخوبی جانتا تھا کہ خزانے کے سوا اور کن ذریعوں سے فوج کو تنخواہ دی جاسکتی ہے" صدر اعظم نے جواب دیا کہ "اگر لوٹ مار سے خود کو دولتمند بنانے کا کوئی فن ہے تو میں اپنی اس فن سے لاعلمی پر فخر کرتا ہوں" ۔ [1]

اس شریف طریقے سے کوپرولی خاندان ایک قابل اور دیانت دار آدمی پر ختم ہو گیا۔ اس کی معزولی سے اس شاندار خاندان مدبرین کی آب و تاب میں اور اضافہ ہو گیا۔ قابلیت اور کمال والے لوگ جو بد اخلاق اور مردہ دل قوم میں دبے پڑے تھے ایک ہو جاتے۔ تو کپرولیوں کے تحت ترکی پھر اسی نقطۂ عروج پہ پہنچ جاتا جس پر سلیمان کے زمانے میں پہنچا ہوا تھا۔

صلحنامۂ فالک سین (۱۷۱۱ء) صلحنامۂ اڈریانوبل (۱۷۱۳ء) اور صلحنامۂ پیسارووٹز (۱۷۱۸ء)۔ مطبع کا قیام۔

کپرولی کی معزولی گویا جنگ کا اعلان تھا۔ نئے صدر اعظم بلطہ جی محمد نے کمان خود اپنے ہاتھ میں لی۔

زار روس کو یقین تھا کہ عیسائی ممالک ترکوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے لیکن کوئی نہیں اُٹھا۔ دو لاکھ ترکوں اور تاتاریوں نے پطرس اول کو دریائے پروتھ کے کنارے جا گھیرا۔ اس کے پاس رسد تھی نہ سامان جنگ نہ روپیہ۔ اس لیے کوئی تعجب نہ تھا کہ اس کا اور اس کے ساتھ مسقوفی سلطنت کا خاتمہ ہو جاتا، لیکن اس موقع پر بددیانتی نے

[1] - والٹیر کی "تاریخ چارلس دوازدہم"

وہ کام کیا جو کسی طاقت سے بھی ممکن نہ تھا۔ بات یہ ہوئی کہ صدر اعظم بلطہ جی محمد ان تحائف کے دام میں گرفتار ہو گیا جو زرینہ کیتھرین نے اسے بھیجے تھے۔ اور یہ یقین کر لیا کہ صلحنامۂ فلکسین اس داغ کو دھو دے گا جو صلحنامۂ کارلووِٹز سے پڑا تھا۔ زار نے ازوف واپس دے دیا۔ اور دریائے ازوف کے قلعے منہدم کرنے کا ذمّہ لے لیا۔ اور یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ کاسکون کے معاملات میں دخل نہ دے گا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ صلح بابعالی کے لیے مفید ہوئی لیکن زار روس کے حق میں اس سے بھی زیادہ مفید ثابت ہوئی اور وہ تباہ کن خطرے سے صحیح سلامت نکل آیا۔ چارلس دوازدہم کو جب یہ معلوم ہوا تو غصے سے آگ بگولا ہو گیا۔ اور صدر اعظم کو بہت تلخی کے ساتھ ملامت کی کہ پطرس اعظم کو کیوں قید نہ کر لیا۔ بلطہ جی نے بے پروائی سے جواب دیا کہ اگر میں اسے قید کر لیتا تو کون اس کی سلطنت پر حکومت کرتا۔ یہ ٹھیک نہیں کہ بادشاہ اپنی سلطنتوں سے جدا کر دیئے جائیں۔ یہ لغویت عثمانی وزیر کے نزدیک حکیمانہ ظرافت تھی۔ اور وہ بزعم خود اپنے طرز عمل کو صحیح ثابت کرنا چاہتا تھا۔ سلطنت کو بعد میں اس ناقابل شخص کی جہالت اور لالچ سے سخت خمیازہ بھگتنا پڑا۔ اکثر مورّخ بلطہ جی محمد کو بددیانتی کے الزام سے بری ٹھہراتے ہیں۔ اس بارے میں ادم مکیاوچ خصوصاً قابل ذکر ہے۔ اس تاریخ نویس کو بلطہ جی محمد کے طرز عمل میں وہ نیک نفسی اور عالی ہمتی نظر آتی ہے۔ جس کی کووفرواد ے بوئیوں اور حروب صلیبی کے زمانے میں یقیناً قدر ہوتی۔ اس رائے سے مجھے اتفاق نہیں ہے۔ اگر ہم مان بھی لیں کہ دراصل بلطہ جی کے انھیں طفلانہ خیالات نے رہنمائی کی جن پر اس نے شاہ سویڈن کے جواب میں زور دیا ہے تو بھی پہلی ہی جرح میں اسکا جرم ثابت ہو جاتا ہے۔ بعض واقعات اور بعض حالات میں ناقابلیت بغاوت کے برابر ہے۔ بلطہ جی کو اپنی کارگزاری سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ خان قرم،

مسمی دولت غرائے، اور سفیر سویڈن کونٹ پانیاٹوسکی نے اسے بادشاہ کے سامنے مجرم ٹھیرایا۔ وہ معزول اور لیمناس جلاوطن کیا گیا۔ اس کا جانشین یوسف پاشا جنگ کا مخالف تھا۔ اسے سلطان کی رہی سہی جنگ کی آگ فرو کرنے میں کامیابی ہوئی۔ روس سے پچیس برس کے لئے التوائے جنگ کا عہد نامہ ہوا۔ (۱۷۱۲ء)۔ چارلس کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے ملک واپس چلا جائے لیکن شاہ سویڈن کو امید تھی کہ ترک سقوفیوں سے جنگ کرنے آمادہ ہو جائیں گے اس لئے اس نے سویڈن جانے سے انکار کیا۔ اس انکار پر تشدّد کو کام میں لانا پڑا۔ بالآخر بندر کے مقام پر زبردست جنگ ہوئی۔ جہاں چارلس نے تین سو سویڈی اور چند افسر اور کچھ ملازموں کے ساتھ بیس ہزار تاتاریوں اور چھ ہزار عثمانیوں کا مقابلہ کیا۔ ہالینڈ اور انگلستان کی مداخلت سے ۱۵ر جون ۱۷۱۳ء کو ایدرنہ کا صلحنامہ ہوا جس سے شاہ سویڈن کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔ دو سال ترکی میں سیاحت کر کے اس نے اپنے ملک واپس جانے کا تصفیہ کر لیا (یکم اکتوبر ۱۷۱۴ء)۔

امور مملکت حرم کی سازشوں سے رنگ بدل رہے تھے۔ صورت واقعات کی خبر تھی نہ منصوبوں میں استقامت اور نہ ارادوں میں تسلسل تھا۔ بندوقیوں سے موریہ واپس لینے کے لیے صدر اعظم داماد علی نے روس سے اتحاد پیدا کیا۔ اس غلطی پر مزید غلطی اس نے یہ کی کہ جنگ کے لیے ایسا وقت معیّن کیا جب کہ لوئی چہار دہم صلحنامۂ اٹرشٹ اور راسٹڈ پر دستخط کر رہا تھا اور فرانس نے جنگ سے تھک کے اپنے ہتیار ڈالدیئے تھے۔ بندوقیوں نے جبل اسودیوں کی خفیہ مدد کی تھی اور یہی اعلان جنگ کے لیے کافی بہانہ تھا۔

ایک ہی حملے میں ترکوں نے کورنتھ، ناپلیا علاقۂ رومانیہ، مودن، اور تمام موریہ لے لیا۔ بندوقیہ کے اکریٹ میں صرف دو مقبوضات تھے۔ ان علاقوں نے بھی اطاعت قبول کر لی۔ صرف کرفو والے ہی

بہادر شلمبرگ کی محافظت میں عثمانیوں کو ہزیمت دینے میں کامیاب ہوئے۔ بندقیہ نے چارلس ہفتم سے جو صلح کارلووٹز کا ذمہ دار تھا التجائے مدد کی۔ چارلس ہفتم نے سلطان سے مطالبہ کیا کہ وہ ہتیار رکھدے اور جمہوریت سے لیے ہوئے صوبے اسے واپس دیدے۔ یہ گویا اعلان جنگ تھا۔ موریہ آسانی سے فتح کرنے سے داماد علی کی جنگی ناموری کا غلغلہ دور دور پہنچ چکا تھا۔ لیکن یوجین دے سوائے کا وہ مدمقابل نہ تھا۔ پیٹرواراڈن کی شکست میں عثمانیوں کے ہاتھ سے چھ ہزار آدمی ۱۱۴ توپیں اور ۱۱۴ جھنڈے جاتے رہے۔ صدر اعظم نے مایوسی کے عالم میں جان دی۔ چوالیس دن کے محاصرے کے بعد ٹیمسور نے اطاعت قبول کی۔ اور بلغرید کا محاصرہ شروع ہوا۔ (۵۔ اگست ۱۷۱۶ء)۔ نئے صدر اعظم خلیل پاشا بلغرید کی کمک کو پہنچے لیکن انھیں سخت ہزیمت ہوئی (۱۷۔ اگست ۱۷۱۷ء) دو دن کے بعد بلغرید فتح ہوگیا اور ۲۱۔ جولائی ۱۷۱۸ء کو پاسارووٹز کی صلح سے اس جنگ وجدل کا خاتمہ ہوگیا۔

اس صلح سے آسٹریا نے بنٹ علاقہ ٹیمسور، بلغرید، سربستان کا کچھ علاقہ اور افلاق الوتہ تک حاصل کئے۔ ارنا و طلعہ کے مستحکم مقامات بندقیہ کے قبضے میں رہے لیکن موریہ چلا گیا۔ پطرس اعظم نے فلک سین اور ایڈریانوبل کے صلحناموں میں ترمیم کرائی۔ یہ ترمیم ایسی تھی جس سے ان نا اہل وزرا کی محض جہالت کا اظہار ہورہا تھا جو نامور کپرولیوں کے بعد مسند وزارت پر بیٹھے تھے۔

اس نئے صلحنامے سے ترکی اور روس میں یہ طے پایا کہ ہر ممکن ذریعے سے لہستان کو موروثی سلطنت بننے سے روکا جائے۔ اور شاہی اقتدار مسلط نہ ہونے دیا جائے۔ بابعالی کو خبر نہ تھی کہ لہستان کی قوت سلطنت کی حفاظت کے لیے کتنی ضروری تھی اور نہ اسے یہ معلوم تھا کہ لہستان روسی حملے کے سیلاب میں کیسی مستحکم روک تھا۔

خلیل پاشا کے بعد ابراہیم نے صدارت عظمیٰ کا جائزہ لیا۔ یورپ میں ترکی کے ہاتھ سے کئی علاقے جاتے رہے تھے اس لیے نیا صدر اعظم چاہتا تھا کہ نئے مقبوضات سے اس کمی کو پورا کرے۔ لیکن عیسائی زبردست حریف تھے۔ ان سے جنگ کرنا آسان نہ تھا اس لیے اس نے عثمانیہ جنگی قوتوں کو ایران کی طرف پھیرا۔

شاہ حسین آخر فرمانروائے خاندان صفوی نے میر محمد والی افغانستان کو مجبوراً اپنا جانشین بنا کے تخت سے سبکدوشی حاصل کی تھی (۱۷۲۳ء) باب عالی نے اس انقلاب سے فائدہ اٹھا کے ایرانی شیروان کے سنیوں کو بغاوت پر ابھارا لیکن اسی وقت پطرس اول نے بحیرۂ اسود کے سرحدی علاقے پر قبضہ کر لیا اور طاغستان پر حملہ کر دیا۔ خان قرم نے گھبرا کے قسطنطنیہ کو مطلع کیا کہ "اگر عثمانی اور تاتاری غفلت کریں گے تو روس بڑھتے بڑھتے سلطنت ترکی کے علاقے گھیر لے گا"

ترکی فوجوں نے جلد ارمنستان اور ایرانی گرجستان پر حملہ کیا۔ روسی افواج نے جبل قاف فتح کر لیا۔ اب ان دو سلطنتوں میں جنگ چھڑنے میں کوئی کسر نہ تھی۔ زار کو تشویش ہوئی۔ اس نے فرانس سے ثالث بننے کی درخواست کی۔ دیوان نے ثالث بننا منظور کیا۔ لیکن اس نے ان دونوں رقیبوں میں مصالحت کرانے میں قانون اقوام کی خلاف ورزی کی۔ اور یہ طے کیا کہ جو جس ایرانی صوبے پر قابض ہے اس پر قابض رہے (۲۴ جون ۱۷۲۴ء)۔ ایرانیوں نے اس عجیب انتظام کو نامنظور کیا ہمدان (اکبٹنہ) اریوان اور تبریز لڑائی کے بعد فتح ہوئے۔ ہر طرف ایرانیوں کو شکست ہوئی۔ اور ایک ہی حملے میں وہ تمام ملک جو پہلے باب عالی کے قبضے میں آیا تھا فتح ہو گیا۔ ایران میں ہر طرف بدنظمی پھیلی ہوئی تھی۔ میر محمد نے جو ایک دیوانہ سا آدمی تھا۔ شاہ حسین کے بھائی بندوں میں سے سو کے اوپر قتل کرا دیئے اور آخر کار خود بھی اپنے ایک رشتے کے بھائی اشرف

کے حکم سے پھانسی پائی جو میر محمد کو پھانسی دلا کے تخت کا مالک بن بیٹھا۔ اس کا دعویدار شاہ طہماسپ ترکی کو اس کے مفتوحہ صوبے اس شرط سے حوالہ کرنے موجود ہو گیا کہ ترک اسے شاہ ایران تسلیم کریں۔ اس کی تجویز پر رضامندی کا اظہار ہوا۔ اور معاہدے کی تمہید شروع ہوئی لیکن اشرف نے سترہ ہزار سپاہ کی سرکردگی میں ساٹھ ہزار ترکی فوج کو سخت شکست دی۔ اور اپنی طرف سے سر عسکر سے علیحدہ گفت و شنید شروع کی۔ اس نے اپنے مدعی کے تجاویز پر رضامندی ظاہر کی چنانچہ اس قیمت پر اس کے شاہ ایران تسلیم کئے جانے کا معاملہ طے ہو گیا۔ اشرف نے یقین کر لیا تھا کہ اس نے روس اور ترکی کو اپنے ملک کے بہترین صوبے حوالہ کر کے اپنی قوت مستحکم کر لی۔ لیکن بہت جلد اس کو اپنی غلطی کا علم ہو گیا۔

شاہ طہماسپ نے جو سلطنت کا صحیح حق دار تھا خراسان میں پناہ لی۔ اور اپنا طرفدار بڑے بڑے زبردست قبیلوں کو بنایا۔ اور ایک نوجوان صاحب کمال نادر قلی بیگ افشار کو اپنی افواج کی کمان دی جو پہلے شتربان اور لٹیروں کا سردار تھا۔

غاصب اشرف سے تین معرکے ہوئے اور تینوں معرکوں میں اسے شکست ہوئی۔ اس کو سیستان کے صحراؤں میں پناہ لینا پڑی جہاں اس کا انتقال ہوا۔ شاہ طہماسپ دوبارہ اصفہان میں داخل ہوا۔

اسے اپنے آبائی تخت پر بیٹھے تھوڑی ہی مدت گزری تھی کہ اس نے سلطان سے اشرف کے دیئے ہوئے صوبوں کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ گفت و شنید ہو ہی رہی تھی کہ نادر نے عثمانی علاقے پر حملہ کر دیا۔ سلطان جنگ سے بیزار تھا لیکن مجبوراً اپنی رعایا کے متفقہ مطالبے سے اس کو جنگ کا حکم دینا پڑا۔

اس برے طرز عمل سے بے چینی پھیل گئی۔ اور قسطنطنیہ دارالبغاوت ہو گیا۔ ۲۳ ستمبر ۱۷۳۰ء کو جاں نثاروں نے اپنے ایک آدمی پطرونا خلیل کی شہ پر لوگوں کو مسلح ہونے کے لیے ابھارا۔ قید خانے توڑ دیئے گئے۔

ڈاکوؤں کی جماعت باغیوں کی جماعت سے مل گئی اور سبھوں نے مل کے صدر اعظم، مفتی، اور قپودن پاشا کے سروں کا مطالبہ کیا۔ سلطان نے اپنے وزرا کو بے فائدہ بچانے کی کوشش کی۔ لوگ مفتی کو چھوڑ دینے پر راضی ہوئے لیکن ابراہیم کی سزا اٹل تھی۔ جس سے کسی طرح مفر نہ تھا۔ صدر اعظم اور قپودن پاشا کی لاشیں بلوائیوں کی نذر کی گئیں۔ اس بزدلانہ اطاعت سے باغی اور شیر ہو گئے اور "محمد سلامت باشد" کے نعروں نے احمد کو آگاہ کر دیا کہ اس کی حکومت ہو چکی۔

یہ عزت اور فخر احمد کو ہی ہے کہ اس نے ترکی میں طباعت کو رواج دیا۔ لیکن یہ نئی رسم مروج کرنے کے لیے اسے علما کا وہ فتویٰ ماننا پڑا تھا جس سے قرآن اور مذہبی کتابیں ممنوع الاشاعت قرار دیگئی تھیں۔ مفتی کے فتوے کا خلاصہ یہ ہے۔

سوال۔ زید قلمی مسودوں کی نقل کرتا ہے۔ یہ مسودے، سائنس، ہیئت، فلسفے اور منطق کے رسالوں اور لغت کی کتابوں پر مشتمل ہیں۔ وہ ان کتابوں کے حروف ڈھالتا، ٹائپ کرتا اور ان مسودوں کے مطابق اشاعت کرتا ہے۔ کیا وہ قانوناً اس طریق کار کا مستحق ہے؟

جواب۔ جو شخص فن طباعت سے واقف ہے اور مسودے کے مطابق ٹھیک طور پر حروف ڈھالنا اور ٹائپ کرنا جانتا ہے تو ایسا شخص اپنے کام کے منافع کثیر کی وجہ سے قابل ستائش ہے۔ یہ کام جلد بہت ہوتا ہے۔ جتنی کاپیاں چاہو چھاپ لو۔ اور قیمت بھی کم ہوتی ہے جس سے ہر کس و ناکس خرید سکتا ہے۔ مگر اس کے لیے ضروری یہ ہے کہ پروف دیکھنے کے لیے ادبیات کا جید عالم معمور کیا جائے۔

بصمہ جی ابراہیم کے مطبع کی کتابیں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ دین قلی۔ دو جلدوں میں لغت عربی۔

۲۔ توقیوق شنور۔ دو جلدوں میں لغت فارسی۔

۳۔ نعیمہ۔ دو جلد۔ تاریخ عثمانیہ ۱۵۹۱ء سے ۱۶۵۹ء تک
۴۔ رشید۔ دو جلدوں میں۔ بسلسلۂ تاریخ بالا ۱۷۲۸ء تک
۵۔ جہاں نما۔ ایک جلد مصنفۂ کاتب چلپی۔ مشرق کے جغرافی حالات اور مختصر تاریخ اور علم ہندسہ اور اقلیدس کے مقالوں پر مشتمل ہے۔
۶۔ تقویم تواریخ۔ ایک جلد مصنفۂ کاتب چلپی۔ مشرق کے بادشاہوں اور بڑے آدمیوں کا تاریخی تختہ ۱۷۳۲ء تک
۷۔ تحفۃ الکبار۔ مصنفۂ کاتب چلپی۔ بحر متوسط کا حال اور ۱۶۵۵ء تک کے عثمانی جنگی بیڑے کی تاریخ۔
۸۔ گلشن خلفا مصنفۂ نظمی زاد۔ ۷۴۴ء سے ۱۷۴۳ء تک کے خلفا اور مختلف مسلمان خاندانوں کی مختصر تاریخ۔
۹۔ تاریخ تیمور مصنفۂ ایضاً۔
۱۰۔ تاریخ مصر مصنفۂ سہیلی۔ اس میں سلیم کے ملک مصر فتح کرنے کا بیان ہے۔
۱۱۔ تاریخ افغانیاں۔ افغانستان کی تاریخ کے ساتھ صفویان ایران کی مختصر تاریخ ہے۔
۱۲۔ تاریخ بوسنہ۔ اس میں صرف ۱۷۳۶ء سے ۱۷۳۹ء تک کی جنگوں کا بیان ہے۔
۱۳۔ تاریخ الہند الغربی۔ مختصر تاریخ ویسٹ انڈیز۔
۱۴۔ فیوضات مقناطیسی۔ مقناطیس اور قطب نما کے خواص میں۔
۱۵۔ اصول الحکم۔ سیاست مدن اور فن جنگ پر ایک رسالہ ۱۷۴۶ء میں بصمہ جی ابراہیم کی وفات سے مطبع کا خاتمہ ہوا۔

عبد الحمید اول نے خط شریف سے پھر مطبع قائم کیا۔ (۱۲ مارچ ۱۷۸۴ء) اور محمد رشید افندی اور احمد واصف افندی مورخ سلطنت کو نظما کی حیثیت سے مقرر کیا۔ مذہبی کتابیں نہ چھاپنے کا جو فتویٰ شایع ہوا تھا اس کی از سر نو تجدید ہوئی۔ نظما کو کامل اختیار اور آزادی دی گئی تھی کہ

طباعت کے لیے جس شخص کو چاہیں مقرر کریں۔
اس وقت سے محمود کے زمانے تک مطبع کے فرائض برابر جاری رہے۔ اس کے زمانے میں مطبع کی صنعت کو بہت فروغ حاصل ہوا۔

محمود اول (۱۷۳۰ء)۔ صلح بلغراد (۱۷۳۹ء)

باغیوں کا سرغنہ پطرونا خلیل دار الخلافت کا مالک تھا۔ اپنے سلطان کے حضور میں آکے جس کو اس نے تخت پر بیٹھایا تھا اس نے کہا "میں جانتا ہوں کہ میرے مقدر میں کیا ہے۔ بادشاہوں کو جن لوگوں نے معزول کیا ان میں سے ایک بھی موت سے نہ بچا۔ لیکن میں عثمان کے تخت پر تجھے بٹھائے اور ظالموں کے پنجے سے سلطنت کو چھڑا کے راضی برضا ہوں۔" سلطان نے متعجب ہو کے جواب دیا۔ "مجھے اپنے باپ دادا کی ارواح کی قسم ہے کہ میں تمھاری جان نہ لوں گا۔ اور اس سے بھی بڑھکر یہ کہ جو تم چاہو گے وہ منظور ہوگا۔" پطرونا نے صرف ایک ٹیکس موقوف کرنے کی درخواست پر اکتفا کی جس سے لوگ تنگ تھے۔ اس ٹیکس کا نام ملکانہ (اجارہ تا زندگی) تھا۔ لیکن وہ آخر جاں نثار تھا۔ اپنی ہر دلعزیزی سے اس کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اب وہ مختار کل بننا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے پاس عوام کے آنے کی ممانعت کردی۔ اور صیغبان باشی کو جس نے اس کی عدول حکمی کی تھی خنجر سے مار ڈالا۔ اور سلطان سے بجبر یہ حکم حاصل کیا کہ دریائے کاغذ خانے کے کنارے امرا نے جو مکانات بنائے تھے ڈھا دیئے جائیں۔ ان سب سے بڑھ کر ایک کام اور یہ کیا کہ بغدان کی ولایت ایک قصاب کو دلوادی جس کا وہ قرض دار تھا۔

صدر اعظم نے خلیل پطرونا کی اطاعت سے خود کو خطرے سے محفوظ اور سلطنت کو شرم و ذلت کا شکار رکھا۔ باغیوں کے کسی سردار نے ایک شخص سے کہا تھا۔ "جاؤ اور بادشاہ سے ملو۔ لیکن خلیل پطرونا کے

حکم کی سرتابی نہ ہو۔" اس وحشی کا ظلم جس کی عوام تائید کرتے تھے ناقابل برداشت تھا۔ قیذلرآغا مسمی بشیر، قپودن پاشا مسمی جانم خواجہ اور خان قرم مسمی کپلن غرائی نے تہیہ کر لیا کہ اپنے آقا کو اس شرمناک اور قابل نفرت طوق غلامی سے نجات دلائیں گے۔

پطرنا خلیل کی اتنی جرائت بڑھ گئی تھی کہ وہ اب جاں نثار جیسے منتخب رسالے کا سپہ سالار بننا چاہتا تھا۔ جاں نثاروں کے اعلےٰ افسر اس نو دولت کے خیالات باطل سے تنگ آ کے سازش میں شریک ہو گئے۔ پطرنا سرائے گیا ہوا تھا تاکہ محمود کو روس سے اعلان جنگ کرنے سے باز رکھے۔ سازشیوں نے یہ موقع اس کا قصہ پاک کرنے کے لیے مناسب جانا۔ خلیل پاشا بھی بیٹھا ہی تھا کہ صدر اعظم نے تالی بجائی۔ اس اشارے پر جاں نثاروں کی نمبر سات کا کرنل خلیل پہلوان تبیس جاں نثاروں کے ساتھ داخل ہوا۔ اور پطرونا سے یوں مخاطب ہوا "وہ کون ہے جسے جاں نثاروں کا آغا بننے کی خواہش ہے۔"

اس غیر متوقع حملے پر پطرونا خلیل نے ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا بلکہ خنجر لیے ہوئے اس شخص پر جھپٹا جس نے اس کو مخاطب کیا تھا۔ مگر آن کی آن میں اس کو سپاہیوں نے گھیر لیا۔ اور اس کا اور اس کے ساتھ اس محافظوں کا کام تمام کر ڈالا۔ اس کے طرف داروں نے بغاوت کی۔ لیکن جب سردار ہی نہ رہا تو باغی کیا کرتے۔ سات ہزار سر تن سے جدا ہونے کے بعد امن قائم ہو گیا۔ دارالخلافت میں جب امن و امان ہوا تو بابعالی نے ایران سے پھر جنگ چھیڑ دی۔ شاہ طہماسپ کو کنجن میں شکست ہوئی اور اس نے صلح کی درخواست کی۔ اس صلح کی رو سے (۱۰ - جنوری ۱۷۳۲ء) ایران نے تبریز، اردھم، ہمدان، اور تمام لہستان واپس لے لیا۔ اور ترکی گوداغستان، اکرتھلی، کاختی، نخچیوان، اریوان اور طفلس واپس کر دیا۔ آذربائجان کی طرف دونوں سلطنتوں میں ارکس نقطۂ سرحد قرار پایا۔

یہ صلح پائدار نہ تھی۔ نادر نے شاہ طہماسپ کو تخت پر بٹھایا تھا۔ اس صلے میں شاہ نے اس کو سلطان کا خطاب اور سیستان، اور بائجان، ماژندران، اور خراسان کی ولایت دی۔ تاکہ لوگ اس سے حسد نہ کریں۔ اس لیے وہ اپنے کو طہماسپ قلی خاں (غلام طہماسپ) کہتا تھا۔ اور خفیہ اپنی ترقی کے لیے کوشاں تھا۔ اس نے صلحنامے کی سخت مخالفت کی۔ اور اصفہان روانہ ہوا جہاں اس نے شاہ طہماسپ کو معزول کر کے اس کے بیٹے شاہ عباس سوم کو فرمانروائے ایران بنایا۔ اور اس کی کم سنی تک اپنے نائب السلطنت رہنے کا اعلان کر دیا، اس کے بعد پہلا کام اس نے یہ کیا کہ صلحنامہ فسخ کر کے عثمانیوں کو ہمدان کے قریب شکست دی۔ اور پھر بغداد کا محاصرہ کیا۔ طوپال عثمان پاشا محاصرین کی مدد کے لیے اسی ہزار کی جمعیت کے ساتھ پہنچا۔ دریائے دجلہ کے کنارے جو لجی لق میں گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ طہماسپ قلی خاں سخت زخمی اور افواج کی بھاگڑ میں بڑی مصیبت سے بچایا گیا ۱۹ جولائی سنہ ۱۷۳۳ء لینتھن میں پھر ایرانیوں کو شکست ہوئی۔ ان شکستوں کا انھوں نے ایکدم سے بدلہ لیا۔ ایک معرکے میں ترکی فوج کو ایرانیوں نے تباہ اور سپہ عسکر کو قتل کر دیا۔ طوپال عثمان کی موت سے سلطنت ترکی کا بہت بڑا نقصان ہوا۔ اس کی موت کے باعث ترکوں سے ایک منصف مزاج اور نیک وزیر ہی نہیں اٹھ گیا بلکہ ایک ہوشیار جنرل اور عالی حوصلہ لیڈر بھی چل بسا۔ اس کے بعد ترکوں کو پیہم ہزیمتیں ہوئیں۔ اور بالآخر باغ وردکے واقعے کے بعد دیوان نے صلح کا ارادہ کیا۔ باغ ورد کی لڑائی میں کپردلی مصطفےٰ کے بیٹے کپردلی عبد اللہ کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا تھا۔ جو سفرا صلح کے لیے طفلس بھیجے گئے تھے وہ نادر شاہ کی تاجپوشی پر حاضر تھے۔ انھوں نے صلحنامے پر دستخط کیے جس سے جدید عثمانی مفتوحہ ممالک ترکوں کے قبضے سے نکل گئے۔

سرحدی انتظامات مراد چہارم کے صلحنامۂ سنہ ۱۶۳۹ء کے مطابق مکرر

قائم کیے گئے۔ روس سے اب جنگ چھڑنے والی تھی اس لیے بابعالی کا ایران سے جلد صلح کرنا بہت اچھا ہوا۔ لہستان ایک صدی سے بدعملی کا شکار ہو رہا تھا۔ اور اس پر اس کی تمام ہمسایہ سلطنتوں کے دانت تھے۔ اگر کسی سلطنت کو اس سے ہمدردی تھی تو وہ سلطنت فرانس تھی۔ فرانس کا زور توڑنے کے لیے روس، آسٹریا اور پرشیا نے ۱۷۳۲ء میں ایک خفیہ معاہدہ کیا تھا۔ یہ معاہدہ گویا تقسیم لہستان کا مقدمہ تھا۔

آگسٹس مر گیا تو قومی جماعت نے اسٹانسلس لیکزنسکی کا انتخاب کیا (۱۷۳۳ء) اس کے بعد ہی روسی اور آسٹروی افواج نے لہستان کے علاقہ پر حملہ کر دیا۔ فرانس نے سمنا کو اعلان جنگ دیدیا اور فرانسیسی سفیر متعینہ بابعالی نے دیوان سے درخواست کی کہ روس نے لہستان کے معاملے میں دخل دے کے فلک سین اور ایڈریانوبل کا معاہدہ توڑ دیا ہے جس سے لہستان کی خود مختاری کا ذمہ سلطان نے لیا تھا۔ اس نے ترکی کی ذلت کی ہے اس لیے اس سے جنگ کی جائے۔ عثمانی وزرا نے امیر دلینیو کی صلاحوں پر کان نہ دھرا۔ بیون دتات کے اشتعال پر خان تترستان نے اوکرانیہ پر حملے کی تیاری کی۔ لیکن بابعالی نے اس کو نقل و حرکت سے روک دیا جس کی وجہ یہ تھی کہ آگسٹس دوم کی رشوت سرائے میں پہنچ چکی تھی۔

اسٹینسلاس نے کثرت فوج سے مغلوب ہو کے اطاعت قبول کر لی۔ لہستان روسیوں کے قبضے میں آگیا۔ فرانس آسٹریا سے لڑ رہا تھا۔ مگر ترکی کی آنکھوں پر ابھی پٹی بندھی تھی۔ فرانس نے ایک اور مرتبہ ترکی کو اس کے ذاتی مفاد سے آگاہ کرنے کی کوشش کی اور اپنی اس کوشش کو بار آور بنانے کے لیے اس نے نامور امیر ڈی بنیول[1] کو متوجہ کیا۔

[1] ترکی میں احمد پاشا کے نام سے مشہور تھا۔ ۱۷۴۷ء میں انتقال ہوا۔ اور بیکساؤلو میں

بنیول ۱۶۷۵ء میں پیدا ہوا تھا۔ وہ پہلے پہل جہازی بیڑے میں ملازم ہوا۔ یک چشمی جنگ کے باعث اس کو جہازی ملازمت چھوڑنی پڑی۔ اس کے بعد وہ فرنچ گارڈ میں مامور ہوا۔ ۱۷۰۱ء میں اس نے ایک رجمنٹ خریدی اور جنگ لزارا میں ناموری حاصل کی۔ اس نے اٹلی اور کیمبلرڈ کے چھوٹے چھوٹے والیوں سے جان بچانے کے عوض روپیہ وصول کیا۔ جو اس سے نفرت رکھتے تھے اور اس سے اپنی رقمیں اگلوانا چاہتے تھے۔ امیر نے پھر فوج کا تعلق چھوڑ دیا اور ۱۷۰۶ء میں اپنے دشمن سے جا ملا۔ اور خود کو شہزادۂ یوجین کے لفٹنٹوں میں بہترین لفٹنٹ ثابت کیا۔

۱۷۱۶ء کی جنگ ترکی میں اس نے بڑی ناموری حاصل کی فرانس واپس آ کے اس نے شادی کی۔ شادی کے دن ہی وہ اپنی دلھن سے رخصت ہو کے جرمنی واپس گیا اور فتح بلغرید میں نمایاں حصہ لیا۔ لیکن بہت جلد اس نے شہزادۂ یوجین سے جھگڑا مول لے لیا۔ اور جیسا مارکوئی دسے پرسے حاکم بلجیم سے مبارزت کی تھی ویسا ہی شہزادۂ یوجین سے مبارزت طلبی کی (۱۷۲۴ء)۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قید خانے بھیجا گیا لیکن وہاں سے نکل بھاگا اور ترکی میں پناہ لی۔ اپنے دشمن کو سپرد کئے جانے کے خوف سے عمامہ زیب سر کیا۔ اور بالآخر مسلمان ہو گیا۔ اور گولہ اندازوں کا جنرل مقرر کیا گیا۔ دو پشت تک کے لیے اس کو سلطان نے پاشا کا خطاب عطا کیا۔ صدر اعظم کا صلاح کار اور دوست تھا۔ "یہ امیر بنیول ہی تھا جس نے بابعالی کو یوروپین سیاسیات کے راز سے آگاہ کیا۔ اسی نے اپنے تذکروں سے سلطان کو اس کے اصلی مفاد کی طرف رہنمائی کی۔ اور اسی نے ان جنگوں کو جاری رکھنے کے ذریعے بتائے، جن میں

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ دفن ہوا۔ اس کی قبر پر یہ کتبہ ہے۔ "اللہ باقی۔ خدائے ذو الجلال و الاکرام گولہ اندازوں کے جنرل مرحوم احمد پاشا کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے سن وفات ۱۱۴۰ھ" دیکھو کونت دے بونے وال کے متعلق "تذکرہ دربارہ شہزادہ لین"۔

سلطان مصروف تھا" وہ خاندان آسٹریا کا جانی دشمن تھا۔ اسے یقین تھا کہ فرانس اور ترکی کا اتحاد اسی نمونے پر ہونے کا وقت آگیا ہے جس نمونے پر فرانسیس اول کے زمانے میں تھا۔ اس نے دربار وارسائی میں ایک تجویز جارحانہ اور مدافعانہ اتحاد کی پیش کی جس سے دونوں قوموں کو علیحدہ لڑنے یا علیحدہ صلح کرنے کا اختیار نہ تھا۔ بزدل رئیس پادری فلیری نے یہ اتحاد نامنظور کیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ یہ مطالبہ کیا کہ ترک مجرستان سے اپنا خیال ہٹالیں۔ یہ فرانسیسی عثمانی اتحاد اگر ہو جاتا تو چارلس کی تباہی ہو چکی تھی۔ اس لیے اس نے فلیری کی ساتھ صلحنامۂ وائنا پر فوراً دستخط کر دیئے (۱۷۳۵ئہ)

فرانس کے لیے یہ معاہدہ بہت مفید تھا لیکن اس کے ساتھ ہی اس میں ایک بڑی سیاسی غلطی تھی۔ اس معاہدے پر ابھی دستخط ہوئے ہی تھے کہ روس نے بابعالی سے جنگ چھیڑ دی۔ اور ایسے وقت میں چھیڑی جب کہ ترکی نادر سے لڑ رہا تھا۔ تاتار قرم نے روسی سرحد میں دخل اندازی کی۔ جنگ کے لیے یہی بہانہ کافی تھا (مارچ ۱۷۳۶ئہ) روسیوں نے جزیرۂ قرم پر بھی حملہ کر دیا۔ لیسی نے ازوف پر قبضہ کیا۔ اور میونچ نے یکے بعد دیگرے اورکوپن، کلبرن، خوشلو، باغچہ سرائے، سمفرپل فتح کر لیے۔ آسٹریا انگلستان، اور ہالینڈ نے مجلس ترکی کو مصالحت کے لیے اپنی ثالثی پیش کی۔ بونیول نے وزیر کو بے سود متنبہ کیا کہ شہنشاہ آسٹریا اس طریقے سے ان کی توجہ ہٹی ہوئی رکھنا چاہتا ہے تاکہ ان فوجوں کو جو اٹلی سے شکست کھا کر آئی ہیں مرتب کرلے۔ فینا ریوں کو روس نے رشوت دی تھی اس لیے ان کی سازشیں چل گئیں۔ اور آسٹریا کا ثالث بننا ترکوں نے قبول کرلیا۔

ادھر نامیران کی طویل مجلسیں ترکوں کو دعدے وعید میں رکھ رہی تھیں اور ادھر آسٹریا کی ایک فوج روسیوں کی مدد کے لیے سرحد پر جمع ہو گئی۔ امیر ولینیو نے بابعالی کو دعوے دی کہ ازوف دے سکے

صلح کر لی جائے۔ اب جنگ کا موقع نہیں کیونکہ جنگ کا وقت گزر گیا۔ لڑنا تھا تو تین سال پہلے لڑنا تھا جب کہ آسٹریا ادھر فرانس ہسپانیہ اور سارڈینیا سے لڑ رہا تھا اور ادھر روس لہستان کے جھگڑے میں مصروف تھا۔

آسٹریا کی فوجیں اب کھلم کھلا صربستان بوسنہ اور افلاق پر حملہ آور ہو گئیں۔ لیکن دو آسٹروی جنرلوں میں پھوٹ پڑ گئی تھی جس سے ان کی فوج تباہ ہو گئی۔ بانیالوکا اور والیوڈ میں انھیں شکست ہوئی اور بوسنہ کا بہت جلد تخلیہ کرنا پڑا۔ پرنس ہلڈبرگھاسن پر بھی صربستان میں قیامت گزر گئی اور وہ دریائے طونہ عبور کرنے پر مجبور رہوا۔ (۱۷۳۷ء)[1] شہنشاہ نے صلح کی درخواست کی۔ انگلستان اور ہالینڈ نے دوبارہ اپنی ثالثی پیش کی۔ بابعالی نے ان کی ثالثی نامنظور کی۔ اور یہ شرط کی کہ فرانس اگر ثالث بنے تو تجاویز صلح منظور کر لیے جائیں گے۔

ویل نو جلد صدر اعظم کی فرودگاہ پر روانہ ہوا اور گفت و شنید شروع کی۔

اس کی معاملہ فہمی سے عثمانیوں کو کامیابی حاصل کرنے میں بہت مدد ملی۔ اور گو ترکوں کو کونیائے قریب شکست ہوئی تھی لیکن انھوں نے سمندریہ، پہاویہ، اور لرسوفہ واپس لے لیے۔ اور کروزکا میں پندرہ گھنٹے کی سخت لڑائی کے بعد انھوں نے دلیس کو شکست دی جو فرار ہو گیا۔ (۲۳ جولائی ۱۷۳۹ء) اگر صدر اعظم الحاج محمد جانتا ہوتا کہ جنگ سے کس طرح فائدہ اٹھایا جاتا ہے تو آسٹروی فوج کا ایک آدمی بھی نہ بچتا۔ تین دن کے بعد بلغرید کا محاصرہ شروع ہوا۔ روسیوں کے مقابلے میں عثمانی

---

[1] یہ وہی پرنس سیکس ہلڈبرگھاسن تھا جو جرمنی فوجوں کا سپہ سالار تھا۔ یہ جرمن فوجیں جنگ سوبس میں ایک بڑے حصۂ فوج پر مشتمل تھیں۔ اس جنرل اور اس کی فوجوں کی بزدلی سے اس لڑائی میں شکست ہوئی۔ دیکھو فسٹر کی تاریخ جرمنی۔

ایسے کامیاب نہیں رہے جیسے آسٹریوں کے مقابلے میں ہوئے تھے۔ نیسٹر کے کنارے سیونچ کو ہزیمت ہوئی تھی اور مسقوفی بیڑا قپودن پاشا نے جلا دیا تھا۔ لیکن روسیوں نے بہت جلد انتقام لیا۔ ساؤچان میں میونچ کو فتح ہوئی اور اس نے جوکزم اور یاش پر قبضہ کرکے تمام مخدان فتح کرلیا۔

بالآخر ویل نو کی کوششیں کامیاب ہوئیں۔ فرانس کی ضمانت پر روس اور آسٹریا کے ساتھ جدا جدا صلحنامہ ہوا۔ (ستمبر ۱۷۳۹ء) آسٹریا نے بلغرید اور شاہ باز (بغیر توپ خانہ اور سامان حرب کے) صربستان، آسٹروی افلاق اور جزیرہ اور قلعۂ ارسوا حوالے کیا۔ صلح ستائیس سال کے لیے تھی۔ ملکۃ المسقوف (زرینہ) سے جو معاہدہ ہوا اس میں یہ طے پایا کہ ازوف ڈھا دیا جائے۔ روس بحیرۂ اسود یا بحیرۂ ازوف میں جہاز نہ رکھے۔ غیر ملکی جہازوں کے ذریعے سے تجارت کرے اور تمام اپنی ظفر مندیاں مسترد کردیں۔

بلغرید کی اس صلح سے جو فرانس کی ثالثی اور ضمانت سے عمل میں آئی تھی کارلووٹز کی صلح باطل ہوگئی اور اس کا داغ دھل گیا۔ عثمانی معاملات میں فرانسیسی اثر سابق میں یا بعد میں کبھی ایسا فیصلہ کن نہ تھا۔ فرانس اور ترکی کے سیاسی تعلقات کی تاریخ میں موسیو دے ویل نو کی سفارت بلاشک سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ ویل نو کو "فوق العادۃ سفیر" کا پرشکوہ خطاب عطا ہوا تھا۔ وہ وقت واحد میں ترکی کا رہنما مشیر باتدبیر اور اس زمانے میں بابعالی اور مختلف یوروپین مجلس وزرا سے جو مراسلت ہوتی تھی اس کا روح رواں تھا"[1] ویل نو نے اپنی ساکھ سے پہلا کام یہ کیا کہ ترکی اور سویڈن میں جارحانہ اور مدافعانہ معاہدہ کرایا جس کی رو سے دونوں سلطنتوں کو روس کے مقابلے میں ایک دوسرے کی مدد کرنا چاہیے تھی۔ (۱۷۴۰ء)

---

[1] وان ہیمر۔

۱۶۷۳ء کے شرائط سے فرانس کے مطلوبہ ترمیمات سلجھ گئے۔ اور یہ ۱۷۴۰ء کا ہی معاہدہ ہے جس پر فرانس اور ترکی کے تعلقات اب تک قائم ہیں۔

محمد سعید غیر معمولی سفیر کی حیثیت سے لوئی پانزدہم کو شرائط صلح پیش کرنے وارسائی روانہ ہوا۔ وہاں اس کا بہت اعزاز کیا گیا۔ جب قسطنطنیہ واپس ہوا تو اس کے ساتھ دو جنگی جہاز اور ایک چھوٹی جماعت فرانسیسی گولندازوں کی تھی جن کی مدد سے کونت دے بون وال کے تحت عثمانی توپخانے کی اصلاح مقصود تھی تاکہ جو کچھ ترقی اس مد میں ہوئی تھی وہ اتمام کو پہنچ جائے۔

بابعالی کا برا طرز عمل

عثمان ثالث ۱۷۵۴ء سے ۱۷۵۷ء تک

صلحنامۂ بلغریڈ پر دستخط ہوئے ہی تھے کہ بابعالی کو اپنی سابقہ قوت پر عود کر آنے کا ایک بے نظیر موقع ہاتھ آیا۔ شہنشاہ چارلس ششم نے ۲۰ اکتوبر ۱۷۴۰ء کو انتقال کیا۔ دول یورپ جو سلطنت آسٹریا کی لوٹ آپس میں بانٹ لینا چاہتے تھے چارلس کی بیٹی میریا تھریسا کے ساتھ جنگ کی تیاری کی۔ اس اتحاد کا بانی مبانی فرانس تھا۔ اس نے ترکی سے ہنگری پر حملہ کرنے کی درخواست کی جو اسی کا حصہ کر دیا گیا (۱۷۴۱ء) مجلس ترکی نے اپنی رسوائی کا داغ ایک شاندار صلح سے دھو ڈالا تھا اس لیے وہ غرور کے نشے میں بدمست تھی۔ وہ بزعم خود آپ کو یورپ کا ثالث سمجھے ہوئی تھی حالانکہ اگر دیکھا جائے تو وہ نئی مسیحی قوت کے مقابلے میں کمزور حریف تھی۔

سلطان نے صرف جنگ سے ہی انکار نہیں کیا بلکہ اس نے حکومتوں کے نام امن قائم رکھنے کے متعلق خط لکھے گو یہ طرز عمل مخلصانہ سہی لیکن

دانشمندی کے خلاف تھا جس کا کوئی نتیجہ نکلنا تھا نہ نکلا۔ سلطان کے دماغ میں تخیلات کا دریا امنڈ رہا ہوگا جب کہ صدر اعظم نے اپنا عامیانہ خط سلطنتوں کے نام اسے سنایا ہوگا۔ سلطان کو شک نہ تھا کہ مدبرین پر یہ خط ضرور اثر کرے گا۔

"ہر حس رکھنے والی ہستی اور ہر دردمند دل لڑائی کے مصائب سے تھرا اٹھتا ہے۔ میدان کارزار خون کی ندیوں سے سیراب ہوتا ہے۔ ملک الموت کے ہاتھ سے نہ تو فاتح ہی بچتا ہے نہ مفتوح۔ خوفناک متعدی امراض جنگ کرنے والوں کے ہمراہ رہتے ہیں۔ عین فتح کے وقت ہی یہ ان پر حملہ آور ہوتے ہیں انھیں بے دست و پا کرتے ہیں اور آخر ان کا خاتمہ کرکے انھیں قبرستان پہنچا دیتے ہیں جہاں وہ جانوروں کے مثل بے بس ہوکے جانوروں میں گھل مل جاتے ہیں۔ ایسے ذلیل و خوار آدمی کا جو غیظ و غضب سے اندھا ہوکے وحشی جانوروں کی تقلید کرتا ہے۔ امراض کی بدولت یہ حشر ہوتا ہے" شر و فساد کا مہیب دیو اپنے نعرۂ جنگ اور شعلہ فشاں تلوار سے قوموں کا بند بند جدا کر دیتا ہے۔ بھائی کا بھائی دشمن ہو جاتا ہے۔ زبردست کا سکہ چلتا ہے۔ مظلوموں کا خون اور ان کے آنسو پیتل کی تختیوں پر مظالم کا دکھڑا لکھتے ہیں۔ کمزور موت کا نشانہ بنتا ہے عصمت کی بے حرمتی ہوتی ہے اور شرم و عفت کے گلے پر چھری چلتی ہے۔ ان جرائم اور مصائب کے سرزد نہ ہونے اور فرمان خدا بجا لانے کے لیے ہمارے جلیل القدر شہنشاہ جو ہمارے واسطے ظل اللہ ہیں عیسائی والیوں کو صلح کی دعوت دیتے ہیں اور خود بدولت اپنے کو زبردست حکم کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔"

سلطان کی ثالثی مبہم شکریئے کے ساتھ ٹال دی گئی۔ اس نے اپنی ناخوشی کا اظہار کیا۔ اور فرانس کے ساتھ اس کے دوستانہ تعلقات تھے، وہ پر جوش عداوت میں تبدیل ہو گئے۔

بونیول کی کوششیں اور فرانسیسی سفیر کونٹ ڈسالیرس کی تدبیریں

ترکوں کو ان کے اصلی اغراض سے مطلع کرنے کے معاملے میں سودمند نہ ہوئیں۔ انگریزوں کی رشوت سے ترکی مجلس نے روس اور آسٹریا کے دائمی صلحنامے پر دستخط کرنے کا فیصلہ کر لیا (سنہ ۱۷۴۷ء) اگر بابعالی صلح پر قائم رہنا چاہتا تھا تو اس کے دشمن صلح توڑنا چاہتے تھے۔ روس نے نیئے سرویا کے نام سے ایک نیا صوبہ قائم کیا جو بگ اور اکرین کے درمیان تھا۔ یہ وہ حصۂ ملک تھا جس میں بلغرید کی صلح سے کھیتی اور آبادی ممنوع قرار دیگئی تھی۔ اس نئے مقبوضے سے زمانۂ جنگ میں ترکوں اور تاتاریوں کے درمیان آمد و رفت کا سلسلہ بند ہو سکتا تھا۔ اس کے علاوہ روس کے منصوبے لہستان کے بارے میں تازہ ہو گئے تھے۔ اس نے خربادیوں اور سرکاشیوں کو خان قرم کی حکومت سے آزاد ہونے کے لیے اکسایا۔

خان تتار ارسلان سرائے فرانس اور سویڈن کا طرفدار تھا۔ وہ جوانمرد سپاہی اور جری جنرل تھا۔ اس نے بابعالی کو جنگ پر ابھارنے کی کوشش کی۔ اور کوئی دقیقہ اس کا اٹھا نہ رکھا۔ مگر خان تاتار کی قسمت میں بھی وہی تھا جو بونیول پاشا کی قسمت میں تھا۔ "عثمانی وزیر ضبط و تحمل کو روس کا جواب طلب کرنے پر ترجیح دیتا رہا جس سے جنگ چھڑنے کی جگہ صلح کی شیرینی میں اضافہ ہوتا تھا۔"[1]

ترکی نے اپنی سابقہ قوت کے احیاء کا عمدہ موقع ہی ہاتھ سے نہیں کھو دیا بلکہ اس نے افلاق و بغدان کے متعلق جو روس کی سازشوں سے متاثر تھے ایسے انتظامات کئے جس سے اس کا سخت نقصان ہوتا تھا۔ ان دو صوبوں کی وفاداری سے مطمئن ہونے کے لیے اس نے دیسی زمینداروں سے تمام اختیارات چھین لیئے۔ اور بجائے اس کے کہ ان پر دو ترکی حکام مقرر کرتی۔ اس نے فنر کی یونانی عیسائی رعایا کے ہاتھ میں ان کا نظم و نسق دے دیا جو ایک زمانے سے بابعالی کے ذلیل ترین اور بدترین ملازم تھے۔"[1] کمینے پن کے ساتھ خود نمائی کی شان ان میں

[1] لاد اٹے۔

حد درجہ تھی۔ وہ غلام تھے لیکن آپ کو ہمیشہ اسکندر کی اولاد سے بتاتے تھے۔ اپنے ماتحتوں سے وہ جہالت اور سرکشی سے پیش آتے اور بالادستوں کے ساتھ ان کا طرز عمل یہ تھا کہ ان کی ایک چشم التفات کے متمنی رہتے تھے۔

"یہ ذلیل یونانی خود کو نفرت سے دیکھنے لگے تھے۔ ان کی باہمی تحقیر سے ان کی کمینے پن میں اور اضافہ ہو گیا تھا جس سے سلطان المعظم کے لیے اس ذلیل ٹکڑی سے ایک دوسرے کا امتیاز کرنا مشکل تھا!

جو شہزادے کا عہدہ تھا وہ ایک تاجر کو دیا گیا تھا اس لیے ہر مفتری آپ کو اس عہدے کا مستحق سمجھتا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ یہ بدنصیب صوبے نیلام ہونے لگے اور ان پر مظالم ٹوٹنے لگے جس سے ان کی حالت افسوسناک ہو گئی۔ ان دو نہایت ہی خوش حال عثمانی صوبوں کی تباہی کے اسباب یہ تھے کہ سالانہ محصول نیلاموں کی وجہ سے بہت بڑھ گیا تھا۔ جاگیردار جاگیر خریدنے کے لیے بڑی بڑی رقمیں لیتے تھے جن کا سود پچیس فیصدی ہوتا تھا۔ اور مختلف رقمیں دعویداروں کی سازشوں کا انتظام کرنے میں آئے دن خرچ ہوتی تھیں۔ نو دولتوں کی شان و شوکت اور ان یکروزہ ہستیوں کا انتہائی لالچ ان سب پر مستزاد تھا۔[1]

موروکوڈوٹو پہلا فیناری تھا جس نے افلاق پر حکومت کی۔ اس نے اپنی عزت افزائی کے لیے بابعالی کے خراج میں پانچ لاکھ قرش کا اضافہ کر دیا۔ اس کے ظلم سے تمام اعلیٰ ادنیٰ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور وہ ۱۷۱۶ء میں معزول کر دیا گیا۔ اس کے جانشین راکو وٹزا نے خراج میں اور اضافہ کیا۔ اس نے تین سال حکومت کی۔ اس کے بعد اس کی جگہ پھر موروکوڈوٹو نے لی ۱۷۳۰ء میں موروکوڈوٹو نجد ان کا حاکم ہوا۔ اس کی جگہ افلاق پر گریگور وگھیکا مامور ہوا ایک رومانی مورخ لکھتا ہے "اس حاکم نے اپنے ہم قوم حکام سابق و مابعد کے طریقے پر صوبے کو مفتوحہ ملک سمجھا۔

[1] تذکرہ۔ بیرون دے تات۔

صوبہ کیا تھا بے باکی اور خود مختاری کے ساتھ لوٹنے اور اپنا خزانہ بھرنے کا مقام تھا۔ غریب باشندوں کا ذرا بھی خیال نہ کیا جاتا تھا نہ انسانیت کے حقوق ہی کی پروا کی جاتی تھی۔"

یہ فناری اصل میں ترکوں کے خدمتگار اور روسیوں کے جاسوس تھے جنھوں نے باری باری دونوں سلطنتوں کو دغا دی۔ جب والیٔ صوبہ ہوئے تو وہ وقتی حکومت کے دیوان کو اپنا سیاسی اثر بڑھانے کے لیے مالی امداد کرنے لگے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام صوبوں میں انھوں نے اپنے غلامی، بدیانتی، اور بداعمالی کے فضائل پھیلا دیئے۔ معمولی چوبدار سے ان کی روح نکل جاتی تھی لیکن شر میں استاد تھے۔ اپنی اصلیت کو خون کے دریا بہا کے چھپانا چاہتے تھے۔ آخر تو دولت تو تھے ہی جب حکومت مل جاتی تو آن کی آن میں جابر و سفاک ہو جاتے تھے۔ رومانیوں کے غضب ناک اور مایوس ہو کر بغاوت کرنے کے خوف سے انھوں نے افلاق و بغدان کے امرا کو معدوم کرنے کا بیڑا اٹھایا تاکہ باغیوں کے سردار ہی باقی نہ رہیں۔ قریب قریب تمام زمینداروں پر جن کے باپ دادا نے میدان جنگ میں ترکوں مجریوں (ہنگریوں) لہسیوں کے مقابلے میں ناموری حاصل کی تھی جلادوں کی بے رحم تلوار چلی یا جلا وطنی میں کام تمام ہوا۔ امرا کے خطابات بولی سے فنر کے ذلیل طبقے کے ہاتھوں گویا فروخت ہو رہے تھے۔

معمولی سرفروش ولایت کے حاکم ہو رہے تھے۔ اور چھٹے ہوئے بدمعاش امرا کے خطابات حاصل کر رہے تھے جو ترک[1] صوبے میں آتا رئیس اسا قفہ کو پیٹتا۔ کیا آقا کیا غلام، دونوں کو لوٹنے کے سوا دوسرا خیال ہی نہ تھا۔ ان کے تسلط سے اہل بغدان و افلاق تنگ آ گئے تھے۔ اگر اہل رومانیا یہ مصیبتیں جھیلنے کے بعد ہی سلامت بچے تو اس کی وجہ باشندگان رومانیا کی زبردست طبیعت اور لاطینی قوم کی قوت مقاومت

[1] اس مضمون کے لیے دیکھو تذکرۂ بیردن دے تات۔

اور قوت حیات تھی۔" شیل بہادر کے زمانے میں افلاقیوں نے اپنی سلطنت میں یونانیوں کو نوکروں کی حیثیت سے بھی لینا گوارا نہ کیا تھا۔ ۱۶۵۰ء میں انھوں نے فنزا اور ارناوطلعہ کے ادنیٰ طبقۂ رعایا کو بے اعتنائی کے ساتھ اپنے ملک میں رکھنا پسند کیا جو لہار اور ماہی فروش تھے۔ لیکن انھوں نے مصیبتوں پر اف تک نہ کی۔[1]

انھوں نے مصائب کا جام تلچھٹ سمیت پی لیا۔ ترکوں کے ساتھ سخت نفرت ان کے دل میں قائم ہوتی گئی جنھوں نے قدیم معاہدوں کے ان حقوق کی خلاف ورزی کی تھی جن کا ان صوبوں سے وعدہ کیا گیا تھا۔ ان کی نگاہیں روس کی طرف لگی ہوئی تھیں جسے وہ اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے۔ ایک دن آنے والا تھا جب کہ رومانیا بابعالی سے ان بدسلوکیوں کا سخت بدلہ لے گا جو فناریوں نے اس کے ساتھ کی تھیں۔ ان سب سے بڑھ کر بابعالی کی غلطی یہ تھی کہ اسے سویڈن نہ لہستان سے بالکل قطع تعلق کرلیا۔

۱۳۔ ڈسمبر ۱۷۵۴ء کو چوبیس سال کی سلطنت کے بعد محمد اول کا انتقال ہوا۔ وہ شریف، رحمدل، خلیق، اور فطری طور پر حلیم تھا اس لیے جمہور نے اس کا افسوس کیا۔ عثمان سوم اس کا جانشین ہوا۔ صدر اعظم علی پاشا سلطان کا مصاحب تھا۔ اس کو گھمنڈ تھا کہ رقمی خوردبرد کو سلطان کے مصاحب سے کون پوچھیگا۔ اس لیے بے محابا کھانے لگا۔ جس کی وجہ سے بہت جلد عوام میں شورش پھیل گئی۔ سلطان کے کانوں تک بھی اس کی شکایتیں پہنچیں جب کہ وہ بھیس بدلے ہوئے شہر میں پھرتا تھا۔[2] عثمان اپنے مصاحب خاص پر سخت غصے میں بھرا ہوا

---

[1]۔ کا گلنیانو کی تاریخ نجدان و افلاق۔

[2]۔ جب فرانسیسی سفیر کونٹ دے ورجین باریابی کے لیے صدر اعظم محمد سعید کے ساتھ سلطان کی تخت نشینی کے بعد گیا تھا تو سلطان بھیس بدلے ہوئے جلوس میں شریک تھا۔

واپس آیا اور حکم دیا کہ وہ قتل کر دیا جائے اور اس کا سر ایک چاندی کے طشت میں سرائے کے دروازے پر لوگوں کی عبرت کے لیے رکھا جائے۔ طشت پر یہ عبارت تھی۔ "اس طریقے سے ان کا بدلہ لیا جاتا ہے جو اپنے آقا کی عنایت کا بیجا فائدہ اٹھاتے ہیں"۔

علی پاشا کی معزولی میں مفتی نے بڑا حصہ لیا تھا اس لیے اس کو یقین تھا کہ صدارت عظمیٰ کو حاصل کرنا مفتیوں کی جماعت کے لیے فائدہ مند ہوگا۔ سلطان اس کے اس ادعا سے اس قدر برہم ہوا کہ مفتی کو عذاب سے مارا۔ اس سزا سے علما کی خواہشوں پر پانی پھر گیا۔ اور محمد راغب پاشا صدر اعظم مقرر ہوا۔

نیا صدر اعظم فراست، استقلال اور ثبات قدم کا مجسمہ تھا۔ کبھی کوئی وزیر اس عہدے کے لیے اس قدر موزوں ثابت نہ ہوا تھا۔ وہ رشوت کے فن میں استاد تھا۔ اور بہادر سے بہادر کو خائف کر دینا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ سراپا کذب و دروغ لیکن بلا کا چالاک اور حاضر طبیعت۔ وہ نہ آدمیوں کی پروا کرتا تھا اور نہ ان کی جانوں کی۔ اس کے پہلے وہ قاہرہ کا حاکم تھا جہاں مملوک امرا نے فوج کی مدد سے سرکشی کی تھی مگر راغب صرف رشوت کے وسیلے سے اپنے عہدے پر قائم رہا......... وہ اپنی قابلیت کے ساتھ ایسے شناسا بھی رکھتا تھا جو معاملات سلطنت میں کارآمد تھے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ "ہم نے اس کو وکیل کے بھیس میں دیکھا۔ اس کے ساتھ اس کے سلحدار اور دو تیدار تھے۔ اور یہ دونوں چوادار کے بھیس میں تھے۔ وہ سڑک پر ہمارے گزر جانے کے لیے کھڑا تھا۔ یہاں سے ہمارا راستہ آت میدان جاتا تھا۔ ہم نے بہت جلد سلطان کو اپنے برابر دوڑتے ہوئے دیکھا۔ اس نے سفیر کے برابر ہو کے قدم دھیمے کر دیئے۔ جب آت میدان ختم ہو گیا تو اس نے پھر بھاگنا شروع کیا اور پہلی صف کے آگے ہو کے سڑک طے کی اور سرائے کے دروازے میں داخل ہوا۔ اور دریا کی طرف پھر ہمارے ساتھ شامل ہو گیا۔ یہاں وہ ہماری روانگی تک ٹھیرا رہا۔ ہمارے جانے کے بعد وہ پھر محلسرائے میں داخل ہو گیا (تذکرہ بیرون دے تات)۔

یہ شناسا اس نے صلحنامۂ بلغرید کے زمانے میں پیدا کئے تھے جب کہ وہ تکنوبجی[1] کے عہدے پر مامور تھا۔

عثمان کی بادشاہی تھوڑے ہی دن رہی۔ اس کی حکومت کے نمایاں واقعات میں آتش زنی ہے جس سے آدھا قسطنطنیہ جل گیا تھا۔ عورتوں کا ہنگامہ ہے جو قحط کی بنا پر ہوا تھا اور یونانیوں کا (مسیحی) مقدس مقامات پر غاصبانہ قبضہ ہے۔

اس کی وفات ۲۹ ۔ اکتوبر ۱۷۵۷ء میں ہوئی۔ اور اس کا بھتیجا مصطفیٰ سوئم احمد سوم کا بیٹا اس کا جانشین مقرر ہوا۔

---

[1] ۔ بیردان دے تات۔

دسواں باب

اصلاحات ملکی

مصطفیٰ سوم و سلیم سوم (۱۷۵۷ء۔۱۸۰۸ء)

مصطفیٰ سوم (۱۷۵۷ء) سلطنت کی مخدوش حالت۔ بیرون دے توت کے اصلاحات۔ عبد الحمید اول۔ صلحنامۂ کینارجی۔ (۱۷۷۴ء)۔ روس سے جنگ (۱۷۸۷ء)۔ شیخ اوغن علو۔ سلیم سوم (۱۷۸۹ء)۔ صلحنامہ جاسی (۱۷۹۲ء)۔ کوچک حسین۔ مصر کی فرانسیسی مہم (۱۷۹۸ء) جان نثاری (۱۸۰۶ء) انگریز قسطنطنیہ اور مصر میں (۱۸۰۷ء)۔ سلیم کی معزولی اور وفات۔ مصطفیٰ چہارم (۱۸۰۸ء)۔

مصطفیٰ سوم (۱۷۵۷ء) سلطنت کی مخدوش حالت

اصلاحات بیرون دے توت

روز اول ہی سلطان نے بابعالی کی روش کو بدل دینے کا ارادہ

بخوبی واضح کر دیا۔ جب وہ مقام ایوب کی طرف عثمان بانی سلطنت عثمانیہ کی تلوار باندھنے کی رسم ادا کرنے روانہ ہوا تو جاں نثاروں کی چھاؤنی کے آگے رک گیا۔ سلیمان کے زمانے سے یہ رسم چلی آتی تھی کہ جاں نثاروں کا آغا سلطان کو شربت کی پیالی پیش کرتا تھا۔ اس وقت بھی جب آغا نے شربت کی پیالی سلطان کو پیش کی تو اس نے کہا۔ "دوستو۔ مجھے امید ہے کہ اب کی بہاریں میں تمھارے ساتھ یہی شربت بندر کی دیواروں میں پیوں گا"

لیکن اس کی حکومت کا آغاز ایک عام ہلچل سے ہوا جو ایک نہایت سخت اور جبری قانون مصارف کے نفاذ سے پھیل گئی تھی۔ ایک اور سبب اس عام برہمی کا یہ بھی ہوا کہ زائرین مکہ قتل کیے گئے تھے اور امیر البحر کے جہازوں پر عیسائی غلاموں نے قبضہ کر کے انھیں مالطہ پہنچا دیا۔ جب کہ جہاز کے اکثر ملاح ساحل پر گئے ہوئے تھے۔

خوش قسمتی سے بہت جلد سلطان قانون مصارف کو چھوڑ کے مالیات کی اصلاح اور اس کی دوستی میں مصروف ہو گیا۔ حرم کے خرچ میں بہت کچھ کاٹ چھانٹ کی گئی۔ اور عورتوں کے کپڑوں کا محصولی موازنہ سالانہ دو سو پچاس پاؤنڈ تک رکھا گیا۔ صیغۂ اوقاف کا کام قیذلر آغا سے لے کے صدر اعظم کے ذمے کیا گیا۔ جس سے قیذلر آغا کی اہمیت بہت کچھ گھٹ گئی۔ لیکن سکّے کی تبدیلی ایک خراب اور نامعقول اصلاح تھی۔ سکّے کا معیار اس قدر گھٹا دیا گیا کہ "آج بھی جعلی سکہ ساز ترکی میں سکّے ڈھالتے ہیں جس سے صرف رعایا نفع میں رہتی ہے۔ ان کی آمیزش کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو اسی معیار کا سلطانی سکّہ قیمت میں ان کے سکّے سے کم ہوتا ہے"۔[1]

اسی زمانے میں راغب پاشا نے پلیگ کے متعدی امراض کا ایک

---

[1] بیرون دے توت۔

دواخانہ قائم کیا۔ اور اپنی ذات سے قسطنطنیہ میں پہلا کتب خانہ عام نفع رسانی کے لیے کھولا۔ دوبارہ قحط سالی کے انسداد اور اجناس کی دریائی عبور و مرور کے مشکلات و خطرات دور کرنے کے لیے اس نے ایشیائے کوچک میں سے جہاز رانی کے قابل ایک نہر کاٹنے کا منصوبہ سوچا تھا۔ یہ خیال سب پہلے پلاٹینی کے دل میں آیا تھا۔ نہر کی تکمیل دریائے ساشیریہ اور شہر اسنک کو ملانے اور ان دونوں کے وسط میں جو جھیل تھی اس کو اس نہر کا بند بنانے سے ہو سکتی تھی لیکن راغب کی موت سے اس کے منصوبے ناتمام رہ گئے (۱۷۶۲ء)

وہ اپنے ہم وطنوں سے زیادہ تعلیم یافتہ اور نارو اطرفداریوں سے بری تھا۔ ایک روز ایک جرمن بابعالی میں حاضر ہوا۔ اور اشاروں سے اپنے ترک بننے کی خواہش ظاہر کی۔ صدر اعظم نے متحیر ہو کے اس کا سبب دریافت کیا۔ شائق جرمنی نے بہت عقیدت مندی کے ساتھ کہا کہ محمدؐ کو اس نے خواب میں دیکھا کہ آپ اسلامی برکات سے مستفید ہونے کی اسے دعوت دے رہے ہیں۔ راغب نے کہا۔ "یہ بدمعاش بھی عجیب ہے۔ ڈینٹزگ میں محمدؐ اس کافر کے خواب میں آئیں! ستر سال سے اوپر ہوتے ہیں کہ میں برابر پانچوں وقت کی نماز پڑھتا ہوں لیکن اس عزت کا شرف مجھے نہیں ملا۔ ترجمان۔ اس سے کہو کہ کسی اور کو یہ جھانسہ دے تو سزا سے بری ہو جائے گا۔ میں اسے معاف نہ کردں گا۔ بلاشک و شبہ اس نے اپنے ماں باپ کو قتل کیا ہے۔ اگر سچ سچ اصل حقیقت نہ بیان کرے گا تو میں اسے پھانسی کی سزا دوں گا۔" اس ڈانٹ سے ڈر کے مسافر نے اپنی اصل حقیقت بیان کی کہ وہ ڈینٹزگ میں ایک مدرسے کا استاد تھا۔ کچھ مدت بعد بدقسمتی سے اس نے اپنی طرف سے لوگوں کو ناگوار شبہات قائم کرنے کا موقع دیا۔ اس کے شاگردوں کے والدین اس کو سخت دق کرنے لگے اور حکام بھی اس سے نہایت سختی سے باز پرس کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ ان کی سزا سے بچنے کے لئے

کہ قسطنطنیہ میں ایسی معمولی باتوں کا غل غپاڑہ نہیں ہوتا اس نے اپنے سر کا لباس بدل دیا اور قسطنطنیہ اس امید سے آیا کہ خود تعلیم حاصل کر کے نوجوان ترکوں کی تعلیم میں حصہ لے گا۔ صدر اعظم نے یہ سن کے کہا کہ "اسے اپنے مذہب پر رہنے دو۔ اور ملّا کے پاس لیجاؤ تاکہ وہ اس کی گزربسر کا انتظام کرے۔ میں ایک رفیق اسے دے رہا ہوں۔ اس محلے کے امام سے کہنا کہ وہ ان دونوں کو نصیحت کرے اور تعلیم دے کہ کوئی مذہب اس قسم کے طرز عمل کو برداشت نہیں کر سکتا.....[1]

پطرس سوم اور اغسٹس سوم شاہ لہستان کی موت اور کیتھرائن دوم کی تخت نشینی سے باب عالی کو ایسے وقت میں نیند سے بیدار ہونا پڑا جب کہ ایک رہا سہا قابل مدبر سلطنت ہمیشہ کی نیند سو رہا تھا۔ زائد از نصف صدی سے اہل روس، سویڈن، لہستان اور ترکی کی بنیادوں کو متزلزل کرنے میں مصروف تھے۔ ان ہر سہ ملکوں کا صفایا کر کے وہ اپنے ملکی حدود کی توسیع یورپ تک کرنا چاہتے تھے۔ صلحنامہ سٹاڈ سے مغربی بالٹک کا بہترین صوبہ سویڈن کے قبضے سے نکل گیا تھا۔ اب لہستان کی باری تھی۔ مجلس جرمنی کی بداعمالی اور بزدلی کے باعث ملکۂ روس مطلق العنان تھی۔ اس نے کونٹ اسٹانسلاس پانیاٹوسکی کو جو اس کا سابق میں عاشق تھا شاہان جگیلن کے تخت پر بٹھا دیا۔ فرانس اور ترکی نے اس شرمناک انتخاب اور روسی مداخلت پر صدائے احتجاج بلند کی۔

اس پر کیتھرائن نے مصطفیٰ سوم کو صریح دھوکا دے دیا۔ مصطفیٰ نے آزادیٔ انتخاب پر اس شرط کے ساتھ رضامندی ظاہر کی تھی کہ پانیاٹوسکی کو اس انتخاب میں نہ لیا جائے گا۔ اس شرط کی خلاف ورزی پر وہ فوراً اعلان جنگ کر دینا چاہتا تھا مگر پچھلے پچیس سالوں سے

---

[1] ۔ بیردن دے توت

عثمانی فوج کی حالت بالکل ابتر ہو گئی تھی اور ادھر مجلس ترکی کو انگلستان کی مالی امداد پہنچ رہی تھی جو فرانس کی مخالفت میں روسی اور لوالعزمیوں کی تائید کر رہا تھا۔ سلطان نے خان قرم کریم غرائی سے کہا کہ "میں تنہا کیا کر سکتا ہوں۔ میرے تمام امرا کمزور ہیں یا رشوت خوار انھیں صرف کیمپ کی زندگی، گانا بجانا اور خوبصورت لونڈیاں چاہئیں میں سلطنت کے انتظام میں مصروف ہوں مگر مجھے کوئی مدد نہیں دیتا۔"

سلطان آخر اپنے وزرا کی رشوت ستانیوں سے تنگ آ گیا۔ صدر اعظم برطرف کیا گیا اور جنگ پسند جماعت کی طوطی بولنے لگا۔

خان قرم کی عیاری سے عثمانی سلطنت کے حدود کی پامالی ہوئی۔ چند لہیوں کے تعاقب میں کاسک دریائے بالٹہ تک درآئے۔ اور تمام باشندوں کو قتل کر دیا۔ فوراً اعلان جنگ کر دیا گیا۔ اور ترکوں کی جانب سے مخالفتوں کا آغاز ہوا۔

اس سے قبل کسی اعلان جنگ کے موقع پر عثمانی سلطنت کی ایسی خراب حالت کبھی نہ تھی۔ جنگی تعلیم گاہیں بالکل تباہ تھیں۔ سپاہیوں کی سرکشی، افسروں کی بد اعمالی اور بزدلی لڑائی کا کچھ نیک انجام نہیں ظاہر کر رہی تھیں۔ جغرافیہ کے اصل مفہوم تک سے عثمانی وزرا ناواقف تھے۔[۱] توپخانوں، قلعوں اور فوجوں کی از سر نو درستی درکار تھی۔ بیرون دے توت نے سلطان کو کئی یادداشتیں اس مضمون کی بھیجیں۔ ان انکشافات سے مبہوت ہو کے اور رعایا کی مذہبی شوریدگی سے تنگ

---

[۱] بندوقیہ کا ایک سفیر جو قسطنطنیہ کو جمہوریہ کے دو جنگی جہاز لا رہا تھا الجزائر میں سلطان المعظم کے بیڑے سے دوچار ہوا۔ یہ بیڑا اس امن کے زمانے میں ان جزائر سے سالانہ خراج وصول کر رہا تھا۔ ترکی امیر البحر نے سفیر کو اپنے جہاز پر مدعو کیا۔ دوران گفتگو میں اس نے سفیر سے دریافت کیا کہ آیا جمہوریت بندوقیہ اور روس ہمسایہ سلطنتیں ہیں۔ بیرون دے توت۔

پس وپیش کرکے سلطان نے بیرون دے توت کو عثمانی توپخانے کا علانیہ معاینہ کرایا۔[۱] جس وقت وہ قسطنطنیہ کے اسلحہ خانے میں داخل ہوا تو حیران رہ گیا۔ اس کی واقف کار آنکھوں میں ہر ایک چیز سلطنت کی فوری تباہی کا اعلان کررہی تھی۔ عثمانی افواج کے اسلحہ دیکھکر اس کو اندازہ ہوگیا کہ عنقریب وہ شکست کھانے والے ہیں اور ترکی شہروں پر دوسروں کا قبضہ ہونے والا ہے۔[۲]

والیان صوبجات پر بابعالی کی حکومت بالکل مبہم تھی اور پاشا سلطنت کو تقسیم کرنے کی دھمکی دے رہے تھے۔ احمد پاشا بغداد جیسے بڑے صوبے کا فرمانروا تھا۔ وہ مالگزاری ہی ادا کرتا تھا نہ فوج سے مدد دیتا تھا۔ سلطان نے احمد سے چھٹکارا حاصل کرنے کی بہت کچھ کوشش کی اور قپوچیوں کو اس باغی پاشا کا سر لانے بھیجا۔ لیکن جاسوسوں نے پہلے ہی پاشا کو قپوچیوں کے آنے کی اطلاع دے دی تھی۔ جب وہ آئے تو اس نے انھیں ٹکڑے ٹکڑے کرکے ان کے سروں کو گستاخی کے ساتھ استامبول روانہ کردیا۔ تبریز اور لرستان میں حاجی صلی یقلی خود مختار تھا۔ حوائی سمرنا میں جہاں نشاروں کے آغانے دوبارہ فوجی جاگیرداری قائم کرلی تھی۔ "یہ سب خود مختار بادشاہ تھے جن کے پاس فوج رہتی تھی اور جو اکثر شہر کی رعایا سے فوج کے لیے آدمی حاصل کرتے تھے۔ . . . سمرنا سے

---

[۱] رعایا کی جہالت کا اندازہ بیرن ڈے ٹاٹ کی سرگزشت سے ہوسکتا ہے۔ بندوق کا گز صاف کرنے کے لیے جو برش تیار کیے گئے تھے وہ سور کے چمڑے سے بنائے گئے تھے اور اسی پر بغاوت ہوتے ہوتے رہ گئی جس کی وجہ بیرن ڈی ٹاٹ کی باموقع ہوشیاری تھی اس نے کہا کہ مساجد میں جن برشوں سے صفائی ہوتی ہے وہ بھی سور کے چمڑے کے بنائے جاتے ہیں۔ اور جب ان سے مسجدیں خراب نہیں ہوتیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ دشمن کے مقابلے میں استعمال نہ کیے جائیں۔ تذکرہ جلد ۳ صفحہ ۸۰ تا ۱۸۳۔

[۲] رودیر

فلسطین تک تمام پہاڑی باشندے بالکل خود مختار تھے۔ ترک انھیں اپنا دشمن سمجھتے تھے اور جب کبھی حیلہ مل جاتا تھا ان سے جنگ کر دیتے تھے۔[1]

مصر میں مملوک علی بے نے تو اپنے سلطان ہونے کا اعلان ہی کر دیا تھا۔" اس کی تمام کارروائیاں اس مقصد کو پیش نظر رکھے ہوئے تھیں۔ اس نے ترکی کے نائب کو جو محض پیکر بے جان تھا واپس کر دیا۔ خراج سے انکار کیا۔ اور بالآخر ۱۷۶۹ء میں اپنے نام کا سکہ جاری کر دیا۔ ترکی سے حسب دستور قپوجی روانہ کئے گئے لیکن قپوجیوں کی پھانسی سے پہلے ہی زہر یا خنجر سے پیش بندی کر دی گئی تھی۔"[2] مصر میں ان کے ساتھ حکومت کرنے کے لیے اس نے اپنے آدمی شیخ طاہر کو والئ دمشق و شام بنایا۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ تمام لبنانی اور غیر لبنانی قبائل کی خود مختاری کی طرف سے اطمینان حاصل کیا۔ جب اپنے اور عثمانیوں کے درمیان ان حدود کو قائم کر لیا تو مصر کے تاج شاہی اپنے سر پر رکھنے کا ارادہ کیا۔

خان تاتار کریم غرائی نے حملے کا آغاز نئے سرویا کی تاخت سے کیا۔ تمام روسی عمارتیں جلا دیں۔ اور پچیس ہزار قیدیوں کے ساتھ بندر واپس ہوا۔ اس کامیابی میں موت نے اس پر اچانک حملہ کر دیا۔ شہزادہ غلتزین نے دریائے نیسٹر عبور اور چوکزم پر حملہ کیا مگر بہادرانہ مقابلے سے اس کو محاصرے سے دست کش اور رلہستان واپس آنا پڑا۔ امین پاشا نے اب جارحانہ کارروائی اختیار کی۔ اور اس کو شکست فاش دی۔ روسیوں نے دوبارہ چوکزم کا محاصرہ کیا جہاں پوٹوکی جو بار کی مجلس اتحاد کا ایک رکن تھا چند ہزار آدمیوں کے ساتھ قلعہ بند ہوا تھا۔ اس کی سرگرم مدافعت سے امین پاشا کو مدد کا موقع مل گیا۔ "سلطان ہی ایک ایسا

---

[1] ۔ "سلطنت عثمانیہ کا تاریخی اور سیاسی مرقع" مصنفہ ایتون۔

[2] ۔ سفرنامۂ شام و مصر مصنفہ وانسی۔

شخص تھا جسے اپنی فوجوں کی کامیابی کی فکر تھی۔ اس نے اپنے وزیر کو دوبارہ معزولی کا حکم دیا۔ امین پاشا نے حکم سلطانی سے سرتابی کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا فریب ظاہر ہو گیا۔ اس کی فوج شکست کھا کر منتشر ہو گئی اور بہت جلد سلطانی حکم سے جس کی پوری پوری تعمیل ہوئی سرائے کے دروازے پر اس کا سر لٹکایا گیا۔ لہ

ایک معمولی دوکاندار اور خزانے کے ایک ادنیٰ محرر کی حیثیت سے وہ سازش اور عیاری کی بدولت سلطنت کی سب سے اعلیٰ خدمت پر ترقی کر گیا تھا۔ اعلان جنگ پر اس کے دماغ میں وزارت کی خواہش اور سرداری فوج کا خیال سمایا ہوا تھا۔ بغیر کسی قسم کی قابلیت کے جو وزارت اور فوج کی سرداری کے لیے ضروری تھی اس کو خیال تھا کہ عہدۂ وزارت پر امن کے ساتھ برقرار اور قبل از جنگ صلح کر کے سپہ سالاری پر نیکنامی کے ساتھ قائم رہ سکتا ہے۔

اس کے بعد مولدو دانجی صدر اعظم ہوا۔ اس نے اپنے آپ کو سابق صدر اعظم سے زیادہ جفاکش اور مستعد تر ثابت کیا لیکن یہ شخص کچھ زیادہ خوش قسمت نہ تھا۔ دریائے نیسٹر کو دو پلوں سے عبور کر کے اس نے روسیوں کی مورچہ بند فوج پر حملہ کر دیا۔ دریا چڑھ جانے سے پل ہل گئے۔ سپاہیوں کو خوف ہوا کہ کہیں واپسی مشکل نہ ہو جائے اس لیے وہ دریا کی دوسری جانب پہنچنے کے لیے ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے۔ اس بے ترتیب انبوہ کے دباؤ سے پل ٹوٹ گئے اور وہ تمام دریائے عمیق میں گر پڑے۔ پل کے راستے پر جو چھ ہزار آدمی واپس ہونے والی سپاہ کی حفاظت پر متعین کئے گئے تھے اور جو بائیں ساحل پر اپنی فوج سے علیحدہ ہو گئے تھے ان کو روسیوں نے گولہ باری سے اڑا دیا۔

لہ ۔ بیرون دے توت۔

عثمانی فوج نے جسے دریائے طونہ پر پسپا ہونا پڑا تھا چوکزم کو خالی کردیا۔ ادھر غلتزن نے افلاق و بغدان پر حملہ کردیا۔ (۱۷۶۹ء) اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ایک روسی بیڑے نے بحیرۂ متوسط پہنچ کے جزیرۂ موریا پر قبضہ کرلیا۔ فرانسیسی سفیر نے باب عالی کو روس کے منصوبوں سے جو یونان کے قبضے کے لیے تھے پہلے ہی خبردار کردیا تھا مگر اس کی تنبیہ کو بالکل بے اعتباری سے دیکھا گیا۔ الجزائر اور بالٹک میں انسداد مراسلت سے مطمئن ہو کے عثمانی وزرا کو اس واقعے کے امکان پر کسی طرح یقین ہی نہ آیا۔ اور وہ اپنے گھمنڈ میں غرق رہے۔ اتنے میں خبر آئی کہ مورہ کے ساحلوں پر بارہ روسی جہاز آگئے۔ کورن پر دشمن نے قبضہ کرلیا۔ اور اہل موریا نے بغاوت کردی۔

پاپس واگلو نے جو ایک یونانی آفاقی اور روسی فوج میں توپخانے کا افسر تھا کیلا بیٹا کے رئیس پادری بنیاگی کو ملا لیا جو دولت و فراست کی وجہ سے بہت باا‌ثر شخص تھا۔ اور اڈریاٹک کے سواحل تھسلی اور موریا کا دورہ کیا اور یونانیوں کو جنگ کی ترغیب دی۔ تمام مقامات میں اس کی باغیانہ تحریکوں کا خیر مقدم کیا گیا صرف مینوٹ اور اہل مانٹینگرو ہی ایسے تھے جنھوں نے اس کی دعوت کا خیر مقدم نہیں کیا مینوٹی ترکوں کے تسلط اور روس کی رہبری دونوں سے بیزار تھے۔ ایک گمنام شخص اسٹیفن مالی نے (اسٹیفن خرد) اپنے آپ کو پطرس دوم ظاہر کرکے (یہ پطرس دوم ۱۷۶۲ء میں اپنی بیوی کے حکم سے قتل ہوا تھا) اہل زرناگورا کو باور کرایا کہ وہ کیتھرائن کا بدقسمت شوہر ہے اور موت کے چنگل سے نہایت حیرت انگیز طریقے سے بچ گیا ہے۔ اس کا ایسا عروج ہوا کہ وہ پطرس کے نام سے بادشاہ بنایا گیا جس سے مجلس ولاڈیکا کو چار ناچار اپنی عارضی حکومت سے سبکدوش ہونا پڑا۔ زرناگورا کے پہاڑی باشندوں کی جنگ میں شرکت زرینہ کے خیال میں ضروری تھی اس لیے اس نے اپنے محرم راز پرنس ڈولگوکی کو سیٹنگ روانہ کیا لیکن اس کا بھی وہی حشر ہوا جو پاپا اگلن کا ہوا تھا۔ اسٹیفن مالی نے روسی فرستادے کو مار کے نکال دیا۔ اور اپنی رعایا کو روس کی

پاسداری سے منع کیا۔ اور معاہدۂ کینرجی کی رو سے اس نے ان عیسائیوں کو ترکی کے انتقام پر چھوڑ دیا جنھیں اس نے بغاوت پر ابھارا تھا۔ اہل موریا نے بغاوت کردی تھی لیکن روسیوں کی طرف سے مدد نہ ملنے سے ان کی بغاوت بہت جلد فرو ہو گئی۔ مورہ تباہ ہو گیا اور اس کا ایک بڑا حصہ دوبارہ بسایا گیا جس میں البانی آباد ہوئے[1]۔ مورہ سے دست کش ہو کے روسی بیڑے نے ارلاف اور حقیقتہً اگر دیکھا جائے تو اسکاٹلینڈ کے باشندے الفنسٹن کی ماتحتی میں ترکی بیڑے سے اس تنگ خلیج میں مقابلہ کیا جو جزیرۂ خیوس اور سواحل ایشیا کے مابین واقع ہے۔

لڑائی چار گھنٹے تک رہی۔ ہر دو امیر البحروں کے جہازوں میں دھماکہ ہوا۔ اس دھماکہ سے ترک بہت ڈرے اور باوجودیکہ روسیوں کے نقصانات ترکوں سے زیادہ ہوئے تھے لیکن انھوں نے بندرگاہ چیمی پر نہایت بے ترتیبی کے ساتھ مراجعت کی۔ اس مراجعت سے فائدہ اٹھائے امیر البحر الفنسٹن بندرگاہ میں دو گولہ بار جہازوں کے ساتھ داخل ہوا۔

اُن دو چھوٹے جہازوں کو دیکھ کے جو باب عالی کی جانب سے آرہے تھے ترکوں کے دل میں فتح کا ولولہ پیدا ہوا ان جہازیوں کو مفرور سمجھ کے انھوں نے ان لوگوں کو غرق کرنے کا خیال نہیں کیا بلکہ ان کے صحیح سلامت پہنچنے کے متمنی رہے تاکہ انھیں گرفتار کرکے اور زنجیروں میں جکڑ کے فتح و نصرت کے ساتھ قسطنطنیہ پہنچائیں۔ اور اپنے اسی خیال سے وہ قبل از وقت ہی خوش ہو رہے تھے۔

لیکن ان فرضی بھگوڑوں نے بغیر کسی مشکل کے بندرگاہ میں داخل

---

[1] یونانی اہل مورہ سے پہلے ہی سے مخلوط ہو گئے تھے۔ دسویں صدی میں موریا آدھے سے زیادہ صقلبی تھا۔ قدیم یونانی آبادی کا مرکز یا تو پہاڑ تھے یا ساحل کے بحری مقامات۔ لیکونیا (مینہ) ہی ایک ایسا مقام تھا جس کی آبادی ابھی تک مخلوط نہ ہوئی تھی۔

ہو کے پتواروں کو ایک دوسرے پر رکھ کے اپنے لوہے کے شاخ ترکی جہازوں میں ڈال دیئے۔ اور فوراً دھواں دھار گولہ باری شروع کر دی۔ جس سے تمام بیڑا چھپ گیا۔ کشتیوں بارود اور توپوں کی بھرمار سے بندرگاہ گویا ایک کوہ آتش فشاں تھا جس میں تمام ترکی بیڑا تہس نہس ہو گیا" ۷۔ جولائی ۱۷۷۰ء[1]۔

چونکہ درۂ دانیال کی حفاظت نہیں کی گئی تھی روسی بغیر روک ٹوک کے قسطنطنیہ پہنچے۔ الفنسٹن کی رائے آبنائے میں فوراً داخل ہونے کی تھی لیکن ارلف نے جو کیتھرائن کا عاشق اور صدر امیر البحر تھا اس کو نہ مانا اور لیمناس کا محاصرہ کر لیا۔ اس زمانے میں بیرن دے تات کو دارالخلافت کی محافظت اور درۂ دانیال کے استحکام کا کام سپرد کیا گیا تھا۔ چند ہی دن میں اس نے جنگی استحکامات کو مکمل کر لیا۔ دمدمے تیار کرائے اور ان پر توپیں رکھوائیں۔ تجارتی جہازوں کو جنگی جہازوں میں بدل دیا۔ تیس ہزار آدمی مورچوں پر متعین کئے۔ اور اس طرح سے بہت جلد تمام انتظام کر لیا۔

خشکی پر بھی عثمانیوں کو ہزیمت ہوئی۔ غلتزین کے جانشین رومنزوف کو ایک لاکھ اسی ہزار کی ترکی فوج نے کاہول کے قریب گھیر لیا۔ اس نے جنگ کی بازی بدلی اور آٹھ گھنٹے کی لڑائی کے بعد اپنی صف بندی کی بدولت پوری فتح پائی۔ اس ہولناک دن میں پچاس ہزار مسلمان کام آئے۔

بحر متوسط میں روسی بیڑے کے داخل ہونے پر کابینۂ وارسائی نے بابعالی کو بحری اشتراک کی رائے دی۔ کابینہ نے پندرہ جنگی جہاز اس شرط پر پیش کئے کہ بابعالی صاف الفاظ میں مدد کی درخواست کرے گا اور ان کے اخراجات کا ذمہ دار ہو گا۔ کابینہ نے ہسپانیہ سے تجارتی معاہدے کے

---

[1] بیرن دے توت۔ اس روایت کو حسن پاشا نے مجھ سے بوثوق بیان کیا نوٹ از بیرن دے توت۔

معاوضے میں مدد دلانے کا بھی وعدہ کیا۔

صرف سلطان ہی ایک شخص تھا جو فرانس سے معاملت کرنا چاہتا تھا۔ تمام وزرا انگلستان کے زر خرید غلام اور سخت سے سخت شرائط پر بھی صلح کر لینا چاہتے تھے انھوں نے آسٹریا کی ثالثی کا بھی مطالبہ کیا۔ فرانسیسی سفیر کونٹ سینٹ پریسٹ نے جو بیرون دے توت کا مصاحب اور سلطان کا ہمراز تھا ان وزرا کی آنکھیں کھولنے اور عثمانی بدنظمی کو دور کرنے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔

توپوں کی حالت بالکل خراب تھی۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ عثمانی توپخانہ یورپ میں بہترین توپخانہ مانا جاتا تھا مگر اب ترکوں نے اس کو کوئی ترقی نہیں دی تھی۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے جس نے ترکوں کی ہزیمتوں میں کچھ کم حصہ نہ لیا تھا سلطان نے بیرون دے توت کو حکم دیا کہ وہ توپیں ڈھالنے کا کارخانہ قائم کرے اور توپخانے کا ایک نیا دستہ ترتیب دے۔

"یہ بات نہ تھی کہ ترکوں کے پاس توپخانے کے آدمی نہ تھے۔ توپچیوں کی مد میں چالیس ہزار آدمیوں کا ایک بڑا دستہ تھا جس کا خرچ بہت اور بیکار تھا۔ جاں نثاروں کے مانند اس فوج میں بھی بے قاعدگی اور بدنظمی تھی اور تمام دارالخلافت اور سلطنت میں یہ فوج پھیلی ہوئی تھی۔ ایک کاغذ "اسامی" ہر سپاہی کے پاس ہوتا تھا جس کو پیش کر کے وہ یا اس کا مختار تنخواہ لیتا تھا۔ اکثر تو یہ کاغذ بیچ لیا جاتا تھا اور بیچنے والا پھر کبھی اس فوج میں شامل نہ ہوتا تھا، بشرطیکہ اس کو توپچی سے بہتر کوئی کام مل جاتا۔ اور اگر شامل ہوتا تو محض اس کھانے کے لیے جو اس فوجی جماعت کو ملا کرتا تھا۔"[1]

بیرون دے توت کے نئے دستے کی جو سراجی سے موسوم ہوا کیا تھا نائیں چھاؤنیاں تھیں۔ ترکی فوج میں سنگینوں کا رواج ہوا جن سے

[1] بیرون دے توت۔

عثمانی پہلے نا آشنا تھے۔ کیا تھا نا میں ایک مدرسہ تفنگ اور انجینیری کی تعلیم کا اور ایک دستہ ملاحوں کا بھی قائم کیا گیا۔

جہازی بیڑے کی بھی بالکل خراب حالت تھی۔ ان جہازوں کے بازوؤں میں اوپر کی طرف توپوں کے چھوٹے دمدمے رہتے جو ذرا سی ہوا سے پانی میں چلے جاتے تھے۔ ان پر تھوڑی سی آتشباری بھی کافی تھی جس سے دشمن کو مفت میں لکڑی کا انبار کا انبار مل سکتا تھا۔ اجرائے کار میں بھی خرابیاں تھیں۔ رسے اور چرخیاں ذرا سے زور میں ٹوٹ جاتی تھیں۔ جہاز کی پچھلی منزل سے سکانی آوازیں لگاتے تو تیس آدمی سکان کو ہلانے کی کوشش کرتے۔ سامان رکھنے کا کوئی قاعدہ نہ تھا۔ نہ جہاز کی عملی واقفیت تھی۔ نہ توپوں کے رکھنے کا سلیقہ تھا۔ نہ ان کے گھیر یکساں ہوتے تھے۔ غرض اسلحہ کی یہ حالت تھی۔

کپتین پاشا جس کو اعلےٰ تقررات کا اختیار تھا جہازوں کی افسری سب سے زیادہ بولی لگانے والے کو دیتا تھا۔ اور یہی حق وہ کپتان کو بھی عملے کے تقررات میں دیتا تھا۔ اس طرح سے یہ ذلیل تجارت ان خرابیوں پر ایک اور اضافہ تھی جو ترکی بیڑے کی تباہی کا باعث ہو رہی تھیں۔"[1]

بیرن دے توت کی جان توڑ مستعدی اور جانفشانی سے مصطفیٰ نے جہاز گودام میں ریاضیات کا ایک مدرسہ بحری افسروں کی تعلیم کے لیے کھولا۔ اہم ضرورتوں کی سربراہی ضروری تھی اس لیے شروع میں وہی افسر اس مدرسے میں شریک کئے گئے جو جنگ پر کا گزار تھے۔ کئی بحری کپتانوں نے شوق علم میں سفید ریش لیے ہوئے بنچوں پر تعلیم حاصل کی۔ بیرن دے توت اپنے تلامذہ کی ذکاوت اور شوق کی تعریف کرتا ہے۔ چند ماہ میں اس نے بحری انجینئر اور ملاح تیار کر دیئے جو ارتفاع

[1] - آئڈم

ناپ سکتے، قطب نما دیکھ سکتے" اور جہاز کا راستہ پہچان سکتے تھے۔ جہاز کی وضع میں بھی تبدیلی ضروری تھی۔ بیرون سے نئے جہازوں کی وضع کے متعلق دریافت کیا گیا لیکن یہ کام کوئی آسان کام نہ تھا۔

عرشے کی بلندی کو کم گھٹانے کی تجویز عمامے کی بلندی کی وجہ سے نامنظور ہوئی۔ اسی طرح وہ تجویزیں بھی نامنظور ہوئیں جو مستولوں کو بڑھانے کے متعلق تھیں۔ اور اس بنا پر نامنظور ہوئیں کہ جہازوں کو کھولنے کی صورت میں ان کے رکھنے میں وقت کا سامنا تھا"۔ ؎

۱۷۷۱ء کی مہم میں عثمانی کامیاب رہے۔ دریائے جنگ کے تنا ور حسن بے نے لمناس سے محاصرین کو ہٹانے کی سوچی اور وہ بھی چار ہزار رضاکاروں اور معمولی بے توپ کے جہازوں سے۔ غیر معمولی جرأت سے معرکہ کامیاب ہوا۔ محاصرین نے اپنی حفاظت کا مطلق لحاظ نہ کیا تھا اور جب حسن نے ایک دم سے حملہ کر دیا تو یہ لوگ اپنے جہازوں پر بھاگے۔ حسن اور اس کے ساتھیوں نے پستول ہاتھ میں لیے اور ساحل پر کھڑے ہوئے سات جہازوں کے ایک دستے کو حالت پریشانی میں لنگر اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ اس مہم کے صلے میں حسن قپودن پاشا بنایا گیا۔ روسیوں کو بھی تبریزند اور رجارجیا میں ناکامی ہوئی لیکن قرم میں عثمانی حکومت نیست و نابود کر دی گئی۔ تین ہفتوں میں امیر ڈولگورکی نے تمام جزیرہ نما پر قبضہ اور رسقودی سیادت میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ اور شریم بے کو خان قرم بنایا۔

باب عالی کو جھوٹے پیاموں سے دھوکے میں رکھ کے حکومت آسٹریا نے ایک خفیہ معاہدہ تقسیم لہستان کا پروشیا اور روس سے کر لیا۔ اس نے پروشیا کے ساتھ روس سے التوائے جنگ کا ایک مزید معاہدہ گیوگیو میں کیا۔ اور ایک مجلس ان ممالک کی ٹوکسائی واقع بخدان میں منعقد ہوئی۔

؎۔ بیردن دے توت

لیکن مصالح روس کی بدولت گفت وشنید کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور جنگ کا دوبارہ آغاز ہوا۔ سلطان مصطفیٰ معقول شرائط پر صلح کرنا چاہتا تھا مگر اب مجبوراً اس نے جنگ کی زبردست تیاریاں شروع کر دیں دریائے طونہ جنگی قوتوں کا مرکز تھا۔ روسیوں کو روئس چوک اور سالسٹریا میں ہزیمتیں ہوئیں۔ انھوں نے بزارجک کے غیر محفوظ شہر کی تباہی سے ان شکستوں کا بدلہ لیا جہاں عورتیں، بوڑھے اور بچے دیواروں سے ٹکرا ٹکرا کے مارے گئے۔[۱]

قپودن حسن پاشا نے جس کے پاس اب جہاز نہ تھے سپاہیوں کی ایک فوج کے ساتھ دریائے طونہ کے پار روسیوں کا تعاقب کیا۔ اور ان کی توپوں اور گولہ بارود اور "چولھے سے اتری ہوئی نیم پخت گوشت کی دیگچیوں تک پر قبضہ کر لیا"[۲] ۱۷۷۳ء۔

شام اور مصر میں بھی بازی عثمانیوں ہی کے ہاتھ رہی۔ ابوشیل نے علی بے کو قاہرہ کی دیواروں کے نزدیک شکست دی۔ علی نے طاہر پاشا والی ایکر کے پاس پناہ لی جس کی روسی بیڑے نے گولہ بارود اور اسلحہ سے مدد کی تھی۔ باغیوں نے عثمان پاشا کو شکست دی اور جافہ پر قبضہ کر لیا۔ علی بے قاہرہ واپس ہوا لیکن اپنے متبنیٰ بیٹے محمد بے کی دغابازی سے ابوشل کے ہاتھ گرفتار ہوا جس نے اپنی وفاداری کے ثبوت میں اس کا سر قاہرہ روانہ کیا

ان غیبی فتحمندیوں کے ہجوم میں جب کہ سلطان فوج طونہ کی سرداری کے ارادے سے باہر نکل رہا تھا اسے موت نے آکر شکست دیدی (۲۱ ستمبر ۱۷۷۳ء)۔

مصطفیٰ سوم مستعد، مستقل مزاج، اصلاح پسند اور تعلیم کا شائق تھا۔ اس نے

---

[۱]۔ آسٹری فوجی روزنامہ۔
[۲]۔ خان ہیمر۔

اپنی ذاتی کوشش سے اپنے وزرا کی کاہلی اور نا قابلیت کی تلافی کی کوشش کی۔ اس کے ان عمدہ اوصاف سے رعایا کو اس کے انتقال کا ملال ہوا اگر اس سے اپنے پیشروؤں کی غلطیوں کی تلافی نہ ہوسکی تو اس کی وجہ گرد وپیش کے حالات اس کے حاشیے کی زر پرستی، جہالت اور رشوت ستانی تھی۔ اس کا خاکنائے سویز میں سے راستہ نکالنے کا منصوبہ اس کی روشن دماغی کے ثبوت میں کافی ہے۔ اس اہم منصوبے پر غور کرنے کے لیے اس نے بیرون دے توت سے کہا تھا۔ جس کی تکمیل وہ زمانۂ امن میں کرنا چاہتا تھا۔ "اسی زمانے میں وہ چاہتا تھا کہ اپنی حکومت کی خرابیوں کا سر کچل دے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر وہ زندہ رہتا تو اپنی حکومت کی اصلاح کے لیے خود اپنی مطلق العنانی کو بھی قربان کر دیتا" [1]

آخر میں مصطفیٰ کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اصلاحات کی ضرورت کو محسوس کیا۔ ان کو عملی جامہ پہنایا۔ اور سلیم سوم اور محمود دوم کی راہ نجات کی طرف رہنمائی کی۔

عبدالحمید اول۔ صلحنامۂ کینارجی ۔ ۱۷۷۴ء

جنگ روس ۔ شیخ اوغن علو

عبدالحمید کو اپنے بھائی کے تاج کے ساتھ ایک دردسر بھی ورثے میں ملا۔ احمد پاشا حاکم بغداد خود مختار تھا۔ صحرائی قبائل کے بل پر طاہر نے شیخ ایکر وگیلیلی کا لقب اختیار کیا۔ محمد بے کی ولایت میں مصر بظاہر وفادار تھا۔ البانیا میں محمد پاشا حاکم سقوطری نے علانیہ بغاوت کر دی تھی۔ اور علی پاشا حاکم یانینہ اپنی حکومت کو مضبوط کر رہا تھا۔

[1] بیرون دے توت۔

تخت نشینی کے بعد عبد الحمید نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے بھتیجے سلیم کو کامل آزادی بخشی اور واضح کیا کہ وہ سلیم کے ساتھ پدرانہ سلوک رکھے گا۔ اس شریفانہ طرز عمل سے جو اس کے پیشروؤں کے اصول سے اس قدر مخالف تھا تمام مسلمانوں کے دلوں میں اس کی جگہ ہو گئی۔

کیتھرائن نے اپنی ان ہزیمتوں کا بدلہ لینے کے لیے شاندار تیاریاں کیں جو اسے حال ہی میں ہوئی تھیں۔ سوارف اور کراینسکی کی مدد کے ساتھ کونٹ رومنزف نے دریائے طونہ کو عبور کیا۔ عثمانی فوج کو پسپا کر کے وارنا سے جہاں اس کے گودام تھے جدا کر دیا جس کی وجہ سے فوج میں دہشت پھیل گئی اور سپاہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ صرف بارہ ہزار کی فوج سر عسکر کے پاس رہ گئی تھی۔ جب رئیس افندی نے جاں نثاروں کو لڑائی پر مجتمع کرنے کی کوشش کی تو جاں نثاروں نے اس کا سر اڑا دیا (جون ۱۷۷۴ء)

ایسے سپاہیوں کے ساتھ لڑنا ناممکن تھا۔ سلطان نے ناچار صلح کر لی جو کچک کینارجی واقع بلغیریا میں طے پائی (۲۱ جولائی ۱۷۷۴ء)

اس تباہ کن صلحنامے سے بابعالی نے قرم، بوجاک اور کوبن کی خود مختاری کو تسلیم کیا۔ روس کو کلبرن، جینی کالے، کرچ اور ازوف حوالے کیے۔ اور بحیرہ بالٹک میں جہاز رانی کی اجازت دے دی۔ آخر میں اس نے تقسیم لہستان کو بھی تسلیم کر لیا۔ بغدان و افلاق پھر بابعالی کی سیادت میں آ گئے لیکن ایک تباہ کن دفعہ کی رو سے اس نے تسلیم کیا کہ "جن حالات میں کہ یہ علاقے اور ان کے فرمانروا ہیں انھیں حالات میں ان کو دربار روس اور اس کے وزرا قائم رکھ سکتے ہیں۔ اور مزید براں وعدہ کیا کہ ان مجالس نیابت میں بابعالی کی طرف سے بھی شرکت کی جائے گی"۔ یہ گویا ان علاقوں کو زار روس کی سرپرستی میں دینا تھا۔ اس صلحنامے کی ساتویں دفعہ سے روسیوں کو عیسائی مذہب اور گرجاؤں کے بارے میں فہمائش کا حق دیا گیا تھا جس کے وہ کسی طرح سے حقدار نہ تھے۔ ۱۸۵۴ء کی جنگ اسی دفعہ کا نتیجہ تھی۔

خان ہیمر لکھتا ہے کہ "صلحنامۂ کینارجی کے بعد سے روس بابعالی کے سیاسیات کی زبان غیب، اس کی جنگ وصلح کا حکم، اور اس کے اہم ترین معاملات کی روح رواں بن گیا۔

صلحنامہ کینارجی کے نتائج بہت جلد محسوس ہو گئے مسقودی کارپردازوں کی سازشوں سے قرم میں فساد ہوا۔ دولت غرائے معزول کیا گیا اور اس کی جگہ پر شاہین غرائے مقرر ہوا۔ جس نے آپ کو کیتھرائن کی سرپرستی میں دیا۔ امرا نے نئے خان قرم کے خلاف بغاوت کی۔ خان نے روس سے مدد کی درخواست کی۔ (۱۷۸۳ء)۔ پوٹیمکن نے فوراً ستر ہزار آدمیوں کے ساتھ قرم پر حملہ کر دیا۔ لیکن اس کی فتح کو فتح کی دیوی نے شرف نہیں بخشا۔ قتل کے ساتھ یہ فتح حاصل ہوئی اور پھانسیوں کے ساتھ اس کا اعلان ہوا۔ خود خان کی آنکھوں کے سامنے کئی ہزار شریف تاتاری سنگسار اور قتل کر دیئے گئے ...... روسیوں نے بدقسمت شاہین غرائے کو ایک زمانے تک ٹال مٹول میں رکھا۔ آخر بیچارے کو اپنی سلطنت سے جس کی اس نے تحقیر کی تھی دست کش ہونا پڑا۔ بعد ازاں روسیوں نے اس کو کالوگا میں قید کیا۔ اس کو سخت تکلیفیں دیں۔ اور اس کے ساتھ نہایت وحشیانہ برتاؤ کیا۔ اور بالآخر اس کو ترکوں کے انتقام کے لیے سرحدی علاقے پر چھوڑ دیا۔ ترکوں نے اس کو پکڑا اور رھوڈس روانہ کیا جہاں فرانسیسی قونصل کی مزاحمت کے باوجود اس کو قتل کر دیا گیا"[۱]

قرم اور کوبن دوبارہ روسی سلطنت میں شامل کیے گئے۔ بابعالی کو ناچار اس حقوق اقوام کی پامالی پر سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ (۱۷۸۴ء)

آسٹریا نے روس کے ساتھ ترکی میں پیش قدمی جاری رکھی جوزف دوم اور کیتھرائن نے خرسن کی ملاقات میں تقسیم ترکی کا معاہدہ طے کیا۔ فرانس کی مداخلت سے یہ منصوبے آگے نہ بڑھے لیکن انگلستان نے فرانس کی

[۱]۔ روولیر۔

خصومت میں اس مداخلت کو بے اثر کر دیا۔

"انگلستان نے جس کے مشورے، جس کا توسط، جس کی غیر جانبداری، ترکی کے حق میں سم قاتل کا کام کر رہی تھی بابعالی کے سامنے فرانس کے اغراض کو بری روشنی میں پیش کیا۔ اور یہ اتہام لگایا کہ فرانس در اصل اس سے عیاری اور بیوفائی کو کام میں لا رہا ہے۔ اور دیوان کو ترغیب دی کہ وہ فرانسیسی تجاویز صلح کو رد کر دے۔ روس سے سازش کر کے اس نے بابعالی کو باور کرایا کہ روس در اصل خوف سے پیچھے ہٹ رہا ہے۔ اور یہ کہ اب سابقہ فتوح کے واپس لینے کا وقت آگیا ہے۔ اس نے یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ آسٹریا کو لڑائی سے باز رکھے گا۔ سویڈن اور لہستان کو اس کی طرف سے لڑائی پر آمادہ کرے گا اور اپنی بحری قوت سے پوری مدد کرے گا۔" [1]

بابعالی نے فریب میں آکے جنگ کا اعلان کر دیا۔ (اگست ۱۷۸۷ء) اس کے اعلان کے ساتھ ہی آسٹریا روس کے ساتھ ہو گیا۔ جوزف دوم نے بلغرید پر اچانک حملے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ صدر اعظم نے آسٹریوں کو لیگاس میں شکست دی اور تمسور کا فوجی علاقہ تاراج کیا لیکن روسی معرکے میں عثمانیوں کو سخت شکست ہوئی۔ سوارو نے کلبرن میں ترکوں کے حملوں کو رد کیا۔ رومن زوف نے چوکزم کو فتح کیا۔ اور پوٹیمکن نے اکزا کو کا محاصرہ کر لیا۔ (۱۷۸۸ء)

قپودن حسن پاشا نے اس شہر کی مدد پر تیزی سے کوچ کیا لیکن دریائے طونہ کے دہانے پر روسی دستے کے فریب میں آگیا۔ ایک خونریز لڑائی ہوئی جس میں اس کے پندرہ جہاز اور گیارہ ہزار آدمی ضائع ہوئے۔ اس فتح نے اکزا کو کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ روسیوں نے اس پر دھاوا کر کے اسے فتح کر لیا اور وحشیانہ غیظ وغضب میں غارتگری شروع کر دی، اور پچیس ہزار آدمی تہ تیغ کر ڈالے، اسی زمانے میں کردستان میں بغاوت ہو گئی۔

[1] لوائے

سرغنہ بغاوت نے جو ایک آفاقی تھا اپنے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس کی اس بغاوت سے ایشیائے کوچک کے قبضے سے نکل جانے کا اندیشہ تھا۔ ترکوں کی خوش قسمتی تھی کہ دیوان نے دانشمندی سے اس کی توجہ روسیوں کے مقابلے میں کوہ قاف کی طرف پھیر دی۔ جنگ روس و ترکی کے اعتبار سے گو اس فریب سے خاطر خواہ نتائج نہیں پیدا ہوئے لیکن کم از کم اتنا تو ضرور ہوا کہ عثمانی سلطنت کی چول ڈھیلی ہونے سے رہ گئی جس سے کسی طرح مفر نہ تھا۔ شیخ اوغلن علو کی بغاوت کا قصۂ معترضہ ترکی تاریخ کا عجیب ترین واقعہ ہے۔

شیخ اوغلن علو کا نام جس کو اب بھی کردستان کے بعض قبائل عزت سے لیتے ہیں غیونی بٹسٹا بٹی تھا۔ وہ مونٹ فرات کے علاقہ پیازانو میں پیدا ہوا۔ اس کا عنفوان شباب بچپنی اور عاشقانہ سانحوں میں بسر ہوا۔ اسی زمانے میں اس کو مذہبی ولولہ پیدا ہوا اور وہ راونا کی دومینیکی خانقاہ میں داخل ہو گیا۔ موصل کو کسی کام پر بھیجا گیا تو وہاں اسقف اعظم سے جھگڑ لیا۔ جس نے اس کو بیجا جوش اور مذہبی تعصب کا ملزم ٹھیرا کے پاپائے روما سے اس کے مذہبی اخراج کا حکم حاصل کیا۔ بٹی تب اپنے مسلک سے منحرف ہوا اور ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالنے اور ایشیائے کوچک فتح کرنے کا شاندار منصوبہ سوچنے لگا کئی سال تک وہ اناطولیہ اور ایران میں پھرتا رہا۔ بڑے بڑے شہروں کے نقشے تیار کئے۔ یورپ کے بڑے بڑے اسلحہ خانوں کا معائنہ کیا۔ ایک بہت مال دار ایرانی طبیب لبیل سے دوستی پیدا کی۔ اور آدھے لاکھ کی رقم اسلحہ اور گولہ بارود پر خرچ کی۔ ان سب انتظامات سے فارغ ہو کے اس نے مارچ ۱۷۸۵ء میں احمدیہ میں تلقین شروع کی۔ اس نے دعوےٰ کیا کہ وہ مہدی ہے جس کی خوشخبری محمد نے دی تھی۔ اس کے آنے کی غرض مسلمانوں کو اس سچے مذہب کے مسلمہ اصول کی طرف واپس بلانا ہے جنھیں وہ بھلا بیٹھے ہیں۔ اس کی لسانی ایسی تھی کہ جن جن شہروں میں اس کا گزر ہوا وہاں کی آبادی کو اپنا بنا لیا۔ چند ہی ماہ میں تمام کردستان اس کا ہو گیا۔ ارض اروم کو اس نے

دھاوے سے فتح کیا۔ بعد میں اس نئے رسول نے منصور کے نام سے توسیو اس اور سمرنا پر پیش قدمی کی۔ باب عالی نے گھبرا کے مہدی کے پاس اپنے سفرا روانہ کیئے تاکہ وہ اسے ایشیائے کوچک سے جس طرح بن پڑے ٹالیں۔ معلوم نہیں غیود انی بٹی نے اپنا منصوبہ کس لیے بدل دیا لیکن یہ معلوم کرنا ہمارے لیے کافی ہے کہ وہ سمرنا کا خیال چھوڑ کے جنگ کی غرض سے کوہ قاف کی طرف روانہ ہو گیا۔ (۱۷۸۶ء) اول تو اس نے اپریکزن پر فتح پائی لیکن بعد میں اپریکزن اور پوٹیمکن نے اسے شکست دی۔ ان چار سالوں میں ۱۷۸۷ء سے ۱۷۹۱ء تک وہ ہار جیت کے ساتھ لڑتا رہا۔ آخر ایک لڑائی میں اس کی امیدوں کا خاتمہ ہو گیا۔ وہ روسیوں کے ہاتھ گرفتار ہوا۔ کیتھرائن نے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا۔ سولووٹسکی اس کے رہنے کے لیے عطا کیا۔ اور ایک لاکھ فرانک پنشن مقرر کی منصور نے ۱۷۹۸ء تک کیتھولک آرمینیوں کی خانقاہ میں گوشہ نشینی میں زندگی بسر کی۔

عبدالحمید کا رنج وملال کے عالم میں انتقال ہوا۔ (اپریل ۱۷۸۹ء) اس نے اپنے بھتیجے کے لیے ایک ڈوبتا ہوا تخت اور روبہ زوال سلطنت چھوڑی۔

سلیم سوم۔ صلحنامۂ یاسی ۱۷۹۲ء کوچک حسین

تخت نشینی کے وقت سلیم کے پیش نظر یہی ایک خاص مقصد تھا کہ سلطنت کو ذلت وبربادی سے نکال کے سابقہ حالت پر واپس لائے۔ اور اس کو ترقی کے اس معیار پر مضبوطی کے ساتھ پہنچائے، جس پر موجودہ تمدن پہنچا ہوا تھا۔ ترکی کی حالت یورپ کے ممالک سے بالکل الگ تھلگ تھی۔ سلیم چاہتا تھا کہ ترکی ان مفید اختراعات اور ان تمام اصلاحات میں

حصے جو یورپ میں ہو رہی تھیں۔ یہ ایک مشکل اور جان جوکھوں کام تھا جس سے وہ پیچھے نہ ہٹا لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ اپنے تخت اور اپنی جان دونوں سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

شروع شروع میں اس نے رحم اور ایثار کے کام کئے۔ قیدی آزاد کئے۔ نادار مدیونوں کی طرف سے قرض خواہوں کو شاہی جائداد سے تیس فیصدی ادا کیا۔ اور ہر طرف انصاف کی عملداری کی۔

سیاسی مطلع نہایت غبار آلود تھا اس لیے ایک نوجوان، مستعد، شریف اور رحمدل شہزادے کی تخت نشینی کی تمام لوگوں نے خوشی منائی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب نصرت افق اسلام سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو چکا تھا۔ قپودن پاشا کو جو اپنے بیڑے کی تباہی کے بعد سے ہراول دستے کا افسر تھا فوکزانی میں شکست ہوئی۔ ۲۱ر جولائی ۱۷۸۹ء۔ اس کے دو ماہ بعد عثمانی فوج میدان مارٹینیسچی میں تباہ ہوئی۔ اس آخری ہزیمت سے صدر اعظم برطرف اور قپودن حسن پاشا اس کی جگہ مامور ہوا۔ افلاق، بغدان اور سربیا پر دشمن کا قبضہ تھا۔ اسماعیل ہی ترکی سلطنت کا ایک قلعہ دریائے طونہ پر رہ گیا تھا جس نے تن تنہا روسیوں کو جزائر بلقان پر بڑھنے سے روک دیا تھا۔ اب اس کا بھی محاصرہ کیا گیا۔ خزانہ خالی تھا۔ فوجی افسروں کی ٹولی بھی خالی تھی لیکن ایک ناگہانی واقعے سے حالت ہی بدل گئی۔ وہ یہ کہ جوزف دوم کا یکایک انتقال ہو گیا۔

اس کے جانشین لیوپالڈ امیر الامرائے (گرانڈ ڈیوک) ٹسکنی نے اپنے بھائی کی سیاسی مصروفیتوں سے آپ کو علیحدہ کر کے اپنی تمام توجہ فرانس کی طرف پھیر لی۔ فرانس نے لوئی شانزدہم کو پھانسی دی اور جلد معاہدہ بسٹوا پر دستخط کر دیئے جس نے بابعالی کو حیرت میں ڈال دیا (۴ر اگست ۱۷۹۰ء) آسٹریا نے ارزوا کے سوائے اپنے تمام فتوح واپس کئے۔ دریائے اُنا سرحد قرار دیا گیا۔ چوکزم کو بھی آسٹریا نے اس وقت تک کے لیے اپنے قبضے میں رکھا جس وقت تک کہ روس اور ترکی کے مابین صلح نہ ہو جائے۔ آسٹریا کی

کنارہ کشی روسیوں کی ترقی میں مانع نہ ہو سکی۔ سوارو نے اسماعیل پر فوراً حملہ کر دیا جس کی حفاظت پر چالیس ہزار کی فوج تھی۔ بارہ گھنٹے کی معرکے کی لڑائی اور ہر گھر اور ہر سڑک کے علیحدہ علیحدہ محاصرے کے بعد اسماعیل فتح ہوا۔ عورت مرد اور عمر کسی کا لحاظ نہیں کیا گیا اور سب بیدریغ قتل کئے گئے۔ اور تین دن تک قتل عام ہوتا رہا (۲۲۔ دسمبر ۱۷۹۰ئ)

اس خبر سے استامبول میں بغاوت ہو گئی۔ اس شورش کو فرو کرنے کے لیے کسی نہ کسی کو بھینٹ چڑھانا ضروری تھا۔ شورشیوں نے صدر اعظم کا سر طلب کیا۔ سلطان کو سر دینا پڑا۔ حسن پاشا کا کام جس کی زندگی میدان جنگ میں فتوح کے آغوش میں بسر ہوئی تھی پھانسی سے تمام ہوا۔ وہ ایران میں پیدا ہوا تھا لیکن ایام شیر خوارگی میں اڑا لیا اور روڈسٹو میں بحیثیت غلام بیچا گیا۔ جب کچھ سن شعور کو پہنچا تو بھاگ کے الجزائر میں پناہ لی جہاں اپنی غیر معمولی قابلیت کی بدولت اعلیٰ ترین خدمات پر ترقی کی لیکن تمول کی وجہ سے اس پر بدگمانیاں ہوئیں جس سے اس کو ہسپانیہ اور ہسپانیہ سے نیپلس بھاگنا پڑا۔ کونٹ ڈی روڈلف سفیر نیپلس کی سفارش پر صدر اعظم راغب پاشا نے اسے قسطنطنیہ بلایا۔ اور ایک جہاز کی افسری دی۔ حسن نے اپنے فرض منصب کو قابلیت سے ادا کر کے صدر اعظم کے اعتبار کا ثبوت دیا چنانچہ کسمی کا واقعہ اس کی شہادت ہے۔

دشمن کو شکست دینے کے لیے اور انتظامات کی ضرورت تھی۔ سر عسکر یوسف پاشا کو مٹیکن میں شکست فاش ہوئی۔ (جولائی ۱۷۹۱ئ) انگلستان اور فرانس نے مداخلت اور فریقین میں صلح کرائی۔ صلحنامۂ یاسی سے (۹۔ جنوری ۱۷۹۲ئ) روس کو قرم، جزیرہ نمائے تمسن، کوبن، اور بیسرابیا کا کچھ حصہ، اکزاکو، اور دریائے نیسٹر اور دریائے بگ کا درمیانی خطہ ملا۔ اور دریائے نیسٹر دونوں سلطنتوں کی سرحد قرار دیا گیا۔

صلحنامے کے بعد بابعالی میں کئی تبدیلیاں ہوئیں۔ صدر اعظم برطرف کیا گیا اور قپودان پاشا کی جگہ پر ایک نوجوان مقرب سلطان کوچک حسین پاشا

مامور ہوا جو سلطان کا سالا بھی تھا۔ وہ ان منتخب اور قابل افراد سے تھا جو خاک ترکی سے پیدا ہوئے۔ اوبیر دے بائیے اور سینٹ ڈینیز کے کرنل ژروشیرد اس کی غیر معمولی قابلیتوں کی تعریف میں رطب اللساں ہیں۔ ۱۸۰۳ئہ میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کے تمام معاصرین اس بات پر متفق ہیں کہ اگر وہ زندہ رہتا تو وہ انقلاب بالکل ناکام رہتا جس سے سلیم تخت سے اتارا گیا۔

نئے وزیر نے بہت جلد اپنی اعلےٰ قابلیتوں کا ثبوت دیا۔ بحیرہ ایجین کو بحری ڈاکوؤں نے اپنا مسکن بنا لیا تھا۔ ان کو وہاں سے نکالا۔ لمبر و کیزیونی ڈاکو لٹیروں کا ایک نیا جتھا بحیرہ متوسط میں قائم کر رہا تھا اس کا خصوصیت کے ساتھ قلع قمع کیا۔ سرحدی قلعے درست کئے اور انھیں جنگی معیار پر آراستہ کیا۔ سویڈن اور فرانس سے انجنیر بلائے۔ تولون کے گودام کے جہازوں کے نمونے پر نئے جہاز بنوائے۔ مدارس بحری و تفنگ میں جنھیں بیرون دے توت نے قائم کیا تھا نئی روح پھونکی۔ اور ان کا انتظام فرانسیسی اعلیٰ افسروں کی نگرانی میں دیا۔ مقامات کی حفاظت اور حملے کے متعلق واہان نے ایک رسالہ شایع کیا تھا جس کا ترجمہ ترکی میں ایک اخلاقی امیر نے کیا تھا۔ یہ رسالہ اور اس کے ساتھ ریاضیات اور فن جنگ کی کئی کتابیں طبع ہوئیں۔ پروفیسروں اور شاگردوں کے لیے ایک کتب خانہ چار سو کتابوں کا مدرسہ توپخانہ میں قائم کیا گیا جس میں بہترین فرانسیسی مصنفین کی کتابوں کا انتخاب تھا۔ اور ایک قاموس بھی اس میں شامل تھی۔ فرانسیسی زبان کی تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا جو اس زمانے کے لحاظ سے نہایت بیباکانہ بدعت تھی۔

لیوند (بحری پیادہ فوج) کلیونجی (ملاح) اور علاقجی (مستولی) بحری لڑائی ختم ہونے کے بعد اپنی کثرت تعداد سے دارالخلافت کے لئے بلائے بے درمان ہوتے تھے۔ قپودن پاشا کے زبردست بازو نے ان تمام بدنظمیوں کا ازالہ کر دیا۔ شام اور الجزائر کے سمندروں میں ایک جنگی جہاز ہمیشہ کے لیے مقرر کیا گیا۔ تارس پہاڑ کے عمدہ جنگلوں کی کٹائی کا باقاعدہ انتظام ہوا اور ٹوکٹ کی زرخیز تانبے کی کانیں باقاعدہ کھودی گئیں۔ رائے، بینوا، اور

بروں فرانسیسی انجنیروں نے فرانسیسی جہازوں کی وضع پر ترکی جہاز تیار کئے۔ اور وضع قطع، حجم اور چھت میں فرانسیسی جہازوں کی تقلید کی۔ توپوں کے کارخانے میں فرانس کے گری بووال کے طریق پر بارہ، آٹھ اور چار کی توپیں بننے لگیں۔ کالنسی کی توپیں ڈھالنے میں جوڑ کا استعمال ترک کیا گیا اور توپیں یکساں دھات میں ڈھل کے مشینوں کے ذریعے سے آڑی کھڑی برمائی جانے لگیں۔ ہوئٹزر توپیں روسی ہوئٹزروں کے نمونے پر تیار ہوئیں۔ بیروں دے تات کے توپچیوں کی تعداد چھ سو سے تین ہزار تک پہنچی تھی۔ سفیر جمہوریت فرانس جنرل اوبیر دے بائیے انجنیروں، افسروں، اور آلات حرب کے فن دانوں، سپاہیوں، اور توپخانے کے کاریگروں کو اپنے ہمراہ لایا تھا یہاں تک کہ اب توپیں بھی فرانسیسی گاڑیوں اور گھوڑوں پر لادی جانے لگیں۔ ان سب آدمیوں کو ملا کے آٹھ سو گولندازوں کا ایک دستہ ترتیب دیا گیا۔ سواروں کا ایک دستہ یورپین طریق پر تیار، اور یورپین طریق پر مسلح کیا گیا۔ اور قواعد بھی یورپین طرز پر سکھائی گئی۔ ان کے علاوہ غیر ملکی مفروروں کا ایک دستہ قائم کیا گیا جو نظام جدید کا جزو لاینفک تھا۔ (۱۷۹۶ء) یہ تمام فوجیں ایک مفرور انگریز افسر انگلس مصطفیٰ (کیمپبل) کی ماتحتی میں دی گئیں۔

روس بدگمانی کے ساتھ ترکی کی ان نئی تیاریوں کو دیکھ رہا تھا۔ اور صلحنامۂ یاسی کو توڑنے کی تاک میں لگا ہوا تھا۔ حاکم ودن کی بغاوت سے سلطان بہت گھبرایا اس لیے دو لاکھ پچاس ہزار قرش غنیمت سمجھ کے اس کے ساتھ صلح کر لی (۱۷۹۸ء) پاسون اغلو حاکم ودن نے اپنی خودمختاری کا اعلان کیا۔ اور دریائے طونہ کے ساحلوں پر ایک خطے کی حدبندی کر لی۔ کوچک حسین نے بیکار باغی کا مقابلہ کیا۔ ایک زبردست لڑائی کے بعد جس میں شکست و فتح ساتھ ساتھ رہی بابعالی نے ودن کی خودمختاری اس کی حیات تک تسلیم کر لی۔

مصر پر فرانسیسی مہم (۱۷۹۸ء)۔ جاں نثار (۱۸۰۶ء)

انگریز قسطنطنیہ اور مصر میں (۱۸۰۷ء)

مصر میں بوناپارٹ کے داخلے سے صورت حال میں اور بھی الجھنیں پیدا ہو گئیں۔ ترکوں کی شکست، ان کے نظم و نسق کی روز افزوں ابتری، یونانی اور سرحدی علاقوں کی خود مختاری کے ولولے، حکام کی مسلسل بغاوتیں، ان سب سے یورپ کو سلطنت عثمانیہ کے خاتمے کا یقین ہو گیا تھا۔ مجلس جمہوریت فرانس کو خیال ہوا کہ تقسیم ترکی میں حصہ لینے سے پہلے کیوں نہ خود ہی دول یورپ کی شرکت کے بغیر اس کا فیصلہ کر دیں۔ اسی خیال کا نتیجہ معرکۂ مصر تھا۔ اس میں بہت کچھ کامیابی کی امید تھی۔ بابعالی کو یہ باور کرانا آسان تھا کہ فرانس کے پیش نظر مملوکوں کو سزا دینا، اس کی تجارت کو دوبارہ قائم کرنا اور انڈیز کا راستہ پیدا کرنا ہے۔ آخر میں پیسے سے مصر پر کامل قبضہ حاصل کیا جا سکتا تھا لیکن اس مدت میں او بیرو ے بائیے کا انتقال ہو گیا۔ اور سفارت کا کام ایک معمولی ایلچی کے سپرد ہوا۔

مملوکوں کے ملکی جھگڑوں سے ان کا وجود اور عدم وجود برابر ہو رہا تھا۔ عیسائی آبادی سے امدادی فوج مل سکتی تھی۔ امیر شبیر جو مارونیوں اور دروزیوں کا سردار تھا شام میں چالیس ہزار کی فوج فراہم کر سکتا تھا اور مصر میں عیسائی آبادی پانچ لاکھ سے بھی زیادہ تھی لیکن ساتھ ہی ساتھ صلیبی جھنڈا بلند کرنے کی بھی ضرورت تھی۔ جس کے بغیر مشرق میں کسی مہم کی کامیابی ناممکن تھی۔ جمہوریت فرانس نے تو خدا کو اپنے ملک سے نکال دیا تھا۔ بوناپارٹ کے سپاہیوں کو گرجاؤں سے بڑھ کر مسجدوں کا پاس تھا۔ جافے میں فرانسیسیوں نے عیسائیوں اور مسلمانوں دونوں کو قتل کیا تھا اس لیے شام کے عیسائی ان کی مدد پر نہ اٹھے۔

انگلستان نے بابعالی اور فرانس کی قدیم دوستی توڑنے کے لیے اس موقع کو بہت غنیمت سمجھا۔ فرانس کے کارپرداز سفیر ایم رفن کے مذبذب بیانات سے دیوان کو تشفی نہ ہوئی اور اس نے فرانس سے جنگ کا اعلان کردیا (یکم ستمبر ۱۷۹۸ء) رفن کو سات برج میں قید کردیا گیا۔ اور اس طرح قسطنطنیہ کے تمام فرانسیسی قید خانے بھیجے گئے۔ اسپنسر اسمتھ نے تمکنت کو فراموش کرکے فرانسیسی سفارتخانے پر قبضہ کرلیا اور اس کو بالکل تباہ کردیا۔ ہمارے تمام کارخانے جو یونان، شام اور ایشیا میں تھے تباہ کردیئے گئے۔ اور سمرنا اور بیروت میں انگریزوں نے فرانسیسی سوداگروں کو گرفتار کرلیا۔ علی پاشا نے بوٹرنٹو اور پریویزا پر قبضہ کرلیا جو صلحنامۂ کیمپو فارسیو سے فرانس کے حوالے کئے گئے تھے۔ ادھر روسی بیڑے نے سباستاپول سے نکل کر آیونی جزیروں کا محاصرہ کرلیا۔

ترکی، روس، اور انگلستان تینوں آپس میں متفق تھے۔ صدر اعظم نے والیان اناطولیہ و شام کی سرکردگی میں دو فوجیں مجتمع کیں تاکہ مصر میں ایک فرانسیسی کو بھی باقی نہ رکھا جائے۔ اہرام و امبابہ کی جنگوں میں ملوک تباہ کردیئے گئے تھے اور قاہرہ اور تمام مصر اعلے پر فاتحین کا قبضہ ہوگیا تھا۔ ابوخیر میں انگریزوں کے ہاتھ فرانسیسی بیڑے کی تباہی سے نپولین کو مدد نہ پہنچ سکی اور وہ فتح کی حالت میں قید تھا۔ مصطفیٰ پاشا نے اٹھارہ ہزار کی فوج کو ابوخیر پر اتارا تاکہ بوناپارٹ پر عقب سے حملہ آور ہو لیکن نوجوان جنرل کی پھرتی سے سرعسکر کا منصوبہ ناکام رہا۔ عثمانیوں کو مورچہ بندی کا موقع دینے سے پہلے ہی بوناپارٹ نے ان پر حملہ کردیا اور انھیں کاٹ کے رکھدیا۔ (۱۷۹۹ء) اس کامیابی کے ساتھ ہی اس نے شام پر حملہ کیا۔ اور طاعون کے باوجود جس سے اس کی ایک دہائی فوج ضائع ہوئی سینٹ جان آف ایکر کا محاصرہ کیا۔ شہر فتح کرکے یہ نیا سکندر فاتحانہ انداز سے آگے بڑھا۔ ایکر کی حفاظت پر مہاجر فلپو مامور تھا جسے بعد میں سڈنی اسمتھ کی کمک پہنچ گئی۔ یہاں تک آکے قسمت نے نپولین کا ساتھ چھوڑ دیا اور وہ مراجعت پر مجبور ہوا۔ فتوح کے باوجود فرانسیسی فوج نہایت خطرے میں تھی۔ انگریز

سمندر کے مالک اور مراسلت میں رخنہ انداز ہو رہے تھے۔ صدر اعظم ایک بڑی فوج کے ساتھ آرہا تھا۔ فرانسیسی فوجیں آدھی سے بڑھ کر بیماری اور جنگ کی وجہ سے گھٹ چکی تھیں۔ اس پر سے ان کے سپہ سالار کا ان کو چھوڑ کر چلا جانا اور بھی ان کی پست ہمتی کے باعث ہوا۔ بونا پارٹ، کلیبر کو سپہ سالار بنا کے خفیہ طور سے فرانس روانہ ہو گیا تھا جہاں نوشتہ قسمت سے اس کی طلبی ہوئی تھی۔ کلیبر نے انگریزوں سے تخلیۂ مصر کا معاہدہ کیا مگر سڈنی اسمتھ کے اصرار پر کہ فرانسیسی فوج کے لیے یہ وقت ہتیار رکھدینے کا ہے اس نے غصے سے معاہدہ چاک کر ڈالا۔ اور سپاہیوں سے مخاطب ہو کے یہ پرجوش الفاظ کہے۔ "سپاہیو۔ اس گستاخی کا جواب فتوح کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا"۔ وہ چھ ہزار کی فوج کے ساتھ صدر اعظم کے مقابلے پر روانہ ہوا۔ اور ترکی فوج کو ہلیو پولیس کے کھنڈروں کے قریب شکست دی (۱۸۰۰ئہ) لیکن ایک قاتل نے بابعالی کے اس زبردست حریف کا کام تمام کر دیا۔ منن اس کی جگہ پر مامور ہوا۔ اس نے انگریزوں سے کینوپ میں شکست کھا کے مصر کا تخلیہ کر دیا۔ (ستمبر ۱۸۰۱ئہ)۔ ایک ماہ بعد علی سعید افندی نے پیرس میں افتتاحی صلح پر دستخط کر دیئے۔

سلطان اس جنگ کو جلد ختم کرنا چاہتا تھا کیونکہ سلطنت کی اندرونی حالت ایسی نازک تھی کہ اس پر جلد توجہ کی ضرورت تھی۔ بلغریڈ میں جاں نثاروں نے جدید اختراعات کے خلاف علانیہ بغاوت کی۔ حاکم بلغریڈ کو قتل کرنے پران کے قلعے کا محاصرہ کیا گیا۔ بلغیریا، تھریس، اور مقدونیہ پر از منۂ متوسط کے مثل ڈاکوؤں کی جماعتیں حکمراں تھیں۔ اسکندریہ میں انگریزوں نے شورہ پشتی کے ساتھ اقامت کو طول دیا۔ آخر میں وہابیوں نے عربستان میں اپنی سلطنت کو بڑھایا اور عثمانیوں کو نکال دینے کی دھمکی دی۔

انگریزوں نے اسکندریہ کو خورشید پاشا کے حوالے کیا۔ کوچک حسین اور علی پاشا نے کرسدالیوں سے مقدونیہ اور تھریس کو پاک کیا۔ کئی مقامات میں کرسدالیوں کو شکست ہوئی۔ اور وہ مثل جنگلی جانوروں کے

ہانک دیئے گئے۔ مجبوراً انھوں نے پسوان اوغلو کے پاس پناہ لی۔ جس نے انھیں اپنی پناہ میں لیا اور رہنے کو جگہ دی۔ ان مشکلات سے رہائی ہوئی تھی کہ ان سے بھی زیادہ بڑی مشکلوں کا سامنا ہو گیا۔

قرہ جارج کی دعوت پر سرویوں نے مسلح ہو کے بغاوت بلند کیا۔ اور اپنی اس آزادی کا مطالبہ کیا جو میدان کو سوؤ میں انھوں نے کھو دی تھی۔ علی تبلینی حاکم یانینہ نے اپیرس میں اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ ایکر میں اسماعیل پاشا سلطانی قوت کے مقابلے میں خم ٹھونکنے لگا اور ادھر وہابی مکے اور مدینے میں داخل ہو گئے۔

سلیم کے اصلاحات سے جو بغاوت ہوئی اس سے اور بھی اس کی پریشانیاں بڑھ گئیں۔ جنرل آبیر دے بائیے کی طرف سے جو اختراعات عمل میں آئے تھے ان کو علما نے نہایت ناپسندیدگی سے دیکھا تھا۔ اس کے انتقال کے بعد ان کو نئے دستے اور اس کے اتالیقوں کو موقوف کرنے میں کامیابی ہوئی۔ قپودن پاشا نے ان مجانین کی پروا نہ کر کے برطرف سپاہیوں کو اپنی ملازمت میں لے لیا تھا۔ سینٹ جان آف ایکر کے آگے بوناپارٹ کو زک ہوئی تو کوچک حسین کے "نظام جدید" کی بہت شہرت ہو گئی۔ شام میں صدر اعظم کے ساتھ جاں نثاروں کے خاص افسر گئے ہوئے تھے۔ اس موقع کو غنیمت سمجھ کے اور قپودن پاشا اور اپنے بچپن کے دوست مفتی "ولی زادہ" کے مشورے سے سلطان نے اڈجک پر حملہ کیا۔ سلطانی فرمان سے توپچیوں اور جاں نثاروں کے دستے علیحدہ علیحدہ کر دیئے گئے۔ اور بحری سپاہیوں، گولندازوں، اور فوجی انجنیروں کا ایک نئے اسلوب پر انتظام کیا گیا۔ دو سوار اور دو پیدل دستے یورپین اصول پر خود قسطنطنیہ میں قائم کیئے گئے۔ ہر پیدل دستے کے ساتھ ایک ایک توپخانہ رکھا گیا۔ آخر ایک انتظام پر تو بغاوت نہ رک سکی۔ حکومت کی طرف سے ایڈریانوبل میں سرویوں کے مقابلے کے لیے ایک فوج تیار کی گئی تھی۔ اس فوج کے ایک حصے کے متعلق "نظام جدید" کے طرز پر بھرتی ہونے کا فیصلہ ہوا اور

قاضی پاشا گورنر کرمانیا کو حکم دیا گیا تھا کہ اس دستے میں پچیس برس سے کم عمر کے سپاہی بھرتی کرے اور خود اسے ایڈریانوبل لائے۔ اس موقع پر سلطان نے یہ غلطی کی کہ اس فوج کو قسطنطنیہ میں تین ماہ تک رکھا اس طرح سے اس نئی فوج کے تین مہینے فضول پریڈ میں گزر گئے۔ جاں نثار اب اپنی بیجسی سے خبردار ہوئے۔ اور اس وقفے سے فائدہ اٹھا کے مقابلے کی تیاری کرنے لگے۔ اور جب قاضی پاشا کے سولہ ہزار آدمی ایڈریانوبل پہنچے تو انھوں نے دروازوں کو بند اور فوج کو آمادۂ بغاوت پایا۔

باغیوں سے پسپا ہوکے جنھوں نے باب عسکی میں مورچہ بندی کی تھی قاضی پاشا استامبول کی طرف ہٹا لیکن جاں نثار ان فوجوں کے پہلے ہی پہنچ چکے تھے اور رکورلو پر قابض بھی ہو چکے تھے اس لیے اس مقام پر بھی حملہ ناکام رہا۔ پھر پاشا نے سلیوری پر مراجعت کی۔ باغیوں کے ہاتھ میدان رہا۔ کوچک حسین مر چکا تھا سلطان مجبور تھا۔ جاں نثاروں کا آغا صدر اعظم ہوا۔ وزرا جلاوطن کیے گئے۔ یہ انتظام ان کے حسب منشا تھا۔ اگر ان سے بھی مشورہ لیا جاتا تو وہ بھی یہی راے دیتے کہ "نظام جدید" کی فوج ایشیا واپس ہو گئی (۱۸۰۶ء)۔

اس گڑبڑ میں نپولین اول کا فرستادہ جنرل سباستیانی قسطنطنیہ آیا تا کہ بابعالی کو جنگ روس میں شریک ہونے کے لیے مجبور کرے۔ اس کو امیر افلاق پیلنٹی اور امیر بغدان مورزی کو برطرف کرانے میں کامیابی ہوئی جو زار روس کے بنائے ہوئے تھے۔ شہنشاہ الگزنڈر نے اس کے جواب میں جنرل مشلسن کو بھیجا جس نے ہر دو علاقوں پر اپنا قبضہ کر لیا جس پر ہر دو طرف سے اعلان جنگ کیا گیا۔

انگلستان نے دیوان کو فرانسیسی اتحاد سے علیحدہ رکھنے کی کوشش کی۔ لارڈ ڈکورتھ کی سرکردگی میں ایک دستہ درۂ دانیال پر آدھمکا۔ انگریزی سفیر سر ارتبھناٹ نے صدر اعظم کو حسب ذیل آخری شرائط پیش کیے۔

(۱) روس و انگلستان سے بابعالی کا اتحاد۔

(۲) عثمانی بیڑے، درۂ دانیال کے قلعے، اور توپوں کی انگلستان کو فوری حوالگی۔

(۳) روس کو افلاق و بغدان کی حوالگی۔

(۴) جنرل سباستیانی کا اخراج اور فرانس سے اعلان جنگ۔

فرانسیسی سفیر کے بار بار دیوان کو خبردار کرنے کے باوجود کہ درۂ دانیال کی توپیں اور قلعے درست حالت میں نہیں اور دشمن کی مدافعت میں سود مند نہیں ہو سکتے دشمن کے حملے سے بچاؤ کی ذرا بھی فکر ہی نہیں کی گئی تھی سینٹ ڈینیر کے کرنل ژوشورو نے جو سلطنت عثمانیہ کے فوجی باکمالوں کا صدر تھا قسطنطنیہ کی حفاظت اور درۂ دانیال کی حالت پر سلطان کو رپورٹ پیش کی۔ رپورٹ میں بتلایا گیا تھا کہ راستے کی کوتاہی اور قلعوں کے مشہور عدم استحکام سے فائدہ اٹھا کر دشمن اگر بہادری سے کام لے اور ہوا بھی اس کے موافق ہو تو آسانی کے ساتھ درۂ دانیال کو عبور کر سکتا ہے۔

اس نے اس علاقے پر جو ایک طرف کیلیڈ یک بازار اور سلطانیہ کیلیسی کے قلعوں اور دوسری طرف راس نیگارا کے درمیان واقع تھا توپیں چڑھا دینے کا مشورہ دیا۔ راس نیگارا کے پیچھے خشکی کے توپخانے کی حفاظت میں بارہ جہازوں کا ایک بیڑا شطرنج کے طریقے پر دو صفوں میں رہ سکتا تھا۔ راس نیگارا اور راس کے ساتھ کی چٹانوں سے جو کجی واقع ہوئی تھی اس سے انگریزی جہاز جو قلعے کی گولہ باری کی زد میں ہوں گے وقت واحد میں صرف ایک ایک کر کے ہی عثمانی بیڑے کے قریب آ سکتے تھے۔

سلطان نے صدر فوج کے تجاویز پر فی الفور عمل کرنے کا حکم دیا لیکن صدر اعظم نے اہل یورپ کی نفرت سے اور قپودن پاشا نے کاہلی اور بزدلی سے حکم سلطانی کی بجا آوری نہیں کی لیکن اجرائے کار کے متعلق سلطان کو جھوٹی اطلاعیں دیتے رہے۔

۲۰۔ فروری ۱۸۰۷ئہ کو انگریزی امیر البحر نے توپوں کی گولہ باری کے باوجود جنوبی ہوا سے فائدہ اٹھا کے درۂ دانیال کو عبور کر لیا۔ کوچک حسین

کے نالائق جانشین قپودن پاشا نے بھاگنے کی نظیر پیش کی۔ صرف فرانسیسی افسر ہی جو توپوں پر متعین تھے اپنی جگہ پر قائم رہے۔ عثمانی بیڑا جو گیلیپولی کے قریب لنگرانداز ہوا تھا بغیر جنگ کے تباہ ہو گیا۔ صرف دو جنگی جہازوں نے جو سعید علی اور ابراہیم آغا کی سرکردگی میں تھے بخوبی مقابلہ کیا۔

سرائے میں اضطراب اور پریشانی کا عالم تھا۔ عورتیں رو رہی تھیں۔ خواجہ سرا سر پیٹ رہے تھے۔ غلام واویلا کر رہے تھے۔ خوف زدہ وزرا نے کوئی مدد نہیں کی بلکہ دشمن کے مطالبات کے آگے فوراً جھک گئے۔ فرانسیسی سفیر کو بستر سنبھالنے کے لیے کہا گیا۔ سباستیانی نے سفیر کا پیام اپنے افسروں اور معتمدین کے حلقے میں سنا اور تمکنت سے جواب دیا کہ وہ قسطنطنیہ سے جبر و زیادتی پر ہی جا سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اس نے اراکین دیوان، علما، اور سپاہیوں کی غیرت اور خودداری کو برانگیختہ کیا۔ اپنے متکبرانہ جواب کے باوجود اس کو حملے کا ڈر تھا اس لیئے اس نے اپنے اہم کاغذات پھاڑ ڈالے اور روانگی کی مکمل تیاری کر لی۔

لیکن رعایا اپنے وزرا کی بزدلی میں حصہ لینے کے لیے تیار نہ تھی۔ توپچی توپوں کی طرف لپکے۔ جاں نثار جلد ہتیاروں سے لیس ہو گئے۔ بوڑھے اور بچے قلعوں کی طرف دوڑے۔ رعایا کی شورش سے فائدہ اٹھا کے سباستیانی نے رئیس افندی کو اپنا طرف دار بنایا جس نے صدر اعظم کو ترغیب دی کہ سفیر کو سلطان کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ سلیم نے جس نے جو اپنی مرضی کے خلاف وزرا کے ساتھ موافقت کر لی تھی توپوں کے دمدمے تکمیل کرنے کا حکم دیا۔ سباستیانی نے دو سو فرانسیسیوں کے خدمات پیش کیئے۔ خود اس نے دمدموں کے مقامات تجویز کیئے۔ اور اس کے مصاحبوں نے ان کی تیاری اور نصب میں بذات خود حصہ لیا۔

معتمدین سفارت لا بلاش اور لاتور ما بور، اور کپتان لاسکور، بوتان لیکلرک، کوتائیو، ڈیساکر دے فلے رائج اور جیرار نے جو کرنل ژوسیئرد کے زیر نگرانی کارہائے محافظت میں بہت زبردست حصہ لیا۔

مارکوئس ڈلمینارا سفیر ہسپانیہ نے جو وزیر البحر علی افندی کے ساتھ دیوان میں انگریزی اثر کے روکنے میں برابر کا شریک تھا اپنی سفارت کے افسروں اور معتمدین کو لیئے ہوئے رات دن دمدموں کے کام میں ہاتھ بٹاتا رہا۔ اور قسطنطنیہ کے ہسپانوی ملاحوں سے ایک جماعت توپچیوں کی تیار کی۔ سلطان وقتاً فوقتاً کارہائے مدافعت کا معائنہ اور بہت کچھ حوصلہ افزائی کرتا کام کی ترغیب دیتا اور خود بھی کام میں شریک ہو کے ہمت بڑھاتا تھا۔

سر آر تبھناٹ نے اپنی ناسازی طبع کے باعث امیر البحر ڈکورتھ کو گفت وشنید کا کام سپرد کیا۔ فوری حملے کے بجائے اس نے اپنا بہت سا وقت خالی مشوروں میں صرف کیا۔ وہ اس طرح غفلت سے وقت ضائع کر رہا تھا کہ قسطنطنیہ کے استحکامات مکمل ہو گئے۔ پانچ دن کے بعد باسفورس پر دس جنگی جہاز اور نو سو توپیں رکھی گئیں۔ موقع ہاتھ سے چلا گیا تھا۔ امیر البحر ڈکورتھ کو اب حملے کا موقع نہ تھا۔ درۂ دانیال میں مقید ہو جانے کے خوف سے وہ واپس ہوا۔ آبنائے کی اس واپسی میں اس کے دو چھوٹے جنگی جہاز اور چھ سو آدمی تلف ہوئے۔

کابینۂ سینٹ جیمس نے مصر کے قبضے سے اس کا بدلہ لیا۔ فرانسیسی فوج کی مراجعت سے ملک میں ترک اور مملوک رہ گئے تھے۔ بابعالی نے بوناپارٹ کے شروع کئے ہوئے کام کو تکمیل پر پہنچانے کی غرض سے مملوکوں کو پسپا کرنے کا بیڑا اٹھایا چنانچہ اس کے حکم سے خوشرو پاشا نے اہل سرکاشیا اور جارجیا کے غلام بنائے جانے کی ممانعت کی جو اس بہادر دستے کے رنگروٹ ہوتے تھے لیکن مملوکوں نے باردیسی بے اور محمد الفی بے کے تحت خوشرو پاشا کو سرائے کسیمی میں شکست دی۔ خوشرو نے اس شکست کا سبب ایک البانی سردار کی کاہلی کو ٹھیرایا اور اسے موت کی سزا سنائی۔ اس البانی سردار کا نام محمد علی تھا۔ بروقت خبردار ہو کے اس نے باردیسی کی ملازمت اختیار کر لی۔ اور قاہرہ کے دروازے اس پر کھول دیئے۔ خوشرو نے ڈیمٹیا میں محصور رہ کے اطاعت قبول کی۔ (۱۸۰۳ء) مملوکوں کے

آئے دن کے جھگڑے اور ظلم سے محمد علی کو فوج بڑھانے اور رعایا کے سامنے سرخرو ہونے کا موقع مل گیا۔ بروسی کے مظالم سے ہر شخص اس کے خلاف ہو گیا۔ اور خوشرو نے رہا ہو کے انتظام پھر اپنے ہاتھ میں لے لیا لیکن البانی سرداروں نے اس کی سرداری سے انکار کیا اور بجبر اس کو قسطنطنیہ روانہ کر دیا۔ نئے حاکم خورشید پاشا نے آپ کو محمد علی کے دباؤ سے نکالنے کی کوشش کی۔ رعایا کو جب معلوم ہوا تو اس نے اپنے سرپرست کی حمایت میں ہتیار اٹھا لیئے۔ خورشید کو معزول کیا اور اس کی جگہ محمد علی کو مامور کر دیا۔ بابعالی نے اس غصب کو مجبوراً تسلیم کر لیا۔ اور اپنے کو اسی پر خوش قسمت سمجھا کہ ایک فوجی ملک ستر لاکھ سالانہ خراج دینے پر رضامند ہے۔ (۱۸۰۵ء)

مملوکوں نے محمد علی اور ترکوں کے مقابلے میں انگریزوں سے مدد چاہی۔ اسکندریہ پر جنرل فریزر نے قبضہ کر لیا۔ (۱۸۰۷ء)۔ لیکن اس کے پاس صرف پانچ ہزار آدمی تھے اور اس وجہ سے وہ محمد علی کی کثیر فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تھا۔ مجبوراً اس کو اسکندریہ میں قلعہ بند ہو جانا پڑا۔ اور جلد قحط کے ہاتھوں اسے اطاعت قبول کر لینا پڑی۔ (ستمبر ۱۸۰۷ء)۔

اس المضاعف حملے پر سلطان نے انگلستان سے اعلان جنگ کر دیا۔ لیکن انگریزی سیاست نہیں چاہتی تھی کہ ترکوں سے جنگ کی جائے۔ اس لیے شام و الجزائر کے ساحلوں سے انگریزی جہازوں نے لنگر اٹھا لیا۔ اس روانگی سے مطلع ہو کے قپودان پاشا سعید علی نے اٹھارہ جہازوں کے ساتھ امیر البحر سینیاون کے بیڑے پر حملہ کر دیا جو درۂ دانیال کا راستہ روکے ہوئے تھا۔ ایک سخت لڑائی کے بعد سعید علی کو شکست ہوئی جس نے تمام قصور کا ذمہ دار اپنے امیر البحر کو ٹھیرایا جو قتل کر دیا گیا۔ جو کچھ بھی ہو اصل مقصد تو حاصل ہو گیا تھا۔ روسی بیڑے کا اس قدر نقصان ہوا تھا کہ مجبوراً اسے اپنے جہازوں کی مرمت کے لیے کرفو جانا پڑا۔

سلیم کی معزولی اور وفات

مصطفیٰ چہارم ۱۸۰۸ء

اس مدت میں مفتی ولی زادہ کا انتقال ہو گیا۔ اس کی جگہ پر قاضی عسکر رومیلیا مامور ہوا جو بارگاہ سلطانی میں رسوخ حاصل کرنے کے لیے خود کو اب تک اصلاحات کا پر جوش طرف دار ظاہر کرتا رہا تھا۔ صدر اعظم اور تمام وزرا فوج کے ساتھ تھے۔ دار الخلافت میں قائم مقام صدر اعظم اور نائب وزرا رہ گئے تھے۔ نئے شیخ الاسلام نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور قائم مقام مصطفیٰ پاشا، علما، اور جاں نثاروں کے ساتھ سلطان کے خلاف ایک گہری سازش کی۔ جاں نثاروں کی بغاوت کے خوف سے سلیم نے "نظامیوں" کو دریائے طونہ نہیں بھیجا تھا۔ ان کا ایک حصہ باسفورس کے قلعوں اور دمدموں کی حفاظت پر متعین تھا۔ اور ایک بڑا حصہ ایشیا میں تھا۔

باسفورس کے دستۂ حفاظت میں دو ہزار خادم سپاہی تھے۔ جو انھیں کی چھاونیوں میں رہتے اور وہی تنخواہ پاتے تھے۔ اس ذریعے سے بتدریج ان ہر دو دستوں میں اتفاق پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ لیکن قائم مقام کی عیاریوں سے یہ منصوبہ الٹ گیا۔ اس نے خادم سپاہیوں (یکمیوں) میں یہ افواہ اڑا دی کہ سلطان انھیں بجبر نظامیوں سے ملا دینا چاہتا ہے۔ اور جب اس نے سمجھ لیا کہ وہ بھڑک گئے ہیں تو اپنے ایک آدمی محمد افندی کو یکمیوں کے پاس یہ حکم پہنچانے کے لیے روانہ کیا کہ وہ نظامیوں کا سا لباس اختیار کریں۔ فوراً بغاوت ہو گئی۔ اور محمد افندی مارا گیا حالانکہ نظامیوں نے بہت کچھ اس کو بچانے کی کوشش کی۔ یکمیوں کی تعداد نظامیوں سے بہت زیادہ تھی اس لیے انھوں نے اپنے حریفوں کو

باسفورس کے قلعوں سے باہر نکال دیا۔ اور ایک شخص قباچی اوغلو نامی کی ماتحتی میں قسطنطنیہ روانہ ہوئے۔

قائم مقام نے دیوان کو جھوٹی خبروں سے دھوکے میں رکھا تھا اس لیے کسی قسم کی پیش بندی نہیں کی گئی تھی۔ اس کے علاوہ مصطفیٰ نے دور اندیشی سے نظامیوں کو ان کی قدیم چھاؤنیوں میں مقید کردیا تھا قباچی اوغلو کی کمک پر آٹھ سو جاں نثار، دو سو کلیونجی اور ایک دستہ تو پچیوں کا پہنچ گیا۔ اور اس نے ان کے ذریعے سے آت میدان پر قبضہ کرلیا۔ اور ایک مجمع میں یہ تقریر کی کہ اس کا مقصد نظامیوں کو توڑنا اور ان وزرا کو سزا دینا ہے جنھوں نے محترم شیخ بکتاش کے قدیم قوانین کی جسارت کیساتھ خلاف ورزی کی تھی۔ دفتر دار اور رضا خان اپنی فوراً قتل کردیے گئے۔ فہرست قتال عوام میں پڑھی گئی جنھوں نے جلادی کا کام خوشی سے اپنے ذمے لیا۔ فوراً اعلیٰ ترین عمائد سلطنت کے سرجاں نثاروں کے خازنوں کے مقابل ایک صف میں رکھے گئے۔ فہرست قتال میں پہلا نام بستانجی باشی کا تھا لیکن وہ سرائے میں مسلح اشت او غلنیوں، بستانجیوں، اور بلطجیوں[1] کی سرکردگی پر تھا غضبناک مجمع کے ہنگامے نے وزرا کو اصل واقعے سے مطلع کیا جس پر انھوں نے سلطان سے بستانجی باشی کی حوالگی پر اصرار کیا۔ سلیم کو اتنی قوت نہ تھی کہ وہ بغاوت کا مقابلہ کرتا۔ اگر اس نے نظامیوں کی کمان اپنے ہاتھ میں لی ہوتی تو ضرور فتنہ فرو ہو جاتا مگر جب وزرا نے اس سے بستانجی باشی کو دینے کے لیے کہا

---

[1] بلطہ جی کا دستہ چار سو آدمیوں پر مشتمل تھا جو تبر سے مسلح رہتے تھے اور سلطان اور شہزادوں کی خاص خدمت پر مامور تھے۔

زلفولی بلطہ جی کا وہی لباس تھا جو بلطجیوں کا تھا۔ ان کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ ان کی سر کی پوشاک سے دو اونی لٹیں لٹکی رہتی تھیں۔ سلطانی دستے میں ایک ایبکی تھے جو تلوار اور نیزوں سے مسلح رہتے تھے اور دوسرے سولک تھے جن کا خاص ہتیار کمان تھا۔

تو شریفانہ جرأت کے ساتھ اس کو نامنظور کر دیا۔ بستانجی باشی نے جب دیکھا کہ اس کا مالک صورت واقعہ سے بے خبر ہے تو اس کو بچانے کے لیے اپنی جان دینی مناسب سمجھی۔ اور سلیم سے خود اپنے حوالے کئے جانے کا شرف چاہا۔

بہت کچھ بحث کے بعد اپنے وفادار خادم کے اصرار سے مجبور ہو کے سلطان نے روتے ہوئے نہایت ملال کے ساتھ کہا "جب کہ تیری خواہش ہے کہ یہ الم انگیز قربانی کی جائے تو اے میرے بیٹے جا اور جان دے۔ خدا اپنی برکتیں تجھ پر نازل کرے۔"

دو دن تک قتل ہوتا رہا۔ اصلاحات کے تمام طرفدار یا تو بھاگ گئے یا مارے گئے۔ حکومت کے جمود سے دلیر اور اپنی کامیابی سے بدمست ہو کے باغیوں نے سلیم کی معزولی کا تہیہ کر لیا۔ قباچی اوغلو نے مفتی سے یہ عیارانہ سوال کیا کہ کیا "ایسا بادشاہ جو اپنے طرز عمل اور قوانین سے قرآن کے مذہبی اصول پر حملہ کرتا ہے سلطنت پر بیٹھنے کے لائق ہے"؟ مفتی کو تو پہلے ہی سے اطلاع مل چکی تھی اس نے جواب دیا۔ "المز" "یہ نہیں ہو سکتا" اور مکر سے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا۔ "واللہ اعلم بالصواب"۔ اس مذبذب فتوے کے سہارے قباچی نے سلطان کو معزول کر دیا اور عبدالحمید اول کے بیٹے مصطفیٰ کی تخت نشینی کی منادی کر دی۔

سلیم کو اس کی معزولی کی اطلاع دینے کا کام مفتی کے سپرد ہوا۔ اور اس مواقع پر ایک شایان گریہ واقعے نے مضحک صورت اختیار کر لی۔ مصطفیٰ نے اپنی دغابازی اور جلادی کا کھیل خوبی کے ساتھ کھیلا تھا۔ اب شیخ الاسلام کو اپنی عیاری اور ریاکاری کی قابلیت کو منظر عام پر لانا تھا۔

اپنے کو بظاہر نہایت ملول بنا کے نہایت حقارت آمیز تر ہیں کے پڑھے ہیں اس نے اپنے مالک کو یہ منحوس خبر سنائی۔ اس نے باغیوں کی قوت کو سلطان پر بخوبی ظاہر کیا اور اس سے التجا کی کہ حکم الٰہی کے آگے

سر جھکائے اور یہ کہہ کے اپنی تقریر کو ختم کیا کہ مقابلے میں اس کے سوا کہ سلطان کے وفادار غلام قتل کیے جائیں اور کوئی نتیجہ نہ نکلے گا۔ سلیم نے اس تقریر کو صبر کے ساتھ سنا اور بغیر جواب دیئے مفاس میں چلا گیا۔ اس نے اپنا زمانۂ قید اپنے بھائی محمود کی تربیت میں گزارا جس نے آگے چل کر اس کا انتقام لیا۔ (جولائی ۱۸۰۷ء)۔

شہر میں ہیبت چھائی ہوئی تھی۔ ہر ایک شخص سپاہیوں کی زیادتی سے سہما ہوا تھا۔ اور سب کو ایک عام غارتگری کا کھٹکا لگا ہوا تھا لیکن قباچی اوغلو نے انتظام قائم رکھا۔ اس کے ملکی سپاہی سونا سمیٹے ہوئے باسفورس کو واپس ہوئے جہاں کی افسری ان کے سردار نے حاصل کر لی تھی۔ جاں نثار نظامیوں کے تصفیے سے مطمئن ہو کے اپنی چھاؤنیوں کو واپس ہوئے۔ سلیم کے تمام اصلاحات ایک ٹیکس کے علاوہ جو "نظام جدید" کی پرداخت کے لیے قائم کیا گیا تھا مٹا دیئے گئے۔ ٹیکس کا باقی رہنا بھی اس وجہ سے تھا کہ ایک بار جب ٹیکس وجود میں آجاتا ہے تو پھر نہیں مٹتا۔ سلطان کی معزولی کی خبر پر فوج طونہ نے خوشی کے نعرے لگائے جاں نثاروں نے اپنے آغا صدر اعظم کو قتل کیا اور چیلیری مصطفیٰ کو صدر اعظم بنایا۔ ان لایعنی تبدیلیوں سے اس کے سوا کہ جنگی کارروائیوں کو نقصان پہنچے اور کوئی نتیجہ نہ تھا۔

مصطفیٰ چہارم کے نام سے مفتی اور قائم مقام حکمرانی کر رہے تھے۔ اور تمام اختیارات انھیں کے ہاتھ میں تھے مگر ان ہر دو سازشیوں میں بہت جلد جھگڑا پیدا ہو گیا جس سے قباچی اوغلو کو ان کی پامال امیدوں کی بنیاد پر اپنی عمارت قائم کرنے کا موقع مل گیا۔ اس نے پہلے مفتی کی طرفداری کی اور اس کو مصطفیٰ کے جلاوطن کرنے میں مدد دی۔ مصطفیٰ کی جگہ پر طیار پاشا مقرر ہوا۔ طیار خود مختار رہنا چاہتا تھا اس لیے جب برطرف کر دیا گیا تو اس نے مصطفیٰ بریکتر دائی روچک کے ہاں پناہ لی جو سلیم کا مسلمہ طرفدار تھا اور جس کی بدولت وہ اس عروج پر پہنچا تھا۔

بریکتر معزول سلطان کی بحالی کی فکر میں تھا۔ طیار پاشا کے آنے سے

اس کے آزادے نے عملی صورت اختیار کی۔ اس نے اپنے ہمراز بے جی افندی کو جو علما اور جاں نثاروں کا شدید ترین دشمن تھا صدر اعظم کا عندیہ لینے کی غرض سے بھیجا۔ بے جی افندی نے صدر اعظم کو سمجھایا کہ والئ اوچک صرف مفتی اور قباچی اوغلو کے خلاف ہے۔ ایک قپودن پاشا رہ گیا تھا سو وہ بھی اس سازش میں شریک ہو گیا۔ مصطفیٰ چلبی کو یقین تھا کہ اس ذریعے سے اس کے حریف پامال ہو جائیں گے جو اس کے اقتدارات کو پامال کر رہے تھے۔ بریکتر نے جب سولہ ہزار منتخب سپاہیوں کے ساتھ ایڈریانوبل پر حملہ کیا تو اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ قپودن پاشا کے اطمینان دلانے پر وزرا کو یقین ہو گیا کہ بریکتر یمکیوں کا قلع قمع کر کے اپنے صوبے کو واپس چلا جائے گا۔ صدر اعظم نے حاجی علی کو قباچی اوغلو کی موت کا فرمان دیا۔ اور وہ سو سواروں کے ساتھ یمکیوں کے سردار کو اڑانے کی غرض سے قلعۂ فنار کی روانہ ہوا۔

آدھی رات کے وقت قباچی اوغلو پر زنانخانے میں ہی حملہ کیا گیا۔ اور قبل اس کے کہ وہ کچھ مقابلہ کرتا مخالفین نے اس کا کام تمام کر ڈالا۔ حاجی علی فرمان ہاتھ میں لئے ہوئے یمکیوں کے پاس گیا اور ان کے سردار کی موت اور والی اوچک کی پیش قدمی اور ان پر اپنے افسر فوج ہونے کی خبر سنائی۔ یمکی اپنی وحشت زدہ حالت میں اس کی اطاعت پر آمادہ ہو جاتے لیکن قباچی اوغلو کی بیویوں اور بچوں کی آہ و زاری اور فریاد سے ان کا ارادہ بدل گیا۔ حاجی علی روشنی کے منارے میں تین دن تک محصور رہا لیکن ایک ورے سے فرار ہو کر بریکتر کے پاس جا پہنچا۔

باغیوں کے اطمینان کے لیے مصطفیٰ چہارم نے یمکیوں کو توڑ دیا۔ مفتی کو برطرف اور نائب وزرا کی جائدادیں ضبط کیں۔ بریکتر نے جو استامبول کے گرد اگرد پڑاؤ کئے ہوئے تھا ان انتظامات سے اپنے مطمئن ہونے کا اظہار کیا۔ اور روانگی کی تیاری کی۔ بظاہر جھگڑے کا تصفیہ ہو چکا تھا اور سلطان پھر اپنی عیاشیوں میں مصروف ہو گیا تھا کہ فتنہ ایک دم سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ۲۸ جولائی کو مصطفیٰ دل بہلانے کے لیے کوشک گویک سوئی

گیا ہوا تھا کہ بریکتر نے صدر اعظم کو گرفتار کر لیا۔ اور فوجوں کو حکم دیا کہ سنجک شریف (لوائے مقدس) کو سرائے لے چلیں باہر کے پہرے کے جاں نثاروں نے کوئی مزاحمت نہیں کی لیکن بستانجی باشی نے اندر کے دروازے کھولنے سے انکار کر دیا۔ سازشی انھیں کھولنے میں مصروف تھے کہ مصطفیٰ آگیا۔ باغیوں نے بے احتیاطی سے سرائے کے اطراف میں پہرے کا انتظام نہیں کیا تھا جس کی وجہ سے مصطفیٰ والدۂ سلطانہ سے مطلع ہو کے محل میں داخل ہو گیا تھا۔ اس نے بریکتر کو اطلاع دی کہ سلیم اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ قیزلر آغا کو حکم ملا کہ سلطان سابق قتل کر دیا جائے۔ گو سلیم نہتا تھا لیکن اپنی زبردست قوت سے اپنے کئی قاتلوں کو اس نے دے مارا۔ تاہم لڑائی ٹکر کی نہ تھی۔ آخر دل پر ضرب کاری لگنے سے زمین پر گر پڑا۔ مصطفیٰ نے اپنے بھائی کی لاش کو کچھ دیر تک دیکھا اور پھر سرد مہری سے کہا کہ "سلطان سلیم کو والئی اوچک کے پاس لے جاؤ جو انھیں مانگ رہے ہیں۔" دروازے کھلتے ہی بریکتر اپنے بادشاہ کو بچانے کے لیے اندر گھس آیا۔ لیکن دیکھا تو اس کی لاش سے خون بہہ رہا تھا۔ اس بھیانک نظارے سے بہادر سپاہی پر رنج غالب ہو گیا مگر سعید علی نے للکارا کہ "والئی اوچک" یہ وقت عورتوں کے مانند رونے کا نہیں ہے۔ سلطان سلیم کا انتقام لو اس کے قاتلوں کو سزا دو۔ اور سب سے بڑھکر سلطان محمود کو بچاؤ کہ کہیں وہ قتل ہو کر ہم سے جدا نہ کر دیئے جائیں۔ بریکتر نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ سلطان مصطفیٰ گرفتار ہو کر قید ہوا اور اس کے بھائی محمود کی بادشاہی کا اعلان کر دیا گیا۔ ۲۸ جولائی ۱۸۰۸ء۔

گیارھواں باب

محمود ثانی سنہ ۱۸۰۸ء۔ سنہ ۱۸۳۹ء

بریکتر پاشا کی عملداری صلحنامۂ بکرش (سنہ ۱۸۱۲ء)۔ محمد علی اور وہابی۔ بغاوت سرویا۔ قرہ جارج اور ریلوش۔ علی پاشا۔ اہل سولی۔ بغاوت علی (سنہ ۱۸۲۰ء) یونانی گرجا اور اہل فنار۔ اہل ارماٹولی۔ اہل الجزائر۔

بریکتر نے صدر اعظم ہوتے ہی سلیم سوم کے مراسم تجہیز وتکفین خونریزی کے ساتھ ادا کئے۔ اس نے سلیم کے قاتلوں کو جو مصطفیٰ کے مقرب تھے اور تمام یکمیوں کے سرداروں کو جتنے کچھ مل سکے بہت تکلیفیں دے دے کے مارا۔ صدر اعظم ہوتے ہی اس نے اپنے تمام حریفوں کا خاتمہ کر دیا۔ طیار پاشا مارا گیا۔ سعد علی الجزائر کے ایک جزیرے میں جلاوطن کیا گیا اور اس کی جگہ رمز پاشا کو دیگئی۔ بے جی افندی ایسی مجلس وزارت میں داخل ہوا جس کے تمام اراکین صدر اعظم کے گرویدہ تھے۔ رمز پاشا اور بے جی افندی کی ترغیب پر جو مدرسۂ تفنگ کے تلامذہ تھے اس نے جاں نثار فوج کی پرانی خرابیوں کے مٹانے کا اہم کام

اپنے ذمے لیا۔ اس کام کے سرانجام دینے کے لیے اس نے تمام پاشاؤں اور خاص خاص اعیان کی ایک مجلس منعقد کی۔ جب ان دونوں طبقوں کے لوگ دیوان میں جمع ہوئے تو صدر اعظم نے جاں نثار فوج کو برقرار رکھتے ہوئے اس کی اصلاح کی ضرورت کو بیان کیا۔ اس نے اس فوج کے احیاء کے متعلق جو بالکل جاہل اور فن جنگ سے ناواقف تھی مختلف تجویزیں پیش کیں۔ اور اس طرز کی ترتیب فوج کی ضرورت پر زور دیا جس نہج پر کہ یورپین فوجیں تھیں۔ اس نے کہا کہ "ناموران جاں نثار فوج کی قدر و منزلت مجھ سے بڑھ کر کسی کے دل میں نہ ہو گی جس سے وابستہ ہونے کا مجھ کو شرف حاصل ہے۔ اگر حاجی بکتاش کی قابل قدر یادگار کو ان مضر خرابیوں سے صدمہ نہ پہنچا ہوتا تو آج وہ ایسی ہی زبردست رہتی جیسی کہ ہونی چاہیئے تھی۔ بجائے اس کے کہ فوجی خدمتیں بہادری یا قابلیت کے اعتبار سے دی جائیں سب سے زیادہ قیمت دینے والے خریداروں کے ہاتھ فروخت ہوتی ہیں۔ چھاؤنیوں میں وہ لوگ رہتے ہیں جنھیں نہ تو رہنے کو جگہ نصیب ہے نہ پیٹ کو کھانا، نہ کرنے کو کام۔ یہ لوگ محنت اور مشقت سے جی چرا کے چھاؤنیوں کی زندگی اختیار کرتے ہیں جہاں بدترین بدانتظامیوں اور شرمناک بدکاریوں کی فرمانروائی ہے۔ سلیمان اعظم کے ضوابط نے جن قواعد کو مقرر کیا تھا لوگوں نے انھیں بھلا دیا۔ جاں نثار جن کا کام امن و امان اور انتظام قائم رکھنا ہے بجائے اس کے کہ امن کی اشاعت کریں الٹے رعایا ہی کو لوٹتے اور تباہ کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج وہ فوجیں جن سے کسی زمانے میں سلطنت عثمانیہ کی شہرت تھی اور جن سے ایک عالم لرزتا تھا فن جنگ سے بالکل ناواقف ہو کر رہ گئی ہیں، ان میں فوجی ضابطہ مفقود ہے۔ اور وہ بالکل اپاہج ہو گئی ہیں۔ معزز جماعت علما کے خاص قضاۃ اپنے خانگی ملازموں کو جاں نثاروں کی مد سے تنخواہ دیتے ہیں۔ اس شرمناک معاملت کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک جنگ آزمودہ سپاہی کی تنخواہ اور اس تنخواہ کے علاوہ دیگر مخفی تنخواہوں کی اس شخص پر بارش

ہوتی ہے جس نے کبھی جنگ کی صورت بھی نہیں دیکھی۔ اور جس نے اپنے بادشاہ یا مذہب کی حمایت میں کبھی ہتیار ہی نہیں اٹھائے۔

سرکاری رقوم کی شرمناک تجارت ہونے لگی ہے جس کے سرپرست یا تو افواج کے قائد ہیں یا وہ یہودی جو ہمارے ملک کے نہایت بدذات کسان ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ وطن پرست وفادار سپاہی اپنی تنخواہ سے محروم رہتا ہے جو سرکار اس کی جانفشانیوں کے معاوضے میں اس کے بسر اوقات کے لیے عطا کرتی ہے۔

ہمارے مسلمہ آقا سلطان المعظم جن کے پیش نظر ملک کی بہبودی اور ناموری ہے۔ یہ محسوس فرما رہے ہیں کہ قدیم فوجی قوانین پر دوبارہ عملدرآمد ہو اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ کو ان کے ارادوں سے مطلع کردوں۔"

اس ضمن میں وزیر نے حسبِ ذیل تجویزیں پیش کیں۔

(۱) جاں نثاروں کے اعلیٰ خدمات کی خرید و فروخت کا انسداد کرنا۔

(۲) غیر شادی شدہ جاں نثاروں کی چھاؤنیوں میں بود و باش کو مشروط قرار دینا۔

(۳) صرف انھیں کو تنخواہ دینا جو چھاؤنیوں میں ہوں یا جنگ میں مصروف ہوں۔

(۴) چھاؤنیوں کے نگراں کار افسروں کے صداقت ناموں پر بیش از بیش فروخت تنخواہ کی ممانعت اور بصورت خلاف ورزی شدید ترین سزا۔

(۵) جاں نثاری فنڈ کے وظائف کی ایک عام نظر ثانی۔

(۶) جاں نثاروں کو مجبور کرنا کہ وہ سلیمان کی منضبطہ قواعد کریں۔ اور ایک سخت فوجی ضابطے کی پابندی کی تجدید۔

(۷) عثمانی افواج کو حکم دینا کہ وہ فوراً مشرکین کے فن جنگ اور نئے آلاتِ حرب کو اختیار کریں۔ اس دفعہ کے عائد کرنے کی اجازت مفتیوں کے فتاویٰ سے حاصل کی گئی تھی۔

"لیکن ان برائیوں کے فوری ازالے اور قدیم ضابطے کی تجدید سے

اہم دقتوں کا سامنا تھا۔ اس لیے سلطان المعظم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ قابل جاں نثاروں اور نوجوان مسلمانوں سے جن کا نام چھاؤنیوں کے رجسٹر میں درج ہے رنگروٹ انتخاب کریں جو سیمینوں کے ساتھ مل کے مکمل دستوں میں مرتب کئے جائیں۔ ان دستوں کے پاس وہ ہتیار رہیں گے جس سے وہ مشرکین کو شکست دے سکیں اور ان میں فوجی ضابطہ ویسا ہی رہے گا جیسا کہ قدیم جاں نثاروں میں پایا جاتا تھا اور اپنی قواعد ترتیب اور قیام فوج میں ان جدید انتظامات پر کاربند رہیں گے جنھیں اہل یورپ کے موجودہ فن جنگ نے لازم قرار دے دیا ہے۔"

تمام اراکین مجلس نے ان تجاویز کو متفقہ طور پر منظور کیا اور ان پر کاربند رہنے کا تحریری اقرار بھی کیا۔ قاضی پاشا نے جو سابق میں افسر فوج تھا اس کی تائید میں اپنے خدمات پیش کئے۔ مفتی نے بغیر کسی پس و پیش کے اپنے فتوے سے ان اصلاحات کو جائز قرار دیا اور بریکتر کے حسب مدعا تمام کام انجام پا گئے اس کامیابی سے بریکتر گھمنڈ میں آگیا جس سے اس کے طرفدار ناخوش ہو گئے۔ "نظام جدید" کے قدیم افسروں کو باقاعدہ سمن فوج کے قائد بنا کے اس نے فوج کو برانگیختہ کر دیا۔ اور اپنے اس ارادے کو برملا ظاہر کر کے کہ مساجد کی جائداویں دیگر عام جائدادوں کے برابر قرار دی جائیں گی نیز فرقہ علماء سے علانیہ اظہار نفرت کی بدولت اس نے علما کو اپنی طرف سے متنفر کر دیا۔ اس کے سوا خود سلطان اس کی قابلیتوں کو حاسدانہ نظر سے دیکھتا تھا۔ اور اپنے زبردست صدر اعظم کے حوصلے اسے تشویش میں مبتلا کئے ہوئے تھے۔

فساد کے سامان ہو رہے تھے۔ بریکتر کے پاس صرف سولہ ہزار کی فوج تھی جو رسچک سے اس کے ساتھ آئی تھی اور قاضی پاشا کے تین ہزار آدمی تھے۔ مگر اس نے غلطی یہ کی کہ ان وفادار سپاہیوں میں سے بارہ ہزار آدمی ملا آغا اعیان فلپوپلی کے مقابلے میں روانہ کر دیئے جو باغی ہو گیا تھا۔ اور اب اس کے پاس صرف سات ہزار کی فوج رہ گئی تھی جو تمام دارالخلافت میں پھیلی ہوئی تھی۔

اس کے دوستوں نے اس کو خطرے سے مطلع کیا اور سلطان کے ہمراہ ایڈریانوپل جانے کی رائے دی مگر اس نے نہ مانا۔ اپنی حفاظت سے غافل اور اپنے دشمنوں کو ہیچ سمجھتا رہا۔ ۱۴ نومبر کو رمضان ختم ہونے سے تین روز پہلے فتنے کا ظہور ہوا۔ بریکتر کے سپاہیوں پر غفلت میں حملہ کیا گیا جنھوں نے خفیف سی مقاومت کی۔ ان کی فوج توڑ دی گئی۔ چھ ہزار جاں نثار مصطفیٰ کو رہا کرنے اور اس کو سلطان بنانے کی غرض سے سرائے روانہ ہوئے صدر اعظم باقاعدہ سپاہیوں کی سرکردگی میں ان کی راہ میں حائل ہوا لیکن کثرت فوج سے مغلوب ہو کے اسے محل کے ایک مستحکم قلعے میں بند ہونا پڑا۔ اخیر تک اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہوئے اس نے سلطان مصطفیٰ کی لاش کو ان کی طرف پھینک دیا۔ جاں نثاروں کی آتش غیظ دوبالا ہو گئی۔ انھوں نے گولہ باری سے جری صدر اعظم تک پہنچنے کے لیے راستہ صاف کیا۔ صدر اعظم نے بجائے اس کے کہ اپنے کو دشمنوں کے پنجے میں پھنسائے بارودخانے میں آگ لگا دی اور اپنے حملہ آوروں اور قلعے کی عمارت کو ساتھ لے کر خاک ہو گیا۔ [1]

صدر اعظم نے ادھر اس طرح بہادری سے جان دی اور ادھر رمیز پاشا نے بیڑے کے دو جہازوں کو جاں نثاروں کے مقابل لا کے گولہ باری کا حکم دیا۔ اور خود توپچیوں اور ملاحوں کی سرکردگی میں صدر اعظم کو رہا کرنے روانہ ہوا۔ ساتھ ہی ساتھ قاضی پاشا تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ سلطان کو بچانے کے لیے تیزی سے آگے بڑھا۔ دن بھر کی لڑائی کے بعد

[1] بریکتر کی موت کے متعلق ایک دوسرا بیان یہ ہے کہ اس نے بدحواس ہو کر اپنے عزیزوں اور اپنے مال و دولت کے ساتھ ایک پتھر کے مینار میں پناہ لی جو مشتعل مقام سے بہت دور تھا لیکن دھوئیں میں اس کا دم رک گیا اور اسی تہ خانے میں جہاں وہ چھپا تھا اس نے جان دی۔ دیکھو جو کیریو ڈی سینٹ ڈینیز کی کتاب "انقلاب قسطنطنیہ" مگر ہم نے اسی بیان کو لیا ہے جو پاشا کے کیرکٹر کے موافق ہے۔

جاں نثار پسپا ہوئے۔ رمیز پاشا نے ہتیار رکھ دینے کی صورت میں ان سے درگزر کرنے کا وعدہ کیا لیکن قاضی پاشا نے انتقام کے اس عمدہ موقع کو ہاتھ سے دینا مناسب نہ سمجھا۔ اور محاصرے میں سے نکل کے حملہ کرنے کا تہیہ کرلیا۔ چار ہزار آدمیوں نے چار ہزار توپوں کے ساتھ باغیوں پر حملہ کیا اور ان کو ہر طرف سے پامال کردیا اور صدر اعظم کے محل پر پہنچے۔ صدر اعظم کے حشر سے ناواقف اور شعلوں کی لپک سے مجبور ہو کر قاضی پاشا جاں نثاروں کے آغا کے محل کی طرف روانہ ہوا۔ اور جو کوئی راستے میں ملا اس کو قتل کرتا گیا۔

جاں نثاروں نے آگ لگادی جو دم بھر میں ہر طرف پھیل گئی۔ سمن ہتیار ہاتھ میں لیے ہوئے اپنی جلتی چھاونیوں میں ڈھیر ہو گئے۔ اور قاضی پاشا پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گیا۔ کسی نے آگ بجھانے کی طرف توجہ نہیں کی اور تھوڑی دیر میں شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ تمام شہر چونکہ لکڑی کا بنا ہوا تھا اس لیے اس کے آگ سے تباہ ہو جانے کا سخت اندیشہ تھا۔ خطرے کی اہمیت نے جنگ کرنے والوں کی آتش غضب کو ٹھنڈا کردیا اور سب آگ بجھانے کی کوشش میں مصروف ہو گئے جس سے آدھا شہر تباہ ہو چکا تھا۔ صدر اعظم کے محل کے کھنڈر کھودے گئے تو اس کی لاش برآمد ہوئی جسے تین روز تک باڑھ میں رکھ کے خلائق کا نشانۂ ملامت بنایا گیا۔ خاندان عثمان کا نام لیوا صرف محمود ثانی ہی رہ گیا تھا جسے باغیوں کی نظر میں مقدس ہونے کی وجہ سے کسی قسم کا خطرہ نہ تھا۔ اس نے خیال کیا کہ بغاوت کو فرو کرنے اور قسطنطنیہ کو پوری تباہی سے بچانے کی صرف ایک ہی تدبیر ہو سکتی ہے وہ یہ کہ مطالبات جمہور تسلیم کرلئے جائیں۔ رمیز پاشا قاضی پاشا، اور ربیجی افندی کو بھروسا تھا کہ بریکتر شورش کو دبا دے گا۔ مگر جب انھوں نے دیکھا کہ خود بریکتر مرگیا اور سلطان ان سے دست کش ہونے کو ہے تو انھوں نے رسچک میں پناہ لی۔ اور مقابلے کی تیاری کرنے لگے لیکن ان کی کوششیں سودمند نہ ہوئیں۔ رمیز پاشا جو قرم میں پیدا ہوا تھا سینٹ پیٹرز برگ بھاگ گیا۔ قاضی پاشا اور ربیجی افندی نے اہل کرمانیا کو بغاوت پر ابھارنے کے ارادے سے ایشیا میں جانے کی کوشش کی لیکن

دشمنوں کے ہاتھ گرفتار ہو کر قتل ہو گیا اور آخر کار اصلاح کی اس نئی کوشش میں طرفداران اصلاح کا کام تمام ہو گیا۔

صلحنامۂ بکرش (بخارسٹ) ۱۸۱۲ء

ملک کے اس طولانی دورِ ابتلا سے سلطنت کی جڑیں ہل چکی تھیں اور اب ستانے کی ضرورت تھی۔ ۶ جنوری ۱۸۰۹ء کو انگریزوں سے صلح کی گئی لیکن روسی گفت و شنید کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ ضیا یوسف پاشا جسے ہلیو پولیس میں شکست ہوئی تھی۔ صدارت عظمیٰ پر مامور ہوا۔ اس سے بڑھ کر بدتر انتخاب نہ ہو سکتا تھا۔ پرنس بگریشن نے عثمانیوں کو ابرٹیلہ میں شکست دی۔ دریائے طونہ عبور کیا اور مکرر سلستریہ میں انھیں پسپا کیا۔ میکوف اور پلیٹو نے اسمٰعیل ٗ سنگیلیا ٗ اور کراما پر قبضہ کر لیا اور اسین نے ابرٹیلہ کا محاصرہ کیا۔ روسیوں نے سلستریہ کا محاصرہ اٹھا لیا۔ ترکوں کی یہ کامیابی روسیوں کی متعدد کامیابیوں کے مقابلے میں کچھ نہ تھی ۱۸۱۰ء کی مہم کا بھی یہی حشر ہوا۔ صدر اعظم اپنی شوملہ کی مورچہ بندیوں سے ہٹ نہ سکا جس سے کامینسکی کو سلستریہ ٗ رسچک ٗ نکوپولیس ٗ اور بازارجیق پر قبضے کا موقع مل گیا۔ احمد پاشا نے صدر اعظم کی جگہ لی اور ساٹھ ہزار آدمیوں اور ۷۸ توپوں کے ساتھ دشمن کے مقابلے کو آگے بڑھا۔ روسی سپہ سالار اعظم قوتوزوف کو جس کے پاس کم فوج تھی بمقام رسچک پسپا ہونا پڑا۔ قاضی کوئے میں وہ ترکی فوج کا منتظر رہا۔ ایک گھمسان کی لڑائی کے بعد قوتوزوف کی تیس ہزار کی فوج نے ترکوں کو بے ترتیبی کے ساتھ پسپا کیا لیکن کامیابی کے باوجود قوتوزوف نے قلعوں میں سرنگیں اڑا کے اور شہر میں آگ لگا کے رسچک کو خالی کر دیا۔ (۵ جولائی ۱۸۱۱ء) عثمانیوں نے ندی کو پار کر کے ان کا تعاقب کیا لیکن ترکوں کو فریب دے کے روسی ان کے بازو پر پھرتی سے پلٹ پڑے۔ انھیں ندی میں بھگا دیا۔ اور خالی کئے ہوئے شہروں کو واپس لے لیا۔ روسی جنرل کو کمک پہنچ چکی تھی۔ اور وہ جنگ کا

فیصلہ کن خاتمہ کرنے والا تھا کہ روس اور فرانس میں جنگ چھڑ گئی۔ کابینہ سینٹ پیٹرز برگ نے فوراً بابعالی سے شرائط صلح پیش کیے اور صلحنامہ بکرش پر فریقین کے دستخط ہو گئے۔ (۲۸ مئی ۱۸۱۲ء) دریائے ہردت دونوں مملکتوں کی سرحد قرار پایا۔ زار نے بغدان، افلاق اور صربستان سے دست برداری اختیار کی اور انھیں ترکوں کے انتقام پر چھوڑا۔ اور صرف دہانہ ہائے دریائے طونہ اور بسرابیہ کا کچھ حصہ روسی علاقے میں باقی رہا۔ جنرل انڈریوزی نے دیوان کو بہت کچھ سمجھایا اور غلطی سے متنبہ کیا مگر بیکار تھا۔ انگریزی رشوت دیوان کو پہنچ چکی تھی۔ آخر فتح بوروڈینو کی خبر سے سلطان کو اپنی عجلت پر پچھتانا پڑا۔ اس پر بھی اس نے جنگ کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ انگریزوں کا تسلط اس پر قائم تھا۔ اس نے صدر اعظم اور ان عمائد کو برطرف کرنے پر ہی اکتفا کیا جنھوں نے صلحنامے پر دستخط کر دیئے تھے (اگست ۱۸۱۲ء) صلحنامہ بکرش ترکی کے لیے ویسا ہی تباہ کن ثابت ہوا جیسا کہ صلحنامۂ فلک سین ہوا تھا۔ دونوں مرتبہ عثمانی وزرا کے عدم تدبر سے روس کی بلا ٹل گئی۔

محمد علی اور وہابی

اندرونی ابتری اور بیرونی لڑائیوں سے آدھے سے زیادہ صوبے سلطان کی اطاعت سے باہر ہو گئے تھے۔ اس لیے روس سے فرصت ملتے ہی سلطان نظم و نسق کے پورے انتظام کی طرف متوجہ ہو گیا۔

شاپان اوغلو جو ایشیائے کوچک کے شمال میں مسلط تھا اور قرہ عثمان اوغلو یہ دونوں ایک قسم سے ان علاقوں کے فرمانروا تھے جو سمرنا کی سرحد پر واقع تھے اور گو اس ایک جد کی قرابت کی شنو سے زیادہ شاخیں ہو گئی تھیں لیکن ایک قرابتدار کی سرداری میں اپنے آپ کو حوالے کرنے اور اتفاق کے ساتھ مل جل کے رہنے سے یہ خاندان متمول اور زبردست ہو گیا تھا۔ مقدونیہ میں سرس کے

بیگوں (حاکموں) اور تھریس میں فلپولی کے اعیانوں کے پاس باقاعدہ فوجیں تھیں۔ بابعالی کے دشمنوں میں ان کا بھی حساب تھا۔ جزیرۃ العرب پر وہابیوں کا قبضہ تھا۔ مصر پر محمد علی کی حکمرانی تھی۔ صربستان میں بغاوت کا زور تھا۔ اپیرس اور تھسلی پر علی حاکم یانینہ فرمانروا تھا۔ ریاست ودن میں پسوان اوغلو کی جگہ ملا آغا فرمانروا تھا۔ ملا آغا ہی پہلا شخص تھا جس نے عساکر سلطانی کا مقابلہ کیا لیکن اس کو شکست ہوئی اور اطاعت قبول کرنی پڑی۔ ریز پاشا نے خیال کیا تھا کہ صلحنامے کے بعد وہ ترکی میں داخل ہو سکے گا مگر ہیبو دار قرہ جبہ نے دغا کی اور مصاحب صدر اعظم کی فوج بکرش میں اس پر اچانک ٹوٹ پڑی۔ قپودان پاشائے سابق نے بہادری کے ساتھ جان دی۔ اس طرح سے اس نے اپنی عالی حوصلگی اور قابلیتوں کا کفارہ دیا۔ آخر میں وہابیوں کو مطیع کرنے کا کام سلطان نے محمد علی کے تفویض کیا۔

۱۷۴۶ء میں یمن میں ایک فرقہ پیدا ہوا جو ابتدا میں بالکل کمزور اور حقیر تھا لیکن ایک دن وہ آنے والا تھا جب کہ اس فرقے سے سلطنت عثمانیہ پر دہشت طاری ہونے والی تھی۔ یہ وہابیوں کا فرقہ تھا۔ یہ لوگ متقی، بلند حوصلہ اور سخت متعصب تھے۔ اور قرآن کی اصل سادگی کو دوبارہ بحال کرنا چاہتے تھے۔ ایک شیخ محمد[لہ] نامی نے مشرق میں عقلی اور عملی توحید کی تجدید کا بیڑا اٹھایا۔ اسلام کے اس کالون جیسے مصلح نے پیغمبر کی اس پرستش کو اڑا دیا جو پیروان اسلام نے تکریم رسول کے لحاظ سے اپنے لیے مقرر کی تھی۔ اس نے کہا کہ "ترکوں نے اپنے رسول کو خدا بنا لیا ہے۔ وہ آپ کے مزار پر مثل بت پرستوں کے دعا مانگتے ہیں۔ بدبخت ہیں وہ لوگ جو اپنے خالق کا ہمسر کسی کو سمجھیں۔ تلوار انہیں نیست و نابود کرے" ان الفاظ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس مصلح کے نزدیک رواداری کہاں تک جائز تھی۔ یہ نئی تعلیم ہر سہ ملک عرب میں بہت جلد

لہ۔ اس کے مریدوں نے اس کے باپ کے نام عبدالوہاب پر اپنے فرقے کا نام وہابی رکھا۔

پھیل گئی۔ امیر ابن سعود نے اس تعلیم کو قبول کیا۔ اور ایک لاکھ مسلح مبلغین نے مشرق کی حالت موجودہ کو یک لخت بدل دینے کا بیڑا اٹھالیا۔ اس نے ترکی قلعوں کو تباہ کردیا۔ مکے اور مدینے پر قبضہ کرلیا اور انھیں لوٹ لیا اور ان تمام بیش بہا چیزوں کو لے لیا جو دس صدی سے تقدس مآب لوگوں نے ان میں جمع کی تھیں۔ قافلوں پر حملے ہوئے اور انھیں بے رحمی سے تہ تیغ کیا گیا۔ حج مکہ روک دیا گیا۔ اور مزار پیغمبر کی تخریب کی گئی۔ محمود نے اپنی معذوری سے مجبور ہو کے والی مصر کو وہابیوں کی بیخ کنی اور مقدس شہروں کی آزادی کا کام سپرد کیا۔ محمد علی نے اس کام کو جس میں محافظت دینی سے اپنی مذہبی شہرت بھی خوشی قبول کیا۔ مگر اس کام سے پہلے اس نے مصر میں اپنی حکومت کو مضبوط کرنا مناسب سمجھا۔ جب مملوک طاقت سے بس میں نہ آئے تو اس نے مکر سے کام لیا۔ ہدایا، محبت، خوشامد، قسم و عہد اور دوستی کے دعووں سے اس نے ان کی بدگمانیوں کو رفع کیا۔ اپنے بیٹے توقوم بے کی مہم عربستان کی روانگی پر اس نے تمام مملوکوں کی ایک شاندار دعوت کی لیکن مملوک ایوان کے اندرونی صحن میں داخل ہوئے ہی تھے ان پر بندوقوں کی باڑھ چلادی گئی۔ ان شرمناک پھندے میں بغیر کسی قسم کی مدافعت کے ان کا خاتمہ ہوگیا۔ تمام صوبوں میں اسی روز تمام مملوک قتل کئے گئے۔ ان کی سلطنت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہوگیا اور ان کی لاشیں بلند حوصلہ البانیوں کے لیے ترقی کا زینہ بن گئیں۔ (۱۸۱۱ء)

مصر پر کامل طور سے مسلط ہونے کے بعد اس نے وہابیوں کے مقابلے میں ایک فوج روانہ کی۔ ابن سعود نے توقوم پاشا کو جدید کی گھاٹیوں میں شکست دی لیکن اپنے دشمن کا بازوئے لشکر زبردست ہونے سے وہ بحر جدید اور مدینے کو فتح ہونے سے روک نہ سکا (۱۸۱۳ء) دو ماہ بعد امیر کے بیٹے نے مکے کا تخلیہ کیا۔ ابن سعود کے انتقال تک (۱۸۱۵ء) لڑائی جاری رہی جس میں وہابی نقصان میں نہ رہے۔ باپ کے انتقال کے بعد بیٹے نے طوسون پاشا سے صلح کی گفت و شنید کی۔ محمد علی مقتضائے وقت

دیکھ کے دعوے کیا کہ امیر نے آپ کو اس کی قید میں دیا ہے جس سے دوبارہ جنگ شروع ہوئی۔ محمد علی کے دوسرے بیٹے ابراہیم پاشا کو پہلے پہل کئی جگہ پسپا ہونا پڑا لیکن بھاری کمک پہنچنے پر اس نے جارحانہ کارروائی شروع کی امیر نے قبائل عرب کو لالچ سے اپنا طرفدار بنایا تھا لیکن چند قبائل نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ آخر سات ماہ کے محاصرے کے بعد اس نے اپنے مستقر درعیہ میں ہتھیار ڈال دیئے۔ قسطنطنیہ میں اس کا سر اڑا دیا گیا۔ فتنۂ توہّب کا انسداد ہو گیا لیکن وہابی پورے طور سے مٹ نہ سکے۔ بارہ برس بھی نہ گزرے تھے کہ انھوں نے مدینے پر پھر قبضہ کر لیا اور مکے کے قریب ہی حجاج کے قافلے کو روکا اور پھر ایک بار حج میں مانع ہوئے۔ بعد کے فرمانرواؤں نے یمن پر جتنی فوجیں بھیجیں ان کا بھی کوئی دیرپا نتیجہ نہ نکلا۔ وہابیت کا زور پہلے سے بڑھ کر ہے۔ ترکی محافظ فوج کی مکے اور مدینے میں کم وبیش قیدی کی سی حالت ہے۔ عثمانی حکومت کا خطرہ روز بروز بڑھتا جا رہا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہابی تمام عرب قبائل کو متحد کرنے کی کوشش میں سرگرم ہیں تاکہ عثمانی حکومت سے رہائی حاصل کریں۔

اس کے بعد محمد علی نے اپنی توجہ مصر کے اندرونی نظم ونسق کی طرف مبذول کی۔ ایک نہر اسکندریہ اور قاہرہ کے درمیان کھدوائی۔ فرانسیسی افسروں خصوصاً کرنل سیوس کے زیر نگرانی یورپین طرز پر ایک فوج قائم کی۔ ایک بیڑا بھی تیار کرایا۔ کارخانے اور بحری و بری ذخائر کے گودام قائم کئے۔ فلاحین کی بہبودی کی طرف توجہ کی۔ رشوت اور ظلم کے لئے شدید سزائیں مقرر کیں۔ مدارس کھولے اور پاشاؤں اور بیگوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے لڑکوں کو بغرض تعلیم یورپ روانہ کریں۔

اسی زمانے میں اس کے بیٹوں نے مصر کے قرب وجوار کے ممالک سیوا، کردوفان، دارفور، وغیرہ کے شاداب مقامات فتح کیے۔ اگر خراج کا لحاظ نہ کیا جائے جو اسے ترکی حکومت کو دینا پڑتا تھا تو محمد علی خود مختار بادشاہ تھا۔

صربستان میں بغاوت۔ قرہ جارج اور میلوش

ادھر مصر نے اپنے کو سلطنت ترکی سے علیحدہ کر لیا اور ادھر صربستان نے اپنی خود مختاری کو بجبر تسلیم کرا لیا۔

عثمانی فتح کے بعد صربستان کے ٹکڑے سپاہیوں میں تقسیم کر دیئے گئے تھے۔ زمین صربی کسان کی تھی مگر وہ زمین کا پابند نہ تھا۔ وہ صرف جاگیردار کو لگان ادا کرتا تھا۔ خود اپنے پٹیل آپ مقرر کرتا جو ٹیکس جمع کرتے اور امن قائم رکھتے تھے لیکن پاشاؤں کی ستم رسانی اور جاگیرداروں کے جبر و تعدی سے یہ انتظامات محض خیالی تھے اور صربی کسان مثل ایک چوپائے کے تھا۔ رعایا کے لیے ممنوع تھا کہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کے شہر میں داخل ہو۔ اگر راستے میں کوئی مسلمان ملتا تو اس کو گھوڑے سے اترنا اور بہت تعظیم کے ساتھ سلام کے لیے جھکنا پڑتا تھا۔ کسی قسم سے بھی ہتیار رکھنے کی صورت میں موت کی سزا دی جاتی تھی مگر صربیوں میں اس سختی کے باوجود قومیت اور آزادی کا جذبہ باقی تھا اور ان ولولوں کی بنیاد ان کے ان اہل وطن کی قومی تحریکیں تھیں جنھوں نے ترکوں کی غلامی سے نکل کے مجرستان میں پناہ لی تھی۔ سلطنت سے بیزار ہو کے یہ لوگ پہاڑوں میں جاگزیں ہوئے تھے۔ ان لٹیروں کے کارناموں کو چمکانے میں ملک کی مقبول نظموں نے بہت کچھ حصہ لیا۔ ۱۷۸۷ء کی جنگ میں صربی آسٹروی فوج میں شریک ہونے کے لیے ٹوٹ پڑے۔ اس جنگ میں انھوں نے جو جنگی معلومات حاصل کیئے ان سے فائدہ اٹھا کے بہت جلد پریشان ترکوں کا مقابلہ کیا۔

ابن البکری والئ بغداد نے صربیوں کو ملاطفت سے اپنا طرفدار بنانا چاہا۔ اور رحم و انصاف سے کام لیا۔ اس نے ان لوگوں کے لیے

معافی کا وعدہ کیا جو آسٹریوں کی طرف سے لڑے تھے۔ جاں نثاروں کی شورہ پشتی کا معقول بندوبست اور ظلم کو مٹا دیا۔ رعایا پاشا کی بہت شکرگزار ہوئی۔ اور بظاہر خدشہ رفع ہو چکا تھا لیکن جاں نثاروں نے اپنی حمایت ہرپسون اوغلو والی ودین کو بلایا جو مقدونیہ اور تھریس سے نکالے ہوئے منتشر کرلسڈالیوں کو جمع کر رہا تھا۔ اس نے صربستان پر حملہ کر دیا اور بلغراد روانہ ہوا۔ ابن البکری نے صربیوں میں پناہ لی۔ اس کی التجائے مدد پر صربی بہت جوش کے ساتھ کھڑے ہو گئے لیکن جاں نثاروں نے سلانیہ بغاوت کر دی پاشا کو قتل کر دیا اور سپاہیوں کو بے دخل کیا اور باشندوں پر نہایت سفاکانہ طور سے مظالم برپا کئے۔ ایک وفد ان صربیوں کا قسطنطنیہ روانہ ہوا اور بارگاہ سلطانی میں عرض کیا کہ:۔

"کیا ابھی تک تو ہمارا بادشاہ ہے؟ اگر ہے تو آ اور ہمیں مصیبت سے نجات دے۔ اگر تو ہماری مدد نہیں کر سکتا تو صاف کہدے۔ ہم پہاڑوں اور جنگلوں میں پناہ لیں گے یا ندیوں میں ڈوب کر اپنی جانیں ہلاک کر دیں گے۔

بادشاہ نے جب حکم دیا کہ وہ اپنے مظالم سے ہاتھ اٹھائیں تو جاں نثاروں نے اس حکم سلطانی کے جواب میں ان تمام لوگوں کو قتل کر دیا جو اپنے خاندانی اعزاز، بلند پائگی، بہادری اور تمول کی بدولت قومی تحریک کی رہنمائی کر سکتے تھے۔ مگر اس سفاکی سے جو مقصد مجوزین کے مدنظر تھا وہ پورا نہ ہوا بلکہ اور الٹا اثر ہوا۔ مایوسی نے ان کو ابھارا اور ایک عام بغاوت ہو گئی۔ چند دن میں جاں نثار شہروں اور قلعوں میں بند ہونے پر مجبور ہو گئے۔ ایک سابق کاہیدک (مشرقی ہنگری کے قزاق جو ترکوں سے لڑتے تھے) جارج پیٹروک جو قرہ کے نام سے مشہور تھا اور جس نے ۱۷۸۸ء میں ترکوں کے مقابلے میں ایک بے قاعدہ فوج کی کمان کی تھی ان باغیوں کا سردار بنا۔ اس نے اول تو یہ کہہ کے سرداری قبول کرنے سے انکار کیا کہ وہ اپنی تند مزاجی سے اس قدر مجبور ہے کہ رحم کو پس پشت

ڈال کر لوگوں کو سزا دے گا۔ نیز دل (Knez) نے اس کا یہ جواب دیا کہ موجودہ حالات کے لحاظ سے سختی ہی ضروری ہے۔ اس نے پھر یہ حجت پیش کی کہ وہ حکومت کے آئین سے ناواقف ہے۔ اس پر انھوں نے اپنی مدد کا وعدہ کیا۔ مندرجۂ ذیل واقعات سے اس نجات دہندہ صربستان کے کیرکٹر پر روشنی پڑتی ہے۔

جب وہ آسٹریوں سے ملنے کے لیے اپنے ملک سے فرار ہو کے نکلا تو اس کو ہنگری کی کشتی کے لیے ٹھیرنا پڑا جس سے وہ اور اس کے ساتھی دریائے ساؤ عبور کر کے جانے والے تھے۔ اس کے باپ نے ناخوشی ظاہر کی اور ترک وطن کے ارادے میں کچھ تذبذب کا اظہار کیا۔ اس نے اپنے بیٹے سے بمنت التجا کی کہ ترک وطن کا ارادہ چھوڑ دے اور اطاعت قبول کرے جب منت سماجت سے کام نہ نکلا تو بڈھے نے دھمکیوں سے کام لینا چاہا۔ اور ترکی سلطنت کو جارج اور اس کے ساتھیوں کے ارادوں سے مطلع کرنے کی دھمکی دی۔ قرہ جارج نے اپنے باپ کو اس روش سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ اور ملک کا واسطہ دے کے پاؤں پہ سر رکھا لیکن بڈھے نے نہ مانا۔ تب وہ پستول ہاتھ میں لیے ہوئے اٹھا اور کہا کہ ”اے بدنصیب بڈھے۔ اپنے ملک اور اہل ملک کے ساتھ دغا کرنے سے تو تیرا مرنا ہی بہتر ہے۔“ اس نے پستول سر کر دیا جس سے اس کا باپ بیجان ہو کر اس کے قدموں کے پاس گر پڑا۔ اسی طرح ایک اور واقعے سے بھی اس سفاک راستباز شخص کی کیفیت پوری طرح ذہن نشین ہو جائے گی۔

ایک کسان کا باپ مر گیا۔ حریص یونانی پادری نے جیسا کہ تمام صحیح العقیدہ پادریوں کی حالت ہے پچاس قرش کے بغیر رسوم تجہیز و تکفین ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ یتیم کسان کے پاس اتنی رقم نہ تھی۔ لاش کھلی ہوا میں دھری رہی۔ پرندوں اور درندوں نے اسے خراب کرنا شروع کیا۔ حالت یاس میں وہ قرہ جارج کے پاس گیا جس نے پچاس قرش کے ساتھ دو قبریں کھودنے کا حکم دیا۔ رسم میت شروع ہوئی تھی کہ قرہ جارج چند سپاہیوں کو لیے ہوئے

قبرستان میں داخل ہوا۔ جب لاش دفن کردی گئی تو اس نے اکھڑپن کے ساتھ پادری سے پوچھا کہ "اس کے کتنے بچے ہیں؟ پادری نے جواب دیا کہ "خدانے مجھے پانچ بچے عطا کئے ہیں۔ قرہ جارج نے گرج کر کہا۔ "بہت اچھا۔ یہ ممکن ہے کہ تمھارے جائداد نہ چھوڑنے کی صورت میں ان پر بھی ایسا ہی وقت گزرے جیسا کہ اس نوجوان پر گزرا ہے۔ اس لیے میں خود تمھارے دفن کا روپیہ دوں گا" رئیس کے ایک اشارے پر سپاہیوں نے پادری کو پکڑا اور اس کے رونے اور کشمکش کرنے کے باوجود اس کو قتل کرکے دوسرے کفن میں رکھ دیا۔

ایسے جری سردار کی ماتحتی کے باعث بغاوت میں بہت جلد ترقی ہوئی۔ قرہ جارج نے شاہباٹز اور سمندریہ کو فتح کرلیا اور بلغراد کا محاصرہ کیا جہاں والئ بوسنہ نے جسے سلطان نے جاں نثاروں کے مقابلے پر روانہ کیا تھا ساتھ دیا۔ بلغرادیوں نے اطاعت قبول کی۔ بکر پاشا نے صربیوں کو ہتیار رکھ دینے اور اپنے روزانہ کاروبار میں مصروف ہوجانے کو کہا مگر چونکہ وہ زمانے کی ٹھوکروں اور تجربوں سے باخبر ہوچکے تھے انھوں نے اس بات سے انکار کیا اور روس سے اپنی حمایت کی التجا کی (سنہ ۱۸۰۴ء) روس نے ان کے حقوق کی تائید کے لیے قسطنطنیہ آدمی روانہ کئے۔ دیوان نے روسی سفرا کو قید کیا اور صربستان کو مطیع کرنے کے لیے والی نیش کو حکم دیا۔ حافظ پاشا کو شکست ہوئی۔ سمندریہ سے ایک اعلان شائع ہوا جس میں تمام باشندوں کو بغاوت کی طرف بلایا گیا تھا۔ بکر پاشا والئ بوسنہ اور ابراہیم پاشا والئ اسقودرہ کا بھی وہی حال ہوا جو حافظ پاشا کا ہوا تھا۔ ادھر پیرڈو برینیس نے ابراہیم کو دلی غراد میں گرفتار کیا تو ادھر قرہ جارج نے حاجی بے کو پیٹنز کا میں اور بوسینوں کو شہبائز میں شکست دی (۸ء اگست سنہ ۱۸۰۶ء) معاہدۂ سمندریہ سے جو ابراہیم اور قرہ جارج میں ہوا صربستان کو خودمختاری دی گئی۔ اور یہ بھی طے ہوا کہ سپاہیوں کو چھ لاکھ فلورین تاوان جنگ دیئے جائیں اور خاص خاص قلعوں میں ترکی محافظ فوج

متعین رہے لیکن سلطان نے اس صلحنامے کی تصدیق سے انکار کیا اور جنگ پھر شدت کے ساتھ جاری ہوگئی۔

سلیمان نے بلغراد کو فتح کیا لیکن اس کے پاس صرف اسی کی فوجیں رہ گئی تھیں اس وجہ سے اس نے اس شرط کے ساتھ اطاعت قبول کی کہ وہ اپنے سامان اور ہتیار کے ساتھ واپس ہو گا۔ شرط منظور کی گئی، لیکن منظور ہوتے ہی توڑ دیگئی۔ شہر سے چند فرسنگ پر سلیمان پر اسی فوج نے حملہ کیا جو محافظت کے لیے ساتھ دیگئی تھی اور سب کو قتل کر ڈالا۔ چونکہ صربیوں کا ستارہ عروج پر تھا انھوں نے چار صدیوں کے مظالم و مصائب کا بدلہ خوفناک خونریزیوں سے لیا۔ لیکن صربستان کو مسلمانوں کے پنجے سے رہا ہونے کے بعد بھی رہائی نہ ملی۔ اور وہ شورش و بدامنی کا شکار رہا۔ فوجی سردار حکومت کے لیے لڑنے لگے۔ با ایں ہمہ باغیوں نے جارحانہ جنگ اختیار کی۔ میلان اور بریبودک اور ڈوبرنیس نیش پر روانہ ہوئے۔ اور قرہ جارج نے بوسنہ پر حملہ کرکے نووی بازار کا محاصرہ کرلیا۔ (۱۸۰۹ئہ) لگرنیش میں اپنے ساتھیوں کی شکست کے باعث قرہ جارج کو مجبوراً بوسنہ کا تخلیہ کرنا پڑا۔ اس نے تین ہزار صربیوں کے ساتھ خورشید پاشا کی تیس ہزار کی فوج کا مقابلہ کیا اور اسے وادیرن کے میدانوں میں منتشر کردیا لاسنٹرا میں ہزیمت اٹھانے کے بعد بوسنی دریائے درن کو بے ترتیبی کے ساتھ عبور کرکے واپس ہو گئے۔

ان فتوح سے قرہ جارج کو تمام والیوں میں برتری حاصل ہوگئی۔

ڈوبرنیس اور رالینکو جو اطاعت سے انکار کر رہے تھے جلا وطن کیے گئے۔ بابعالی نے روس کی ضمانت پر قرہ جارج کو اس شرط کے ساتھ ہسپوداری (ولایت) پیش کی کہ وہ اپنے ہتیار اور بلغراد دونوں ترکوں کے حوالے کردے گا قرہ جارج نے ترکوں کے مقابلے میں نپولین اول سے مدد کی درخواست کی تھی مگر جب اس نے کوئی جواب نہ دیا تو روس کی جانب متوجہ ہوا۔ اس نے دیوان کی تجویزیں نامنظور کردیں اور انھیں زار کے پاس روانہ کردیا۔ صلحنامۂ بکرش سے اسے اس کی خوش اعتقادی کا

صلہ مل گیا۔ شہنشاہ الکزنڈر نے صربستان کو انتقام کے لیے بابعالی کے حوالے کر دیا۔ پھر کیا تھا ترکی کی پوری فوج اس بدقسمت ملک پر ٹوٹ پڑی۔ محاصرہ نغوتین میں ولیکو نے بہادرانہ جان دی لیکن اس کی موت سے اس کے سپاہی ہمت ہار کے بھاگ کھڑے ہوئے۔ خورشید پاشا نے ملاون اور سما کو شکست دی اور شہبیٹنز اور بلغراد کو مسخر کر لیا۔ اکثر والیوں نے حکومت کے حسد میں قرہ جارج کا ساتھ چھوڑ دیا تھا جس سے اس کو ہزیمت اٹھانی پڑی۔ اپنے ملک کی حفاظت سے نا امید ہو کے وہ ہنگری بھاگ گیا۔

ترکی کے تمام سابق عہدہ دار اپنی اپنی خدمتوں پر واپس آئے۔ سپاہیوں کو ان کی تمارین (جاگیرات) واپس مل گئیں۔ البانی ٹکڑیوں نے ملک کو جی بھر کے لوٹا اور روپیہ حاصل کیا۔ کہیں اگر ذرا بھی مدافعت کا شائبہ پایا جاتا تھا تو خون کی ندی بہادی جاتی تھی۔ کلاڈوو میں تمام آبادی کو دار پر چڑھا دیا گیا۔ بلغراد میں جلاد نے تین سو سر اڑائے۔ ان قاتلانہ انتظامات کا جو نتیجہ نکلنا تھا نکلا۔ نا امیدی اور غصے نے رعایا کی ہمت اور حب وطن کو بیدار کر دیا اور جنگ کی طرف نئی دعوت دی گئی۔

میلش ابرانوچ[ل] کے علاوہ تمام سردار صربستان کو چھوڑ کے چلے گئے تھے۔ مقابلے سے معذور ہو کے اس نے اطاعت قبول کر لی تھی۔ اس اطاعت کے صلے میں سلیمان نے اس کو رودنیک کا کیز بنایا تھا۔ لیکن اس کی اطاعت دکھاوے کی تھی۔ اپنے بلند ارادوں میں کامیاب ہونے اور اور بھیس بدل کر باہر آنے کے لیے موقع کا منتظر تھا۔ ۱۸۲۵ء کے

ل۔ میلش آپ کو تھیوڈوریوک کہتا تھا۔ اس کی ماں نے دو بار شادی کی۔ شوہر اول سے اس کے ایک لڑکا میلان ناحی تھا۔ بیوہ ہونے کے بعد دوبارہ اس نے اپنے شوہر کے ایک قرابتدار سے شادی کی جس سے میلوش پیدا ہوا۔ میلان نے نیک دلی سے اپنے مادری بھائی کو اپنا نام ابرانوچ رکھنے کی اجازت دی تھی۔ اس کے انتقال کے بعد وہ تمام فوجیں جو اس کی کمان میں تھیں میلش کی ماتحتی میں آگئیں۔

ایسٹر کے پہلے اتوار کو اس نے ٹاکوڈ کے قبرستان میں اپنا جھنڈا بلند کیا۔ اور صربستان کی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ میدان میں البانی دستے کی شکست سے ہر طرف بغاوت ہو گئی۔ اور چاروں طرف ترک حملے کی جسارت سے ششدر ہو کے پیچھے ہٹ گئے۔ پاشا کے کیا کو دریائے موراوہ کے ساحل پر شکست ہوئی اور وہ مارا گیا۔ اس کے ایک دوسرے لفٹنٹ کو سائنٹزا میں ہزیمت ہوئی۔ اور ادھر پاشا کا نووی بازار میں محاصرہ کیا گیا مگر خورشید پاشا نے ادھر صربستان پر مغرب کی طرف سے حملے کی تیاری کی اور ادھر مارشلی پاشا دریائے موراوہ کی وادیوں میں گھس گیا۔ ان دونوں عثمانی جنرلوں کی رقابت و نفرت سے فائدہ اٹھا کے میلش نے صلح کی گفت و شنید شروع کی جس سے حسب دلخواہ نہیں تو کچھ نہ کچھ تو نتیجہ ضرور نکلا۔ تمام سیاسی مجرم معاف کر دیئے گئے۔ تحصیل محاصل کا کام رعایا کے سپرد ہوا۔ رعایا کے انتخاب سے بارہ کنیزوں کی ایک مجلس قائم کی گئی اور ان کے ذمے محاصل کی دوبارہ تقسیم کا کام تفویض ہوا۔ ملکی خود مختاری دی گئی جس میں عدالتی اور مذہبی دونوں شعبوں کا اختیار شامل تھا۔ صربیوں کو حق تھا کہ وہ اپنے پاس ہتیار رکھیں اور ایک سردار کا انتخاب کریں جسے ان پر مالی اور فوجی اختیارات حاصل ہوں۔ اس طرح سے معاہدے کا تصفیہ ہوا میراشلی پاشا کو جو ولایت بلغراد پر مامور ہوا تھا حکم دیا گیا تھا کہ وہ صربیوں کو اپنے بچوں کی طرح سمجھے۔ میلش نے اپنے دشمنوں میں سے کچھ کو تو قتل کر دیا اور کچھ کو جلا وطن کر کے میدان صاف کر دیا تھا اور اب سردار مقرر ہونے کے بعد مطلق العنان سلطنت قائم کر کے پاشا کو قلعۂ بلغراد میں مثل ایک قیدی کے رکھتا تھا۔ قرہ جارج کے قتل سے اس کے ایک رہے سہے حریف کا بھی خاتمہ ہو گیا جس کی طرف سے اس کو ہمیشہ تشویش رہتی تھی اور جس کی وجہ سے وہ بالکل مطلق العنانی کے ساتھ حکومت نہ کر سکتا تھا۔ زار روس نے قرہ جارج کا نہایت گرم جوشی کے ساتھ خیر مقدم کر کے اس کو جنرل کے عہدے پر مامور کیا اور سینٹ این کی صلیب کا تمغہ دیا تھا لیکن بیکاری سے اس کی

طبیعت گھبرائی اور جب باغی جماعتوں کے سرداروں نے اس کو اپنی تجویزیں پیش کیں تو وہ بخوشی انھیں منظور کر کے صربستان کی طرف خفیہ روانہ ہو گیا۔ امید یہ کی گئی تھی کہ اس کی آواز پر صربی اٹھ کھڑے ہوں گے اور ساتھ ہی ساتھ یونانی اور سقلبی بھی اس کا ساتھ دیں گے لیکن صربستان میں آنے کے بعد قرہ جارج نے میلش کے اقتدار کو محسوس کیا۔ اس نے سمندریہ میں قدم رکھا ہی تھا کہ حریف کے مامور کردہ قاتلوں نے اس کا کام تمام کر دیا۔ میلش نے ذرا بھی اپنی آبرو کا پاس نہ کیا اور اپنی وفاداری کے ثبوت میں قومی آزادی کے جانباز کا سر روانہ کیا۔ فاتح سائنٹریا نے فاتح شاہٹسر دار، ورن، اور لاسنسٹر کا سر سلطان کے روبرو نذر کے طور پر پیش کیا سرائے کی دیوار پر خون آلود سر اس کتبے کے ساتھ منظر عام کے لیے لٹکایا گیا "یہ قرہ جارج ڈاکو کا سر ہے۔"

علی پاشا اور اہل سولی۔ بغاوت علی (۱۸۲۰ء)

مشکلوں کے پیش آنے کی پروا نہ کر کے محمود نے ترکی کے جاگیرداری کے نظام کو مٹانے کی کوشش جاری رکھی جو برخلاف یورپی نظام جاگیری کے قومی ذلت اور شکست کی پیداوار تھا۔ معرض وجود میں آیا تھا۔ سلیم کی اس کوشش میں پہلے جو مزاحم ہوا وہ اپیرس کا مطلق العنان فرمانروا علی پاشا تھا جو اس کی رعایا میں نہایت بہادر آدمی تھا اور جس نے سلطنت کے کئی صوبے اپنے کر لیے تھے۔ اس مبارزت میں پاشا کو ہارنا پڑا لیکن اس کا سب سے بڑا مدعا سلطنت کی جڑوں کو متزلزل کرنا تھا۔ اس زبردست باغی کے منصوبوں کی بدولت اس خونریز جنگ کا بہت جلد ظہور ہوا جس کا نتیجہ یونانی قوم کی نئی تنظیم تھا۔

علی تبیلن میں پیدا ہوا تھا جو البانیہ کے پہاڑی علاقے میں واقع ہے۔ اس کے باپ دادا مشہور و معروف پہاڑی سردار تھے۔ اس کی ماں قمیکو نے

اپنے شوہر کے مرنے کے بعد بھی سرداری کو قائم رکھا تھا۔ ایک روز وہ کردیکی کے باشندوں کے ہاتھ پھنس گئی جن کو اس نے کئی بار ستایا تھا۔ اس پر اور اس کی بیٹی قمتزہ پر شرمناک حملے کئے گئے۔ اس نے اپنے بیٹے کو جو ابھی بچہ ہی تھا قسم دی کہ وہ بڑا ہوکر اس اہانت کا نہایت سخت انتقام لے گا۔ اس نے اپنی قسم کی پوری پوری پابندی کی۔ پندرہ برس کی عمر میں وہ ایک بڑی جماعت کا سردار ہوگیا جس کو وہ اپنی گرہ سے دیتا اور بغیر کسی امتیاز کے یونانی ڈاکوؤں اور پاشاؤں کے مقابلے میں اس سے کام لیتا تھا۔ دس سال تک اس نے ایسی آوارہ زندگی بسر کی۔ اور البانیا، اپیرس، تھسلی اور راکارنینیا کے پہاڑوں کے چپے چپے اور ڈاکوؤں کے عادات و اطوار اور چالاکیوں سے بخوبی واقف ہوگیا۔ جب وہ سلطنت کے بہی خواہوں میں شمار ہونے لگا تو اس نے سرکاری ملازمت اختیار کی اور ان حاکموں کی سرکوبی کا بیڑا اٹھایا جو خودمختار بنے تھے اور سلطان کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے تھے۔ اپنے مفید خدمات کے معاوضے میں وہ تبیلن کا بے (حاکم) اور ٹریکالا کا پاشا (اعلیٰ افسر) بنایا گیا۔

علی ذہین، ہوشیار، لوگوں کو اپنا طرفدار بنانے والا اور حد سے زیادہ بہادر اور ظالم تھا۔ بابعالی کی اطاعت گزاری کا بہت دم بھرتا تھا اور تمام احکام کی برابر بجاآوری کرتا تھا وہ بے خوف تھا عبادت الٰہی میں درویشوں کا ساتھ دیتا تھا، اور عذرا کے بت کے سامنے پادریوں کے ساتھ لوبان جلاتا تھا اور اس طرح سے عیسائیوں اور مسلمانوں کی دشمنی میں اپنا ذاتی مفاد مدنظر رکھتا تھا۔ علی نے ایک روز پوکول میں کہا تھا کہ جب میں ٹریکالا آیا ہوں تو ملک تباہ و برباد تھا۔ کسانوں کی ایک جماعت کو پھانسی دیگئی تھی۔ لریسا کے آغاؤں نے بغاوت کی تیاریاں کی تھیں جس سے ریوڑ، بچے اور عورتیں ہاتھ آسکیں۔ انھوں نے ریوڑ کو تو ہضم کر لیا اور عورتوں کا مال چرالیا۔ میں پہلے ہی سمجھ گیا کہ باغی اور لٹیرے ترکوں کے سوا اور کوئی نہ ہوں گے۔ مجھے لریسا اور متعدد شہروں کے حاکموں کا مقابلہ کرنا تھا۔ پہلے میں نے ان مسلح جماعتوں کو لیا جو میدان میں کثرت سے

موجود تھیں اور انھیں ان کے پہاڑوں میں بھگا دیا۔ اس کے بعد میں نے کچھ سر سلطان اور رعایا کے دل بہلانے کی غرض سے قسطنطنیہ روانہ کئے اور وزرا کے لیے کچھ رقم بھی بھجوائی......." اپنے لوٹ کے روپے سے علی نے بہت جلد اعلیٰ افسری شاہراہ کے عہدے کو خرید لیا جس سے وہ باقاعدہ فوج کا ایک دائمی دستہ رکھ سکتا تھا لیکن ٹریکلا کا صوبہ اس کی بلند نظر میں چھوٹا تھا۔ اور وہ یانینہ کی تاک میں تھا۔ اپیرس میں بدامنی چھائی ہوئی تھی اور باب عالی کو اس سے کچھ نفع بھی نہ تھا اس لیے اپنے آپ کو کارگزار ثابت کرنے کے لیے اس نے ڈاکوؤں کے کپتانوں سے جو اس کی پہاڑی زندگی میں رفیق تھے دوبارہ اتحاد پیدا کیا۔ اور انھیں اپیرس پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ اور ساتھ ہی ساتھ سلطان سے اپنے لیے صوبے میں امن و انتظام اور سلطانی اقتدار کی بحالی کا کام سپرد کئے جانے کی درخواست کی۔ علی کے حسب منشا اس کی سازش بار آور ہوئی اور اس طرح سے دو صوبے اس کے زیر عمل آ گئے (۱۷۸۸ء)۔ یانینہ میں آ جانے کے بعد وہ اپنے عیسائی حلیفوں کی طرف متوجہ ہوا اور مسلح جماعتوں اور کپتانوں سے سخت جنگ شروع کر دی۔ ہر ایک چیز سے ذاتی مفاد حاصل کرنے میں اس کو خاص دستگاہ حاصل تھی اور وہ اپنا شخصی اقتدار بڑھانے کے مواقع ڈھونڈا کرتا تھا۔ ۱۷۹۷ء میں معاہدۂ کیمپو فارمیو سے آیونی جزیرے اور ان کے علاقے فرانس کے قبضے میں آ گئے تو اس نے فرانسیسی جنرلوں سے خط و کتابت شروع کر دی اور اپنے جمہوری جذبات کے اظہار سے فرانسیسیوں کو اس چالاکی سے دام میں لے آیا کہ انھوں نے اسے خلیج کرفو میں آزادی کے ساتھ جہاز رانی کی اجازت دے دی۔ اپنی آزادی سے فائدہ اٹھا کے اس نے کرادی پہاڑوں کی مختصر عیسائی آبادی کو جو اب تک خود مختار تھی قتل کر دیا۔ اور جب فرانس اور باب عالی میں جنگ چھڑ گئی تو بیس ہزار آدمیوں کی سرکردگی میں اس نے بٹرنٹو پر قبضہ کر لیا۔ نیکوپولیس میں تین سو فرانسیسیوں کے محافظ دستے کا صفایا کر دیا۔ اور وانتزا اور پریویزا کو لوٹ لیا ہرگا میں روسیوں کا عمل دخل ہوا تو اس نے ہرگا پر چڑھائی کی۔

علی کا سب سے بڑا کارنامہ چھوٹے چھوٹے پہاڑی عیسائی علاقوں کا تباہ کرنا اور انھیں غلام بنانا ہے جنھوں نے اپنی آزادی کو برقرار رکھا تھا یا خود مختاری حاصل کی تھی۔ اور ان مسلمان امیروں کا مٹانا ہے جنھوں نے موروثی جاگیریں قائم کرلی تھیں۔ اسی بنا پر اس نے ۱۷۹۰ء میں سولیوں کی تسخیر کا ارادہ کیا جو البانی عیسائی تھے اور اپیرس کے اس پہاڑی حصے میں آباد تھے جو نہر کرفو کی سرحد پر واقع ہے۔ پنڈس، الپس، اور پیلیاں کی جمہوری حکومتوں کے مثل جو سولی بھی مفروروں کی آبادی پر مشتمل تھی۔ یہ مفرور میدانوں سے بھاگ کے پہاڑ کی نشیبی سرزمین میں پناہ کی تلاش میں آئے تھے لیکن اس جمہوریت کو قائم ہوئے ابھی زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا ابھی صرف ایک صدی کی اس کی عمر تھی۔ پہلے جمہوریت کے گیارہ گاؤں تھے۔ رفتہ رفتہ میدان کے ساٹھ علاقے اس کی حکومت میں آتے گئے ابتدائی گیارہ دیہات کے باشندے اہل سولی کہلائے جاتے تھے دوسرے تمام گاؤں کے باشندے پرہ سولی یا شریک سولی کہے جاتے تھے اپنے جغرافی حالات کے لحاظ سے سولی، اپیرس اور اکارنینیا کی ان عیسائی جماعتوں کا مرکز بن گیا جو صوبہ دار یانینہ کے منصوبوں کے مخالف تھے۔ ۱۷۹۰ء کا پہلا حملہ ناکام رہا۔ مسلح جماعتوں اور قزاقوں کے سرداروں کی مدد سے سولیوں نے علی کی فوج کو شکست فاش دی۔ علی نے ایک نئی چال چلی اس نے لٹیروں کو جو اس کے قدیم رفیق تھے ملا لیا اور انھیں راضی کرلیا کہ وہ یا تو غیر جانبدار رہیں یا اس کی طرف سے حملہ کریں۔ اور اس نے وعدہ کیا کہ حکومت استامبول سے آزاد ہو جانے کے بعد مسلمانوں اور عیسائیوں میں کسی قسم کا امتیاز نہ رکھا جائے گا۔ ۱۷۹۲ء میں علی نے پندرہ ہزار آدمیوں کے ساتھ سولی کی گھاٹیوں میں گھسنے کی کوشش کی لیکن اسے سخت ناکامی ہوئی۔ عیسائی کمک نہ ہونے سے اس کے گرفتار یا قتل ہو جانے کا اندیشہ تھا لیکن زور کے ساتھ ساتھ اس نے زر سے بھی کام لیا اور سولی سرداروں میں "جو شہرت سے زیادہ پیسے کے حریص تھے"

نفاق کا بیج بویا۔ ان پہاڑی باشندوں کے ایک دستے نے مشہور و معروف لیمبروس زیویلیس کی سرداری میں اس کی خدمت قبول کی۔ وہ علی سے واقف نہ تھے۔ پہلے ہی قیام پر سولی گھیر لئے گئے اور بے ہتیار کر دیئے گئے۔ اور انھیں زنجیروں میں جکڑ کے یانینہ کے قید خانوں میں پہنچا دیا گیا۔ ان کے سردار کو اس حکم کے ساتھ چھوڑ دیا گیا کہ وہ سولی جا کے اپنے ہم وطنوں کو اطاعت پر راضی کرے۔ اگر وہ یہ کام نہ کرے گا تو اس کے بیٹے فوٹوزا اور اس کے ساتھیوں کو دھیمی آنچ پر بھونا جائے گا۔ زیویلیس نے بظاہر اس شرط کو قبول کر لیا لیکن پہاڑوں میں پہنچ کر اس نے علی کو حسب ذیل خط لکھا۔

علی تبلینی۔ میں اپنے آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ ایک دغاباز کو دھوکا دیا۔ میں اور میرے ہم وطن اپنے ملک کو تم جیسے لٹیرے سے بچانے کے لیے تیار ہیں۔ میرا بیٹا مر جائے تو فکر نہیں۔ میں اپنے بیٹے کا انتقام اچھی طرح سے لوں گا۔ اس کے مرنے کی اس وجہ سے فکر نہیں کہ تم اگر ہمارے پہاڑوں کے مالک ہوتے تو ضرور اسے قتل کرتے۔ پس اے بے ایمان آدمی تو اپنے گناہ کی تکمیل کر۔ میں انتقام کے لیے بے چین ہوں"

علی کو اس جرم کے ارتکاب کی جرأت نہ ہوئی جس کے لیے اس کے دشمن نے کہا تھا۔ تین سال تک لڑنے کے بعد جس میں زیویلیس اور اس کی بیوی موشو نے نہایت شاندار بہادری دکھائی علی نے کامیابی سے ناامید ہو کر اپنے شکار کو چھوڑ دیا۔

زیویلیس کی موت اور کرائسٹو بوٹزارس کی سرتابی سے جو اپنے قرابتدار جارج کے انتخاب پر جلا ہوا تھا علی کی امیدیں پھر تازہ ہوئیں لیکن فوٹوز زیویلیس اور اس سے بڑھ کر ایک راہب سموئیل نامی نے اس کے تمام حملوں کو ناکام بنا دیا۔

فوٹوز کو ایک باضابطہ معاہدے کی تکمیل اور دستخط کے لیے ایک مجلس میں مدعو کیا گیا لیکن اس کے آنے پر اس کو گرفتار اور جھیل کے ایک جزیرے کے قید خانے میں بھیج دیا گیا۔ ساتھ ہی ساتھ پیسے کے لالچ میں

کئی سرداروں نے اپنے ملک کو ڈبو یا۔ پولیس گوسس نے جو ایک لڑائی میں بزدلی کی وجہ سے بدنام ہو گیا تھا پیسے پر پہاڑی درے علی کے بیٹے ولی پاشا کو دے ڈالے۔ دشمن وسط سولی میں گھس آیا تھا۔ بہادر سموئل کی تقلید کے شوق میں اور اس کے اکسانے پر سولی والے ناامید نہ ہوئے۔ چنانچہ مسلمانوں کے لہو سے سیراب ہوئیں۔ اور قلعۂ سینٹ وینیر انڈی کی تسخیر میں ہلال کی کوششیں ناکام رہیں لیکن بہت جلد سولیوں میں قحط کا حملہ ہوا اور جاڑے سے حالت غیر مستحکم تھی اور سامان خورونوش کی بہم رسانی نہیں ہوسکتی تھی۔

قید سے رہا ہو کے فوٹوز نے اپنے لوگوں کے آگے علی کی تجویزیں پیش کیں۔ سولیوں کے لیے لازم تھا کہ وہ اپنے پہاڑ چھوڑ کے اپیرسس میں قابل زراعت زمین پر آباد ہوں جو انھیں معافی پر مل جاتی یا آیونی جزائر میں چلے جائیں۔ بہادر سموئل نے ان تجاویز کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ایک جنگ میں جس میں ان کے سات سو آدمی ہلاک ہوئے مسلمانوں کو اپنے دشمنوں سے ہمیشہ کے لیے خبردار رہنے کا اچھا سبق ملا لیکن کھانے پانی کی بالکل کمی تھی اور تکلیف اس درجے کو پہنچ گئی تھی کہ لوگوں کے ایک جم غفیر نے تحکمانہ طریقے پر اطاعت کا مطالبہ کیا۔ اس معاہدے میں جو ولی پاشا اور فوٹوز میں طے ہوا حسب ذیل امور تھے:

(۱) اہل سولی اپنے ہتیار اور اسباب کے ساتھ جہاں چاہیں چلے جائیں۔

(۲) ولی پاشا نے ذمہ لیا کہ وہ بغیر معاوضے کے سواری و بار برداری کا انتظام کر دے گا۔

(۳) تمام سولی قیدیوں کی رہائی۔

(۴) جو لوگ البانیا میں رہنا چاہیں انھیں مفت اور بالکل مالکانہ حقوق کے ساتھ زمین اور گاؤں ملیں گے۔

سولیوں کی سب سے بڑی تعداد فوٹوز زیولیس کے ساتھ پارغہ چلی گئی۔ کیڈیو اپنی بہن کار باٹن کا ہاتھ پکڑے ہوئے عورتوں اور بچوں کے

درمیان تھا۔ اس لشکر کے آگے آگے پادری اپنا خاص لباس پہنے اور صلیب ہاتھ میں لئے چل رہے تھے۔ ایک دوسرا لشکر جارج بوٹزارس اور کوٹز انیکس پیلا سکا کے ہمراہ زلنگس کی خانقاہ کو روانہ ہوا جو اشیرن سے سات فرسنگ کے فاصلے پر پہاڑوں میں واقع تھی۔ بعضوں نے مسلح ٹکڑیوں میں شریک ہونے کے لیے اٹولیا کا راستہ لیا۔ سموئل نے چند بہادروں کی سرکردگی میں اطاعت سے انکار کر دیا اور سینٹ وینیرانڈی کی مدافعت کو جاری رکھا۔

مفروروں کو اپنے نئے گھروں میں پہنچنے کی مہلت دینے کی غرض سے اس نے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ چاروں طرف سے گھر کے اور کثرت فوج سے مغلوب ہو کے اس عابد تارک دنیا نے بہادری کے ساتھ جان دے کے مزید طرۂ امتیاز حاصل کیا۔ اور اس قلعے کے ساتھ اڑ گیا جسے حوالے نہ کرنے کی اس نے قسم کھائی تھی۔

غصے میں علی نے قول و قسم کا پاس نہیں کیا اور سولیوں کے تعاقب کرنے اور انھیں پورے طور سے مٹا دینے کا حکم دیا۔ سولی پرغانہ کے حدود میں داخل ہونے والے تھے کہ مسلمانوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ فوٹوز نے ایک منتخب جماعت کے ساتھ صف بندی کی اور عورتوں اور بچوں کو آگے بڑھ جانے دیا۔ اس نے مسلمانوں کو پسپا کیا اور اپنے ہمراہیوں کو مسافر نواز سرزمین میں صحیح سلامت لے گیا۔

اپنا شکار چھوٹ بیٹھنے کے غصے میں ترکوں نے جارج بوٹزارس کی جانب تعاقب میں پیاپے کوچ کیا۔ ایک جان جوکھوں مقابلے کے بعد سولیوں کی ایک جماعت کو جنگل کی طرف نکل جانے میں کامیابی ہوئی جہاں سے وہ پرغانہ پہنچ سکتے تھے۔ ان کی عورتوں نے چٹانوں پر پناہ لے کے جو اشیرن کے عمیق دریا پر تھیں لڑائی میں مردوں کی مدد کی۔ جب دیکھتیں کہ ان کے مرد دشمنوں کی کثرت تعداد سے مغلوب ہوئے جا رہے ہیں تو خود ان کی مدد کرتیں اور اپنے قبیلے کا جنگی گیت گاتی ہوئی ماتمی ناچ کا چکر لگاتیں جب وہ چٹان کے کنارے سے گزرتیں تو ان میں سے ایک عورت اپنے کو اس

عمیق دریا میں گرادیتی۔ اس طرح سے ان کا حلقہ کم ہوتا گیا یہاں تک کہ ایک عورت بھی باقی نہ رہی۔

کرائسٹو اور نوٹی بوٹزارس کے ساتھ کے سو لوی جنھوں نے پیلیو پولو سے جا ملنے کی کوشش کی تھی علی کے ہاتھوں درۂ اشیلو میں ہیں کم وبیش تمام کام آئے۔ صرف کرائسٹو بوٹزارس ہی بیس ہمراہیوں کے ساتھ ترکوں کے درمیان سے خون کے چھڑکاؤ کے ساتھ وہ راستہ پیدا کرکے نکلا۔ فرانسیسی حکومت نے اس کو اور اس کے بھائی کو اپنی خدمت میں قبول کیا۔ یہاں بھی اس نے اپنے بہادری کے جوہر دکھائے لیکن وہ اپنی قوم کے قتل کا انتقام نہ لے سکا۔ یہ کام قدرت نے اس کے بیٹے مارکو بوٹزارس کی قسمت میں لکھا تھا۔

علی کا شہرہ دور دور ہو گیا تھا۔ بابعالی نے علی کو روم اہلی والی سی کے عہدے پر سرفراز کیا جس کی رو سے وہ صدر اعظم کی عدم موجودگی میں سپہ سالار اعظم ہو سکتا تھا۔ ۱۸۰۰ء میں اسی ہزار آدمیوں کی سرداری میں اس نے مقدونیہ سے کرسڈالیوں کو ایک ایک کرکے نکالا۔ چار سال بعد اس نے اپنے بیٹوں ولی اور مختار کے لیے صوبجات موره اور لیپانٹو حاصل کیے اور صوبۂ برات کو اپنی حکومت میں شامل کیا۔ اسی زمانے میں ارگیروکسٹرو اور کارڈیکی جو دو شہر ابیرس میں آزاد تھے وہ اس کے تسلط میں آئے۔ کارڈیکی پر ہل چلا دیا گیا۔ اور اس کے تمام باشندے قتل کر دیے گئے۔ اور ان لوگوں کو جنھوں نے خمیکو اور اس کی بیٹی پر شرمناک حملے کیے تھے سیخ پر رکھا اور دھیمی آنچ پر بھون دیا گیا!

باوجود ان کارناموں کے علی کے اقتدار کو بابعالی کی حکومت بری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ روم اہلی والی سی کی خدمت اس سے چھین کے گوچک حسین کے ایک دوست خورشید پاشا کو دی گئی جو راستباز، مستعد اور بہادر آدمی تھا۔ علی نے مکر و فریب اور رشوت سے کام لے کے خود دیوان سے مغصوبہ علاقوں کی ملکیت کا حکم حاصل کر لیا تھا قتل کارڈیکی کے باعث علی کی طرف سے ایک عام نفرت پھیل گئی اور قسطنطنیہ سے کئی

قاپوچی قتل کے مخفی حکم کے ساتھ روانہ کئے گئے۔ تمام سلطانی قاصدوں کا یانینہ پہنچنے کے قبل ہی صفایا ہو گیا۔ علی اب اپنے یا اپنے بیٹوں کی طرف سے کئی لاکھ باشندوں پر حکمراں تھا۔ مختلف حقوق سے اپنے صوبجات کی آدھی جائداد پر متصرف اور اس قدر دولت کا مالک تھا۔ جس کا اندازہ اس کو ہی معلوم تھا۔ استامبولی وزرا کو اس نے رشوت سے اپنا بنا رکھا تھا ان وجوہ اور ساٹھ سالہ لڑائیوں کے تجربے سے علی کو یقین تھا کہ وہ سلطانی مقابلہ کر سکتا ہے۔

اپنے ایک مقرب اسماعیل پاشوبے پر علی کا عتاب نازل ہوا۔ اور وہ والئ یانینہ کے قاتلوں سے بچنے کے لیے استامبول بھاگ گیا۔ علی کے تمام دشمنوں کی مدد سے وہ بارگاہ سلطانی میں باریاب ہوا اور علی کی بہت کچھ شکایت کی۔ اس کی صاف گوئی محمود کو پسند آئی اور وہ قاپوجی باشی بنا دیا گیا۔ تھوڑے ہی زمانے میں پاشوبے کا دربار میں اس قدر رسوخ ہو گیا کہ اس نے علی کے بیٹے والئ مورہ کی برطرفی کا حکم حاصل کر لیا۔ علی نے جواب میں پاشوبے کے قتل کے لیے آدمی روانہ کئے جنھوں نے روز روشن میں مسجد ایا صوفیہ کے دروازے پر اس پر حملہ کر دیا مگر حملے میں کامیابی نہ ہوئی اور قاتل گرفتار کئے گئے۔ علی کے متعلق انھوں نے صاف صاف بیانات دیئے۔ اس دفعہ سلطان غصے کو ضبط نہ کر سکا۔ اور اپنے گستاخ حلقہ بگوش کے متعلق اپنے محسوسات کا علانیہ اظہار کیا۔ اس نے کہا کہ ایسے مجرم کے بارے میں جس کا وجود بابعالی پر ظلم ہے اگر کوئی کچھ کہے گا تو وہ اس کا سر اڑا دے گا۔ علی حدود قانون سے محروم اور اس کے لیے سزا کا اعلان کر دیا گیا۔ اور اسے چالیس روز کی مہلت دی گئی جس میں وہ بذات خود حاضر ہو کے سلطان المعظم کو جواب پیش کر سکتا تھا۔ روم ایلی کے تمام حکام کو حکم دیا گیا تھا کہ اس حکم کی تائید میں ہتیاروں سے مسلح ہوں۔ اسماعیل پاشوبے اس فوج کا سپہ سالار اعظم مقرر ہوا اور اسے ولایت یانینہ و دلوین باضابطہ دی گئی اور ان کو فتح کرنے کا حکم دیا گیا۔

علی نے رحم کی امید فضول سمجھ کے علانیہ بغاوت کر دی۔ جنگ کا بار

ہلاک کرنے کے لیے اس نے عیسائی آبادی کو ابھارا جس کو اس نے کئی مرتبہ قتل کیا تھا جب ذیل اعلان لکھا اور بڑی تعداد میں تقسیم کیا گیا۔ ۲۴ مئی ۱۸۲۰ء

"علی تبلینی کی طرف سے تم بھائیوں کو سلام پہنچے۔ تمھیں معلوم ہو کہ مجھے سپاہیوں کی ضرورت ہے اور تم لوگ مہربانی سے جمع ہو گئے۔ اس کے معاوضے میں میں تمھیں وہ مالگزاری معاف کردوں گا جو تم میرے گھرانے کو ادا کرتے ہو۔ تم جلد اپنی کنٹنجنٹ فوج یانینہ روانہ کرو گے تاکہ میں انھیں جنگ پر روانہ کردوں۔ مجھے اپنا سمجھو۔"

اپنے فوجی منصوبوں کو مستحکم کرنے کے لیے اس نے عیسائیوں کو آزادی کی امید دلائی اور کہا کہ اس کے ان ارادوں کے پورا ہونے کا وقت آگیا ہے جب کہ رعیت کا بھیانک نام باقی نہ رہے گا۔ اور باشندوں کو جواب ترکوں کی ناقابل برداشت محکومیت میں دبے جا رہے ہیں ان کی قدیم آزادی دی جائے گی۔ عیسائی آبادی کی ایک جماعت نے بھی اس آدمی کا اعتبار نہ کیا جس نے انھیں اپنی سفاکی کا تختۂ مشق بنایا تھا۔ مردیوں کے سردار لیکی نے البانی کاتھولیکوں کی طرف سے اس محروم قانون کا ساتھ دینے سے انکار کیا لیکن سابق کے ڈاکو سردار اور مشرقی یونان کے پہاڑی باشندے جوق جوق اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ عیسائی عمائد کی ایک مجلس یانینہ میں منعقد ہوئی۔ علی نے ساٹھ برس کے جمع شدہ خزانے کو خرچ کرنے کا وعدہ کیا۔ تھسلی کے رئیس پادریوں اور چھوٹے رئیس پادریوں اور پہاڑی باشندوں کے قائدین نے آخر تک اس کی مدد کرنے کی قسم کھائی۔

ادھر ترکی جنرلوں نے بھی عیسائیوں کی مدد حاصل کرنے کی کوشش کی اور اپنے نیک ارادوں کے ثبوت میں سولیوں اور ان لوگوں کو جن کی جائداد باغی پاشا نے چھین لی تھی اپنی جائداد واپس لینے کی اجازت دی۔ اس ہوشیاری سے بہت سے عیسائی ترکوں کی کمک پر تیار ہو گئے لیکن اسماعیل پاشو بے کی ناقابلیت سے تمام عیسائی علی سے جا ملے۔ شروع کے معرکوں میں والیٔ یانینہ کو ہزیمتیں ہوئیں۔ اس کے نائب سرعسکر

اوڈیسس انڈروٹزس کو ارٹا میں شکست ہوئی اور خود علی کو بھی تھسلی میں کریونیزوکی گھاٹی میں شکست ہوئی۔ اس کے دو بہترین لفٹنٹ عمر یوینس، اور طاہر عباس پندرہ ہزار آدمیوں کے ساتھ دشمن سے جا ملے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کے تین بیٹوں نے اس سے دغا کی اور قلعے قپودن پاشا کے ہاتھ بیچ ڈالے۔ اپنے بیٹوں کی دغابازی کی خبر سن کے علی نے جو یانینہ میں محصور تھا سرداران قلعہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ وہ ناخلف ہیں۔ آج سے جو میری حمایت میں لڑیں گے وہی میرے وارث ہیں"

علی کے پاس اس کی بہترین فوج کے آٹھ ہزار آدمی، عیسائی ڈاکوؤں کی چند جماعتیں اور توپخانے کا ایک دستہ تھا جو یورپین طریقے پر تیار کیا گیا تھا اور ایک اطالوی انجینر کاریٹی ناجی کی کمان میں تھا۔ اس فوج کے ساتھ اس نے پاشوبے کو اعلان جنگ دیا جو بیس ہزار کی فوج کے ساتھ یانینہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھا۔ عثمانی لشکر میں تھوڑا روپیہ دے کے اس نے البانیوں اور عیسائیوں کو جو محاصرہ کرنے والی فوج کا بڑا حصہ تھے بھکانا چاہا۔ البانیوں کو اس نے وہ قول اور نام و نمود کا زمانہ یاد دلایا جب کہ وہ اس کے ماتحت تھے۔ عیسائیوں سے اس نے یہ حجت پیش کی کہ اس کی تباہی کی کوشش خود ان کی تباہی کی کوشش ہے۔ جھیل کے کنارے اس کی نقل و حرکت میں کوئی چیز مانع نہ تھی۔ جھیل میں اس کا مختصر سا بیڑا موجود تھا۔ اپنے تئیں محفوظ سمجھ کر اس نے الڈیکا، بیٹیا، مورہ، تجدان اور افلاق کو بغاوت پر ابھارنے کے لیے سفیر روانہ کئے۔ محاصرے سے نکل کے جو حملہ کیا گیا اس میں ترکوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور ان کے خیمے اور توپخانہ باغیوں کے ہاتھ آگیا۔ اسمٰعیل نے شکست سے جھلا کے اور اپنے لفٹنٹ پہلوان بابا کے جو ایک اکھڑ اور تند مزاج سپاہی تھا برے مشورے پر عمل کر کے عیسائی فوج کو ذرا دھمکا کے اور اس کی ذلت کر کے اپنی بھڑاس نکالی۔ عیسائیوں کو پہلے سے ہی عثمانی سرعسکر سے شکایت کے اسباب پیدا ہو گئے تھے جس نے ان کے متعلق کہا تھا کہ باب عالی نے اس بدذات رعایا پر جسے قدرت نے غلامی میں

زندگی بسر کرنے اور غلامی میں مرنے کے لیے پیدا کیا ہے اپنی جنگی خدمت کے لیے ہتھیار دیکے بہت بڑا احسان کیا ہے جس کو اسے کبھی نہ بھولنا چاہئے۔ علی کو جاسوسوں کے ذریعے سے دشمن میں پھوٹ کی خبریں پہنچ رہی تھیں۔ اس نے ان سولیوں سے رسم و راہ پیدا کی جو ترکی فوج میں تھے اور نیپلس اور آیونی جزائر سے واپس آئے تھے۔ ایک ملاقات میں اس نے ایک یونانی راہب کو جسے سولیوں نے اپنا نائب بنا کے بھیجا تھا خالہ افندی کا ایک فرضی خط بتایا جو سلطان کا مقرب اور پاشوبے کا سرپرست تھا۔ اس نے کہا کہ اس خط کو اس کے جاسوسوں نے بیچ میں ہی اڑا لیا اس جعلی خط میں عیسائی آبادی کے قتل عام کا منصوبہ درج تھا جس کی رو سے آئندہ موسم بہار میں تمام مسلح عیسائیوں کو قتل کرنا اور لڑکیوں اور عورتوں کو غلامی میں لینا اور ایک معینہ عمر کے چھوٹے بچوں کو مسلمان بنانا اور فوجی خدمت کے لیے تیار کرنا تھا۔ اپنے نائب کی کیفیت پر جسے خط کی اصلیت میں ذرا بھی شبہ نہ ہوا سولیوں نے پاشوبے سے ایفائے عہد کا مطالبہ کیا۔ اور اپنا ملک قلعے اور گڑھیاں واپس مانگیں۔ غصے اور تحقیر کے ساتھ ان کا مطالبہ مسترد کیا گیا۔ مجبوراً انھوں نے علی کی تجاویز کو قبول کیا جس نے اپنے قائم مقام افسروں کو جو سولی میں تھے حکم دیا کہ وہ سولیوں کو ان کا ملک واپس کریں اور وہ تمام گولہ بارود، ہتھیار اور سامان خورد و نوش حوالے کر دیں جو وہاں موجود تھا۔ اس صلے میں سولیوں نے ترکوں کا ساتھ چھوڑنے اور ان کے خلاف جنگ کرنے کا ذمہ لے لیا۔

سولی کی تباہی کو پانسائے یانینہ نے اس وجہ سے ضروری قرار دیا تھا کہ عیسائی جماعتوں کے اکھاڑے باقی نہ رہیں۔ پہاڑوں میں از سر نو قائم کر کے اس نے ان عیسائیوں کو جنھیں وہ ترکوں سے لڑا رہا تھا ان کے قدیم اکھاڑے واپس کیے۔ ابھی اہل سولی پاشوبے کے پڑاؤ کو چھوڑ کر اپنے قلعوں کو واپس آئے ہی تھے کہ تین ہزار مسلح عیسائی قلعۂ کرافہ کے نیچے مجتمع ہوئے اور مار کو بوٹزارس کو جنگی سردار بنایا۔ سولیوں نے ترکوں کے اس زبردست دستے کو کاٹ کے رکھ دیا جو ان پر بھیجا گیا تھا۔ تحریک جلد عام ہو گئی۔ اور ایک زبردست اتحاد سے تمام عیسائی ترکوں کے مقابلے میں ایک ہو گیے۔ پاشوبے کے ایک طرف تو علی تھا اور دوسری طرف ارد گرد کے صوبجات کے باغی جس سے

محاصرہ کرنے والا خود محصور ہو گیا۔

ترکوں کی حالت اور بھی نازک تھی اس وجہ سے کہ کئی البانی سردار ہوگو بیسیارس، حسن گونگا اور طاہر عباس کی طرح جنھوں نے علی کا ساتھ چھوڑا تھا پھر اپنے قدیم مالک سے جا ملے تھے اور اس کی طرف سے ملک پر قابض تھے۔ دیوان نے محاصرے کی ناکامی کا قصور وار پاشو بے کو ٹھیرایا اور اسے برطرف کر کے اس کی جگہ پر خورشید پاشا فاتح صربستان کو مامور کیا (جنوری ۱۸۲۱ء)۔

نئے سر عسکر نے جو مورہ میں مقیم تھا خاکنائے کورنتھ کو دس ہزار آدمیوں کے ساتھ عبور کیا اور یانینہ روانہ ہوا۔ ترپیسا میں اس کو معلوم ہوا کہ اس کے کوچ کے ساتھ ہی شہر پطرس نے بغاوت کر دی (۱۲ فروری ۱۸۲۱ء)۔ اور ضلع لالہ کے البانیوں نے عیسائی دیہات کو تاخت و تاراج کیا۔ مقامی ہنگامے کا خیال کر کے خورشید نے باغیوں کو غیر مسلح کیا اور انھیں قید خانے بھجوا دیا۔ اور ہر عیسائی موری پر دہرا خراج لگایا۔ بغاوت یونان انھیں بے موقع دل آزاریوں کا نتیجہ تھا۔

یونانی گرجا اور فینار ی

سلطنت بزنطیہ کے یونانی صرف نمائشی یونانی تھے اور قدیم یونانیوں کے خصائل محمودہ کا ان میں پتا بھی نہ تھا۔ یہ در اصل ان باقی ماندہ بربری باشندوں کی مخلوط نسل سے تھے جنھوں نے سلطنت روما پر حملہ کیا تھا اور مشرق کی بزدل اور بدراہ آبادی سے خلط ملط ہو گئے تھے۔ انھوں نے عثمانی حکومت کو دلی خوشی کے ساتھ اگر نہیں تو کم سے کم رضامندی کے ساتھ تو ضرور قبول کیا تھا۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے عثمانی اپنے مفتوحہ لوگوں کے مذہب اور قوانین کا احترام کرتے اور ملکی نظم و نسق رعایا کے ہی انتخاب کردہ چھوٹے بڑے رئیس یا پادریوں کے سپرد کرتے تھے۔ اس طرز عمل سے محمد ثانی یدعتی گرجا کے سرداروں کو سلطنت ترکی کے طرف داروں میں شامل کرنا چاہتا تھا۔ بزنطیم کے گرجائے فاتح کی خواہشوں کو بہت اچھی طرح پورا کیا۔ بطریرک کے عہدے پر فوراً بولی لگائی گئی اور یونانی گرجا کی جائداد یں پاپا کے جلیل القدر تخت سے لے کے پادری

کی معمولی سی معمولی خدمت تک فروخت ہونے لگیں اور سیمونیت کا زہریلا اثر ہر طرف پھیل گیا۔

ان پطریرکوں کا غیر معمولی مقدس فرماں روا" خطاب تھا۔ اور وہ شاہی چغے زیب تن کرتے تھے۔ ترکوں کی طرف سے وہ عیسائیوں کے حاکم اعلیٰ تھے۔ ان کا وجود اپنے گروہ کے لیے باضابطہ ظلم کا سبب تھا۔ انھیں حکومت کو سالانہ کثیر رقمیں ادا کرنی پڑتی تھیں ترکوں کے ضروریات پورا کرنے کے لیے وہ اپنے وفاداروں کو بیدردی کے ساتھ لوٹتے تھے اور خود اپنے لیے بھی خاصی دولت فراہم کرلیتے تھے تاکہ معزولی یا جلاوطنی کی حالت میں اطمینان سے زندگی بسر کریں۔ پطریرکیت کی بڑی آمدنی رئیس پادری کی جائداد کی فروخت سے ہوتی تھی جس کی قیمت دس ہزار سے لے کے دو لاکھ پچاس ہزار قرش تک تھی۔ اپنی جائدادوں پر قائم ہوکر رئیس اساقفہ خانقاہوں کی مہتممی اور گرجاؤں کی منظمی وغیرہ بھاری سے بھاری خریدار کے ہاتھ بیچتے تھے۔ پادریوں کے علاقوں میں تمام قسم کے ٹیکس کی بھرمار تھی جو "خراج خاطر تواضع" "نذرانہ" "رسوم ماموری" وغیرہ کے پردے میں وصول کیے جاتے تھے۔ شادی، اعتراف معاصی، اور تجہیز و تکفین کے مواقع پر خوب خوب رقمیں سمیٹی جاتی تھیں جس سے دناءت طبع اور خباثت ظاہر ہوتی تھی یونانی راہب جو مجرد رہنے کی قسم کھاتے تھے عموماً ان تمام دیہاتوں کا ٹھیکہ لے لیتے تھے جو لوٹنے کے قابل ہوتے تھے۔ معمولی پادری جو گاؤں میں پیدا ہوتے تھے اور گاؤں میں شادی کرتے تھے اور گاؤں والے جن سے عموماً محبت بھی رکھتے تھے کثیر رقم رئیس پادری یا نائب رئیس پادری کو ادا نہ کرسکتے تھے اس لیے انھیں اپنی جگہ راہبوں کے لیے خالی کرنا پڑتی تھی جن کی ہوس کی کوئی حد ہی نہ تھی اگر کبھی باشندے متفق ہوکے راہبوں کے خلاف آواز بلند کرتے تھے اور رئیس پادری سے بھی اپنے موافق فیصلہ حاصل کرلیتے تھے تو راہب ترکی سپاہیوں کی حفاظت میں آتے تھے۔ عبادت میں دخل انداز ہوکر گھروں میں بجبر داخل ہوتے وظائف پڑھتے اور طہارت کے رسوم ادا کرتے تھے۔

باشندوں کے لوٹے جانے اور نہایت سخت سزا پانے کے خوف سے گرجا کو ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا۔ پادریوں کا بہت سا زمانہ اپنے لوگوں کو ناقابل برداشت

تکالیف سے بچانے کی غرض سے علماء گی اور اپنی خدمت سے دست کشی میں گزرتا تھا۔ اونچے درجے کے پادری اگر اپنا وقت اپنے بالادستوں کے ساتھ عیاری اور اپنے ماتحتوں پر ظلم کرنے میں گزارتے تھے تو نیچے درجے کے پادری جہالت اور کاہلی میں بسر کرتے تھے صرف چند دینوی قسیسوں اور بعض رہبانوں نے ہی انجیل کے اصل مقصد کو برقرار اور اپنے کھوئے ہوئے ملک کی یاد کو تازہ رکھا جو کھو دینے کی وجہ سے اور بھی ان کی نظروں میں عزیز تھا۔ یہ قسیس اپنی زندگی یونان کے کڈھب پہاڑوں میں بسر کرتے اور رہبان تہ خانوں میں رہتے تھے جہاں صلیب کی جگمگاہٹ ہی ان تہ خانوں کی رونق کا باعث تھی۔

یہ گمنام، جاہل، غریب، اور حقیر لوگ جن کی حقارت میں بھی ایک شان تھی وہ تھے جن کی بدولت وہ مقدس ولولہ سینکڑوں سال گزرنے پر بھی باقی تھا جس نے آگے چل کر ایک روز معرکۂ عظیم میں دلوں کے اندر برقی اثر دوڑایا اور یونان میں از سر نو جان ڈالی۔

فناریوں کا ظلم بھی رئیس پادریوں کی طرح ایک قابل ملامت اور ہولناک ظلم تھا۔ ترکوں کی جہالت اور ناقابلیت سے فائدہ اٹھا کے فیناریوں نے اپنی دماغی قابلیت کی بدولت فاتحین کے لیے اپنا وجود بہت کچھ کارآمد بنا لیا تھا۔ انھوں نے اول تو ادنیٰ درجے کے خانگی خدمات حاصل کیے جن میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ اس کے بعد آگے بڑھے تو تمام خدمات مترجمی، ترجمانی، محرری، سوداگری، منتظمی، زیادہ ستانی، وغیرہ کے مالک ہو گئے۔ اور جبکہ محمود چہارم نے نامور پینیاٹی کے لیے ترجمانی دیوان کا عہدہ قائم کیا تو بالآخر سترھویں صدی عیسوی میں انھوں نے حکومت کے کاروبار میں بھی حصہ لینا شروع کر دیا۔ یہ خدمت صرف فینار کے یونانیوں کے لیے ہی مختص تھی جنھوں نے بڑھاتے بڑھاتے افلاق و بغدان کی ولایتیں بھی اس میں شامل کر لیں جو خاص انھیں کا حق ہو گئیں۔ ہم فناریوں کے تحت صوبجات دریائے طونہ کی افسوسناک حالت کی تصویر کھینچ چکے ہیں۔ خود ان کے صوبوں کی طرح سلطنت کے اور علاقے بھی ان مفت خورے حاکموں کے تختۂ مشق رہے اور گو وہ اپنے ہی صوبوں میں رہتے تھے لیکن ان کا اثر دور دور تک زبردست اور تباہ کن تھا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بہت جلد مال دار ہو گئے۔ اور ان کے تمول کی یہ حالت ہو گئی کہ وہ ترکی مالیہ کی امداد کرنے لگے اور اسے قرضہ دینا شروع کر دیا۔ فیناری ساہوکار اول تو ان بیگوں اور افندیوں کے صاحب اور ضامن ہوتے رہے جو دیوان سے فوجی اور ملکی خدمات خریدتے تھے اور بعد میں جیسے ہی کہ وہ معاملات سلطنت میں دخیل ہو گئے انھوں نے ٹھیکے لینا شروع کر دیے! اور اس باب میں انھیں ترجیح بھی دی جاتی تھی جس کی وجہ یہی نہ تھی کہ وہ اپنے حریفوں سے زیادہ مالدار تھے بلکہ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ اپنی غیر مسلم رعیت کے برے طرز عمل کے باعث وہ بالکل وزرا کے قابو میں تھے۔ اور اس لحاظ سے ان کے مفوضہ امور میں وفاداری اور مآل اندیشی ایک یقینی چیز تھی۔ پاشا اور بیکلر بیگ تک کی تمام خدمتیں انھیں دوراندیشوں کے ہاتھوں میں تھیں۔

جس کسی کو حکومت ولایت، یا افسری قلعہ، یا اور کوئی خدمت درکار ہوتی تو وہ ضروری فرمان حاصل کرنے کے لیے فناری ساہوکار کے پاس جاتا۔ ہر ایک ساہو کے پاس جو صدر اعظم کا وفادار حلیف ہوتا فرمانوں کی ایک تعداد رہتی جن میں مامور کردہ شخص کے نام کا خانہ خالی رہتا۔ اور جن میں اس امر کی تصدیق درج رہتی کہ شاہی خزانے کے مقررہ مالی شرائط کی تکمیل ساہوکار نے کر دی ہے۔ ترک اس ادائے رقم کا ذمہ لیتا جو اسے فناری قرض تصور کرتا اور نہ جو خود فناری ہی مقرر کرتا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے صوبے یا کمان پر روانہ ہو جاتا۔ اس کے ساتھ یونانی نسل اور یونانی مذہب کا ایک معتمد رہتا جو ساہوکار کا ہمراز اور اس کی طرف سے رقم جمع کرنے کا ذمہ لیتا۔ دراصل اسی اہلکار کی حکمرانی ہوتی۔ پاشاؤں کی دست درازیوں، تباہ کاریوں اور مظالم کی بڑی وجہ اس بڑے فناری ساہوکار کی رقم کی فوری ادائی ہوا کرتی تھی۔ اس کے لیے تمسک کی پابندی ضروری تھی ورنہ عدم پابندی کی صورت میں اندیشہ رہتا کہ کہیں اس سے زیادہ معاملہ کا ہوشیار آدمی اس کی جگہ نہ چھین لے۔

ایک طرف صدر اعظم اور اس کے وزرا مالی اور فوجی تقررات کی تجارت کر رہے تھے اور دوسری طرف شیخ الاسلام نے قاضیوں کے تقررات کا پورا اختیار

فناریوں کے ہاتھ فروخت کردیا تھا۔ ساہوکار اپنی طرف سے یہ حق مالگزاری جمع کرنیوالے ایک معمولی عہدہ دار کو دے دیتے تھے۔ جو اپنے کارپرداز ایک ایک گاؤں میں روانہ کرتا تھا تاکہ مقدمات زیر التوا کی تحقیقات کے ساتھ ساتھ وکلا سے قاضی نامزد کرنے کے لیے رقم وصول کریں جو ان کے حق میں تصفیہ کرے قاضی کے فیصل شدہ ضبطی جائداد و جرمانہ میں ایک حصہ فناری ساہوکار کو دیا جاتا۔

دریا ترجمانی کا عہدہ جو حسبدار اور باب عالی ترجمانی کے عہدوں کے بعد قائم ہوا ان دونوں موخر عہدوں سے زیادہ نفع بخش تھا اور دریا ترجمان کی حکومت الجزائر کے جزیروں پر تقریباً غیر محدود تھی۔ باستثنائے قبرص و اکریت یہ جزیرے قپودن پاشا کی زیر نگرانی تھے جو ہر سال اپنے حکام کا تقرر کرتا تھا۔ دریا ترجمان تقررات کا حق خرید لیتا تھا اور پھر خود انھیں اپنی طرف سے بھیجتا تھا۔ جو جزیرہ بہت غریب اور مقررہ ٹیکس کی رقم ادا کرنے کے ناقابل ہوتا اس کو تباہ کردیا جاتا تھا۔

ڈاکو اور اہل جزائر

اس عام تباہی اور بد اخلاقی کے دور میں باشندوں کے صرف دو طبقوں میں ہی ہمت و مردانگی باقی تھی اور انھیں نے عثمانی تسلط کا مقابلہ کیا۔ یہ اہل جزائر اور مشرقی یونان کے پہاڑی اضلاع کے باشندے تھے۔ ان پہاڑی باشندوں کی مخالفت کا سلسلہ بہت طویل اور سفاکیوں سے لبریز تھا۔ آخر ترکوں کو ان کے حق اسلحہ اور خود ان کے قومی سرداروں کے تحت ایک خاص یونانی فوج رکھنے کا حق تسلیم کرلینا پڑا۔ ان دستوں کو آرمیٹولیس کہا جاتا تھا جن میں کلفیٹس بھی شامل تھے جنھوں نے ترکوں کے ظلم سے متنفر ہوکے قزاقی کی قسم کھالی تھی۔

تھسلی، لیویڈیا، ایپرس، اکارنینیا، اٹولیا، اور مقدونیہ کے اس حصے میں جو وارور کے دائیں ساحل پر واقع ہے ارماتولیوں کے علٰحدہ علٰحدہ خود مختار دستے تھے

ا؎ جس کے معنی پورے طور پر مسلح کے ہیں۔

جن کے سردار کپتان کہلائے جاتے تھے۔ میدان کے ارماٹولیس، پاشاؤں اور بیگوں کے ماتحت تھے اور پہاڑوں کے ارماٹولیوں کے پاس خدا اور تلوار دو بڑی چیزیں تھیں۔ پنڈس، اوسا، پیلین کے گاؤں اور اگرافہ کی پہاڑیوں میں علیحدہ علیحدہ جمہوریتیں اور محالفتیں قائم تھیں جو خراج اور جانوروں کے محصول کے متعلق براہ راست ترکی حکومت سے معاملہ کرتی تھیں۔ ان چھوٹی چھوٹی جمہوری ریاستوں کی حفاظت کے لیے ارمیٹولیوں کی جماعتیں مقرر تھیں جنھیں معاوضہ دیا جاتا اور ہر سال ان کے ٹھیکے کی تجدید کی جاتی تھی۔ ہر ریاست میں یہ حق ایک ہی خاندان کو حاصل تھا کہ ان سے فوجی سردار فراہم کئے جائیں جو موروثی یا انتخابی حق پر آرمیٹولیوں کے افسر بنائے جاتے تھے چنانچہ مونٹ پیلین میں ارماٹیلیون اور کلفٹیوں کے سردار خاندان اتھناسیس بسٹیکی سے انتخاب کئے جاتے تھے۔ ایسا ہی مونٹ اگرافہ میں بوکوولس خاندان، منبع ایلیس میں خاندان اسٹورناریس، کاشیا میں، خاندان بلیچاوس، الازونا میں خاندان نہ کالا، سونٹ المپس میں مشہور ترین خاندان لازمس، تھسلی میں خاندان تھیزاس، لیوڈیا میں خاندان انڈروٹزس اور ایسا ہی مختلف مقامات میں مختلف خاندان مخصوص تھے۔ معاہدۂ تسلیم کے بعد جس سے پہاڑی علاقوں کو آزاد قرار دیا گیا تھا کوئی ترکی سپاہی سرحدی علاقے کو سلامتی کے ساتھ طے نہیں کر سکتا تھا۔

یونان کے باقی حصوں اور مورہ میں ارناٹولی طریقے کا رواج نہ ہوا۔ یہاں ان تسلیمی معاہدات کا پتا نہیں ہے جو مشرقی یونان میں کئے گئے تھے اور جن سے مسلمانوں کے اقتدار میں کسی نہ کسی طریقے سے کمی ہوئی تھی۔ مورہ میں صرف مینوٹیوں نے ہی اپنی آزادی اور خود مختاری کو قائم رکھا تھا۔ ترک صرف انھیں مینیا اور لیکونیا کے پہاڑوں میں بھگا سکنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے موری قزاقوں اور بحری ڈاکوؤں کے لیے بہترین سردار مہیا کئے تھے۔

آرمیٹولیوں کی روز افزوں اہمیت ترکی سلطنت کی ناخوشی کا باعث ہوئی جس نے اٹھارھویں صدی کے ابتدائی سالوں میں اس کی قوت کو توڑنا چاہا جس سے مسلمانی فتوح رکے ہوئے تھے۔ دروند پاشا (راستوں کا حاکم اعلیٰ) کا عہدہ قائم کرنے سے ترکوں کا مقصد یہ تھا کہ ایک فوج آرمیٹولیوں کے ٹکر کی تیار کریں جو انھیں کے جنگی

طریقے سے کام لے کے ان کا کام تمام کرے۔ پولیس کا انتظام اور راستوں کی حفاظت کے بہانے ہیں دروند پاشا نے تمام پہاڑی راستوں میں آزاد فوجی دستے قائم کردئے جن میں البانی مسلمان اور ترکی افسر تھے۔ ہر ارماتولی دستے کے مقابلے میں ایک دروندجی دستہ تھا۔ بہت جلد ان ہردو دستوں میں جنگ چھڑ گئی اور دونوں کا انتظام ایک ہونے کی وجہ سے ان میں کسی طرح سے بھی اتفاق ناممکن تھا۔ کرائسٹس میلیونس، ڈی بوکرولس کے شاندار کارنامے اکارنینیا کے دروند آغاؤں خصوصاً ولی حاکم تبلین کے مقابلے میں جو نامور علی پاشا کا دادا تھا یونان کی مشہور و معروف روایات میں یادگار ہیں۔ ایسا ہی زدرس افسر الاسونا، بوسکس، جنیوا واقع مقدونیہ کے آرمیٹولیوں کے سردار، کراسن۔ المپس کے کلفٹیوں کے سردار کی لڑائیاں بہت مشہور ہیں۔ ان سب سے بڑھ کر بلاکوس کے معرکۃ الآرا مقابلے ہیں جو اس نے کرد حاکم برات اور دروند باشی سے کئے ۱۷۷۰ء میں جبکہ روسیوں کی مورہ پر کوشش ناکام ہوئی تھی انڈروٹزس نے تین سولیوپڈیا کے ارماٹولیوں کے ساتھ خاکنائے کورنتھ کو عبور کیا اور جزیرہ نما کو تیزی سے طے کر کے میگنی پر پہنچا۔ یہاں آکر اس کو معلوم ہوا کہ روسی واپس ہوگئے۔ انڈروٹزس نے ہتھیار کے ساتھ تن تنہا مراجعت کی اور البانی ٹکڑیوں اور ترکی فوجوں میں سے گزرتا ہوا جو دیہات میں جنگ کر رہی تھیں۔ اور روزانہ ہومری لڑائیاں لڑتا ہوا خلیج لیپانٹو کی طرف بڑھا۔

ترکی اور آرمیٹولی دستوں کی باہمی لڑائیاں جو پہلے پہل سرسری، اتفاقی، اور مجہول ہوتی تھیں رفتہ رفتہ وسیع ہوتی گئیں اور یونانیوں کو ترکوں کے مقابلے میں مل کے لڑنے پر خوگر کیا۔ یہ گویا جنگ خودمختاری کی خوں ریز اور بہادرانہ تمہید اور تیاری تھی علی تبلینی نے ارمیٹیلیوں اور کلفٹیوں کا بے رحمی کے ساتھ پیچھا اٹھایا اور جو اس کی سرپرستی میں داخل نہ ہوا اسے پہاڑوں میں چھپنے پر مجبور کیا۔ وعدوں اور تحفوں کی اس کے پاس کمی نہ تھی۔ موقع سے فائدہ اٹھانا اور ڈرانا اور دم دینا اسے خوب آتا تھا۔ اس نے ارماٹولیوں کو ترکی تسلط سے آزادی کی بہت کچھ امید دلائی اور بہت کچھ سبز باغ دکھائے اس نے اپنے دربار میں ارماٹولیوں کے مشہور ترین کپتانوں کو جمع کیا۔ انھیں فن جنگ میں مشاق کیا اور صف بندی کے ساتھ لڑنا سکھایا

اور اپنے اور اپنے بیٹوں کی کمان میں ترکوں اور عیسائیوں کے ساتھ جنگ کرنے کی عادت ڈلوائی ارماتولی اب تک "بے قاعدہ" کے عمدہ سپاہی تھے۔ علی نے انھیں قواعد کی تعلیم دے کے اور فن جنگ سے باضابطہ واقف کرا کے باقاعدہ سپاہی اور افسر بنائے۔ سولی کی فتح کے بعد علی نے ارماتولیوں اور کلفٹیوں کی تمام جماعتوں کو اپنے تحت یکجا کرنے کی کوشش کی۔

کرپینٹزا واقع اٹولیا میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں علی نے اپنی بہترین فوج اور افسروں کی محافظت میں ارماتولی اور کلفٹی کپتانوں سے ملاقات کی جو تمام یونان سے آئے تھے۔ وہ کوئی تصفیہ پر نہیں پہنچ سکے اس لیے مخالفتیں چھڑ گئیں۔ اس ۱۸۰۶ء۔ ۱۸۰۷ء کی جنگ میں جو علی تپلینی کے مقابلے میں پہاڑی باشندوں کی اخیر جنگ تھی ارماٹولیوں اور کلفیٹوں نے بہت کچھ سبق حاصل کیا جو انھیں ظالم پاشا سے یانینہ سے ملا تھا لیکن وہ عیار تھے۔ یا پا زیو تھیمیس بلاکیوس بائی لیگ نے خود کو اپنے ہموطنوں پر قربان اور والی کے حوالے کیا جس نے اسے نہایت اذیتوں کے ساتھ مارا۔ بلاکیوس "تھسلی کے آخر کپتان" کی موت سے تقریباً تمام متحدہ سردار مطیع ہو گئے۔ صرف چند جماعتوں نے جنھوں نے ایٹولیا اور اکارنینیا کے دشوار گزار مقامات میں پناہ لی تھی۔ ان ہر دو صوبجات کی بغاوت کو باقی رکھا۔ اسکس جو جارج گریوس کا بیٹا تھا زوگس، جارج وارناکیوٹی، اوڈیسیس انڈروٹزس، اسٹورناریس، لیاکس جو خاندان بوکوویس سے تھا اور ڈیاکس جو خاندان اسکلوڈیمس سے تھا اور ایسے ہی بہت سے لوگ جنگ احیاء یونان میں جنرل ہونے سے پہلے علی کے لفٹنٹ تھے۔

الجزائر کے جزائر جنھیں اہل بندوقیہ، جینیوا، کیٹیلینا، نیاپولیس نے سلطنت بزنتیم سے چھین لیا تھا اور جن پر ایک وقت خود مختار سرداروں نے امراء الجزائر کا لقب اختیار کر کے حکمرانی کی تھی رفتہ رفتہ مسلمانوں کی فتوح میں داخل ہوئے۔ یہاں کے باشندوں نے یورپ سے تعلقات کو باقی رکھا۔ اور آئندہ اہل یورپ اور عثمانیوں کے جھگڑوں میں حکم مقرر ہوئے تجارت سے مالدار، مغرب کی طاقتور ہوا سے زندہ دل، تربیت سے شائستہ اور ماضی کی یاد باقی رکھ کر بلند نظر

ہونے سے ان کا مطمح نظر ملک کے بارے میں گاؤں اور قبیلے کی حد تک ہی نہ تھا بلکہ ان کی نظریں تمام یونان کا احاطہ کئے ہوئے تھیں۔

انقلاب فرانس پر الجزائر کے جزیروں کی تجارت میں بھی انقلاب ہوا۔ فرانسیسی بیڑے اور لیونٹ کے فرانسیسی تجارتی کارخانوں کی تباہی سے فائدہ اٹھا کے اسپیزیا، ہائیدرا، اور زارا، کے مالکان جہاز ۱۷۹۱ء سے ۱۸۰۰ء تک جنوب فرانس کو غلہ بھیجتے رہے۔ اور جمہوری فوجوں کو ایطالیہ اور ہسپانیہ کے حملے پر اپنی مدد کا اطمینان دلایا۔ ترکی یا روسی جھنڈا اڑانے کی صورت میں یونانی جہازوں کو فرانس کی مخالف متحدہ قوتوں سے کسی قسم کا اندیشہ نہ تھا۔ انگلستان کے مقابلے میں نپولین کی یورپ کی ناکہ بندی سے اہل جزائر کی تجارتی جدوجہد بہ آسانی عروج کو پہنچ گئی تھی۔ انگریز اپنی تجارت کو، جو اور دوسرے مقامات میں بند کردی گئی تھی ہائیدرا، اسپیزیا، زارا، مورہ کی بندرگاہوں، ایپرس، اور البانیا پہنچاتے تھے یونانی اسے یورپ میں لاتے تھے۔ بحر متوسط کے تمام تجارتی راستے یونانیوں کے قبضے میں تھے۔ وہ پیسے سے فرانسیسی خدمات حاصل کرتے تھے اور باب عالی کو خراج میں اپنے پانسو ملاح دیا کرتے جن کے اخراجات حکومت ترکی ادا کرتی۔ یونانی بیڑے میں جنگی اور تجارتی ہر دو جہاز تھے۔

ترک انھیں ملاحوں میں سے اپنے ناخدا، سکانی، اور جہاز کے بہترین افسر انتخاب کرتے تھے بلکہ انھوں نے یونانیوں کا یہاں تک لحاظ رکھا تھا کہ انھیں ”رعایا“ کے تحقیری نام کے بجائے معاون کا لقب دیا تھا۔

ہائدرا، اسپیزیا، اور زارا تین متصل ٹیلے ہیں۔ ہائدرا اور اسپیزیا، مورہ کے مغربی ساحل پر واقع ہیں اور زارا جزیرہ خیوس میں واقع ہے۔ یہاں کے جہاز عمدہ ہوتے تھے۔ جس کی وجہ سے بہت جلد ان کا شہرہ ہوگیا۔ ہر ایک ٹیلے کی آبادی تیس سے پینتیس ہزار نفوس تک تھی۔ اور ان کے تمول کا کوئی حساب ہی نہ تھا۔ ۱۸۱۳ء میں صرف ہائدرا کے پاس ساٹھ جہاز، جو بیس ہزار ملاح اور ۲۰۰ توپیں تھیں۔ جیسا کہ ایک عام گیت میں کہا گیا ہے ان جزیروں کے پاس ”کھیتوں کے لیے جہاز اور مزدوروں کے لیے ملاح تھے۔ اپنے جہازوں پر وہ مصر کا غلہ لادتے۔

پراونس سے سونا اکٹھا کرتے اور براعظم کے ساحلوں سے انگور حاصل کرتے تھے۔" جو ٹیلے کہ سابق میں ناقابل بود و باش سمجھے گئے تھے ان پر انھوں نے وہ عالیشان محل کھڑے کئے تھے جو یورپ کے محلوں کے مقابل تھے۔

فرانس، انگلستان، جرمنی اور روس کے تمام بڑے بڑے شہروں میں یونانی سوداگروں کے حصہ دار، شرکا اور نامہ نگار تھے۔ جو سوداگر مغرب میں آبسے تھے وہ اپنے نوجوانوں کو بہترین تعلیم دلانے کی غرض سے یورپ کی یونیورسٹیوں میں بھیجتے تھے۔ انھوں نے جزیرے کے مالکان جہاز، اور اندرونی حصۂ ملک کے سوداگروں کا یونان میں نئے مدارس قائم کرنے میں ساتھ دیا جو تھوڑے ہی زمانے میں بہت ہوگئے۔ ان میں ایوانی، یانینہ، ایتھنس، قسطنطنیہ وغیرہ کے مدارس بہت مشہور ہیں۔ مدارس کھولنے اور ان کے آزادی کے ساتھ قائم رکھنے میں ترکی حکومت کے لیے بار بار رقم ادا کرنی پڑتی تھی جس سے حکومت کی آمدنی بہت بڑھ گئی تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ یونانی رعایا (عیسائی) میں اشاعت تعلیم کو عثمانی گورنمنٹ نے کبھی نہیں روکا لیکن فیناریوں اور گرجا کے پادریوں نے جو اپنے اغراض کے لیے عثمانی مطلق العنانی کو برقرار رکھنا چاہتے تھے اور جو یہ سمجھے ہوئے تھے کہ بغاوت کی صورت میں ترکوں کے پہلے شکار خود ہی ہوں گے اپنے حاکموں کی آنکھیں کھولیں۔ قسطنطنیہ کا مدرسہ بند کردیا گیا۔ اور پروفیسر ستائے گئے۔ منبر اور کرسی اعتراف سے اطاعت کا وعظ کرتے اور سلطان کو برگزیدۂ خدا ٹھیراتے اور یہ ڈراتے کہ آزادی کے الفاظ کو گوش زد کرنا خود خدا سے بغاوت کرنا اور شیطان کی ہدایت پر عمل کرنا ہے۔ فناریوں اور پادریوں کو مدارس کے تباہ کرنے میں کامیابی ہوئی لیکن اس کا نتیجہ یہی ہوا کہ یونانی تعلیم کے لیے باہر جانے لگے چنانچہ ایسے طلبا کی تعداد میں بہت کچھ اضافہ ہوگیا۔ اور مالکان جہاز اور سوداگر ان کے سخت دشمن ہوگئے۔

براعظم یورپ اور جزائر کے تجار میں بھی دو فرقے ہوگئے تھے۔ ایک فرقہ تو ایپرس اور موره کی بغاوتی تحریکات میں حصہ لینا چاہتا تھا۔ اسی بنا پر ۱۷۷۰ء میں ہائڈرا کے ایک سوداگر نے ایک جنگی جہاز تیار کیا جس نے ترکوں کو بہت کچھ نقصان پہنچایا اور روس کی بہت کچھ مدد کی۔ ۱۷۸۰ء میں ہائڈرا، اسپیزیا، زارو، خیوس کے

سوداگروں سے ناموریمبر اس کو بہت مدد ملی۔ دوسرا فرقہ جنگ کا مخالف تھا۔ اس کے نزدیک ترکوں سے لڑنے کا بہترین طریقہ یونانیوں کو شائستہ بنانا تھا۔ تاکہ مسلسل حقوق حاصل کرتے ہوئے عثمانی تسلط کا خاتمہ کیا جائے۔

۱۸۱۳ء میں جبکہ اہل یورپ نپولین کے خلاف اٹھے تو یونانیوں نے مقدس اتحاد کے وعدوں کو سچ سمجھا اور انھیں اپنی رہائی کی اُمید ہوئی۔ وہ حلیفوں کے جھنڈوں کے نیچے جمع ہو گئے اور پندرہ ہزار سپاہیوں سے مدد کی۔ یہ امیدیں دھوکے کی ٹٹی تھیں۔ دول یورپ نے جو لفظ ''آزادی'' سے ہی مرعوب تھیں اپنی تمام ہمدردی کو ترکوں کی مطلق العنانی کے لیے محفوظ رکھا۔ ۱۸۱۶ء میں جب صلح کی بدولت بحر متوسط کا راستہ تمام قوموں کی جہازرانی کے لیے کھل گیا تو ان اہل جزائر کی بحری تجارت گھٹنا شروع ہوئی اور بہت جلد اس میں بالکل جمود ہو گیا۔ اسی زمانے میں علی تبلینی نے ایپرس اور البانیا کی بندرگاہوں پر قبضہ کر کے مغربی یونان کی تجارت کو تباہ کر دیا۔ اس وقت سے یہ سوداگران لوگوں کے ہمخیال بن گئے جو بغاوت کو ہی ترکوں سے رہائی پانے کا واحد ذریعہ ظاہر کرتے تھے۔ بہت جلد سوداگر، اور وہ سپاہی جو یورپین افواج کے ساتھ جنگ میں شریک تھے اور جو آپ کو ترکی جرگوں سے بہتر سمجھے ہوئے تھے اور وہ طلبا جو ہارموڈیس اور ارسٹاجیٹن کے نقش قدم پر چلنا چاہتے تھے ان مخفی سوسائیٹیوں کے متفق الخیال ہو گئے جو انقلاب کے لیے بے چین تھیں۔

بارھواں باب

محمود ثانی - یونان کی خود مختاری

ہٹیری - بغاوت یونان (۱۸۲۱ء) اپیڈاری کانگریس، بوٹزارس، ڈمٹریس پسیلانٹی یونانی بیڑا - ٹومبازس، کینرس، میالس، مسولنگھی کا پہلا محاصرہ (۱۸۲۲ء - ۱۸۲۴ء) - بوٹزارس کا انتقال (۱۸۲۴ء) معاونین یونان - ابراہیم پاشا، مسولنگھی اور ایتھنس کی فتح (۱۸۲۶ء) - اتحاد ثلاثہ - نوریرن - تخلیۂ مورہ (۱۸۲۷ء) جنگ روس (۱۸۲۸ء) - صلح ایڈریانوبل (۱۸۲۹ء)

ہٹیری - بغاوت یونان (۱۸۲۱ء) علی کی وفات (۱۸۲۲ء) اٹھارھویں صدی کے اختتام پر اور فرانسیسی انقلاب کے بعد ہی ممالک غیر میں انجمنیں قائم ہوئیں جن کا مقصد یونان کو ترکوں سے آزادی دلانا تھا - اور جن کی شاخیں تمام یونان میں پھیلی ہوئی تھیں - سب سے پہلی انجمن کا بانی جس کا حال کچھ معلوم ہے تھسلی کا باشندہ رہیگس تھا - اس کے بہادرانہ گیت "کب تک اے جانباز" نے انقلاب یونان میں ویسا ہی حصہ لیا جیسا "مارسیلز" کے رزمیہ گیت نے انقلاب فرانس میں حصہ لیا تھا - یوں تو اس انجمن کی شاخیں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں لیکن مشرقی یونان میں خصوصیت سے تھیں جہاں کلفٹیوں اور ارمیٹولیوں کی با اقتدار جماعتیں ان میں شامل تھیں - بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیگوں اور سرکش آغاؤں کے اس انجمن سے تعلقات تھے -

اس زمانے کے روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پاسون اوغلو حاکم ودین کی جس نے باب عالی کی ایک زمانے تک مزاحمت کی تھی، رہیگس سے باقاعدہ خط وکتابت تھی۔ ایک اور بیان سے جو زیادہ قابل اعتماد نہیں کیونکہ غیر معتبر ذرائع سے ماخوذ ہے یہ پایا جاتا ہے کہ فرانسیسیوں نے جو اس وقت آیونی جزائر پر قابض تھے رہیگس سے اس کی سالہاسال کی تحریک کو بار آور کرنے کے لیے امداد کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن رہیگس کے منصوبے آسٹروی پولیس پر ظاہر ہو گئے اور وہ اور اس کے ساتھ یونانی رفقا وأثنا میں گرفتار، ترکوں کے ہاتھ بکے اور بلغراد میں قتل کیے گئے (۱۷۹۸ء)۔

۱۸۱۴ء میں تین یونانیوں، اسکوفس، زینتھس، اور آرکیمنڈری ڈائسی المعروف پاپا فلیکس نے وائنا میں ’’فائلو میوز‘‘ کے نام سے یونان میں بغاوت پھیلانے کے لیے ایک انجمن قائم کی۔ اراکین نے حلفی عہد کیا کہ وہ اپنا تمام مال ومتاع انجمن پر صرف کریں گے۔ ان کی جانیں انجمن کے نذر ہوں گی۔ اور وہ انجمن کے وجود اور انجمن کے منصوبوں کو بالکل راز میں رکھیں گے۔ درحقیقت اس انجمن کا کوئی بڑا افسر نہ تھا۔ ایک خیالی ہستی ’’آرکی‘‘ کے پر اسرار نام سے موسوم کر لی گئی تھی جو کہتے ہیں۔ زار روس تھا۔ ایک مرکزی کمیٹی تین اراکین کی ۱۸۱۶ء میں قسطنطنیہ میں قائم ہوئی تھی جس کے فرستادے ترکی کے تمام شہروں میں پھرتے تھے صرف دار الخلافت میں اس کے سترہ ہزار اراکین بنائے گئے۔ ۱۸۱۸ء میں سمرنا، خیو، سیماس، کیلامیٹا، مسولنگھی، یانینہ، بخارست، یاسی، ٹریسٹ، پسٹ، اور ماسکو میں خفیہ عدالتیں قائم کی گئیں۔ ہر ایک عدالت اپنی صوابدید پر کام کرتی تھی۔ لیکن یہ کوئی عمدہ منصوبہ نہ تھا کیونکہ عام مفاد کے بجائے مقامی اور ذاتی اغراض حارج ہوتے تھے۔ ہیٹیری ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔ ترکی کونسلوں تک ان کی رسائی ہو گئی تھی اور تعلیم یافتہ طبقے اور ممتاز افراد حتیٰ کہ تمام مختلف قوموں کے وزرا میں ان کے رضاکار موجود تھے۔

علی تبلینی نے باب عالی سے بغاوت کی تو ہیٹیریوں کی بہترین فوجیں ایپرس میں مصروف جنگ ہو گئیں۔ اور انھیں امید تھی کہ آزادیٔ یونان کا علم بلند کرنے کا وقت آگیا۔ الکزنڈر ایسیلانٹی جو سابق فرمانروائے افلاق کا بیٹا، زار روس کا مصاحب

ہیٹیریوں کا پسندیدہ سردار تھا اور جسے ۱۸۰۶ئہ میں ترکوں نے باغی قرار دیا تھا۔ اس وسیع سازش کا رہنما تھا۔ جو یونانی وطن پرستوں کو بیسسر بیبیا میں مجتمع کئے ہوئے تھی عین اسی وقت پرنس سوٹو فناری امیر افلاق کی موت سے (۱۸۲۱ئہ) افلاق میں بے چینی پھیل گئی۔ امرا نے جو دیوان (مجلس ترکی) سے ملے ہوئے تھے قدیم عہد ناموں کی بنا پر اپنا امیر آپ انتخاب کرنے کی بمنت درخواست کی لیکن ٹوڈر ولاڈیمر سکو کی دعوت پر کسانوں نے فناریوں اور امرا ہر دو سے بغاوت کی۔ اس پر افلاقی ہیٹیری سمجھے کہ مدعا بر آیا اور مزارعین کی ہلچل انھیں کی تقریروں اور مشوروں کا نتیجہ ہے۔ پسیلنٹی نے دریائے پروتھ کو چند سو ہیٹیریوں کے ساتھ عبور کیا جن میں زیادہ تعداد یونیورسٹیوں کے نکلے ہوئے طلبا کی تھی۔ امیر بغدان میکل سوئزو نے اس کی طرف داری کا اعلان کیا۔ پسیلنٹی نے یاسی کو اپنا مستقر قرار دیا جہاں سے اس نے مندرجۂ ذیل اعلان جاری کیا۔

”یونانیو! اب وقت آگیا۔ اپنے ملک اور اپنے مذہب کے انتقام لینے کا وقت آگیا ہر جگہ ہمارے بھائی اور ہمارے دوست ہماری مدد پر تیار ہیں۔ پس یونانیو آگے بڑھو اور آگے بڑھو۔ ہمارے حقوق کی حمایت کے لیے ایک بڑی قوت موجود ہے۔ (۵ مارچ ۱۸۲۱ئہ)

لیکن دریائے طونہ کے صوبوں پر فناریوں کا تسلط نہایت قابل افسوس اور باعث مذلت تھا۔ اہل افلاق و بغدان کو یونانیت میں کوئی بھلائی نظر نہ آئی۔ اور گو ٹوڈر ولاڈیمر سکو نے پرنس پسیلنٹی کے ساتھ شریک ہونے کا وعدہ کیا تھا لیکن اب خود اسی پر پلٹ پڑا۔ پسیلنٹی کے ایک لفٹننٹ پلیکاری جارگاکی نے ولاڈیمر سکو کا کام تمام کر دیا۔ اور اس کے قتل سے حالت اور بھی خطرناک ہو گئی جس سے سردار مزارعین کی ایک زبردست فوج موقوف کر دی گئی۔ یاسی کے روسی قونصل نے پسیلنٹی سے اپنی کنارہ کشی کا باقاعدہ اعلان کر دیا۔ اور ان افواہوں کی بھی تردید کی کہ روسی ہیٹیریوں کی حمایت میں مداخلت کریں گے۔ ان وجوہ سے عثمانی فوج کو اس تحریک کے تہس نہس کرنے میں دیر نہ لگی۔ صرف گیلٹز ہی ایک ایسا شہر تھا جس سے کچھ شدید مقابلے کی توقع تھی اور جس پر ہیٹیریوں کا ایک مختصر سا دستہ روسی فوج کے

ایک اعلیٰ افسر کینٹا کوزین کی کمان میں مامور تھا۔ پسیلنٹی نے دشمن کو ڈروگا کن میں روکنے کی کوشش کی لیکن اس کی فوجوں میں ہیبت چھاگئی اور دشمن نے اسے کاٹ کے رکھ دیا (۲۰ جون ۱۸۲۱ء) پسیلنٹی نے ٹریسٹ پہنچنے کی کوشش کی تاکہ وہاں سے مورہ (پیلو پانس) چلا جائے لیکن آسٹروی حکومت نے جس کے نزدیک حقوق اقوام کی ایک مزید پامالی کوئی چیز نہ تھی اس کو گرفتار کر لیا۔ اس کا قید خانے ہی میں انتقال ہوا۔ اور اس کے بھائی ڈمٹریس نے ترکوں سے اس کا انتقام لیا۔

ہیٹیریوں کا یہ وقتی سیلاب اپنے اندر بہت اہمیت رکھتا تھا۔ اس سے یونان اور پلو پانس میں ایک عام بغاوت کی فوری تحریک ہی نہیں ہوئی بلکہ روسی اور ترکی سیاسی تعلقات میں کشیدگیاں پیدا ہوگئیں جس سے دیوان کو بجائے مورہ کے دریائے طونہ پر زیادہ تر توجہ صرف کرنی پڑی۔

نجدان میں پسیلانٹی کی خبر ورود سے تمام یونان میں سنسنی پھیل گئی تھی۔ پطرس جہاں ایک ماہ میں پہلے ہی ترکی محافظتی فوج کے خلاف شورش ہوئی تھی۔ روسی امداد کے بھروسے پر جس کا پسیلنٹی نے وعدہ کیا تھا بغاوت ہوگئی۔ دس ہزار کسان بندوقوں، برچھوں، درانتیوں، کانٹوں، اور گوپہنوں کے ساتھ اسقف اعظم جرمانس کے ساتھ ہولیے۔ اور پطرس کے قلعے کا محاصرہ کیا۔ یوسف پادشاہ والی سیرس نے ان بے قاعدہ ٹکڑیوں کے ٹکڑے اڑا دئے لیکن وہ انھیں پہاڑوں میں بھاگنے اور باقی پلوپانس کو بغاوت پر اکسانے سے نہ روک سکا۔ آرکیڈیا والوں نے سیتیلاس اور کولوکوٹرونی کی دعوت جنگ کو لبیک کہا۔ سیتیلاس خاندان ڈیلیانس کا بڑا شخص تھا یہ خاندان ایکیٹی کے قدیم فرانسیسی ولاۃ کی نسل سے تھا۔ کولوکوٹرونی اس مشہور کپتان کا بیٹا تھا جسے ترکوں نے ۱۷۸۰ء میں قتل کیا تھا۔ زینس اور فانس پاپا فلیکس اور مورومیکالیوں کے تحت ایکیٹی، آرگولڈ، مینیا اور لکونیا میں بغاوت ہوئی۔ ساتھ ہی ساتھ یونان میں فوجی سرداروں نے اپنے پہاڑی اضلاع میں بغاوت کردی اور ترک اور علی دونوں کی اطاعت سے انکار کر دیا چنانچہ پنڈس میں کوٹاگھیانس، آتھرکس میں گورس، پارناسس میں ڈیر وانوٹیس، تھسلی میں ڈیامنٹس، ٹرکوینج میں نگیتس، ڈوریڈس دیاکوس، اور اٹولیسس انڈروٹزس جو

ان سب میں نامور تھا باغیوں کے سردار تھے۔

پیلنٹی کے پروتھ پار کرنے سے بہت پہلے ہی الجزائر کے اہم جزیروں میں ہیٹیرا کے کارندوں نے سازش پھیلا رکھی تھی۔ باشندگان جزائر نے صرف مالی امداد کا وعدہ کیا تھا۔ روس ابھی تک ساکت تھا۔ وسط اپریل میں جب یہ خبر آئی کہ ہائدرا کے ان ملاحوں کو پریویزا میں قتل کردیا گیا جو ترکی بیڑے کی کنٹیجنٹ فوج میں تھے اور زارا کے تمام عیسائی بے ہتھیار کئے جانے والے ہیں تو مجلس ہائدرا نے بغاوت کا علم بلند کردیا۔ اسپیزیا، زارا، انڈروس، خوس، ٹیناس، سیماس، وغیرہ نے گرمجوشی کے ساتھ اس تحریک میں حصہ لیا۔

ایک عورت بوبولینا نامی نے جس کا شوہر ترکوں کے ہاتھ مارا گیا تھا تین جہاز تیار کئے۔ اور خود ان کی افسری کی۔ لزارس کونڈوریوٹی نے اپنی تمام دولت پیش کی۔ اس نے اراکین مجلس کو کہا کہ "میں نے یہ دولت محنت سے پیدا کی ہے۔ میں اپنے وطن کے لیے اسے پیش کرتا اور آپ کو آزادی یونان میں حصہ لینے پر خوش قسمت سمجھتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ ہائدرا اور ہمارے شریک کار جزائر کے متمول اصحاب میری تقلید کریں گے لیکن اگر وہ دولت کی قربانی میں پس وپیش کریں تو برادران وطن کو پست ہمت نہ ہونا چاہیئے۔ میں تنہا بیڑے کا صرفہ برداشت کروں گا۔"

یہ بے لوث اور وطن پرستانہ ایثار رائگاں نہ ہوا۔ اکثر لوگوں نے اپنی دولت پیش کی اور کئی لوگوں نے اپنی جانیں قربان کرکے افتخار حاصل کیا۔ بنڈوریس برادران نے پانچ لاکھ فرانک ملک کے نذر کیئے۔ ساموڈس نے چار لاکھ۔ جے آرلنڈس نے تین لاکھ میالس نے ڈھائی لاکھ بلگارس نے ساڑھے چار لاکھ اکونومس برادران نے ڈھائی لاکھ۔ اناگسٹی فونس نے ڈیڑھ لاکھ۔

مورہ کی بغاوت سے استامبول میں بہت برہمی پھیل گئی۔ فناری موروزی کی بزدلی سے سیاسی ہنگامہ رونما ہوا۔ جس سے عثمانی وزرا کو عیسائیوں کے قتل کے لیے بہانہ ہاتھ آگیا۔ الکزنڈر پیلنٹی کی مہر کا ایک خط برآمد ہوا جو معلوم نہیں درحقیقت اسی کا تھا یا اور کسی کا جس میں قسطنطنیہ میں عیسائیوں کی بغاوت

کے متعلق تفصیلی تجاویز تھے۔ یہ خط پرنس موروزی کے ہاتھ لگا۔ اس نے اس کو دارالخلافت کے ہیٹیری سردار کے حوالے کر دیا۔ ہیٹیری سردار نے ڈر کے مارے اس خط کو پولیس میں دے دیا پھر تو ہر جگہ یہ خط گشت کرایا گیا۔ مساجد میں اس کو پڑھا گیا۔ تمام چوراہوں میں اس پر نکتہ چینیاں ہوئیں۔ عالموں، درویشوں اور اماموں کی پرجوش تقاریر سے مشتعل ہو کے ترک عیسائیوں پر پل پڑے۔ اور ان کا پہلا وار موروزی پر ہوا۔ راستوں میں جتنے یونانی ملے وہ سب قتل کر دئے گئے ایسٹر کے روز صدر اساقفہ گریگوری، فناری کلیسا میں اپنے مذہبی فرائض انجام دے رہا تھا کہ جان نثار بلوائیوں نے گرجا پر حملہ کر دیا اور صدر اساقفہ اور تین رئیس پادریوں کو قتل کر دیا۔ (۲۲ر اپریل)۔ باب عالی نے اس جرم کی بریت کے لیے صدر اساقفہ پر سازشی ہونے کا گمان کیا حالانکہ بیچارے نے اس واقعے کے ایک ماہ پہلے ترکی حکومت کو مطمئن کرنے کے لیے آزادی اور صلیب کے نام سے اپنے باغی ہم مذہب کو حقوق کلیسا سے خارج کر دیا تھا۔ بعض مورخ کہتے ہیں کہ صدر اساقفۂ یونان کا قتل نتیجہ تھا باغیوں کے ان سفاکانہ مظالم کا جو بلکے کے ملا پر برپا کئے گئے تھے جو قسطنطنیہ پہنچ گئے اپنی مستورات کے ساتھ ان کے پنجے میں پھنس گیا تھا۔ ترکوں کے متعلق عوض معاوضے کے حیلے تراشنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کیونکہ یہ فاتح اور مفتوح کے سلوک کا برعکس معاملہ ہوگا۔

صدر اساقفہ گریگوری کے قتل کے تین روز تک قسطنطنیہ گویا انسانی مسلخ بنا ہوا تھا۔ یونانی ڈھونڈ ڈھونڈ کے نکالے گئے اور انھیں ان کے گھروں سے باہر لا کر غرق کیا گیا یا بندوق اور تلوار سے ختم کر دئے گئے۔ اس میں ترکوں کے ساتھ یہودیوں نے بھی حصہ لیا۔ یہ یہودی وہ تھے جنھیں اسلحہ رکھنے کی ممانعت تھی اور جن کے متعلق آرنسٹ کیرل لکھتا ہے کہ "تعصب باعث مخالفت نہ تھا بلکہ یہ ترکی آگ کو بھڑکانے کے لئے گویا تاجرانہ معاونت تھی" اس بزم خونریزی میں دول یورپ کے سفرا بھیگی بلّی بنے ہوئے تھے۔ کونٹ اسٹرگنف سفیر روس دور اندیشی کو کام میں لایا اور ایسٹر کے روز گرجا نہیں گیا۔ اس نے اپنے فرض منصبی سے کنارہ کشی کی حالانکہ نائب بادشاہ اور پیرو کنیسائے یونان کی حیثیت سے اس کی موجودگی سے یا تو ایک بڑے جرم کا ارتکاب

نہ ہوتا یا ہوتا تو قطعی طور پر ہوتا۔ اور اس لحاظ سے اس کی سفارت کی اہمیت اس روز ایک خاص منزلت لیے ہوئے تھی"۔ سفرا کی ٹھنڈی نیابت پر باب عالی نے جواب دیا کہ شاہان یورپ کو جو خود اپنے خلاف سازش کرنے والوں کو تو پھانسی پر چڑھاتے ہیں کوئی حق نہیں ہے کہ عثمانی عیسائی رعایا کے معاملے میں مداخلت کریں جو اپنے جائز بادشاہ کے خلاف سازش کرنے کی مجرم ہوئی ہے۔ اس دلیل سے سفرائے یورپ کی تشفی ہو گئی، قونصلوں کو حکم دیا گیا کہ کسی باغی کو پناہ نہ دی جائے۔ اور تجارتی جہازوں کے افسروں کو یونانیوں کو اپنے جہازوں پر سوار کرانے کی ممانعت کی گئی۔ اور اس پر طرہ یہ کہ ترکوں کو یورپین جہازوں کے معائنے کا اختیار دیا گیا!

تھریس، مقدونیہ اور ایشیائے کوچک میں قتل کا سلسلہ تین ماہ اور ختم جولائی تک جاری رہا۔ انہی خانقاہوں کے منتظمین اور بڑے پادری اور تیس ہزار یونانی قتل کئے گئے عورتوں اور چھوٹے بچوں کو غلام بنا کے بیچا گیا۔ لیکن اس پر بھی بغاوت کی رفتار تیز تھی۔ ڈمیٹریس ایسیلانٹی کو ہائیڈرا میں حاکم اعلیٰ تسلیم اور کالامیٹا کی مجلس خود مختاری کی صدارت اور فوجی معاملات کا انتظام اس کے تفویض کیا گیا تھا۔ مونیمبیزی اور نیورن نے اطاعت قبول کی تھی۔ پطرس، اکروکورنتھ، ناپولی ڈی رومانا، اور ٹریپولٹزا کا محاصرہ کیا گیا۔ خورشید نے جو یانینہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھا اپنے فوجی مددگاروں کو حکم دیا کہ ارٹا، پریویزا، اور لیپانٹو کی فوجیں اکٹھی کریں، اکارنینیا کو آرمیٹولیوں کی ٹکڑیوں سے پاک اور سولنگھی کا محاصرہ کریں۔ بیس ہزار کا ایک ترکی دستہ تھرماپلی کی گھاٹیوں میں گھس گیا اور کورنتھ کو غنیم سے چھڑا یا۔ ترکی بیڑے نے ساحل پر اس فوج کو اتارا جس کی قسمت میں ٹریپولٹزا کے یونانی محاصرین کے بازو کو توڑنا تھا۔ آرٹا کا معرکہ کامیاب رہا لیکن تھرماپلی میں شکست ہوئی۔ اوڈیسس انڈروٹسز نے گورس کی مدد سے حاجی بکر کے اڑتیس ہزار اور محمد علی کے ڈھائی ہزار آرمیٹولیوں کو شکست دی۔ اور ان کا توپخانہ چھین لیا۔ (۴ ستمبر ۱۸۲۱ء) ٹریپولٹزا نے ۵ اکتوبر کو اطاعت قبول کی۔ یونانیوں نے اس شہر کو نہایت بے دردی کے ساتھ لوٹا۔ اور ترکی آبادی قتل کر دی گئی۔ مقتولین کی تعداد بارہ ہزار سے زیادہ تھی۔ عورتیں جو خونبہا دے سکتی تھیں اور لڑکیاں اور بچے جو غلام بنا کے بیچے جا سکتے تھے

قتل سے بچ گئے[1]۔ ڈمٹریس یسلانٹی نے جو خا کنائے کورنتھ کے راستے کے قبضے کے لیے عمر ریونیس کے مقابلے پر جانے والا تھا ٹریپولٹزا میں لشکر کی کمان کولوکوٹرونی کے حوالے کی۔ کولوکوٹرونی نے خونریزی کو موقوف کرنے کے بجائے اپنی پوری قوت اس کی تائید میں صرف کی۔ پٹرو بے مکرومیک علی اور نیکلیٹس ہی دو آدمی ایسے تھے جنھوں نے اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال کے شرائط اطاعت پر پابند کرانے کی کوشش کی۔

ٹریپولٹزا کی فتح کے بعد سرداروں کی باہمی مخالفتیں جواب تک دبی ہوئی تھیں ایک دم سے ظاہر ہو گئیں۔ آغاز بغاوت سے ہی تین جماعتیں تھیں۔ اول اساقفہ، دوم کپتان اور سوم ہیٹیری۔ اساقفہ جو ترکوں کے تحت حکومت اور رعایا میں واسطہ تھے گرجا کے اغماض سے رئیس پادری جرمانس کی سرکردگی میں ملکی نظم ونسق کے مالک ہو گئے تھے۔ لیکن بہت جلد اس نا اہل اور متعصب پادری کو اپنی پرلے درجے کی ناقابلیت سے اپنی جگہ چالاک اور عیار فناری مورو گورڈیٹو کو دینی پڑی۔ دوسری جماعت کلفٹی کولوکوٹرونی کے تحت بہت بڑی فوجی طاقت رکھتی تھی۔ تیسری جماعت ہیٹیری تھی جسے ہر دو سابقہ جماعتیں بری نظر سے دیکھتی تھیں کیونکہ یہ خیال ان کا واجبی تھا کہ جب یہ وہ سیاسی نظریئے جن کی یہ نوجوان تلقین کرتے ہیں فتح پائیں گے تو ان کی شخصیت معرض زوال میں ہوگی۔ یہ یونانیوں کی خوش قسمتی تھی کہ جاڑے کی بدولت جنگی نقل وحرکت ملتوی رہی۔ اور یانینہ کے محاصرے میں سلطنت کا بہترین جنرل اور بہترین فوجیں مصروف تھیں۔ علی ابھی مقابلہ کر رہا تھا۔ مسولنگھی کانفرنس میں جو ماہ جون میں آرمیٹولی کپتانوں، کلفٹی سرداروں اور مشرقی یونان کے صدر پادریوں اور رئیس پادریوں میں ہوئی تھی علی کی رہائی کے متعلق تفصیلی بحث کی گئی تھی لیکن کوئی قطعی فیصلہ نہ ہوا تھا۔ علی کی اس بغاوت کے بارے میں بعض سرداروں کا یہ خیال تھا کہ اس کا مقصد اپنے آپ کو اپیرس اور تھسلی کا بادشاہ بنانا ہے اور اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور بعضوں کی یہ رائے تھی کہ اس کا مقصد جو کچھ بھی ہو ہمیں اس سے

[1] ایم گرین۔ برٹش قونصل متعینۂ پطرس۔

کوئی سروکار نہ رکھنا چاہئے۔ ادھر علی اس وسیع یونانی انقلاب سے کھٹک رہا تھا اور یہ سمجھے ہوئے تھا کہ اب آقا بن کے رہنے کے بجائے عیسائیوں کے غلام بنکے رہنا پڑے گا اس لیے خورشید پاشا سے مصالحت میں اپنی بھلائی سوچی۔ خورشید پاشا یانینہ کے محاصرے سے تنگ آگیا تھا اور جب علی نے مصالحت کا پیام بھیجا تو اس نے معافی کا وعدہ کیا۔ اس وقت علی کو عیاری میں اپنے استاد کا سامنا تھا۔ اول تو اس نے ان صلح کے پیاموں سے علی کو دھوکے میں رکھا اور پھر قلعے کے البانی دستے کو رنگ رلیوں میں رکھ کر اچانک قلعے پر قبضہ کرلیا۔ علی نے دشمن کی فوجوں میں سے راستہ کاٹ کر ایک جزیرے میں پناہ لی جو بیچ جھیل میں تھا اور ایک گڑھی میں آپ کو بند کرلیا جس کے تہ خانوں میں بارود بھر دی گئی تھی تاکہ دشمن کے ہاتھ پہنچنے کے پہلے ہی اس طرح سرنگ سے اپنا فیصلہ کرلے لیکن اس کے سپاہیوں نے بغاوت کی اور لڑائی سے انکار کیا۔ ناچار علی نے خورشید کی شرائط منظور کرلینے کا ارادہ کیا جس نے اپنے تمام افسروں کے ساتھ سلطان کی طرف سے اس امر پر قسم کھائی کہ وہ علی کو صحیح سلامت جانے کی اجازت دے گا۔ اس صریح جھوٹ اور دروغ حلفی سے ان کا مقصد خوفناک علی کے شبہات کو رفع کرنا تھا کیونکہ وہ اس بے انتہا خزانے کے لیے بے چین ہو رہے تھے جس کے اس جزیرے کے تہ خانوں میں ہونے کا یقین تھا۔ بجائے پروانۂ راہ داری کے علی کے قتل کا فرمان آیا اور اس پر ستم یہ ہوا کہ خورشید نے رشوت دے کے علی کے بچے کھچے ملازمین کو اپنا طرف دار کرلیا۔ اب قلعے کو سرنگ سے اڑانا ناممکن تھا کیونکہ خود اپنے پرائے ہوگئے تھے لیکن علی کے استقلال میں ذرا بھی فرق نہ آیا۔ جب خورشید کے وہ آدمی جنھوں نے حلف اٹھایا تھا اس کو گرفتار کرنے آئے تو اس نے چلا کے کہا کہ "بزدلو کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ علی کو مثل ایک عورت کے گرفتار کرلوگے"؟ یہ کہہ کے اس نے دو پستول ان پر چلائے اور یاتگن (ترکی خنجر) ہاتھ میں لیے ہوئے ان پر جھپٹا۔ ایک شدید لڑائی کے بعد علی زخموں سے چور زمین پر گرا۔ (۵ فروری ۱۸۲۲ء) اور گو اس کا سر برچھی پر رکھا گیا تھا لیکن اس پر بھی نزکی سپاہی اس سے خوف

لکھا رہے تھے۔

اپیڈورس کی کانگریس۔ بوٹزارس۔ ڈمٹریس پسیلانٹی

اس بے نظمی کو دور کرنے کے لیے جس سے یونانیوں کی کوششیں رائگاں جا رہی تھیں اپیڈورس میں نیابت قومی کا اجلاس ہوا۔ کانگریس کا افتتاح ۱۵ر دسمبر ۱۸۲۱ء کو ہوا۔ اس کا پہلا کام خود مختاری یونان کا اعلان تھا۔ (یکم جنوری ۱۸۲۲ء)۔ کانگریس نے غور و فکر کے بعد ایک نظام العمل مرتب کیا جس کی رو سے "مذہبی آزادی، قانونی مساوات، اور احترام جائداد" کے اصول لازم قرار دئے گئے۔ ملک کا انتظام دو مجلسوں کے سپرد کیا گیا۔ ایک تو مجلس اعیان (سینیٹ) جس میں اضلاع کے اکاون نمائندے تھے اور دوسری باب حکومت جس میں پانچ اراکین تھے"۔ ان ہر دو مجلسوں میں باب حکومت کے اختیارات بہت وسیع تھے۔ مجلس اعیان نے ڈمٹریس پسیلانٹی کو صدر اور سوتیری کیرالمبو کو نائب صدر بنایا۔ باب حکومت میں صدر اعظم مورو گورڈیٹو اور اراکین کینا کرس، آرلنڈس، بیپیانوپولو، اور سو گو تھیلس تھے۔ یہ ہیٹیریوں کا درخشاں کارنامہ تھا جنھوں نے اہل جزائر کی تائید سے کنیسا اور پادریوں کو اپنا طرف دار کر لیا تھا۔ انھیں زیادہ تر فکر اپنی حکومت کو فوجی سرداروں سے علٰحدہ رکھنے کی تھی۔ پسیلنٹی نے صدارت مجلس اعیان کو نامنظور کیا۔ اس کا حریف مورو گورڈیٹو جس میں فوجی قابلیت نہ تھی اور جو ظاہری لسان تھا سپہ سالار اعظم بنایا گیا۔ پسیلنٹی نے اکرو کورنتھ کو دھادے سے فتح کیا۔ پرنس پسیلنٹی کے ایثار کی دوسری فوجی سرداروں نے تقلید نہیں کی۔ ان میں سے سب سے زیادہ با اثر سردار نے اپیڈورس کی وقتی حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ کولوکوٹرونی نے جس کا لشکر پطرس کا محاصرہ کئے ہوئے تھا صاف کہدیا کہ وہ صرفیوں نحویوں، پادریوں اور سوداگروں کی حکومت کو تسلیم نہیں کرے گا۔ شرقی یونان میں تو اور بھی خراب حالت تھی۔ آغاز بغاوت سے اوڈیسس انڈروٹزس بر اعظم میں بغاوت کی روح رواں تھا۔ تھسلی، لیویڈیا اور بیوشیا نے بغیر کسی اختلاف کے اس کے آگے سر تسلیم خم کیا۔ اور

اسی نے ہی فتح تھرماپلی سے بغاوت کے افتتاحی معرکے کو کامیاب بنایا اور ٹرپولٹزا کو سر کیا تھا۔ لیکن اوڈیسس اپنے آگے کسی کو سمجھتا نہ تھا اور مشہور تھا کہ وہ علی کا قائم مقام بننا چاہتا تھا جس کا وہ سپہ سالار اور مصاحب تھا۔ موروگورڈیٹو اور نیگو نے اس پر بغاوت کا الزام قائم کیا۔ اور اسے مقام جنگ سے طلب کیا۔ الکزس نوٹزرنس اور ہٹیری پلسکس کو اوڈیسس کے کپتانوں نے بغیر ان کے مقدمے کی سماعت کے قتل کر دیا جنھیں بعض استادان فن خطابت نے اس خطرناک مہم پر بھیجا تھا کہ وہ اوڈیسس کو ان کے ارادوں سے مطلع کریں جو اس کو آرمیٹولیوں کی سرداری سے معزولی کے متعلق کئے جا رہے تھے۔ یہ الکزس نوٹزرس ان لوگوں میں سے تھا جنھوں نے موسولنگھی کانفرنس کے اجلاسوں میں صرف علی کی رہائی پر بغاوت کو مشروط کر دیا تھا۔

تسخیر یانینہ کے بعد اگر خورشید پلوپانس کو اپنی فوجوں کا مرکز قرار دیتا تو ترکوں کے لیے ابھی بغاوت کا قلع قمع کرنے کی بہت کچھ امید تھی کیونکہ بغاوت میں کوئی جان ہی نہ تھی اور نہ اس کا کوئی مرکز ہی تھا۔ بجاے اس کے اس نے اپنا وقت سولیوں کے ساتھ لڑنے میں ضائع کیا۔ آخر چار ماہ یونہی گزار کے وہ اپنی جمعیت کیساتھ خاکنائے کورنتھ میں آیا۔ ایک اعلان سے جس میں وحشیانہ نخوت بھری ہوئی تھی اس نے جَوروں (کافروں) کو معافی چاہنے کہا اس میں لکھا تھا کہ ”اگر تم اطاعت قبول کرنا چاہتے ہو تو تمھارے پادریوں کو چاہئے کہ میرے آستانے پر امیدوار فضل رہیں۔ آئندہ تمھیں رنگین کپڑے نہ استعمال کرنا چاہئے بلکہ موٹے کپڑے پہننے چاہئیں۔ گرجے بنانا چھوڑ دو کہ یہ حماقت ہے۔ اور ایسا ہی اپنے قدیم مراسم کی بجا آوری کو بھی کہ اس میں سرتاسر جہالت ہے“ لیکن ادھر ترکی فوج پلوپانس پر حملے کی تیاریاں کر رہی تھی اور ادھر یونانی بہادرانہ حملے کے لیے متحد ہو رہے تھے۔

پلوپانس کے سرداروں اور جزیرے کے باشندوں میں جھگڑے ہو رہے ہی تھے کہ کورنتھ میں ایک جلیل القدر شخص کے آنے سے یہ سب فرو ہو گئے اور مردانگی اور بہادری کے دریا موجزن ہو گئے۔ یہ ایک البانی مارکو بوٹزارس تھا۔ اُس سولی سردار کے معرکوں کی سب کی نظروں میں وقعت تھی۔ اکارنینا اور ایپرس میں

اس نے ترکوں کے دانت کھٹے کر دئے تھے۔ مٹھی بھر آدمیوں کے ساتھ اس نے ترکوں کے ایک پورے دستے کو پسپا کیا تھا۔ ویرباڈیس میں تین ہزار ارناٹی عباس گوگا کی سرداری میں ہتھیار رکھ دینے پر مجبور ہو گئے تھے۔ بسکزا میں حسن بے کے چھ ہزار منتخب سپاہیوں کو شکست ہوئی تھی۔ سلووا میں ایک ہزار تین سو اسیر ہوئے تھے۔ ٹریوٹزانو، اسٹریوینا، اور زرن کا سا میں عمر ریوینس اور یوسف پاشا کو خونریز شکستیں ہوئی تھیں۔ بوٹنزارس کا نہایت اعزاز کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا۔ کولوکوٹرونی نے اس کے سامنے اہل مورہ کے معرکوں کی جیتی جاگتی تصویر کھینچی۔ سیلیڈ کے بہادر نے جواب میں کہا کہ بھائی میں سپاہیوں کی بہادری کی داد دیتا ہوں لیکن انھیں ان زیادتیوں سے منع کرنا چاہئے جن سے ہماری مقدس لڑائی پر حرف آتا ہے۔ بجائے اس کے کہ عورتوں اور بچوں کو قتل کریں کیا یہ اچھا نہ ہوتا کہ قومیت میں انسانیت کو بالائے طاق نہ رکھ کے ٹریپولٹزا اور نوارن کی ترکی آبادی کو پترس، کورن اور موڈن بھیجدیا جاتا۔ مزید بیس ہزار فاقہ کشوں کی سربراہی ان شہروں سے کیوں کر ہو سکتی تھی۔ اگر یہ وہاں بھیجدئے جاتے تو کبھی کا ان شہروں پر بھی ہمارا قبضہ ہو جاتا۔"

مارکو بوٹنزارس نے بجائے مدافعت کے حملے کی ترغیب دی۔ موروگورڈیٹو کو سولیوں کی رہائی کا کام سپرد ہوا جو کیافے میں محصور تھے۔ اور ادھر کیرہ تولی خورشید پر عقب سے حملہ آور ہونے کے لیے اپیرس میں لنگرانداز ہوا۔ اور رائی مورو مکیلی یوبیا کے ساحل پر اترا تاکہ اس مقام پر حملہ کر کے دشمن کی توجہ کو اپنی طرف پھیرے۔

موروگورڈیٹو کو اپنی مہم میں ناکامی ہوئی۔ وہ مشرقی یونان کے سرداروں سے جو اوڈیسس کے ساتھ ایتھنس کے محاصرے میں مصروف تھے مل نہ سکا تھا کہ عمر ریوینس نے پیٹا میں اس پر حملہ کر دیا (۱۶ جولائی ۱۸۲۲ء) اپنی خراب چالوں اور گوگو کی نمک حرامی سے جو ترکوں سے مل گیا تھا اس کو سخت شکست ہوئی اگر بدیسی رضا کاروں کی شجاعت و بہادری شامل حال نہ ہوتی تو اس چھوٹی سی فوج کے ٹکڑے ہو گئے تھے۔ ہردو مورو میاک علی بھائیوں کا بھی یہی حشر ہوا۔ کیرہ تلی فوناری میں مارا گیا جبکہ وہ اپنی فوجوں کے ساتھ ساحل پر اتر رہا تھا۔ اپنے افسر کے مرنے سے

شکستہ دل ہو کے اس کے سپاہی سولیوں کو بغیر رہا کئے پلمو پانس واپس ہوئے۔ ایلی نے ایوبیا میں زبردست فوجوں میں گھر کے اپنی ٹوٹی تلوار کے ایک ٹکڑے سے اپنا گلا کاٹ لیا۔ تاکہ ترک اسے زندہ نہ گرفتار کریں۔ پرنس مین کو جب اپنے بیٹوں کے مرنے کی خبر معلوم ہوئی تو اس نے اپنے دوستوں سے کہا۔ "مجھے ان کے مرنے کا رنج نہیں ہے کیونکہ انھوں نے اپنے وطن کا حق ادا کیا۔ اور یونان کی حمایت میں آپ کو قربان کیا۔ اب ان کی تقلید میرا فرض ہے"

ادھر خورشید نے مورو گورڈیٹو کی نقل وحرکت کی کچھ پروا نہ کی، اور مورہ پر حملہ کر دیا اور جو آیا اسے قتل کیا۔ کورنتھ نے اطاعت قبول کی ہنگامی حکومت کے اراکین ڈر کے اور یہ خیال کر کے کہ قومیت کی لڑائی کامیاب نہیں ہو سکتی ہیڈرا کے جہازوں میں پناہ لینے بھاگے لیکن پسیلنٹی کی امید ابھی تک قائم تھی۔ اس کے اس جذبۂ وطنیت نے کولوکوٹرونی کے لیے چراغ ہدایت کا کام کیا۔ ادھر اگر پسیلنٹی نے آپ کو آرگاس کے تباہ شدہ قلعے میں بند کرلیا تاکہ مسلمانوں کے راستے میں حائل ہو تو ادھر کولوکوٹرونی نے لرنا کے ایک مستحکم مقام میں مورچہ بندی کی اور جزیرہ نما کی تمام فوجوں کو مجتمع کیا۔ ترکوں نے آرگاس پر قبضہ کرنے اور کولوکوٹرونی کو اس کے مستحکم مقام سے اکھاڑنے کی بہت کچھ کوشش کی لیکن انھیں کامیابی نہ ہوئی اور چونکہ ایک بالکل تباہ اور ویران ملک میں قوت بسری مشکل تھی اس لیے وہ کارنتھ واپس آئے لیکن پسیلنٹی اور کولوکوٹرونی نے ان سے پہلے سبقت کی اور عثمانی اسٹیفانی اور رہ یابی کی گھاٹیوں میں گھیر لیے گئے (۷ راگست ۱۸۲۲ء) درم علی کا کورنتھ میں زخموں سے انتقال ہوا۔ خورشید پاشا نے عالم مایوسی میں زہر کھا لیا۔ مجلس ترکی نے غیرت کو بالائے طاق رکھ کے اس بہادر جنرل کو جس کا جسم ابھی پورا ٹھنڈا ابھی نہ ہوا تھا اور جس کا قصور یہی تھا کہ بدقسمت تھا قبر سے نکالا اور اس کے سر کو استامبول میں سرائے کی دیوار سے لٹکایا۔ حالانکہ خورشید کی خوج کو ہزیمت ہوئی تھی لیکن اس پر بھی سولیوں نے تنہا رہ جانے سے اطاعت اختیار کی۔ انھوں نے کیافہ اس شرط پر عمر زغونیس کے حوالے کیا کہ انھیں آیونی جزائر میں بھیجدیا جائے گا۔ ۱۵ ستمبر ۱۸۲۲ء کو انھوں نے

اپنی سرزمین وطن کو خیرباد کہا۔ معدودے چند ہی سفالونیا میں رہ گئے تقریباً تمام مارکو بوٹزارس سے جا ملے۔

یونانی بیڑا۔ تومبازس، میالس، کینارس

پسیلنٹی، کولوکوٹرونی، بوٹزارس، اوڈیسس، اور نکیٹس کی بہادریوں اور اعلیٰ قابلیتوں کے باوجود یونان کا صفایا ہو گیا ہوتا اگر عثمانی بیڑے کی سمندر پر حکمرانی ہوتی۔ اس صورت میں ترک جہازوں سے اپنے قلعوں کو سامان رسد پہنچانے میں مدد لے سکتے تھے یا دشمن کو اپنے مقام سے ہٹا سکتے اور غیر ملکوں سے اس کی خط و کتابت کو منقطع کر سکتے تھے۔ اس قومی لڑائی اور یونانیوں کی آزادی میں یونانی بیڑے نے اپنے شاندار کاموں سے بہت کچھ مدد کی۔

ہم نے اہل جزائر کے بحری ذرائع کے متعلق پہلے ہی ذکر کر دیا ہے۔ قابل ذکر بات یہاں یہ ہے کہ جیسے کلفٹ خشکی میں کارآمد تھے ویسے ہی بحری قزاق سمندر میں تھے۔ الجزائر میں ہمیشہ بحری قزاقی کا دور دورہ رہا۔ "غیر جانبداروں کے لیے اس علاقے میں جہازرانی بہ نسبت ناشائستہ علاقے کے بہت خطرناک ہے۔ اگر ہوا نہ ہونے سے کوئی شخص یہاں ٹھیر جائے تو نہایت آفت کا سامنا ہو خصوصاً راس سٹاپن اور راس سنیٹ اینجلو تو بڑے بڑے مقامات ہیں یہاں ہمیشہ ڈونگے چھپے ہوئے جہازوں کی تاک میں رہتے ہیں۔ ایک خاص اشارے پر مزدور پھاوڑے اور گاڑی کو چھوڑ دے کے قزاق بن جاتے اور لوٹ میں حصہ لیتے ہیں[1]۔" وہ گرفتار شدہ جہازوں پر جتنے آدمی پاتے ہیں ان کو مار ڈالتے اور دریا میں پھینک دیتے ہیں تاکہ آئندہ اپنی گرفتاری اور ان کی گواہی اور شناخت کا اندیشہ باقی نہ رہے۔ ہر ایک شخص کو بسن کا واقعہ معلوم ہے جو فرانسیسی شاہی بیڑے

---

[1] لیونٹ کے بیرونی منتریاں از جورین ڈی لاگرویر۔

کا ایک افسر تھا اور جس نے اس وقت جب قزاق اس کے سر پر اچانک طور سے آگئے اور اس کے جہاز میں داخل ہوئے تو بارود کو آگ لگادی اور قزاقوں کے ساتھ اڑ گیا۔ بحری قزاقی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ امیر البحر انگریزی نے انگریزی جنگی جہازوں کو حکم دیا تھا کہ ان تمام جہازوں کو روکیں جن پر یونانی جھنڈا ہو اور ایسا ہی ان جہازوں کو بھی جو یونانی بندرگاہوں سے مسلح اور باضابطہ ہو کے نکلیں صرف وہ جہاز اس حکم سے مستثنیٰ تھے جنھیں یونانی گورنمنٹ سے اجازت نامہ ملا تھا اور جو اس کے احکام سے سفر کرتے تھے۔ (نومبر ۱۸۲۶ء)۔ فرانس اور روس نے انگلستان کی تقلید کی۔ جب بغاوت ہوگئی تو تمام دریائی لٹیروں نے باضابطہ راہزنی اختیار کی اور ترکوں کو بیحد نقصان پہنچایا لیکن ساتھ ساتھ جب کبھی موقع ملا تو غیر جانب دار جہازوں کو بھی لوٹنے سے نہ چوکے۔ جیسا کہ امیر البحر جورین ڈی لاگریویر لکھتے ہیں "عالم یاس میں حب الوطنی کا جذبہ چار ناچار بدنام سے بدنام دوستوں کی رفاقت کو بھی قبول کر لیتا ہے۔ اگر تمبازس، میاس، اور کینارس کے سرکش ساتھیوں نے اپنے سفاکانہ مظالم سے ایک سے زیادہ مرتبہ یونانیت کی تذلیل کی تو اس کے ساتھ ساتھ اپنی جانبازیوں سے ان سفاکیوں کی تلافی بھی کر دی۔

جیکب تمبازس جو اپنے اعلیٰ اوصاف اور بحری قابلیتوں کی وجہ سے ہائڈرا کا ممتاز ترین آدمی تھا یونانی بیڑے کا افسر (نیوارک) بنایا گیا (۲۸؍اپریل ۱۸۲۱ء) اس کی درخواست پر مجلس اعیان ہائڈرا نے حسب ذیل قانون نافذ کیا "ہر وہ سیاح جو اپنے ملک کے لیے کام آئے گا اس کے بال بچوں کی سرکار خود پرورش کرے گی۔ اس کا نام شائع کیا جائے گا۔ اور گرجاؤں میں اس کی یادگار منائی جائے گی۔

۲۔ زخمی صحت یاب ہونے تک ملک کے صرفے سے رکھے جائیں گے۔ اور اگر وہ جنگ میں اندھے ہو جائیں تو قومی وظائف سے ان کی اور ان کے خاندان کی پرورش کی جائے گی۔

۳۔ ہر سال ہائڈرا کی خانقاہ کے گرجا میں مردوں کی فاتحہ میں ان تمام کا

نام لیا جائے گا جنھوں نے ملک پر آپ کو قربان کیا۔

۴۔ تمام غداران وطن مراعات کینیا سے محروم کئے جائیں گے اور آزادی وطن کی دشمنی اور مادر وطن سے غداری کی بنا پر مستوجب سزا ہوں گے۔

۲ مئی کو تمبازس الجزائر کے تمام جزیروں میں بغاوت کی اشاعت کے لیے روانہ ہوا۔ جون میں وہ ایکسو جہاز لے کے جن میں کے سب سے بڑے جہاز پر بیس سے زیادہ توپیں نہ تھیں، پطرس پر جس کی خشکی پر ناکہ بندی کی گئی تھی روانہ ہوا تا کہ اس کے دریائی تعلقات کو بالکل توڑ دے۔ ہائڈرا نے ۳۶ جہاز فراہم کئے تھے جن میں بارہ توپوں سے لے کر بیس توپیں تک تھیں۔ زارا سے ۲۸ جہاز آئے تھے جن میں آٹھ جلانے والے جہاز تھے۔ اسپیزیا کے تیرہ جہاز تھے کلاری، ماٹسون، پطمس، اندروس، اور سائی نے بیس کے قریب دو مستولی جہاز مہیا کئے جن میں کے بعض پر سولہ سولہ توپیں بھی تھیں۔ ایک انگریزی جہاز "دو کیمبرین" نامی نے محاصرے میں سے گھس کے پطرس کو سامان رسد پہنچایا تھا جس سے تمبازس کو محاصرہ اٹھا دینا پڑا۔ اور وہ عثمانی بیڑے کے مقابلے پر روانہ ہوا جو درۂ دانیال سے روانہ ہو چکا تھا لیسباس کے سامنے ہر دو بیڑے یکجا ہوے لیکن کچھ دیر تک ایک دوسرے کو دیکھنے کے بعد بغیر لڑے بھڑے کے وہ ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔ ترکی جہازوں پر قسطنطنیہ کے قید خانے کے قیدی اور گلی کوچوں کے آوارہ گرد قوال، اور تماشا گر بھرے ہوئے تھے جو کسی مصرف کے نہ تھے۔[1] اور جب مٹیلین سے گولہ باری ہوئی تو ترکی امیر البحر اس خوگیر کی بھرتی کے ساتھ یورپ کی بندرگاہ پر روانہ ہوا۔ تمبازس اپنے چھوٹے سے بیڑے کے ساتھ حملہ کرنے پس و پیش کر رہا تھا مگر زارا کے ایک ملاح پاپانکولس نامی نے جو تھسمی کی لڑائی میں شریک رہ چکا تھا یہ رائے دی کہ آتش بار جہازوں سے ترکی بیڑے کو تباہ کیا جائے۔ پاپانکولس کے آتشی جہاز سے ایک ترکی جہاز جس پر بہتر توپیں اور نو سو آدمی تھے باندھ دیا گیا۔ تھوڑی دیر میں شعلے بلند ہوے۔

---

[1] ۔ تاریخ سلطنت عثمانیہ مصنفہ جنرل جمکیر یوڈی سینٹ ڈینیس۔

کمانڈر ڈر کے ایک کشتی میں کودا اور ساحل کا رخ کیا لیکن ایک ملاح نے اس کی بزدلی سے طیش میں آکے چاقو اس کے سینے میں بھونک دیا۔ ترکی جہاز میں ایک بڑا دھماکہ ہوا اور تمام جہاز والے ڈوب مرے۔ ترکی بیڑے نے گھبرا کے درۂ دانیال کا رخ کیا۔ چھوٹے عیسائی بیڑے نے اس کا تعاقب آبنائے تک کیا۔

ساموس نے بہت گرمجوشی کے ساتھ اس قومی لڑائی میں شرکت کی تھی۔ قپودان پاشا کو جس کے پاس چار بڑے جنگی جہاز پانچ متوسط جہاز اور بارہ چھوٹے جہاز تھے اس جزیرے کی سرکوبی اور تمام عیسائیوں کے قتل کا حکم ملا۔ اہل ساموس کی جان توڑ مقاومت سے عیسائی بیڑے کو مدد پر پہنچنے کا موقع مل گیا۔ ۲ر جولائی کو بچاس دو مستولی یونانی جہاز جن میں کا بڑے سے بڑا جہاز چھوٹے سے چھوٹے ترکی جہاز سے چھوٹا تھا ترکی امیر البحر کے مقابلے میں کھڑے ہوئے جب انتشار جہازوں کو اپنے سامنے دیکھا تو وہ جلدی سے ٹینیڈاس پلٹ گیا اس کے آٹھ بار برداری کے جہاز یونانیوں کے ہاتھ آئے۔ ان ہزیمتوں کا معاوضہ نکالنے کے لیے اسماعیل جبرالٹر نے ہائدرا پر اچانک اگرنے کی کوشش کی لیکن اسے ناکامی ہوئی اور وہ خلیج لیپانٹو روانہ ہوا (فروری ۱۸۲۲ء) اور باوجودیکہ اسے راس تنیر اور نویرن میں پسپا ہونا پڑا تھا لیکن اس پر بھی اس نے اپنے چار ہزار آدمی اکیا کے ساحل پر اتارے۔ مگر ٹمبازس اور میاس کے بیڑے سے جو پطرس سے آرہا تھا اس کی مٹ بھیڑ ہوگئی اور مجبوراً اسے لڑنا پڑا لیکن ایک ہوائی طوفان سے ہر دو بیڑے ایک دوسرے سے علٰحدہ ہوگئے۔ تمبازس کے جہاز کی گولہ باری سے ترکی امیر البحر کے جہاز کو سخت صدمہ پہنچا جس سے یونانی امیر البحر (نوار وک) کو اس کے جہاز میں اترنے کا موقع مل گیا۔ بالآخر مارچ کے اخیر میں ترکی بیڑا درۂ دانیال میں دوبارہ داخل ہوا اور قپودان پاشا کے بیڑے سے مل کے دوبارہ درۂ دانیال سے بہت جلدی سے نکلا۔ قپودان پاشا نے سات جنگی جہاز اور چھبیس معمولی جہازوں کے ساتھ بغیر روک ٹوک کے خیو کا رخ کیا حالانکہ یونانی بیڑا ابھی تک اسی خیال میں تھا کہ ترکی بیڑا درۂ دانیال میں ہی ہے۔

سلطنت عثمانیہ کے عہد میں خیو میں خوشحالی کا دور دورہ تھا۔ مثل تھسلی کے

علاقوں کے خیوپر بھی والدۂ سلطان کی نگرانی تھی جس کی بیشتر آمدنی اسی علاقے سے تھی اس جزیرے کی مرفہ الحالی میں اس کا بھی فائدہ تھا اس لیے اس نے اچھا انتظام رکھا تھا۔ ۸ر مارچ ۱۸۲۱ء کو جب تمبازس یہاں لنگر انداز ہوا اور اہل جزیرہ کو بغاوت پر بھڑکانے کی کوشش کی تو ذی ثروت باشندوں نے اپنی تمام دولت ترکی گورنر کو پیش کی اور کمک طلب کرنے پر مصر ہوئے تھے۔ بہ نسبت اس کے کہ اپنے نقصان کے ساتھ خرخشے کی آزادی حاصل کریں انھوں نے عثمانی تسلط میں رہنا پسند کیا تھا۔ یہ صورت حال دس ماہ تک رہی لیکن اوائل مارچ ۱۸۲۲ء میں لائکرگس لوگوتھیٹی کی سیادت میں پانسو سامی (اہل ساماس) اس جزیرے پر اترے۔ ان کے ساتھ بورنیا نامی کے تحت جو پہلے فرانسیسی فوج کے ساتھ جنگ میں شریک تھا ڈیڑھ سو خیوکے جلا وطن بھی تھے چند دن میں ترکوں کو سب طرف سے بھاگنا اور قلعے کو اپنی پناہ گاہ بنانا پڑا لیکن جب ترکی بیڑا ان کی مدد کو پہنچ گیا تو سامیوں نے قلعے کا محاصرہ اٹھادیا اور ترکوں کے جہازوں میں سے صحیح سلامت نکل آئے۔ خیویوں کو بھروسا تھا کہ یورپین قونصل مداخلت کریں گے اور حسب وعدہ انھیں امان دلائیں گے لیکن ان کے ساتھ سخت دغا بازی کی گئی۔ دس ہزار ایشیائی جنھوں نے سیڈونیا اور سمرنا کے باشندوں کو قتل کیا تھا جزیرے میں داخل ہوئے اور دول یورپ کے نمائندوں کو بغیر کسی عذر وحیلے کے قتل کیا ان کی بے آبروئی کی اور انھیں آگ کا نشانہ بنایا۔ اور جی بھر کے لوٹا اور جی بھر کے عیاشی اور خونریزی کی۔ جو قتل نہیں ہوئے وہ غلام بنا کے بیچے گئے۔ منجملہ ایک لاکھ عیسائی آبادی کے بیس ہزار آدمیوں کو دوسرے جزائر کے عیسائیوں نے بچایا۔ خیوکی آبادی گھٹ گھٹا کے نو ہزار نفوس رہ گئی۔

اس کا انتقام کینارس نے عثمانی بیڑے میں آگ لگا کے لیا جب تمبازس نے دیکھا کہ خیوکا خاتمہ ہو چکا اور وہ دیر سے پہنچا تو قپودن پاشا کے بیڑے کی نگرانی کو میالس پر چھوڑ کے خود اکریت روانہ ہوا تا کہ مصری بیڑے کی راہ میں حائل ہو جو ترکی افواج کے لیے سامان رسد لا رہا تھا۔ میالس نے دشمن کو زک دینے کی بہت کچھ کوشش کی لیکن جب کامیابی نہ ہوئی تو ایک اخیر تدبیر سوچی۔ ترکوں نے دشمن کے

خطرے سے مطمئن ہو کے ایشیائے کوچک کے ساحل پر لنگر ڈالا اور عید رمضان منائی۔ جہازوں پر بدمستی میں سپاہی اور افسر جھوم رہے اور رنگ رلیاں منا رہے تھے کہ منتقم سر پر پہنچ گیا ایک زاری ملاح سینارس نامی تجارتی جہازوں کی صورت میں دو آتشبار جہازوں کو لے کے عثمانی بیڑے میں گھس گیا اور ایک جہاز کو امیر البحر کے جہاز سے باندھ دیا جس پر خود قبودن پاشا تھا جس نے خیو میں قتل کا حکم دیا تھا اور جس کے ساتھ بیڑے کے تمام افسر تھے۔ بہت جلد امیر البحر کے جہاز میں آگ لگ گئی اور آہ وزاری اور فریاد سے مسلمانوں کے نعرہ ہائے مسرت مبدل ہو گئے۔

دوسرے آتشبار جہاز نے نائب امیر البحر کے جہاز پر گولہ باری کی۔ ترکوں نے اپنے جہاز کو اس سے علیحدہ کر لیا لیکن دہکتے جہاز نے اپنا کام نہ چھوڑا۔ عقبی افسر (Rear Admiral) کے جہاز کو آگ لگی اور دھماکہ ہوا۔ ایسا ہی سب طرف دھماکوں کی آوازیں بلند ہوئیں۔ ترکی بیڑا تباہ ہو گیا اور تین ہزار آدمی اس تباہی میں کام آئے۔ (۱۸ جون ۱۸۲۲ء)

استامبول اس گستاخی کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ بہت جلد چند بڑے سولہ متوسط اور اٹھارہ چھوٹے جنگی جہاز اور چوہتر دو مستولی جہاز بھیجے گئے۔ اگر یہ بحری بیڑا درم علی کی مدد کرتا جو پلو پانس پر حملہ کر رہا تھا تو یونان ہاتھ سے چلا گیا تھا۔ موزہ کے حمایتی سوائے بہادری سے جان دینے کے اور کچھ نہ کر سکتے تھے میالس نے کچھ پس و پیش نہیں کیا اور پچاس دو مستولی جہازوں کے ساتھ اسپیزیا کے آگے امیر البحر عبد اللہ پاشا کے مقابلے میں کھڑا ہو گیا۔ یونانیوں نے اپنے بیڑے کو دو حصوں میں تقسیم کیا تھا جن میں سے ایک تو سیڑھی کے طور پر آبنائے اسپیزیا میں متعین کیا گیا تھا اور ایک ہائڈرا اور رہر میان کے درمیان دشمن کے مقابل میں تھا تا کہ اس کو منتشر کرے۔ دونوں طرف سے گھمسان لڑائی ہوئی۔ پلینیاس اپنے آتشبار جہاز کے ساتھ دشمن کے ایک متوسط جنگی جہاز میں داخل ہوا جو تھوڑی دیر میں تمام اہل جہاز کے ساتھ جل کے ڈھیر ہو گیا۔ فتح کا رخ ترکوں کی طرف پھرا ہوا تھا کہ میالیس آپہنچا۔ تنگ نہر میں ان کے بڑے بڑے

جہاز آزادی کے ساتھ حرکت نہیں کر سکتے تھے اور اس کے سوائے کنارے سے ان پر توپوں کی باڑھ چل رہی تھی۔ چار گھنٹے کی لڑائی کے بعد ترک بدنظمی کے ساتھ ٹینیڈاس واپس ہوئے۔ (ستمبر ۱۸۲۲ء) اپسیلنٹی کے ساتھ میالس کا بھی ملک کو بچانے میں نام ہوا۔

عثمانی بیڑا مرمت کے لیے خلیج لسیکا روانہ ہوا۔ کینارس نے جو "سوریائی کا سوریا نہایت سادہ مزاج اور نہایت جان نثار تھا"، صرف کیریاکس کی معیت میں اتنے بڑے بیڑے کو جلانے کا منصوبہ سوچا ان دونوں بہادروں نے خود کو یونانی جہازوں کا مفرور ظاہر کرکے عثمانی بیڑے میں پناہ لی۔ چونکہ وہ بظاہر عثمانیوں کے دوست تھے اس لیے ان کو اپنے منصوبے کی تکمیل کا موقع مل گیا۔ کینارس نے اب کے بھی امیر البحر کے جہاز کو اپنا نشانہ بنایا۔ آدھی رات گئی تھی کہ ترکوں کے جہاز جلنا شروع ہوئے۔ دھماکوں کی آواز پر ساحل والوں نے یہ خیال کرکے کہ یونانی حملہ آور ہوئے ہیں لنگرگاہ کے تمام جہازوں پر گولہ باری کردی۔ اہل جہاز نے نامعلوم دشمن سے بھاگنا چاہا لیکن اس اثنا میں ایک سخت طوفان آیا اور بیڑے کا بیڑا غرق ہو گیا (نومبر ۱۸۲۲ء)۔

مسولنگھی کا محاصرہ (۱۸۲۳-۱۸۲۴ء)۔ بوٹزارس کی موت غمخواران یونان

خطۂ سیلیڈ کو فتح کرنے کے بعد اور آزادی مراسلت سے مطمئن ہوکے عمر بریون نے مسولنگھی کا محاصرہ کیا۔ دیواریں شکستہ حالت میں تھیں اور جن گلی استحکامات سے مورچوں کی حفاظت کی گئی تھی وہ ایسے تھے کہ ان کا عدم وجود یکساں تھا۔ استحکامات کی تکمیل کے لیے چار ہزار آدمیوں کی ضرورت تھی اور تھے پندرہ سو کے قریب۔ چار قدیم

لہ رپورٹ کمانڈر لی پلے ایڈ یکانگ امیر البحر رگوری از محولہ امیر البحر جولین ڈی لا گریویر۔

وقت کی بحری توپیں اور چند ہلکی توپیں توپخانے کی کائنات تھیں لیکن محصورین کا سردار مارکو بوٹزارس جیسا شخص تھا۔ ماورو گورڈیٹو نے قلعہ بندی کا انتظام کیا۔ بوٹزارس نے دشمن کو کریونرو کی گھاٹی میں روکنے کی کوشش کی لیکن کثرت فوج سے مجبور ہو کے اسے شہر کو مراجعت کرنی پڑی۔ عمر وینس نے قلعے پر سیڑھیاں لگائیں (۷، نومبر ۱۸۲۲ء) لیکن اسے سخت نقصان کے ساتھ پسپا ہونا پڑا۔ اس نے چند روز کے لیے التوائے جنگ کی تجویز پیش کی جس کو ماورو گورڈیٹو نے خوشی سے قبول کیا۔ عمر وینس کو امید تھی کہ رشوت سے بعض سردار اس کے طرفدار ہو جائیں گے اور اس طرح سے بغیر خونریزی اور جنگ وجدل کے اس اہم مقام کا قبضہ ہو جائے گا۔ بوٹزارس کی چال کچھ اور تھی۔ اس نے فرضی گفت وشنید سے عمر وینس کو دھوکے میں رکھا اور قلعے کے مورچوں کی تکمیل کر لی۔ رشید پاشا مسولنگھی کو بزور جنگ فتح کرنا چاہتا تھا اس لیے جب اس نے یہ ڈھیل دیکھی تو اپنے شریک کار پر تعویق کا الزام رکھا۔ خشکی کے حالات یہ تھے۔ سمندر میں یوسف پاشا نے جو محاصرہ کن بیڑے کا افسر تھا یونانیوں سے خط وکتابت کی اسے امید تھی کہ وہ اسی کی کوشش سے اطاعت پر راضی ہوں گے۔ ان ہر سہ افسروں کی غلط فہمیوں سے محاصرہ لیت ولعل میں رہا۔ پیر مورو میکلیس کے تحت بارہ سو موریوں کی کمک سے جنھوں نے ترکی محاصرہ فوج کو پیچھے ہٹایا محصورین کی ہمت دو بالا ہوگئی۔ لڑائی کا تصفیہ کرنا ضروری تھا۔ مشرقی یونان میں یونانیوں کو فتح ہوئی تھی۔ جس کی وجہ سے محاصرہ کرنے والی فوج کا مرکز خدشے میں تھا۔ ۶، جنوری ۱۸۲۳ء کو ترکی فوجوں کو شبخون کا حکم ملا۔ ہر دو افسروں کو خیال تھا کہ کرسمس کے جشن میں دشمن ہاتھ آجائے گا لیکن بوٹزارس غافل نہ تھا۔ بڑی گھمسان لڑائی کے بعد ترکوں نے اپنے نو سو آدمی موت کے نذر کر کے قلعے کا تخلیہ کیا۔ غذا کی قلت سے فوج میں ابتری پھیل گئی۔ عمر وینس نے محاصرہ اٹھا لیا اور فرار ہو گیا۔ یونانیوں نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا جس کی وجہ سے اکیلس کے راستے میں اس کے سترہ سو آدمی ہلاک ہوئے۔ اور اکارنینیا کا راستہ تمام اسے لڑتے بھڑتے طے کرنا پڑا۔

۱۸۲۳ء کی مہم کا آغاز باغیوں کی کامیابی سے ہوا۔ ناپلیا ان کے ہاتھ آیا (جنوری)۔ ایک قومی مجلس نے جس کا اجلاس سسٹراس میں ہوا کولوکوٹرونی کو پلوپانس کا سپہ سالار اعظم، مارکولوتزارس کو ایٹولیا اور اکارنینیا کا سردار، آرلنڈس کو مجلس اعیان (سینیٹ) کا صدر، پیر مورومیکالیس (پطروبے) کو صدر باب حکومت (Executive Council) اور مورو کورڈیٹو کو معتمد سلطنت مقرر کیا۔

درم علی کی شکست کا بدلہ لینے سر عسکر سلیم پاشا نے بیس ہزار کی فوج کے ساتھ پیش قدمی کی۔ کولوکوٹرونی، اوڈیسس اور نکیٹا نے سینٹ لیوک کی خانقاہ کے پاس دشمن کو منتشر کر دیا اور اس کی بچی کھچی فوج کا رڈیکا لا تک تعاقب کیا (جولائی)۔ سلیم کا تمام سامان جنگ، توپیں اور گھوڑے فاتحین کے ہاتھ آئے۔

"یہ سمجھنا مشکل ہے کہ کیوں ترکی افسروں کو اپنی کوششوں میں ہزیمت ہوتی تھی۔ کیوں ان کی خط و کتابت کا سلسلہ منقطع ہو جاتا تھا اور کیوں انھیں اپنے حملوں سے شدید نقصانات کے ساتھ پسپا ہونا پڑتا تھا حالانکہ ان کے پاس کثیر فوجیں رہتی تھیں جن کے مقابلے میں یونانیوں کے دستے کسی شمار میں نہ تھے۔ بات یہ تھی کہ افسر اور اعلیٰ حکام جاہل محض اور سپاہی سرکش ہوتے تھے اس پر سے راستے کی خرابی یہی اسباب تھے جو دراصل ترکوں کی ان ہزیمتوں کا باعث ہوئے"[1]

اگرچہ یونانی سرداروں نے حکومت کے لیے آپس میں جنگ و جدل کی تو مارکو بوتزارس نے یونان پر اپنے تئیں قربان کر دیا جب مصطفیٰ والی سقوطری نے ایٹولیا پر حملہ کیا تو بوتزارس ڈھائی ہزار آدمیوں کے ساتھ مقابلے کے لیے نکلا۔ ۱۱ راگست کو کارپینٹزا میں اس نے مقدمۃ الجیش کو اچانک آلیا جو خود مصطفیٰ کے تحت تھا اور دو ہزار آدمیوں کو قتل کیا لیکن اس بہادر البانی کے دو گولیاں لگیں اور فتح کی آغوش میں اس کا کام تمام ہوا۔ مثل اپامینڈاس کے اس نے دو لڑکیاں یادگار چھوڑیں۔ مسولنگھی میں اس کی لاش لائی اور دفن کی گئی۔ سب نے اس کی تعزیت کی اور اس کو بطل (Hero) کا درجہ دیا۔ مارکولوتزارس ان سرداروں میں

[1] تاریخ سلطنت عثمانیہ از جنرل جوکیرین ڈی سینٹ ڈینیز۔

جو خود غرضی اور حب وطن دونوں جذبے رکھتے تھے ممتاز حیثیت رکھتا تھا چنانچہ جنگ خود مختاری میں پیلنٹی کینارس اور بوٹزارس نہایت بلند پایہ افراد ہیں۔ یونانیوں کے مساعی میں قسمت نے یاوری کی اور کورنتھ پر دوبارہ ان کا قبضہ ہو گیا عثمانیوں کے علاقے میں چند بحری مقامات موریا، کورن، مودن وغیرہ باقی رہ گئے تھے۔ یورپ نے بھی باغیوں کا ساتھ دیا۔ اگر دول یورپ کو عثمانیوں سے ہمدردی تھی تو جمہور رعایا یونانیوں کی طرف دار تھی چنانچہ ورونا کی کانگریس میں جمہور یورپ نے اپنے بادشاہوں کے فیصلے کو جو یونان کے خلاف میں تھا تسلیم نہیں کیا۔ فرانس، انگلستان اور جرمنی کے نوجوانوں نے ایتھنس، اسپارٹا اور روما کے قدیم باعظمت زمانے کی محبت میں یونانیوں کی نہایت سرگرمی کے ساتھ حمایت کی۔

یونانیوں کی حمایت میں سوسائٹیاں قائم کی گئیں جنھوں نے چندہ جمع کیا اور پیسہ، گولہ بارود اور ہتھیار سے یونانیوں کی مدد کی۔ جی ڈیلادن، اور وکٹر ہیوگو نے بوٹزارس اور کینارس کے کارناموں کی مدح سرائی کی۔ غیر ملکی رضا کار جوق جوق شامل ہوئے۔ ان میں ممتاز ترین افراد یہ تھے۔ کرنل اندری سٹکرس جو ابتدائی بغاوت میں چھ سو آیونیوں کے ساتھ ساحل موریا پر اترا تھا۔ کرنل فبریر۔ کرنل فلپ، جورڈین۔ کرنل فوٹیر۔ نامور کونٹ سنٹاروزا جس کا بہادری کے ساتھ میدان جنگ میں خاتمہ ہوا۔ کونٹ پڑو ایم ریباڈ جو بعد میں فرانس کی طرف سے امریکا میں قونصل مقرر ہوا۔ ایم رفینل۔ اڈ بالکویٹیریس، کرنل فرلا۔ کپتان بالسٹ، جو کریٹ میں مارا گیا۔ واشنگٹن جو بانی ممالک متحدہ امریکا کی اولاد سے تھا۔ جنرل نارمن۔ سرایڈورڈ چرچ جو سابق میں نیپلس کی ریاست میں جنرل تھا۔ لارڈ کوچرین جس نے چیلی کے بیڑے کی سرداری کی تھی، ہیسٹنگس۔ کرنل اسٹانہوپ۔ لارڈ بائرن۔ یہ وہ انگریز شاعر تھا جس کو انگریزوں کے جھوٹے ادعائے مذہبی نے اپنی سرزمین سے جلاوطن ہونے پر مجبور کیا تھا اور جس نے اپنی تمام جائداد، اپنی جان، اور اپنی قابلیتیں اس یونانی خود مختاری کی جنگ میں وقف کر دی تھیں۔ اسی کے زیر اثر

ایک اخبار "وقائع یونان" شائع ہوتا تھا۔ اسی نے ڈاک قائم کی اور اسی کی طرف سے انگلستان میں قرضے کی تجویز طے ہوئی۔ یہی وہ یونان کے ہمدرد تھے جنھوں نے موجودہ یونان کو یونان بنایا۔ اور یہی وہ تھے جن کی وجہ سے باغیوں کو نوارن تک پہنچنے میں کامیابی ہوئی۔ اگر فبریر نہ ہوتا تو جنرل ہیرن کا ورود مشتے بعد از جنگ کا مصداق تھا۔

بدقسمتی سے یونانی قائدین نے باہمی جھگڑوں میں اپنی قوتوں کو بیکار کیا جن کی وجہ سے وہ اپنی فتوحات سے فائدہ نہ حاصل کر سکے۔ کولوکوٹرونی نے جنگی جماعت کے بل پر موروکورڈیٹو کو موریا سے نکال دیا اور اس کے غدار ملک ہونے کا اعلان کیا۔ لارڈ بائرن کی موت سے قرضے کی تجویز ناکام رہی۔ خانہ جنگی سے چندہ کا بار نہیں ڈالا جا سکتا تھا اور حالت یہ تھی کہ گورنمنٹ کا خزانہ خالی تھا۔ اگر ترکوں میں ذرا سمجھ ہوتی اور اگر وہ مستعدی کو کام میں لاتے تو انھیں ان پیچیدگیوں سے فائدہ اٹھانے کا اچھا موقع تھا لیکن جیسا کہ ہمیشہ سے ان کا دستور تھا انھوں نے اس مساعد موقع کو ہاتھ سے کھو دیا۔ جب ۳ر جولائی ۱۸۲۴ء کو عثمانی بیڑا پسارا کے مقام پر منتشر حالت میں تھا۔ اس وقت ترکوں نے ایک نہایت اہم موقع اپنے ہاتھ سے جانے دیا ایک شخص کتانامی کی غداری سے جس نے اسنڈریا کا توپ خانہ ترکوں کے حوالے کر دیا ترکوں نے بغیر لڑائی کے پندرہ ہزار آدمی ساحل پر اتارے تین دن کی شدت کی لڑائی کے بعد جس میں ترکوں کا شدید نقصان ہوا ان کو جزیرے کے تحتی علاقوں پر قابض ہونے میں کامیابی ہوئی ساتھ ہی مصری بیڑے کی کچھ فوج جزیرہ کیساس میں اتری اور اس پر قبضہ کیا۔ پانسو سر اور دو ہزار جوڑ کانوں کے اس دوہری فتح کے کارنامے میں قسطنطنیہ بھیجے گئے لیکن ترکوں کی یہ خوشی پائدار نہ تھی۔ ۷ر جولائی کو میاولس انشی عیسائی دو مستولی جہازوں کے ساتھ زارا کی طرف بڑھا۔ چھوٹن پاشا چار جنگی اور چھ بار برداری کے جہاز یونانیوں کے ہاتھ چھوڑ کے فرار ہو گیا اور اس فوج کو بھی خشکی پر چھوڑتا گیا جس کو اس نے ایک روز پہلے ساحل پر اتارا تھا۔ وہ اہل کیساس کی طرح ایک ایک کر کے تہ تیغ کر دئے گئے۔ جہاز کی مرمت کے بعد ٹمیلین سے جو ترکی بیڑے کے جمع ہونے کا

مرکز تھا رسدلے کے ۹ ر اگست کو قپودن پاشا سیماس روانہ ہوا۔ میالس نے اس خلیج میں جو اس جزیرے اور ایشیائی ساحل کے درمیان واقع ہے اس پر حملہ کیا جس سے اس کے دو متوسط اور ایک چھوٹے جنگی جہاز اور بیس بار برداری کے جہازوں کا نقصان ہوا لیکن اس پر بھی اسے خیوہ میں مصری بیڑے سے ملنے میں کامیابی ہوئی۔ بغیر پس وپیش کے میالس نے ۱۰ ر ستمبر کو اس مجتمعہ بیڑے پر ہلیکرناس کے سامنے اور ۲۱ ر کو پٹماس اور نکاریا کے درمیان حملہ کیا جس سے اس بیڑے کو ٹیلین کی لنگرگاہ میں پناہ لینی پڑی لیکن فریقین میں سے کسی نے بھی اپنی شکست نہیں مانی اور وہ ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔ قپودن پاشا درۂ دانیال واپس ہوا۔ راستے میں اس کے تین جہازوں کو کینارس نے سرنگ سے اڑا دیا۔ میالس نے خیوہ کے نواح میں ابراہیم پر حملہ کیا۔ ابراہیم کے چند بار برداری کے جہاز اور بیس ہزار آدمی ضائع ہوئے اور خود اسے مارمارینا کی بندرگاہ میں بند ہوجانا پڑا۔ ۲۴ ر ۲۵ ر ستمبر کی شب میں اس نے میالس کی گرفت سے نکل جانے کی کوشش کی لیکن اس کا بہترین جنگی جہاز بارود سے اڑا دیا گیا۔ اس کے بارہ جہازوں نے جھنڈیاں ڈال دیں۔ اور سات بار برداری کے جہاز جن میں سامان حرب تھا گرفتار کئے گئے۔

ترک اس جنگ سے بیزار ہو رہے تھے جو بہت سخت اور پیہم چل رہی تھی مفتی نے ان کی شکستوں کی وجہ اس قہر خدا کو بتایا جس سے انھیں ان زیادتیوں کی سزا مل رہی تھی جو انھوں نے نہتے عیسائی باشندوں عورتوں اور بچوں پر کی تھیں۔ محمود نے والیٔ مصر سے استمداد کی سوچی گو اسے یہ بھی کھٹکا لگا ہوا تھا کہ کہیں اس سے ایک دوسرے علی تپلینی کا فتنہ نہ کھڑا ہو۔ محمد علی کو اکریت اور موره کی ولایت دی گئی۔ آسٹریا کے اثرات سے استامبول میں ۱۸۲۵ء کی مہم کا بڑی کاوش کے ساتھ خاکہ تیار کیا گیا۔ اور یہ طے پایا کہ ابراہیم پاشا مصری فوج کی سرکردگی میں جنوبی موره پر حملہ کرے اور ترکی افسر اعظم کے علاقے میں بغاوت کا انسداد کریں۔ عیسائی حکومتوں کا احسان تھا کہ انھوں نے ترکوں کو بار برداری کے جہاز مہیا کر دیے جن کے ذریعے سے انھوں نے

بہت سے ایشیائی آوارہ گرد قبیلوں کو غیر ملکوں کے جھنڈے اڑا کے مقدونیہ اور تھریس بھیجا۔ اور ادھر ابراہیم نہایت اطمینان کے ساتھ مورہ کے ساحل پر اترا۔

ابراہیم پاشا۔ تسخیر مسولنگھی و ایتھنس سنہ ۱۸۲۶ء

یونانیوں کو بڑی آفت کا سامنا تھا۔ ابراہیم کی فوجیں سلطان المعظم کی فوجوں کے مانند پراگندہ، سرکش اور بے ضابطہ نہ تھیں۔ یورپین طریقے پر ان کی جنگی تعلیم ہوئی تھی اور انھیں یورپین خصوصاً فرانسیسی افسروں نے جنھیں والئ مصر نے فرانس سے قاہرہ اور اسکندریہ بلایا تھا تعلیم دی تھی چنانچہ وہ یونانیوں سے بہت بڑے ہوئے تھے جن کی خانہ جنگیاں اور بھی ان کا زور توڑ رہی تھیں مورہ کے فوجی سردار کولوکوٹرونی، ڈلیانی اور زیمیس ہائدرا کے قید خانوں میں اسیر تھے انھوں نے حکومت حاصل کرنے کے لیے فوج سے کام لیا تھا لیکن ناکام رہے تھے۔ ان کے سپاہیوں نے ابراہیم کا مقابلہ کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ جب تک ہمارے سردار مقید ہیں ہم جنگ پر نہ جائیں گے۔ میالس کا مودن کے آگے دشمن کے سترہ جہاز چلانا بیکار تھا۔ (۱۲ مئی ۱۸۲۵ء) کونڈوریوٹی مجبور تھا اور ابراہیم کی پیش قدمی میں مزاحمت نہیں کرسکتا تھا۔ نوارین نے اطاعت قبول کی اور کیلامیٹا پر مصریوں نے قبضہ کیا۔ یہ دیکھ کے پریزیڈنٹ کونڈوریوٹی نے اپنا استعفا پیش اور مقید سرداروں کو بحال کیا۔ کولوکوٹرونی کی بحالی سے جمہور کے جنگی جذبے میں ہیجان ہوا لیکن ابراہیم سوائے ناپولی کے تمام ساحلی مقامات پر قابض تھا۔ کولوکوٹرونی کو ٹریکورفا میں شکست ہوئی اور پیسلینٹی کو ریزیس اور آرڈدوا میں۔ یونانیوں کی شاندار لیکن بے قاعدہ بہادری مصری فوجوں کی باقاعدہ اور اصولی داؤگھات کے مقابلے میں بے کار تھی۔

ابراہیم نے اب تک اپنی میانہ روی کا ثبوت دیا جو غیر معمولی تھا۔

نوارین کے دستے کو اپنے سامان کے ساتھ آزادی سے مراجعت کرنے کی اجازت دی۔ اور باشندوں کی کسی قسم کی ذلت نہیں کی۔ رحمدلی اور انسانیت ہی اس طرز عمل کا باعث نہ ہوئی بلکہ مصلحت اور سیاست کا بھی اقتضا تھا لیکن اب ان دانشمندانہ تدابیر سے کیا ہو سکتا تھا جبکہ بے گناہوں کا خون بہت کچھ بہ چکا تھا۔ نوارین کے تمام باشندے پہاڑوں میں بھاگ گئے۔ (۱۸ مئی ۱۸۲۵ء)

باغیوں کے دل ٹوٹ گئے تھے۔ ابراہیم بغیر مزاحمت کے آگے بڑھا اور سب اس کے آگے فرار ہو گئے صرف پاپا فلیکس نے ہی جو سب سے پرانا ہیٹیری اور اس انقلاب کا پہلا حامی تھا اپنا فرض منصبی ادا کیا۔ آرکیڈیا کی مرتفع زمین کی اہمیت کو جان کے وہ ۹ جون کو پچیس ہزار آدمیوں کے ساتھ مینیا ٹیس کے تجارتی شہر کو روانہ ہوا جو تمام شہروں کا مرکز تھا۔

دوسرے دن مصریوں نے اس کی قیام گاہ پر حملہ کیا۔ چھ گھنٹے کی مسلسل لڑائی کے بعد یونانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ صرف تین سو آرکیڈی ہی پاپا فلیکس کے ساتھ لڑنے مرنے کے لئے رہ گئے جو انھیں تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے شہادت سے فائز المرام ہونے کی ترغیب دے رہا تھا۔ وہ شام تک لڑتے رہے اور آٹھ سو مصریوں کا صفایا کیا۔ ان کے ہٹنے کے بعد صرف پاپا فلیکس ہی تنہا رہ گیا۔ اس کی مردانگی سے متعجب ہو کے ابراہیم اس سے مخاطب ہوا۔ کہا کہ "پاپا۔ اطاعت کر لو۔ میں تمھیں تمھاری جان معاف کروں گا"۔ سپاہی پادری نے جواب دیا کہ مجھے تیری مہربانی کی ضرورت نہیں۔ میں نے ہی یونان کو اسکے ظالموں کے خلاف بغاوت کرنے پر ابھارا اور میں ہی اس کی حمایت میں جان دوں گا"۔ اب یونانیوں کے قبضے میں صرف ناپیا' ایتھنس اور مسولنگھی رہ گئے تھے۔ ابراہیم کی کامیابیوں سے رشید پاشا کو اطمینان کے ساتھ مسولنگھی کے محاصرے کی تیاریاں کرنے کا موقع مل گیا۔

مسولنگھی میں اس وقت چار ہزار رومیلیوں کا ایک دستہ مارکو بوٹزارس کے بھائی نوتھی بوٹزارس کے تحت تھا اور اس کی فصیل کے اندر ایک مقامی کونسل (جنٹا) تھی جس کے ذمے ایٹولیا کے فوجی اور مالی انتظامات تھے۔

اس کے اراکین جان پاپاڈائمنٹوپولس، جی کینارس اور ڈمٹریس کیملس تھے۔
بہار میں اس کا محاصرہ شروع ہوا اور شروع میں اس میں بہت سرگرمی دکھائی گئی قلعے کے اطراف میں چار دیواری بنائی گئی اور ادھر سمندر کی طرف سے عثمانی بیڑا مراسلت میں حارج ہوا۔ جب اطاعت قبول کرنے کے لیے کہا گیا تو بوٹزارس نے کہا کہ شہر کی کنجیاں توپوں پر ہیں۔ اس مغرورانہ جواب پر سخت برہم ہو کے رشید نے فوراً حملے کا حکم دیا۔ فوراً دس ہزار البانی بوٹزارس کے برج پر چڑھنے کے لیے آگے بڑھے تاکہ ہلال کا جھنڈا وہاں نصب کریں لیکن اس صدا نے کہ "مارکو بوٹزارس کی خاک کو بچاؤ" محصورین کی ہمت بڑھائی چنانچہ وہ اپنے دشمنوں پر پل پڑے اور انھیں اپنے پڑاؤ پر بھگا دیا۔ غنیم نے پے در پے حملے کئے لیکن اسے ناکامی ہوئی۔

اوائل ستمبر میں میالس نے عثمانی بیڑے میں سے گزر کے گولہ بارود اور رسد وافر مقدار میں محصورین کو پہنچائی۔ ساتھ ہی کرسٹس زاولس، کوسٹس فروٹومارس، اور جارج ڈائیٹنس نے اپنے لشکر کے ساتھ عثمانی محاصرے میں سے محصورین کی امداد کی۔ ۱۶ ردسمبر کو رشید نے ایک فیصلہ کن حملے کا تہیّہ کیا۔ اس حملے کے ساتھ ہی رہیگس، نکرس اور منٹالیمبرٹ پر بھی حملہ کرنے کی تدبیر سوچی گئی تھی۔ لیکن عثمانی ابھی خندق کی دوسری طرف ہی تھے کہ سرنگیں اڑیں۔ زمین کو اپنے قدموں کے نیچے پھٹتے دیکھ کے اور زلزلہ محسوس کر کے سپاہیوں نے بدحواسی میں ہتھیار پھینک دئے اور بدنظمی کے ساتھ فرار ہو گئے۔

رشید پاشا کی فوج لڑائیوں سے گھٹ گئی اور سرکش ہو گئی تھی۔ چنانچہ اس نے حاکمانہ طریقے سے محاصرے کو اٹھا دینے کا مطالبہ کیا اور بغاوت کے لیے مستعد ہو گئی۔ کراٹسکاکیو کا ملک پر قبضہ تھا۔ اس نے سیلون اور آرٹا کی مراسلت کو منقطع کر دیا تھا۔ اور یہ حالات دیکھ کر سرعسکر نے ابراہیم سے استمداد کا ارادہ کیا۔

محمد علی کا بیٹا ابھی آیا ہی تھا کہ رشید کی رائے سے اس نے حملے کا حکم دیا (۲۷ ردسمبر) مگر اسے پسپا ہونا پڑا۔ ابراہیم نے جب دیکھا کہ ان حملوں سے

کوئی سودمند نتائج نہیں نکلتے تو اس نے مسولنگھی کے اطراف کے علاقے کی تنقیح کی جس پر عثمانی افسروں نے توجہ نہیں کی تھی۔ سب سے پہلے ضروری یہ تھا کہ دوسرے مقامات سے اس مقام کو منقطع کیا جاتا تاکہ رسد اور امداد کا راستہ بند ہو جائے۔ آئیسلیڈی، اناٹولیکا اور ڈولس کی چوکیوں پر اس دورے میں قبضہ کیا گیا جس سے سمندر کی طرف سے رسل و رسائل کا سلسلہ مسدود ہو گیا جب ۱۴ اپریل کو میالس اپنے بیڑے کے ساتھ آیا تو وہ محصورین سے مراسلت نہیں کر سکتا تھا۔ مسولنگھی کا وقت آچکا تھا۔ اور جو شہر کہ بزور شمشیر فتح نہ ہو سکا وہ قحط سے مجبور ہو گیا۔ جلد تکلیف انتہائی درجے کو پہنچ گئی۔ جب سامان خورد و نوش ختم ہو گیا تو گھوڑوں اور کتوں سے پیٹ بھرا گیا اور جب یہ بھی ختم ہو گئے تو دریا کے کنارے کے نمکین پودے ایندھن بنے۔ ابراہیم نے شرائط صلح پیش کئے لیکن سولیوں نے جو قلعے کی فوج کا بڑا حصہ تھے ان کو تحقیر کے ساتھ نامنظور کیا۔

کرنل فیبویر نے عارضی گورنمنٹ کو صلاح دی کہ اگر اجازت ہو تو وہ پندرہ سو باقاعدہ کے ساتھ کراٹسکا کیو سے مل کر محاصرین پر حملہ کرے گا۔ اس کی امداد رد کردی گئی۔ اور اسے یہ جواب دیا گیا کہ مسولنگھی کا وقت آخر آچکا۔ اب مداوا بے کار ہے" بالآخر وہ وقت آگیا گرسنگی سے مجبور ہو کے محصورین نے ۲۲ اپریل کو کراٹسکا کیو کو لکھا کہ شام کو قلعے سے نکل کے دشمن پر دھاوا کیا جائے گا اور وہ دشمن کے عقب پر حملہ کر کے ان کی تائید کرے۔ کراٹسکا کیو علیل ہونے سے اپنے ہموطنوں کی مدد نہ کر سکا۔ ابراہیم کو ایک مفرور نے محصوروں کے ارادے سے پہلے سے ہی خبر کردی تھی۔ چنانچہ اس نے محصورین کی اس آخری کوشش کو ناکام بنانے کے سامان پورے کر لیے۔

روز مقررہ پر تمام قلعہ بند جو تین ہزار سپاہیوں اور چھ ہزار عورتوں بچوں اور بوڑھوں پر مشتمل تھے بالکل خاموشی کے ساتھ قلعے سے باہر نکلے۔ سولی ان سے پہلے ہی یہ نعرے لگاتے ہوئے نکل چکے تھے کہ بھائیو آگے بڑھو آج ان بربریوں کی موت ہے" لیکن دشمن پہلے ہی سے تیار تھا۔ جب وہ نکلے تو

اس نے سخت گولہ باری سے ان کا خیر مقدم کیا۔ وہ دستہ جو نہ لڑنے والی جماعت کے ساتھ تھا اس گولہ باری سے بدحواس ہو گیا اور قلعے میں واپس جانے کے لیے پلٹا۔ اس ہلڑ سے فائدہ اٹھا کے فراریوں کے ساتھ مصری بھی مورچوں میں گھس گئے مگر کرسٹس کیپسالس نے اٹھارہ سو عورتوں بچوں اور بوڑھوں کو اپنے پاس اکھٹے کر کے ایک بڑی عمارت میں ان کی مزاحمت کی جو بارود گودام تھی اس نے اطمینان کے ساتھ اپنے دشمنوں کو اس عمارت کے اطراف جمع ہونے کی مہلت دی۔ جب وہ جمع ہو گئے تو اس نے یہ کہہ کے بارود میں آگ لگادی کہ ”یسوع مسیح ہم پر رحم کیجیو“ بہادر کیپسالا اور اس کے ساتھیوں سمیت دو ہزار مصری بھی اس آگ کی نذر ہو گئے۔ سولی جب ترکی مورچوں سے آگے بڑھے تو کمین گاہ سے بجائے کراٹسکاکیو کی فوجوں کے البانیوں کو نکلتے ہوئے دیکھا جنھیں ابراہیم نے بٹھایا تھا۔ اس فوج نے انھیں گھیر لیا جو ان سے تعداد میں دس گنی زیادہ تھی لیکن بایں ہمہ انھوں نے اس آہنی دیوار کو توڑ کر اپنا راستہ نکالا اور سیلون پہنچے۔ ان کی تعداد اٹھارہ سو سے زیادہ نہ تھی۔

جب انھیں معلوم ہوا کہ مسولنگھی کی تسخیر سے تمام یونان میں ہیبت پھیل گئی ہے تو انھوں نے ، ہری کو مرکزی حکومت کو ایک خط اس مضمون کا لکھا کہ ”اے حاکمان یونان تمھیں بیدل نہ ہونا چاہیے۔ اگر ہم پر بھروسا رکھو تو ہم اب بھی ایسے گئے گزرے نہیں کہ دشمن سے اپنا انتقام نہ لیں۔ بیشک ہم اس حالت میں بھی اپنے وطن کی مفید خدمت کر سکتے اور زندۂ جاوید مارکو بوٹزارس کے ڈھائے ہوئے مقبرے کو از سر نو تعمیر کر سکتے ہیں اور اس عالی حوصلہ انگریز کا بدلہ لے سکتے ہیں جس نے اپنی جان اپنا مال اور اپنی کئی لبریز موسیقی نظمیں ہماری نذر کی ہیں۔ گو مسولنگھی تباہ ہو چکا لیکن وہ ہمارے دل میں موجود ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ ہماری رگوں میں وہی خون ہے جو پہلے تھا۔ اور ہم وہی ہیں جنھوں نے سولی کے ڈھلواں پہاڑوں میں آزادی اور وطنیت کے مقدس حقوق کی ایسی ہی حمایت کی جیسی مسولنگھی کی شکستہ دیواروں میں کی تھی۔

فتح کے بعد ہر دو جنرل علیحدہ ہوئے۔ ابراہیم کو جب ٹینا داخل ہونے میں

ناکامی ہوئی تو وہ مودن چلا گیا تاکہ اپنی فتوحات اور صعوبات سے دم لے۔ رشید ایتھنس روانہ ہوا جو فوجوں سے خالی تھا۔

کرائسکاکیو اور فبویہ سات ہزار آدمیوں کے ساتھ ایتھنس کی مدد پر جلد پہنچے۔ رشید کو چیداری میں دو مرتبہ شکست ہوئی (۱۰ اور ۲۰ راگست ۱۸۲۶ء) اور اسے پائریس اور فیلرم کا تخلیہ کرنا پڑا۔ اب فبویہ پندرہ سو باقاعدہ کے ساتھ محاصرہ میں سے گھس کر گڑھی میں پہنچا جس کی مدافعت کو اس نے قبول کیا تھا۔ کرائسکاکیو چاہتا تھا کہ مسلمانوں کو بھوکا مارے لیکن جنرل چرچ اور لارڈ کشرین کی رائے یہ تھی کہ ۴ رجون ۱۸۲۶ء کو حملہ کر دیا جائے۔ یونانی کامیاب رہے لیکن کرائسکو پیٹ میں گولی لگنے سے نہ بچ سکا۔ اس کی موت سے یونانیوں کو چھٹی جون کا سا حادثہ پیش آیا۔

اس روز ترکوں پر چوطرفہ حملہ کرنے کی ٹھیری تھی۔ اور یہ طے ہوا تھا کہ چار ہزار آدمی میونیچی کے ساحل پر اتریں اور ان کا محاصرہ کریں۔ ساتھ ہی پائریس اور الیوسس کے دستے جارحانہ کارروائی کریں لیکن جس طرح چاہئے تھا اس طرح اس تجویز پر عمل نہیں کیا گیا جس کی وجہ سے یہ منصوبہ بالکل ناکام رہا۔ یونانی دستوں نے علٰحدہ علٰحدہ جنگ کی اور جب دشمن کے سواروں نے انھیں گھیر لیا تو انھیں مربع صف بندی کا طریقہ معلوم نہ تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے متفرق دستے دشمن کی ضرب میں آئے۔ چرچ اور لارڈ کوشرین جلدی سے جہازوں پر سوار ہو گئے۔ تمام قیدی تہ تیغ کئے گئے۔ چرچ نے یہ حال دیکھ کے رشید سے صلح کی گفتگو کی اور شرائط طے کیے۔ گڑھی میں جو دستہ تھا اس کو اس نے تخلیہ اور ترکوں کے حوالے کرنے کا حکم دیا۔ فبویہ نے اس سے انکار کیا لیکن فاقہ کشی سے اس کے سپاہیوں کا برا حال ہو رہا تھا اور خود فوج میں پھوٹ پڑی ہوئی تھی جس سے اب اس کی فوج اس کے اختیار میں نہ تھی اس لیے مجبوراً اس کو قلعے کا تخلیہ کرنا پڑا۔ اس کو اپنے تمام سازوسامان اور جنگی اعزاز کے ساتھ جانے کی اجازت دی گئی۔

اتحاد ثلاثہ۔ تخلیہ موریا۔ صلحنامہ اڈریانوپل ۱۸۲۹ء

اب دیکھنا یہ ہے کہ یونانی سردار ایتھنس کی اس مصیبت میں کیا کر رہے تھے وہ اپنی قومی قوت کو ان خونریزانہ رقابتوں میں صرف کر رہے تھے جو اس ایک روزہ سلطنت کے لیے ہو رہی تھیں جو ابھی سلطنت کے قالب میں بھی برابر نہ آئی تھی ایک طرف تو رئیس پادری ترکوں سے صلح کرنا چاہتے تھے دوسری طرف فوجی سردار صلح کے نام سے گریزاں تھے اور اپنی جگہ قوت سے یونان کو آزادی دلانا چاہتے تھے۔ خود جنگی جماعت میں دو فرقے تھے ایک موری اور دوسرے رومیلی موری آپ کو انگلستان کے حوالے کرنا چاہتے تھے لیکن مغربی یونانیوں کی پرجوش مقاومت سے یہ منصوبہ کامیاب نہ ہوا اپسیلنٹی اور کانڈوریوٹی نے یونانیوں کو حب الوطنی اور عقل کے راستے پر بلایا لیکن وہ ذرا بھی ان کی ہدایت سے متاثر نہ ہوئے۔ باہمی شکایات میں اضافہ ہوا۔ اور ایک دوسرے سے منافرت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ نتیجہ یہ تھا کہ ان خصومات کی بجا آوری کے لیے تمام ذرائع جائز تھے۔ موروگورڈیٹو کے حکم سے اوڈیسس کو جو مشرقی یونان پر فی الجملہ قابض تھا اس کے لفٹننٹ نے قتل کر دیا۔ اس کا ایک انگریز نسبتی بھائی ٹریلانی قاتلوں کے ہاتھ سے بال بال بچ گیا جو اوڈیسس کا خزانہ چرانے بھیجے گئے تھے۔ موروگورڈیٹو نے کرنل جورڈین کو نکلوا دیا اور ورناکیوٹیس کو قید کیا جو انگلستان کو موریہ بیچ دینے کے خلاف تھا اور ہائڈرا میں ایک عام شورش پھیلائی جس سے کانڈوریوٹی بھائی ہلاک ہوئے۔ اہل موریہ مشرقی یونان کی مدد کے لیے جانا چاہتے تھے لیکن زیمیس اور ڈیلائنی نے ان کا یہ ارادہ بدل دیا۔

اپیڈورس کی دوسری کانگریس سے بھی کچھ بھلا نہ ہوا۔ (۲۴) ۲ر اپریل ۱۸۲۶ء

رئیس پادریوں کی سازشوں کا خاتمہ کرنے اور یونان کو تفرقہ پردازیوں سے نجات دلانے کانڈوریوٹی بھائیوں نے قومی نمائندوں کو ہرمیان میں مدعو کیا۔ زیمیس نے ایپنا میں اس کے خلاف ایک مجلس کا انعقاد کیا۔ خانہ جنگی کا آغاز ہوا مگر خوش قسمتی سے سرایڈورڈ چرچ اور لارڈ کوشرین نے مداخلت کی اور طے یہ کیا کہ ٹربزین میں ہر دو مجلسیں ملیں اور آسٹریا کے کونٹ جین کیپو کو جمہوریت یونان کا صدر مقرر کریں۔ کیپو کرفیو میں پیدا ہوا تھا اور جب کبھی موقع ملا اس نے یونانیوں کی مدد کی تھی جنھیں وہ اپنے ہموطن سمجھتا تھا۔ اپنی اعلیٰ قابلیتوں کی بدولت وہ روس کا وزیر خارجہ تھا۔ ۱۸۱۵ء کی وائنا کی کانگریس میں اس نے شہنشاہان یورپ کو یونان کے فیصلے میں متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی ۱۸۲۰ء کی ہیٹیریوں کی پہلی تحریک کے زمانے سے اس نے کابینہ ہائے یورپ کو یہ سمجھانے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا کہ کاربوناریوں اور باغی ہیٹیریوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ اور وہ دونوں ایک نہیں ہیں۔ ورونا کی کانگریس میں اس کی یونانیوں کی پرجوش حمایت سے شہنشاہ الکزنڈر اس سے کسی قدر برہم ہوگیا تھا لیکن اس پر بھی اس نے یونان اور یونانیوں کی حمایت نہ چھوڑی اور ان کے بہت اہم خدمات انجام دئے۔

مسولنگھی اور ایتھنس کی تسخیر کے بعد مشرقی یونان میں بغاوت مٹ گئی موریا میں الیس اور اکاٹیا نے ابراہیم کے آگے سر اطاعت خم کیا۔ یونانیوں کے پاس اب صرف ناپلیا، اکروکورنتھ اور مونیمبزیا یہ تین مستحکم مقامات رہ گئے تھے۔ ابراہیم نے ایک اخیر وار سے اس لڑائی کا خاتمہ کرنا چاہا۔ اور یونانی خودمختاری کی اخیر پناہ گاہوں کے محاصرے کی تیاری کی۔ یونانی اب قلاش تھے۔ لندن کے قرضے کی رقم اور محبان یونان کا نذرانہ جنگ، برادرکشی میں صرف ہوگیا تھا۔ پھر ملاح اور اہل جزائر نے یورپین جہازوں کی موجودگی میں ہی قزاقی شروع کردی۔ کسی ملک کے جہاز کو انھوں نے نہ چھوڑا اور نہ کوئی تجارتی جہاز ان سے بچا۔

یونانی جنگ اور یونانیت کا فیصلہ ہوچکا تھا کہ فرانس، انگلستان،

اور روس نے محاربین کو جنگ موقوف کرنے کی فہمائش کی۔ یونانی تو یہی چاہ رہے تھے انھوں نے فوراً اس فہمائش کو بسر و چشم قبول کیا اور صلح عارضی پر کاربند رہے لیکن باب عالی نے باغی غلاموں سے مصالحت کرنے سے انکار کیا اور جنگ جاری رکھی۔ اس پر ہر سہ دول نے سلطان کے اس اختلاف کو دور کرنا چاہا یہانتک کہ معاملے کی طوالت پر انھوں نے تلوار سے فیصلہ کرنے کی تدبیر سوچی۔

روس کی سرپرستی میں "ہیٹیرا" کو فروغ حاصل ہوا تھا لیکن الکزنڈر اول نے اس بغاوت میں ایک انقلابی جماعت کی کارپردازی کو محسوس کرکے اپنے ارادے کو علی الاعلان ظاہر کر دیا تھا کہ وہ معاہدوں پر ثابت قدم رہے گا۔ روسی سفارت خانے کا ترجمان جب قسطنطنیہ میں قید کیا گیا تو کونٹ اسٹراگونف نے صدائے احتجاج بلند کی اور دارالخلافت سے وطن روانہ ہو گیا۔ انگلستان نے جھگڑے کو دبانے کے لیے دخل دہی کی۔ زار نے یونان کو مثل صوبجات افلاق و بغدان کے تین صوبوں میں تقسیم کرنے کی تجویز پیش کی جن پر دول یورپ کی نگرانی رہے گی (۱۸۲۴ء)۔ اس تجویز کو دیوان نے اور خود باغیوں نے نامنظور کیا اس مراسلت کا سلسلہ الکزنڈر کی وفات تک (دسمبر ۱۸۲۵ء) اسی حالت سے جاری رہا۔ زار جدید نکولس اول نے انگلستان کی تائید سے سلطان کو معاہدۂ اکرمان پر مجبور کیا۔

اس معاہدے سے روس کو بحر اسود میں جہازرانی کی آزادی ملی۔ افلاق اور بغدان کو ان کا سابقہ حق سات سات سال کے لیے اپنے والیوں کے انتخاب کا پھر دیا گیا۔ ان والیوں (ہسپوداروں) کی برطرفی کے لیے زار کی اجازت ضروری تھی۔ صربستان رعیتی صوبہ قرار دیا گیا۔ ترکوں کو صرف اتنا ہی حق باقی رہا کہ وہ بلغراد اور تین اور قلعوں میں ایک دستہ فوج کا رکھیں اور کچھ خراج لے لیا کریں۔ (اکتوبر ۱۸۲۶ء)

یہ طے پایا کہ انگلستان اور روس دونوں مل کے یونانی جھگڑے کا تصفیہ کریں۔ کابینہ ہائے پیرس، وائنا اور برلن نے اس پر اپنی رضامندی ظاہر کی ۵ر فروری ۱۸۲۷ء کو انگلستان نے ترکی کو دول یورپ کی وساطت پیش کی۔

رئیس افندی نے یہ قطعی جواب دیا کہ "سلطان نہیں چاہتے کہ کوئی ان میں اور ان کی عیسائی رعایا میں مداخلت کرے اس لیے آئندہ سے اس قسم کے تجاویز کا کوئی جواب نہ دیا جائے گا۔" (۱۰ رجون) عثمانی وزرا کے اس مغرورانہ انکار سے فائدہ اٹھا کے روس نے ۶ رجولائی ۱۸۲۷ء کو انگلستان اور فرانس سے معاہدہ طے کیا دول متحدہ نے عہد کیا کہ وہ ان ہر دو طبقہ باشندگان میں ملکی علیحدگی کا انتظام کریں گے جس سے یونان کی حیثیت ایک باجگذار ملک کی رہے گی۔ ایک مخفی دفعہ یہ رکھی گئی کہ ترکی کو ان شرائط کے منظور یا نامنظور کرنے کے لیے ایک ماہ کا وقفہ دیا جائے گا۔

اس شرط اخیر پر بھی ترک ٹس سے مس نہ ہوئے اور اپنے ۱۰ رجون کے نوٹ پر اڑے رہے اس پر متحدہ بیڑوں کو حکم دیا گیا کہ وہ ترکوں اور مصریوں کو کسی قسم کی بھی نقل و حرکت نہ کرنے دیں۔ امیر البحر کڈرنگٹن اور امیر البحر ڈی رگنی نے اپنے ہدایات سے ابراہیم کو مطلع کیا۔ ابراہیم نے رضامندی ظاہر کی کہ وہ اپنے والد اور سلطان کے تازہ احکام کا منتظر رہے گا اور وعدہ کیا کہ وہ اپنے بیڑے کو نوارین کی لنگرگاہ سے باہر نہ نکالے گا۔ یہاں تک تو صلح عارضی ابراہیم نے منظور کی اب دیکھنا یہ ہے کہ یونانی اس پر کس حد تک کاربند رہے۔

امیر البحر کڈرنگٹن کی درخواست پر لارڈ کوشرن نے اپنا ارادہ ساحل البانیا کی مہم کا ترک کر دیا لیکن ہیسٹنگس نے سولنگھی کے پاس اپنے چھ جہازوں سے گیارہ چھوٹے جہازوں کے ایک ترکی بیڑے کو تباہ کر دیا (۲۰ ستمبر)۔

اس خبر پر ابراہیم نے غصے میں آگ بگولا ہو کے کہا کہ کیا یہ انصاف ہے کہ یونانی اہل یورپ کی حمایت میں جنگ جاری رکھیں اور عثمانیوں کے ہاتھ پیر باندھ دئے جائیں" اس نے اب آپ کو پابندی عہد سے بری کر کے بیڑے کو کوچ کا حکم دیا اور اچانک حملہ سے ہیسٹنگس کا بیڑا تباہ کر دیا۔ انگریزی اور فرانسیسی جہاز زانٹ اور مالٹو کی رسد پر روانہ ہوئے تھے کہ نگرانی کرنے والے جہازوں کی اطلاع سے دونوں امیر البحر پھر واپس ہوئے راستے میں انھیں روسی امیر البحر دی ہیڈن بھی اپنے بیڑے کے ساتھ مل گیا۔ "تالبٹ" کے افسر اسپنسر کو حکم ملا کہ وہ ترکی امیر البحر کو آگے بڑھنے سے منع کرے۔ ترکی امیر البحر نے جواب دیا کہ

اس کو ابراہیم کے پاس روانہ ہونے کے احکام ملے ہیں چنانچہ وہ نوارین کی طرف بڑھا انگریزی جہاز اس کے ساتھ ساتھ تھے۔

اس اثنا میں ابراہیم کو قسطنطنیہ سے ۲۱ ستمبر کی تاریخ کے لکھے ہوئے ہدایات ملے جن میں دوبارہ فوری جنگ کا حکم دیا گیا تھا۔ فوراً ترکوں اور مصریوں کی فوجوں نے یسینیا اور آرکیڈیا پر حملہ کر دیا اور کیلا میٹا میں ایسی زیادتیاں کیں کہ کپتان ہملٹن ایک عینی گواہ سرای کڈرنگٹن کے خط میں لکھتے ہیں کہ اگر ابراہیم یونان میں رہا تو ایک تہائی سے زیادہ آبادی بھوکی مرجائے گی۔"

سرای کڈرنگٹن کو ترکوں کی مخالفت سے باز رہنے کے ہدایات دیے گئے تھے لیکن اس زمانے کے روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وزیر بحر ڈیوک کلارنس نے جو بعد میں ولیم چہارم ہوا۔ حاشیے پر یہ لکھا تھا کہ میرے پیارے ایڈورڈ تمھیں بالکل حکم امتناعی نہیں دیا گیا ہے اگر ضرورت پڑے تو تم آلات آتش استعمال کرسکتے ہو" بہرصورت اسٹرافورڈ کیننگ سفیر انگریزی متعینہ قسطنطنیہ نے امیر البحر کو لکھا تھا کہ۔

"گو دول متحدہ کا ہرگز منشا یہ نہیں کہ جنگ میں کودیں اور گو ہمارے انتظامات سے جنگ و جدل کی نوبت نہ آئے لیکن اس پر بھی اپنے ہدایات کے مطابق آپ کو چاہیئے کہ کمک کو نہ پہنچنے دیں چنانچہ اس کے روکنے کے لیے جب تمام ذرائع غیر مفید ثابت ہوں تو مجبوراً توپ و تفنگ سے کام لیا جا سکتا ہے۔"

۱۶ اکتوبر کو جہاز کے افسرانِ اعلیٰ نے ابراہیم کو حکم دیا کہ وہ اپنی فوجوں کو واپس بلالے۔ اپنے بیڑے کو درۂ دانیال اور اسکندریہ بھیجدے اور موریہ کا تخلیہ کر دے جواب یہ ملا کہ ابراہیم موجود نہیں ہے۔ اس پیام کو اسی کے پاس بھیجنا ہوگا۔ ۱۸ اکتوبر کو ہر سہ امیر البحروں نے جنگی کمیٹی کی اور یہ طے کیا کہ مرعوب کرنے کے لیے جنگی سازوسامان سے مستعدی دکھائی جائے۔ چنانچہ دو دن بعد بیس مختلف قسم کے جہازوں کا متحدہ بیڑا لنگرگاہ نوارین میں داخل ہوا۔ عثمانی جہاز جو اسی کی تعداد میں تھے تین صفوں میں مثل ہلال کے آراستہ ہو گئے۔ فریقین میں سے کسی کا بھی

لڑنے کا خیال نہ تھا لیکن ایک افسوس ناک مغالطے سے خونریزی واقع ہوئی۔ ترکی بیڑے سے ایک انگریز پیام رساں کے گولی لگی جو ترکوں سے یہ کہنے گیا تھا کہ وہ اپنے آتشبار جہازوں کی جگہ بدل دیں۔ جہاز "دارٹ موتھ" سے کپتان فیلوز نے گولہ باری سے اس کا جواب دیا۔ امیر البحر موخر ڈی رگنی نے مصری جہاز امینا کے کمانڈر سے جس کا جہاز ڈی رگنی کے جہاز سے بالکل قریب تھا کہا کہ اگر مصری لڑائی کو بند کر دیں تو وہ بھی لڑائی کو بند کر دے گا لیکن مصریوں نے اس نیک صلاح پر عمل کرنے کی جگہ اپنی تمام توپوں کا رخ فرانسیسی جہاز کی جانب کر دیا۔ اس پر بھی امیر البحر کوڈرنگٹن نے مصری دستے کے سردار محرم بے کے پاس ایک کشتی کے ذریعے یہ پیام بھیجا کہ وہ جنگ کا سلسلہ بالکل بند کرنا چاہتا ہے لیکن ترکی امیر البحر کے جہاز سے گولہ برسا جس سے کشتی کا سکانی مارا گیا۔ اور "ایشیا" پر بھی گولہ باری کی گئی۔ پھر تو فریقین میں باضابطہ جنگ شروع ہوگئی جس کا سلسلہ پانچ گھنٹے تک رہا۔ شام ہوئی تو ترکی بیڑے میں صرف پندرہ چھوٹے چھوٹے جہاز باقی رہ گئے تھے۔ ابراہیم اپنے جہازوں کی اس تباہی کے وقت موجود نہ تھا۔ جب آیا تو بجائے اس کے کہ عیسائیوں کو چھیڑتا یا ان سے بدلا لیتا اس نے حکم دیا کہ جو کوئی عیسائی کو ہاتھ لگائے گا اسے موت کی سزا دی جائے گی۔

نوارین کا واقعہ قسطنطنیہ میں ۲؍ نومبر کو معلوم ہوا۔ اس اطلاع کے ساتھ ہی رئیس افندی نے دول متحدہ کے سفرا کو حسب ذیل یادداشت بھیجی۔

(۱) حلیف معاملات یونان میں مداخلت نہ کریں گے۔

(۲) وہ باب عالی کو ان جہازوں کا تاوان دیں گے جو نوارین میں تباہ کیے گئے۔ اور باب عالی سے معافی بھی مانگیں گے۔

ان شرائط کو منوانے کے لیے پانچ لاکھ آدمیوں کی ضرورت تھی۔ سفرائے ہر سہ دول نے انقطاع تعلقات کا اعلان کیا اور اپنے اپنے ملک کو روانہ ہوئے۔ (۸؍ دسمبر) اس کے دس دن بعد ایک خط شریف شائع ہوا جس میں مسلمانوں کو جنگ صلیبی کی دعوت دی گئی تھی۔ اس میں لکھا تھا کہ

کفار چاہتے ہیں کہ اسلام کو مٹا دیں اور مسلمانوں کی قوم کو پامال کر دیں۔ تمام تابعین اسلام کو معلوم ہو کہ جنگ ہمارا فرض منصبی ہے۔ انھیں یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ ماہانہ چندہ کافی ہے۔ نہیں بلکہ ہم کو چاہئے کہ اپنی جانوں کو بھی شوق و مستعدی کے ساتھ ان فرائض کی بجا آوری کے لیے نذر کریں جو اسلام ہم پر واجب گردانتا ہے اور اس کے تا روز حساب قائم رہنے کے لیے متحدہ طور پر کوشش کریں کہ دین و دنیا میں سرخروئی کا یہی ایک ذریعہ ہے۔"

روس نے جواب میں اعلان جنگ کر دیا۔ ترکی کے پاس اس وقت نہ تو قدیم فوج تھی اور نہ اتنی فرصت جس میں جدید فوج تیار کی جا سکتی۔ محمود نے گستاخ پریٹوریوں کا قلع قمع کر دیا تھا جو ایک صدی سے زیادہ سے ملک کی تباہیوں کا باعث ہو رہے تھے۔

دول متحدہ کی کمک سے یونانیوں نے اپنا کھویا ہوا علاقہ واپس لے لیا۔ ترکوں نے جو پطرس، کورن، نوارین، اور مودن میں پھنس گئے تھے ان مقامات کی حفاظت پر ہی اکتفا کی اور بالآخر جب فرانسیسی دستہ فوج نے مورہ پر اترنے کے سامان کئے تو ابراہیم نے یہ معاہدہ کیا کہ وہ اپنے جہازوں میں چلا جائے گا۔ قیدی حوالے کر دے گا اور صرف بارہ ہزار آدمیوں کو ترکوں کی جگہ چھوڑ جائے گا (۶ راگست ۱۸۲۸ء)، ۹ ستمبر سے جہازوں پر روانگی شروع ہوئی۔ تمام مقامات نے بغیر خاموشی کے ساتھ جنرل منیزن کی اطاعت کی۔ پطرس نے مقابلے کی کچھ کوشش کی لیکن ایک ہی حملے میں فتح کر لیا گیا مورہ کو اب آزادی ملی۔

۱۶ رنومبر ۱۸۲۸ء کی کانفرنس میں یونانی خود مختاری اور یونان کی حدبندی کا مسئلہ پیش ہوا۔ سلطان کو بھی اپنا نمائندہ بھیجنے کے لیے لکھا گیا لیکن اس نے اپنے قدیمی اصول "باغی کے ساتھ عدم مصالحت" پر کاربند رہ کے نمایندہ بھیجنے سے انکار کر دیا۔ لندن کے اصل مسودے (پروتوکول) سے (نومبر ۱۸۲۸ء) مورہ اور سائکلیڈیس ہر سہ دول کی کفالت میں دیئے گئے اور ایک عیسائی والی کے تحت جس کے انتخاب کا حق حلیفوں کو حاصل تھا ان کی خود مختاری کا اعلان کیا گیا۔ یہ طے پایا کہ یہ ریاست، باب عالی کو پانچ لاکھ قرش سالانہ خراج ادا کرے۔ اور ان

مسلمان زمینداروں کو ہرجانہ دے جو بیدخل کردئے گئے تھے۔ اس تصفیے سے فریقین میں سے کسی کی بھی تشفی نہ ہوئی اور پھر خصومات کا آغاز ہوا۔ باب عالی کی اخیر مزاحمت کا روسی فتوحات سے خاتمہ ہوگیا۔

روس اور باب عالی میں مخالفت کا آغاز ہوا ہی تھا کہ زار کی فوجوں نے دریائے پروتھ پار کیا اور ترکی ریاستوں پر قبضہ کرلیا۔ جنرل روتھ سالسٹریا کے پاس دیکھ بھال کے لیے متعین کیا گیا۔ جنرل والف نے بریلا کا محاصرہ کیا۔ اصل فوج مغربی بلقان کی گھاٹیوں میں مصروف معرکہ آرائی تھی اور ایک بیڑا بھی اس کی نقل وحرکت میں مدد دے رہا تھا۔

سرعسکر حسین پاشا کا مستقر شوملا تھا۔ یوسف والی سرہیں وارنا پر متعین تھا۔ اور خوشرو جو سلطان کا مقرب تھا دارالخلافت کی محافظت پر مامور تھا۔

سرعسکر نے روسیوں کو سالسٹریا میں پسپا کیا لیکن ۱۶ ؍جون ۱۸۲۸ء کو بریلا نے گرانڈ ڈیوک میکیل کی اطاعت قبول کی۔ بریلا کی فتح سے ڈوبروجہ ہاتھ سے نکل گیا چنانچہ ۱۰ ؍جون کو کاسک بوزارجک میں داخل ہوئے۔ اب استامبول کی طرف سے کھلبلی پڑگئی۔ ۱۰ ؍جولائی کو دیوان کا ایک بڑا اجلاس ہوا جس میں سلطان کی حضوری میں موقوفی جنگ پر بحث کی گئی۔ ارکین میں اختلاف تھا۔ یہ دیکھ کے سلطان محمود نے کہا کہ "گھوڑے کسنا چاہئے۔ ہماری فتح ہوگی" میدان جنگی جماعت کے ہاتھ رہا۔ صدر اعظم جنگ کو روانہ ہوا۔

لیکن قسمت نے ہسنفو و یوں کا ساتھ دیا۔ زار نے خود سپہ سالاری کی اور بازارجک کو اپنا مستقر بنایا۔ جنرل بنکنڈورف نے پراویڈی پر قبضہ کیا۔ شوملا پر عقب سے حملہ کیا گیا اور اس کی استامبول کے قبضے سے روس اب دارالخلافت پر حملہ کرسکتا تھا مگر جلد بیماری اور گرسنگی سے روسی فوجیں گھٹنے لگیں۔ شوملا کے حملے میں ناکامی ہوئی۔ اور ان کو اس کی استامبول کا تخلیہ کرنا پڑا قپودان پاشا عزت محمد کو وارنا کو رسد پہنچانے میں کامیابی ہوئی۔ اُدھر صدر اعظم بیس ہزار کی فوج سے اس کی کمک پر پہنچا مگر یہ عثمانیوں کی بدقسمتی تھی کہ یوسف پاشا نے رشوت پر شہر حوالے کردیا (۱۰ ؍اکتوبر) قلعے کی فوج نے اپنے نالائق افسر کی

روش پر حیل کے قبودن پاشا کا ساتھ چھوڑ دیا جس نے تین سو دوسرے جانبازوں کے ساتھ گڑھی پر قبضہ کیا اور اسے سرنگ سے اڑانے کی دھمکی دی۔ زار نے ان مٹھی بھر بہادروں کو ان کی مردانگی کے صلے میں امن اور جنگی اعزاز کے ساتھ قلعے سے جانے کی اجازت دی۔ یوسف کے لیے قتل کا حکم صادر ہوا لیکن وہ روس بھاگ گیا تاکہ وہاں اپنی ذلت کی دولت سے آرام سے بسر کرے۔

ایشیا میں عثمانیوں کو ہر جگہ شکست ہوئی۔ پرنس مینٹشیکف نے پوٹی اور اناپا کو فتح کیا اس کے بعد اس کے قائم مقام کونٹ پاسکیوک نے کرس، اردھان اور ٹوپرکیل پر قبضہ کیا اور تیس ہزار کی فوج کو اکھلزک کے قریب شکست دی۔ روسی کامیابیوں سے گھبرا کے آسٹریا نے فرانس اور انگلستان کو ترکی کی طرف سے مداخلت کی ترغیب دی۔ انگلستان نے مداخلت کے لئے رضامندی ظاہر کی لیکن چارلس دہم نے اس کی مخالفت کی۔ شاہان بوربون نہیں چاہتے تھے کہ انگلستان کا بحر متوسط میں عمل دخل رہے۔ اسی امر کو ملحوظ رکھ کے انھوں نے دریائے رہائن کے بائیں ساحل کو واپس لے لیا تھا۔ اس مقصد میں کامیاب ہوئے اور جرمنی کے مقابلے میں مدد حاصل کرنے کی غرض سے فرانسیسی گورنمنٹ نے قسطنطنیہ پر پیش قدمی میں روس کی مزاحمت نہیں کی[1]

رشید پاشا فاتح مسولنگھی، دا ایتھنس صدر اعظم تھا۔ سائلسٹریا کا محاصرہ برخاست کرنے کے لیے اس نے پراویدی کا محاصرہ کیا۔ اور غیر متوقع طور پر

---

[1] جب جولائی میں انقلاب ہوا تو ایم ڈی پولگنیک جارحانہ اور مدافعانہ معاہدے کی تکمیل میں مصروف تھا۔ یہ طے پایا تھا کہ روس ادھر قسطنطنیہ پر قبضہ کرے اور ادھر فرانس بلجیم، ہالنڈ اور رہائن کے علاقے پر، بوسنہ، صربستان اور افلاق کی حوالگی سے آسٹریا کو غیر جانب دار رکھا جائے ایک طرف آسٹریا اگر جرمنی کی متحدہ ریاستوں کی کوششوں کو بار آور نہ ہونے دے گا تو دوسری طرف شاہان بوربون، ہسپانیہ اور اطالیہ فرانس کے قابو میں رہیں گے۔ اب رہا پرشیا تو وہ تنہا انگلستان کے ساتھ اس انقلاب یورپ میں کوئی مقابلہ نہ کر سکے گا۔ (مندرجہ بالا بیان ہرش پولگنیک کے ان کاغذات سے منتشر سیاسی اوراق سے لیا گیا ہے جو بغاوت جولائی کے بارے میں ہیں)

جنرل روتھ پر حملہ کیا۔ روسی سپہ سالار اعظم کونٹ ڈائبک سائلسٹریا کا محاصرہ کراسوفسکی کے سپرد کر کے اپنے لفٹننٹ کی مدد پر روانہ ہوا اور اس کے ساتھ مل کے کولیوٹچا میں صدر اعظم پر ایک بڑی فتح حاصل کی (۱۱ رجون ۱۸۲۹ء) انیس دن بعد سائلسٹریا نے اپنے دروازے فاتح پر کھول دیئے۔

ڈائبک نے اپنی مراسلت اور عقب کی حفاظت کا معقول انتظام اور مناسب بندوبست کر لیا۔ اور ایک دستے کو صدر اعظم کے لیے رکھ کے جو شوملا کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔ خود دھوکا دے کے بلقان آیا اور درۂ ہیچلک اور نادر وبند کی گھاٹی سے بورگس پہنچا۔ دشمن ابھی خواب خرگوش میں اور اس حال سے ناواقف تھا۔ رشید کو جب معلوم ہوا تو اس نے اپنی غلطی کی تلافی کرنی چاہی۔ اس کے ہراول کو عیدوس میں اور خود اس کو سلونو میں شکست ہوئی۔ ڈائبک اب ایڈریانوپل کی طرف بڑھا۔ اور حالانکہ دس ہزار آدمی کی فوج مدافعت کے لیے موجود تھی لیکن اس پر بھی سلطنت ترکی کا دوسرا بڑا شہر بغیر ایک گولہ چلائے کے مطیع ہو گیا۔ کرک کلسا، ڈمیٹیکا، ایسالا اور اینس پر روسیوں کا قبضہ ہوا۔ فاتح فوج نے اس کے بعد امیر البحر گریکھ اور ڈی ہائیڈن کی مدد کی۔ گریکھ درۂ دانیال کا محاصرہ کئے ہوئے تھا اور ہائیڈن کے جہاز قرہ بونار کے قریب لنگر ڈالے ہوئے تھا۔

ایشیا میں پاسکیوک نے یکے بعد دیگرے والی ارض روم اور والی تربیزند کو شکست دی۔ ارض روم اور بے بورٹ پر قبضہ اور تربیزند پر کوچ کیا لیکن صلح کی خبر سے اس کی فتوحات رک گئیں۔

یونان میں ۱۸۲۹ء کی مہم یونانیوں کے موافق رہی۔ جنرل چرچ نے وانٹزا پر قبضہ کر لیا۔ اور چالیس دن کے محاصرے کے بعد لیپانٹو نے آگسٹین کیپوڈائسٹریا کی اطاعت قبول کی۔ (مارچ) مسولنگھی پر پھر یونانیوں کا قبضہ ہو گیا۔ (۱۸ رمئی) ڈمٹریس یپسلانٹی سے کیسٹیلو ڈی پیٹریا میں شکست کھا کے ارسلان بے نے لیویڈیا اور فونٹانا کا تخلیہ کر دیا (۲۶ رستمبر) یہ گویا جنگ کی آخیر بازی تھی۔

ڈائبک کی پیش قدمی سے مشوش ہو کے اور قسطنطنیہ کی حفاظت کی

قوت خود میں نہ پاکے باب عالی نے التوائے جنگ کی درخواست کی تاکہ تجاویز صلح کا تصفیہ کیا جائے۔ پرشیا کی وساطت سے شرائط صلح طے ہوئے اور ۱۴ ستمبر کو صلحنامۂ ایڈریا نوپل پر فریقین کے دستخط ہو گئے۔

یورپ میں ہر دو سلطنتوں کی حد دریائے پروتھ مثل سابق بحال رہی لیکن دہانہ ہائے طونہ روسی علاقے میں آ گئے۔ روس کو بحر اسود میں بحر متوسط تک آزادی کے ساتھ جہاز رانی کی اجازت دی گئی۔ ایشیا میں پوتی اور دریائے کور کا تمام بالائی رقبہ اس کے قبضے میں آ گیا۔ اس آخری دفعہ سے کوہ قاف کی جنگلی آبادی اور ترکوں میں حد فاصل ہو گئی۔ اور ان سرکشوں کے مطیع کرنے کا ذریعہ پیدا ہو گیا۔ افلاق و بغدان کے حقوق کی توثیق کی گئی۔ ہیوداران (ولاۃ) افلاق و بغدان ایک بار منتخب ہو جانے کے بعد عمر بھر تک بیدخل نہیں ہو سکتے تھے اور اگر ایسی ضرورت ان کو بیدخل کرنے کی واقع ہو تو اس کے لیے زار کی منظوری ضروری تھی۔ مسلمانوں کو ان علاقوں میں رہنے کی ممانعت کی گئی۔ اور انھیں اٹھارہ ماہ کی مہلت دی گئی تاکہ اپنی جائداد کا تصفیہ کر لیں۔ صربستان اپنی اسی حالت میں رہا جو معاہدۂ اکرمان سے طے ہوئی تھی۔ باب عالی کو تاوان جنگ میں بارہ کروڑ پچاس لاکھ قرش دس سالانہ اقساط میں ادا کرنا پڑا جس میں سے ایک کروڑ ساٹھ لاکھ ان روسی تاجروں کی تلافی میں گئے جن کا جنگ کی وجہ سے خسارہ ہوا تھا۔ اور یہ شرط ٹھیری کہ پہلی قسط کی ادائی کے بعد روسی فوجیں ایڈریا نوپل کا تخلیہ کر دیں گی۔ دوسری قسط کی ادائی کے بعد دریائے طونہ پر ہٹ جائیں گی اور تیسری قسط کی ادائی کے بعد دریائے طونہ کے اس پار چلی جائیں گی۔ دوسری قسطوں کی ادائی کے لیے صوبجات کا فوجی قبضہ کفیل ہوگا۔ آخر میں سلطان نے صلحنامہ لندن اور ۲۲ مارچ کے اصل مسودے کو قبول کیا۔

چند ماہ بعد (سنہ ۱۸۳۰ء) باب عالی نے یونان کی خود مختاری کو تسلیم کیا اور اس حد بندی کو بھی قبول کیا جو دول یورپ کی طرف سے کی گئی تھی نئی سلطنت میں سائکلیڈیس، نیگروپانٹ اور موره شامل تھے۔ براعظم کے یونانی علاقے میں

خلیج آرٹا سے خلیج والو ترکی میں حد مفروضہ تھی۔ اس ناقص حد بندی سے جو آسٹریا اور انگلستان کا کام تھا بعد میں بہت الجھنیں پیدا ہوئیں۔

یونان خود مختار ہوا لیکن اس کے آئے دن کے جھگڑوں سے یورپ نے پھر مداخلت کی اور بویریا کے شہزادہ آٹو کو بادشاہ بنا کے مستحکم اور باقاعدہ حکومت قائم کی (مئی ۱۸۳۲ء)۔

تیرھواں باب

محمود ثانی اور محمد علی

جاں نثاروں کی تباہی۔(۱۸۲۶ء) اصلاحات۔ ترکی اور مصر۔ صلحنامۂ انکیار اسکیلیسی (۱۸۳۳ء) جنگ نزیب (۱۸۳۹ء)۔ محمود کے کام۔

جاں نثاروں کی تباہی ۱۸۲۶ء

اپنے بھائی سلیم سوم کے جذبۂ اصلاحات سے متاثر ہو کے محمود صبر کیساتھ اس وقت کا منتظر تھا جبکہ اس کے منصوبوں کی تکمیل ہو سکتی تھی۔ سب سے پہلے فوج کو یورپین فوج کے اسلوب پر ترتیب دینا ضروری تھا تاکہ عساکر عثمانی کی فوجی ناقابلیت کا ازالہ اور اس سرکشی کا مداوا ہو جائے جو ان کی ہزیمتوں کا باعث تھی۔ یہ مطلب جاں نثاروں کو تباہ کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا تھا جو تمام اختراعات اور اصلاحات میں خلل انداز ہوتے تھے۔ اب اس فوج سے دشمنوں کے کانپنے کے بجائے سلاطین اور با امن باشندگان ترکی لرزتے تھے اور اس کی وجہ سے جو فوجی اعتبار سے کسی قابل نہ تھی خزانے پر ایک

بار گراں تھا۔

اس کے چار دستے تھے۔ جماعت (رسالہ)۔ بولوک (رسالہ) سیمین یا سگبان (کتوں کے رکھوالی) عجمی اوغلن (مبتدی) یہ سب ملا کے ۲۲۹ ارتس یا عدمس تھے جن میں ۷ دارالخلافۃ میں متعین تھے۔ مبتدی کا رسالہ جس میں ۳۴ ارتس تھے ہمیشہ یہاں تک کہ جنگ کے زمانے میں بھی قسطنطنیہ ہی میں رہتا تھا۔ انھیں ٹولیوں میں رنگروٹوں کو بھرتی کرتے تھے اور انھیں فوجی قواعد سے واقف کیا جاتا اور خوجوں سے جو خاص اسی غرض کے لیے رکھے جاتے انھیں مذہب اسلام کی تعلیم دیجاتی تھی۔ "نوجوان عیسائیوں پر تبدیلی مذہب کے لیے جبر نہیں کیا جاتا تھا۔ یہ اصول سلطنت اور تعلیم قرآنی کے خلاف تھا کہ جبراً مسلمان کر لیا جائے۔ اگر افسر مذہبی تعصب سے جبر کو کام میں لاتے تھے تو ان کے ساتھ رعایت کی جاتی تھی لیکن حکام بالادست کی طرف سے وہ اس کے مجاز نہ تھے۔"[1]

رفتہ رفتہ عیسائیوں کو بھرتی کرنے کے بجائے جاں نثاروں کی اولاد اور قرابتدار شریک کیے جانے لگے۔ لیکن اندرونی اور بیرونی جھگڑوں شکستوں اور سپاہیوں کی ضرورت سے پہلے ازدمیر عثمان پاشا اور اس کے بعد سنن پاشا نے سلطنت کی تمام قوموں اور طبقوں سے فوج کا تکملہ کیا یہاں تک کہ ڈاکوؤں اور بدمعاشوں کو بھی انھوں نے نہ چھوڑا۔ اس وقت سے ان دستوں میں تمام آفاقی بھرتی ہونے لگے۔ صرف حبشی ہی ایک ان سے مستثنیٰ تھے۔ محمد ثانی نے پہلے ان کی تعداد بارہ ہزار مقرر کی۔ سلیمان نے اس کو بڑھا کے چالیس ہزار کر دیا۔ مراد نے ساٹھ ہزار۔ محمد ثالث نے ایک لاکھ ایک ہزار چھ سو۔ محمد رابع کے ابتدائی دور میں ان کی تعداد دو لاکھ سے بھی زیادہ تھی۔ ۱۶۵۲ء میں صدر اعظم ترکوجی احمد پاشا نے ان کو گھٹا کے پچپن ہزار کر دیا تھا لیکن خارج شدہ سپاہیوں کی بغاوت سے مراد پاشا کو ان کی تعداد دگنی

[1] ڈوہسن

کر دینی پڑی۔ ۱۶۵۵ء

جاں نثاروں کی فوجی قابلیت کا اندازہ لگانا ناممکن تھا۔ خود ان کے آغا کو ان کی حالت معلوم نہ تھی کیونکہ ارتس کے سردار تمام جھوٹ واقعات اپنی رپورٹ میں لکھتے تھے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ ارتس کی ٹولیوں کو ہمیشہ پورے آدمیوں کی رقم دی جاتی تھی۔ افسر تنخواہ کے ٹکٹ عوام الناس کو فروخت کرتے تھے۔ سپاہی اگر جنگ میں مرجاتا یا بڑھاپے اور بیماری سے اس کا انتقال ہوتا تو اس کے مرنے کی اطلاع نہیں کی جاتی بلکہ اس خبر کو طشت ازبام نہ ہونے دیا جاتا جس کا سبب یہ تھا کہ اس کی تنخواہ کو پہلی صورت میں اس کی ٹولی کا افسر حاصل کرتا اور دوسری صورت میں اس کا قرابتدار مصطفیٰ سوم نے ان خرابیوں کو دور کرنے کی کوشش کی۔ اور جب اس کے وزرا اس کی اس اصلاح میں مزاحم ہوئے تو اس نے خود جاں نثاروں کے آغا کیور حسین سے اپنا منصوبہ ظاہر کیا اور اس سے اس بیجا صرفے کے ازالے کے لیے مدد طلب کی۔ آغا نے صاف گوئی سے جواب دیا کہ وہ اپنی پوری قوت سے اس کی مدد کو حاضر ہے اور سہ ماہی کے اختتام پر بجائے پندرہ سو تھیلیوں کے اس کی آدھی رقم لے گا لیکن وہ صرف اپنے آدمیوں کی حد تک ہی ذمہ دار ہے۔ لیکن ان کے سوا وہ اور لوگوں کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔ سلطان نے کہا کہ "اس سے تمہارا کیا مطلب ہے؟" آغا نے جواب دیا "سرکار کو معلوم نہیں کہ دارالخلافہ کے جاں نثار ہر سہ ماہی کو سات سو پچاس تھیلی لیتے ہیں باقی تمام رقم علماء وزرا اور سرائے کے عہدہ داروں کو جاتی ہے۔ سرکار کے ایک حکم پر اس لوٹ کا انسداد ہو جائے گا لیکن یہ حکم حکم ناطق اور رامٹ ہو۔"

مصطفیٰ کو اس حکم کی جراءت نہ ہوئی۔ اور بدنظمی کا یہ عالم تھا کہ جب آغا چلبی محمد پاشا پر عتاب ہوا اور اس کی جائداد ضبط کر لی گئی تو اس کے قبضے میں سالانہ اڑتیس ہزار چھ سو نو قرش کے تنخواہ کے وثیقے پائے گئے اور اس کے خزانچی کے پاس اٹھائیس ہزار سات سو سے زیادہ کی رقم کے

وثیقے تھے۔ (۱۸۲۶ء)۔
اٹھارھویں صدی کے اختتام پر چار لاکھ آدمیوں کو تنخواہ ادا ہوتی تھی لیکن جنگ میں بمشکل ان کی تعداد بیس ہزار رہتی تھی۔[1] تمرد، سرکشی، بدنظمی، سفاہت، اور آئے دن کی بغاوتوں سے سلطنت کی ترقی اور حفاظت کو ہر گھڑی ان سے خطرہ تھا۔ یہ جنگجو جاں نثار بدنظمی کے میدانوں میں مطلق العنانی کے ساتھ دوڑتے اور آپ کو بالکل آزاد اور خود مختار سمجھتے تھے۔ بغاوت کی آگ ہمیشہ گرم رہتی تھی اور اطاعت کے طوق کو بالائے طاق رکھ دیا گیا تھا۔[2]

یہ ایک ایسی جماعت تھی جس کا کوئی مطمح نظر نہ تھا جس میں ملک کے تمام بدمعاش اس لیے شامل ہوتے تھے کہ سزا سے بری رہیں۔ ان میں سے بعض مارکٹ کے ترکاری فروشوں کی دوکانوں کو لوٹتے تھے اور بعضوں نے تو یہاں تک حد کر دی تھی کہ لوٹ کر بیچتے اور بیچنے کے بعد صاحب مال سے اپنا محنتانہ طلب کرتے۔ بعض ایسے تھے جو جہاز کی اشیاء بیچنے کے بہانے سے بہت سا منافع آپ ہی ہضم کر جاتے۔ اپنی لوٹ مار اور بدعنوانی کی پیاس کو وہ اکثر گھروں کو آگ لگا کے بجھاتے تھے۔

ان کی زیادتیوں سے تنگ آ کے عوام الناس ان کی کاٹ میں رہتے تھے۔ فوج ان کو ان کے دشمن کے مقابلے میں بزدلے پن سے نفرت سے دیکھتی تھی۔ ایک پاشا نے ان کی نسبت کہا تھا کہ "وہ بوڑھی عورتیں ہیں جن کا جینا اپنی پرانی شہرت پر ہے۔ اور جن کا اب وجود اور عدم وجود برابر ہے"۔ علما نے بھی جو اب تک انھیں مذہب کی سپر سے بچاتے آئے تھے ان کی گستاخی اور ہزل سے ان کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ ۱۸۲۶ء میں سلطان نے ان کا پیچھا اٹھانے کا ارادہ کیا۔

[1] بیرن ڈی ٹاٹ۔
[2] تاریخ تباہی جاں نثاراں مصنفۂ اسد افندی۔

"اس کے خیال میں اب وہ وقت آگیا تھا کہ اپنی شمشیر سے بہبودئی عام کے لیے راستہ صاف کرے اور ان خار دار جھاڑیوں کو کاٹ ڈالے جو اس کے راستے میں حائل اور اس کے شاہی ملبوس کو کھسوٹ رہی تھیں"۔[1] ایک مجلس عام جس میں تمام عمائدین سلطنت اور جاں نثاروں کے اعلیٰ افسر شامل تھے مفتی کے مکان میں منعقد ہوئی۔ محمد سلیم پاشا نے اس مذلت کا ذکر کیا جس پر جاں نثار اپنی سرکشی، جہالت اور بزدلی سے پہنچ گئے تھے۔ اور شائستہ اراکین مجلس سے درخواست کی کہ وہ سلطنت کو ان کی آفت سے بچائیں۔ جب اصلاحات کی ضرورت کو سبھوں نے بے چون وچرا تسلیم کیا تو صدر اعظم کے مکتوبچی نے ایک فرمان پڑھا جس میں یورپین اصول پر ایک باقاعدہ پیدل فوج قائم ہونے کے متعلق تجویز تھی۔

"سابق میں جاں نثار بہت مستعد سپاہی ہوتے تھے اور انھیں تنخواہ رجسٹر کے سلسلے سے نام بنام ملتی تھی۔ جنگ میں وہ سب جھنڈے کے ساتھ رہتے اور اپنے سرداروں کے برابر احکام بجا لاتے تھے۔ ۱۱۵۲ ہجری میں جنگ موره اور فتح ناپولی کے وقت چند انجیوں نے حالانکہ وہ صحیح و توانا تھے بعض بیہودوں کے دخل درمعقول سے پنشن حاصل کی اور تنخواہ کے دیتیقے ان لوگوں کو فروخت کرنے کا رواج ڈالا جو فوج سے ناآشنائے محض ہوتے تھے۔ ناداننستگی سے اس خرابی میں روز افزوں ایسا اضافہ ہوا کہ آج اوجک میں ایک آدمی بھی ایسا نہ نکلے گا جو باقاعدہ سپاہی کہلا سکے۔ اس فوج میں بدنظمی کا عمل دخل ہو گیا ہے جس سے اس میں جاسوسوں کو اپنا جال پھیلانے کا اچھا موقع مل گیا۔ یہی وجہ ہے کہ آئے دن اس فوج میں بغاوت ہوتی رہتی ہے۔ ہمارے دشمنوں کو ہمیں زک دینے کا بہت اچھا موقع ہاتھ آگیا ہے۔ اور انھوں نے مسلمانوں کو ذلیل ورسوا کیا پس اے اہل اسلام اٹھو اور انتقام لو۔ ہم کو متحدہ طور سے کوشش کرنی چاہیئے کہ

سلہ۔ تاریخ تباہی جاں نثاران از اسد افندی۔

ہماری فوج ایسی ہی کامل ہو جیسی کہ بہادر ہے۔ تاکہ فتوحات کی معیت میں اس کی ضربوں سے عیسائیان یورپ کے جنگی ایجادات کے اسلحہ خانہ کو مٹایا جاسکے۔

"آج کل قوت کا انحصار فنون جنگ کی مشق اور معلومات پر ہے۔ چنانچہ اس مشق اور معلومات کے بغیر ایک باقاعدہ فوج سے مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ پاک نے قرآن میں ہم کو اپنے فرض سے آگاہ کر دیا ہے۔ اس کا ارشاد ہے۔ اُپنے امکان میں جتنے ذرائع ہیں ان سے کام لو اور مشرکین کو مٹاؤ"۔ احکام مذہبی پر عمل پیرا ہو کے اور آنحضرت کی تقلید میں گورنمنٹ نے جاں نثاروں سے ایک نیا دستہ اکنجیوں کا ترتیب دینے کا تہیہ کیا ہے تاکہ عثمانی اقتدار قائم اور اگلی اسلامی عظمت عود کر سکے"۔ یہ تھے اس منصوبے کے اسباب۔ اس کے بعد چھیالیس دفعات تھے جن کا خلاصہ تھا۔

جاں نثاروں کی نئی تنظیم۔ قسطنطنیہ میں ایک دستے کی تنظیم جس میں بجائے ہر اکادن علاحدہ جاں نثاروں کے ایک سو پچاس آدمی ہوں۔ رجسٹر کے سلسلے سے ترقی۔ خدمت سے ہٹے ہوئے افسروں اور سپاہیوں کو وظیفہ عطا کرنا جنھوں نے عمدہ خدمات انجام دیئے ہوں۔

ایک اقرار نامہ اس امر پر لکھا گیا کہ اعلیحضرت سلطان المعظم کے ان منصوبوں کی پوری پوری تائید کی جائے گی اور اس پر تمام حاضرین جلسہ نے اپنی اپنی مہریں ثبت کیں۔ مفتی نے ایک فتویٰ شایع کیا جس میں ہر ایسے شخص کو نہایت سخت سزا کا مستوجب قرار دیا گیا تھا جو ان اصلاحات پر معترض ہو یا بغاوت کی سلسلہ جنبانی کرے۔ اس کے بعد جاں نثاروں کے سرکاری اور غیر سرکاری افسروں کو یہ قانون سنایا گیا جنھوں نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ ۱۲ر جون کو آت میدان میں افسروں کی قواعد شروع ہوئی۔

لیکن اس نئے فرمان کی اشاعت ابھی پورے طور سے ہوئی نہ تھی کہ بغاوت پھوٹ پڑی۔ ماضی کے شیدائی اور متعصب اصحاب نے اس

بارعت پر غل مچایا یہاں تک کہ خود جاں نثاروں کے سردار جنھوں نے سب سے پہلے ان اصلاحات پر پسندیدگی کا اظہار کیا تھا خفیہ طور سے ان کی ناکامی کی کوشش کرنے لگے۔ صدر اعظم نے "اندیشناک بکواسیوں کی زبانوں کو مقراض تہدید سے کترنے کے لیئے" ایک اعلان شائع کیا جس میں گورنمنٹ کے نافذہ قانون کی نکتہ چینیوں کو سزائے موت مقرر کی تھی۔ اس دھمکی سے بغاوت میں اور بھی سرعت سے انقلاب ہوا۔ سولھویں کی رات کو جاں نثار سپاہی اور ان کے چھوٹے افسر آت میدان میں جمع ہوئے اور صبح کو "قتل فتویٰ دہندگاں" کے نعروں سے آگے بڑھے۔ محمود بکتیاش میں تھا اس کے سرائے میں آتے آتے تک صدر اعظم نے فوجوں کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ مفتی نے جو سب سے پہلے پہنچ چکا تھا فضلائے شریعت علما اور طلبائے مدارس کو بادشاہ کی مدد پر یکجا کیا۔

اتنے میں سلطان بھی سنجک شریف لیا ہوا آگیا اور سچے مسلمانوں کو اس جھنڈے کے تحت جمع ہونے کی دعوت دی۔ پیغمبر اسلام کے جھنڈے کو دیکھنا تھا کہ تمام آبادی اٹھ کھڑی ہوئی اور سرائے کا رُخ کیا تاکہ "گلستان فتح و نصرت کے سرو بلند یعنی لوائے اخضر پیغمبری" کے تحت جمع ہوں۔

جاں نثاروں نے اپنے مطالبات بخوبی واضح کر دیئے اور یہ سمجھا دیا کہ اس وقت تک وہ ہتیار نہیں رکھیں گے جب وقت تک کہ اس نئے قانون کے بانی مبانی ان کے سپرد نہ کر دیئے جائیں گے۔ لیکن محمود ان بزدلے سلاطین میں نہ تھا جو شورہ پشت بلوائیوں کی گرج پر سروں کا کٹوا دینا ہی اپنی بھلائی سمجھتے تھے۔ لوگوں میں گولہ بارود اور ہتیار تقسیم کیے گئے جو اللہ اکبر کے نعروں کے ساتھ مسجد احمدی کی طرف بڑھے۔ باغیوں کا طلایہ مسجد سلطان بائزید اور مسجد سلطان احمد کو جانے والے راستوں پر پھیلا ہوا تھا۔ لیکن بہت جلد باغی میدان کی طرف ہٹنے پر مجبور ہوئے۔ اس طرح سور گویا اپنے بھٹ میں آگیا تھا۔ حملہ کرنے سے پہلے

ابراہیم آغا نے جاں نثاروں کو اپنے فرض سے آگاہ کیا لیکن "سرکش اور ضدی آدمیوں کو سمجھانا ایسا ہی ناممکن ہے جیسا گیند کو گنبد پر قایم کرنا"۔ گولہ باری کا حکم دیا گیا لیکن توپچیوں نے اس حکم کی تعمیل میں پس و پیش کیا۔ اگر ایک لمحہ بھی اسی تذبذب میں رہا جاتا تو پھر تیر کمان سے نکل گیا ہوتا لیکن ایک بہادر افسر قرہ جہنم جلد توپوں کی طرف لپکا اور اپنا پستول ایک کی ٹوپی پر سر کر دیا۔" ان چھروں سے باغیوں کے لشکر میں خون کا چھڑکاؤ ہو گیا اور جانبین میں جنگ شروع ہو گئی۔ ہر طرف گولے برسنے لگے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اولے ہیں کہ غضبناک جاں نثاروں پر گر رہے ہیں۔ جنگ شروع ہوئی ہی تھی کہ قتل شروع ہو گیا۔ امان کسی کو بھی نہ ملی اور میدان جنگ مسلخ بن گیا۔ جن چھاؤنیوں میں جاں نثار بھاگ کر چھپ گئے تھے ان کو آگ لگا دی گئی اور وہ شعلوں میں راکھ کے ڈھیر ہو گئے۔ مقتولوں کی تعداد کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ دس ہزار مرے۔ بعض بیس ہزار بتلاتے ہیں اور بعض اس سے بھی زیادہ۔ لاشیں دریا میں پھینکدی گئی تھیں جس کی وجہ سے کئی ماہ تک مچھلیاں ان لاشوں پر گزارا کرنے کی بدولت سڑی ہوئی اور ناقابل غذا ملتی رہیں۔[1]

اس قوی انسداد سے جو دہشت پھیل گئی تھی اس سے فائدہ اٹھا کر محمود نے حسب ذیل خط شریف شائع کیا:" یہ تمام مسلمانوں کو معلوم ہے کہ مذہب کے برگزیدہ اثرات میں عثمانیہ سلطنت کا ظہور ہوا اور وہ وسیع ہوتے ہوتے مشرق اور مغرب پر چھا گئی۔ جاں نثاروں کی جب تک تنظیم اچھی رہی انھوں نے ملک کے بہت کچھ خدمات بجا لائے اور ہمارا علم منظفر و منصور رہا لیکن اب ان پر خبیث روح کا تسلط ہو گیا ہے چنانچہ اس ایک صدی میں کئی بار انھوں نے اپنے سرداروں سے بغاوت کی اور کئی بار دشمن کے آگے سے فرار ہوئے ان کی سرکشی اور بزدلی کی بدولت

---

[1] "قسطنطنیہ" از تھیو فائل گاٹیر۔

ہمارے صوبجات اور ہمارے قلعے ہمارے مذہبی دشمنوں کے قبضے میں چلے گئے ہیں۔ ان بدنظمیوں کا انسداد ضروری تھا۔ صدر اعظم، مفتی، علما اور تمام عمائد سلطنت کی ایک مجلس مسجد سلطان احمد میں علم محمدی کے نیچے منعقد ہوئی اور یہ باتفاق طے پایا کہ اوجک جاں نثار کا قلع قمع کر کے ایک نئی فوج ترتیب دی جائے جو اپنی فرمانبرداری اور فوجی قابلیت سے ہمارے دشمنوں کا مقابلہ کر سکے۔ یہ نئی فوج محمد کے فاتحانہ نام سے موسوم ہوگی۔ اور اس پر نامور صدر اعظم حسین پاشا افسر ہوگا۔ جو کوئی اس متفقہ فیصلے کے خلاف کچھ کہے گا یا کرے گا اس کی سزا تلوار ہوگی۔"

اصلاحات

محمود نے اسی پر بس نہیں کیا۔ خانہ بدوشوں کا انسداد اور ان کو شہر سے نکلوانا ضروری تھا چنانچہ بیس ہزار آوارہ گرد اندرونی ممالک میں بھیج دیئے گیے۔ جاں نثاروں کے ساتھ ہی بکتاشی درویشوں کا انسداد ہوا۔ یہ ان متعصب درویشوں کا جو ایجاد و اختراع کے مسلمہ دشمن تھے جاں نثاروں سے میل جول تھا اور عوام الناس بھی ان کے معتقد تھے جس کی وجہ سے وہ آسانی کے ساتھ خطرناک شکل اختیار کر سکتے تھے۔ وہ شریعت قرآنی کے خلاف چلنے اور اپنے "تکیوں" کو بوالہوسی اور بدکاری کا اکھاڑا بنانے کے مرتکب قرار دیئے گئے۔ ایک فتوے سے جس پر مفتی اور خاص خاص علما کے دستخط ہوئے تھے ان میں کے تین سب سے بڑے سرغنے قتل کر دیئے گئے "تکیوں" کو تباہ، اس فرقے کو محروم قانون اور اس کے تمام ممبروں کو قسطنطنیہ سے خارج کر دیا گیا۔ (۱۰ ارجولائی)۔ سپاہی، سلحدار، اور لوفیجی کا نام باقی نہ رہا۔ بقیہ فوج رہی لیکن یورپین طریقے پر اس کی تنظیم کی گئی۔ اختتام سال پر بیس ہزار آدمی نئے اصول جنگ پر ترتیب دیئے گئے۔

یہ سوال کیا جاتا ہے کہ آیا جاں نثاروں کا انسداد سلطنت عثمانیہ کے لیے مفید ہوا یا مضر؟ کونٹ پوزی ڈی بورگو روسی سفیر متعینہ پیرس کے حسب ذیل الفاظ جو اس واقعے کے دو سال بعد لکھے گئے اس بات کو بخوبی ثابت کرتے ہیں کہ محمود نے اس سرکش فوج کو تباہ کر کے سلطنت عثمانیہ کو تباہی سے بچا لیا اور اس وقت بھی وہ شمع ہدایت اس کی رہبری کر رہی تھی جو سلطنتوں کی تباہی میں آڑے آتی ہے۔ "شہنشاہ (سلطان المعظم) نئے نظام کی آزمایش کر رہے ہیں۔ چنانچہ ہز مجسٹی کو اس نظام میں ایسی ترتیب نظر آ رہی ہے جو پہلے کبھی نہ تھی۔ ایسی حالت میں جب کہ اصلاحات کی پوری تکمیل نہیں ہوئی اور وہ ابتدائی حالت میں ہیں سلطان نے ہمارا باضابطہ اور شدت سے مقابلہ کیا ہے تو اس صورت میں ان کا مقابلہ کس قدر زبردست ہوتا جب کہ ان کو تکمیل کا موقع مل جاتا اور وہ پایۂ کمال کو پہنچ جاتے"۔ [۱]

سلطان کے فولادی بازو نے اور تمام مزاحمتوں کو دور کیا لیکن بغاوت کا سلسلہ ابھی باقی تھا اور جنگ و انتقام کی آگ پوری بجھی نہ تھی۔ اگست میں موقوفہ ضوابط کے طرفداروں نے شہر کے آٹھویں حصے کو آگ سے جلا دیا۔ پندرہ کروڑ فرانک کے نقصانات ہوئے۔ محمود نے اس حادثے کا بھی انتظام کیا۔ شاہی محلات میں اس نے تمام بے گھروں کو پناہ دی اور ان کی نہایت فراخدلی کے ساتھ مدد کی یہاں تک کہ خود اپنے صرفے سے عام بارکیں اور چند دکانیں تعمیر کرائیں۔ اس نے ان لوگوں کے ساتھ جن پر ذرا بھی الزام تھا بہت سختی سے پیش آیا اور مذہبی وارفتگی کا سخت تدارک کیا۔ وسط اکتوبر میں ایک بڑی سازش کا جو ایک سابقہ درویش صوفی لیجی احمد نے کی تھی خونریزی کے ساتھ خاتمہ ہوا۔

سلطان کے اپنی رعایا کو یورپین اقوام کے دوش بدوش کھڑا

---

[۱] ۔ ۱۹ ر نومبر ۱۸۲۸ء کی ڈاک۔

کرنے کے نیک مساعی میں جنگ روس کسی قدر مزاحم ہوئی لیکن وہ انھیں روک نہ سکی۔ ”میں اپنے ملک کی بھلائی اور اس کو مذہب اور شریعت کی بنیاد پر استوار کرنا چاہتا ہوں تاکہ میری رعایا اطمینان اور خوشحالی سے زندگی بسر کرے۔“ مشکلات کے ساتھ ساتھ اس کے جوش اور استقامت میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ فوج کی تنظیم میں اس نے ایک فوجی اور مالی جماعت ”نشان افتخار“[1] قائم کی۔ اس کے علاوہ نارواطرفداریوں کو دور کرنے کے لیے اس نے مغربی رسم و رواج کو جاری کیا اور یورپین طریقے پر ناچ گانے اور جلسے منعقد کئے۔ پاسپورٹ کا قاعدہ قائم کیا۔ اور عمامے کو متروک قرار دے کے آپ خود فرانسیسیوں کا لباس پہنا۔ مصطفیٰ پاشا نے البانیا میں بیسود بغاوت کی۔ ایک سال کی لڑائیوں اور گفت و شنید کے بعد رشید پاشا نے بغاوت فرو کی (۱۸۳۰ء)۔ مقدونیہ، بوسنہ، اور بغداد میں بیکار بغاوتوں نے طول کھینچا اور بیکار باشندگان قسطنطنیہ نے شہر کو جلانے کی کوششوں سے اپنی ناراضامندی کا اظہار کیا۔ مصلح کے پائے ثبات کو ذرا بھی جنبش نہ ہوئی اور وہ اپنے وضع کردہ دستور العمل سے ذرا بھی نہ ہٹا۔ رعایا کی ان ناراضامندیوں کا بدترین اظہار بیرون شہر پیرا میں یورپین مکانات کی آتش زنی تھی۔ دس ہزار مکانات راکھ کے ڈھیر تھے۔ پھر تو ان مجنونوں کو کہنے کا موقع ملا کہ ”خدا بڑا عادل ہے۔ اس نے ان کفار کو اعمال نوار یو کی سزا دی۔ یہ آنحضرتؐ کا تازیانہ ہے جو مرتد بادشاہ پر اتباع شریعت کے لیے پڑا ہے تاکہ دارالخلافۃ کو کفاروں کے میل جول سے آلودہ نہ کیا جائے۔

اگست ۱۸۳۴ء میں باقاعدہ فوج باشندگان قائم اور ”عسکر ردیف منصوری“

---

[1] ۱۷۹۸ء میں سلیم سوم نے ایک تمغہ مقرر کیا جس میں سورج اور تارہ سونے کا جسڑا ہوتا تھا اور جسے اس نے جنرلوں، یورپین وزرا اور اپنی عیسائی رعایا کو انعام میں دیا لیکن ایک عثمانی کو بھی وہ یہ تمغہ نہ دے سکا۔

کے نام سے موسوم اور مستقل کی گئی۔ اس فوج نے آگے چل کر صوبجاتی فوج کی جگہ لے لی جس میں سپاہی تو نہیں لیکن ڈاکوؤں کی جماعتیں نکلتی تھیں۔ مدرسۂ بحری اور توپ خانے کے مدرسے اور مدرسۂ انجنیرنگ جنھیں مصطفیٰ نے قائم کیا تھا، دوبارہ کھولے گئے۔ ایک فوجی مدرسہ سینٹ سیر کے مدرسے کے نمونے پر کھولا گیا۔ باسفورس میں دخانی جہاز چلنے لگے۔ پلیگ کے زمانے میں قرنطینے اور دواخانے قائم کرنے کے جواز پر مفتی کا فتویٰ شائع ہوا۔ اسی زمانے میں بابعالی نے دول یورپ سے علاحدگی کے طریقے کو چھوڑ دیا اور اپنے سفرا یورپ میں بھیجے۔ آخر میں سلطان نے علانیہ طور پر احکام قرآنی کی خلاف ورزی کی اور اپنے ٹھپے[۱] کے سکے ڈھلوائے اور اپنی شبیہیں تمام چھاؤنیوں میں رکھوائیں[۲]۔ جوشیلے مسلمان اس کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ انھوں نے علما کی تحریک پر ہتیار ہاتھ میں لئے لیکن انھیں شکست ہوئی۔ چار ہزار لاشیں دریا کی نذر ہوئیں۔ محمود نے عزم بالجزم کر لیا تھا کہ مزاحمین کا سختی سے قلع قمع کرے گا۔ ذراسی ذرا بھی خلاف نکتہ چینی کے لیے موت کی سزا تھی۔ قہوے خانے میں زیادہ دیر ٹھیرنے کی ممانعت تھی چنانچہ کوئی ایک قہوے کی پیالی اور ایک چیبوک (ترکی حقہ) پینے کے بعد نہیں ٹھیر سکتا تھا۔ آخر مذہبی جوش نے اپنے دعویدار سلطان کے مقابلے پر کھڑے ہی کر دیئے چنانچہ یہ لوگ شہادت حاصل کرنے کے موقع ٹٹولنے لگے۔

[۱] محمد دوم فاتح قسطنطنیہ ہی ایک ایسا عثمانی بادشاہ گزرا ہے جس نے اپنے ٹھپے کے سکے جاری کرائے۔ ان پر یہ عبارت تھی۔ سلطان السلاطین امیر محمدؐ اور بعض پر یہ لکھا تھا۔ سلطان محمد ثانی ......

[۲] اٹھارویں صدی میں ڈوہسن کی روایت سے جس کا بیان ہے کہ خود اس نے دیکھا سرائے میں۔ تمام سلاطین کی تصویریں تھیں۔ اس تصویر خانے میں جانے کی خود سفرا کو تک مشکل سے اجازت ملتی تھی۔ بلکہ بہتوں کو تو اس کا علم ہی نہ تھا۔ دیکھو ڈوہسن کی کتاب "تصویر سلطنت عثمانیہ"، جلد چہارم حصۂ اول۔

اپنے دستے کے بیچ میں سلطان استامبول اور غلاطہ کے درمیان اپنے بنائے ہوئے پل پر سے گزر رہا تھا کہ ایک درویش شیخ ساچیسلی نامی نے جو لوگوں میں ولی ہونے کی وجہ سے محترم تھا، سلطان کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور کہا کہ غیور بادشاہ کیا تو مکروہات سے ملوث نہیں ہے؟ اللہ تجھ سے تیرے الحاد کے متعلق باز پرس کرے گا۔ تو اسلام کو تباہ کر رہا ہے اور تیری وجہ سے تمام مسلمانوں پر پیغمبر صاحب لعنت بھیج رہے ہیں۔"

افسروں نے اس کو وہاں سے نکالنے کی تدبیریں کیں۔ سلطان نے بے پروائی کے انداز میں کہا کہ "دیوانہ آدمی ہے" درویش نے برہم ہو کر جواب دیا۔ "دیوانہ! نہیں میں دیوانہ نہیں ہوں، غیور پادشاہ تو اور تیرے کافر مشیران با تدبیر اور تیرے ساتھی دیوانے ہیں۔ خدا میری زبان سے بول رہا ہے۔ مجھ پر خدا کی اطاعت واجب اور جو کچھ ہے سچ سچ کہنا چاہیئے۔ اس نے وعدہ کیا ہے کہ مجھے شہید کا مرتبہ عطا کرے گا۔" اس کی خواہش پوری ہوئی اور وہ مارا گیا۔ یہ مبارزت جس میں ایک آدمی ایک طرف اور تمام قوم ایک طرف تھی محمود کے تمام عہد حکومت میں برابر جاری رہی لیکن آدمی قوم کے مقابلے میں کبھی نیچا نہ ہوا۔

سلطنت کی صورت حال سے بخوبی واقفیت بہم پہنچانے اور یہ خیال کرکے کہ یہ واقفیت بغیر اس کے ذاتی مشاہدے کے نہیں ہو سکتی اس نے یورپ کی سلطنت ترکی کا تفصیل کے ساتھ دورہ کیا۔ اس سے اس کا مقصد یہ بھی تھا کہ "رحم و عدل کی اپنی ترکی اور عیسائی رعایا پر بارش کرکے ان کو اپنے ابدی سایۂ عاطفت میں لے لے۔"

فوجی اقامت گاہیں، شفاخانے اور مساجد کی زیادہ تر اسے فکر تھی۔ اس نے مطالبات کا خیر مقدم کیا۔ شکایات کو سنا، حق تلفی کی داد رسی کی۔ سب شکووں کو دور کیا۔ اور اپنے اس منشا کو اچھی طرح سے ظاہر کر دیا کہ اس کی تمام رعایا میں بغیر امتیاز قوم وملت اتفاق کی حکمرانی رہے گی (۱۸۳۷ء)۔ آخر میں اس نے قرآن کی کی کو تسلیم کرکے جس پر تمام عثمانی قانون کا دارو مدار تھا اپنے موجودہ ضروریات کے مطابق ایک مکمل قانون تیار کرایا جو اس کا

نہایت درخشندہ کارنامہ ہے۔

مصر اور ترکی معاہدۂ انکیار اسکیلیسی (۱۸۳۳ء)

جنگ نزیب

محمود اگر اپنی سلطنت کو خواب غفلت سے جھنجوڑ کر بیدار کر رہا تھا تو اور دوسری پیچیدگیاں پیدا ہوئیں جن سے اس کا خاندان خطرے میں پڑ گیا تھا۔

روس سے صلح ہوئی ہی تھی کہ بابعالی کے قبضے سے الجزائر چلا گیا۔ ڈے (ترکی حاکم الجزائر) کی جہالت سے فرانسیسی حکومت نے ہمیشہ کے لیے ڈاکوؤں کے اس مسکن کا خاتمہ کر دینے کا تصفیہ کیا۔ باوجود انگلستان کی رقابت اور حملہ آورانہ انداز کے اور باوجود سلطان کی مداخلت کے امیرالبحر ڈوپیری اپنے بیڑے کے ساتھ روانہ ہوا۔ پانچ جولائی کو کونٹ ڈبورمنٹ الجزائر پر اپنی فوج کے ساتھ اترا اور مرتفع استیوٹلی میں عربوں کو شکست دی اور شہر پر قبضہ کیا (۱۸۳۰ء)۔

ایک زمانے سے الجزائر خودمختار چلا آ رہا تھا۔ اس کے فرانسیسی تسلط سے عثمانی رعونت کو ٹھیس لگی لیکن اس آنے والی لڑائی میں جو مصر اور بابعالی میں ہوئی تخت وتاج عثمانی کے آثار بگڑتے نظر آتے تھے۔

محمد علی اصلاحات کے معاملے میں اپنے بادشاہ سے زیادہ خوش قسمت تھا اس نے وہی اصلاحات اپنے ملک میں بغیر کسی مخالفت کے نافذ کیں۔ والئ مصر نے اگر اپنی سلطنت کی کایا پلٹ کر دی تو محمود کو تار واطرفداریوں اور قدیم دستورالعمل کا مقابلہ کرنا پڑا۔ محمد علی کی فوج کو کرنل سیوزنہ (سلیمان پاشا) نے مرتب کیا تھا اور اس پر فرانسیسی افسر مقرر تھے۔ اور اس کا ساز وسامان بھی نہایت عمدہ تھا اور ہمسایہ اقوام سے آئے دن جنگ

کرنے سے وہ بہت جفاکش ہو گئی تھی اور یہ جفاکشی عثمانی رنگروٹوں میں مفقود تھی۔ قدیم ترکی جماعت کی مخالفت سے جب کھلبلی پیدا ہوئی تو محمد علی نے اس موقع کو اپنی خود مختاری کے لیے مناسب سمجھا مگر اس نے یہ عزم کر لیا تھا کہ آخر وقت تک ظاہرداری کو ہاتھ سے نہ دیا جائے چنانچہ وہ بغاوت کا حیلہ سوچ رہا تھا۔ سب سے پہلے اس نے اٹھارہ ماہ کا خراج جو بقایا تھا اس بنا پر دینے سے انکار کیا کہ حالیہ جنگ میں جو قربانیاں ہوئیں وہ اس کا معاوضہ تھیں۔ اس کے بعد عبداللہ والیٔ ایکر کے جھگڑوں سے اس کو حسب دلخواہ موقع مل گیا۔ جب اس سے کہا گیا کہ مصری اشیا کے رسوم کروڑگیری کی خوردبرد میں سرپرستی سے باز آئے اور فلاحین کو جو اس کے علاقے میں بھاگ آئے ہیں حوالے کر دے تو اس نے نہ مانا۔ فوراً پچاس ہزار آدمیوں کے ساتھ ابراہیم نے شام پر حملہ کر دیا (۱۰ر اکتوبر ۱۸۳۱ء)۔ چند ہی روز میں جافہ، غازہ اور حیفہ سر ہوئے اور عبداللہ ایکر میں محصور کر دیا گیا۔ سلطان نے محمد علی کو حکم دیا کہ وہ اپنی فوجوں کو واپس بلا لے اور تمام جھگڑے کو اس کے پاس پیش کرے وہ فوری دادرسی کرے گا۔ محمد علی نے اپنی اطاعت کے لیے یہ شرط پیش کی کہ اسے ملک شام کی ولایت دی جائے۔ اس کے جواب میں سلطان نے والیٔ مصر کے ارتداد پر ایک خط شریف شائع کیا۔ اور حسین پاشا کو مصریوں کے مقابلے پر روانہ ہونے کا حکم دیا۔ گو ایکر کی مدافعت بہت بہادری کے ساتھ کی گئی تھی لیکن اس میں اب کوئی جان باقی نہ تھی۔ ۲۷ر مئی ۱۸۳۲ء کو ابراہیم نے حملہ کیا۔ ایک سخت جنگ کے بعد عبداللہ کو مجبوراً مطیع ہونا پڑا۔ عثمانی فوج کو جو ایکر کی کمک پر آئی تھی دمشق پر شکست ہوئی چنانچہ دمشق نے بھی فاتح پر اپنے دروازے کھول دیئے۔ (۱۴ر جون) والیٔ حلب نے ابراہیم کو حمص میں اورنطیس پر سبے سود روکنے کی کوشش کی۔ اس کے تین ہزار آدمی ہلاک ہوئے اور توپخانہ بھی ہاتھ سے جاتا رہا۔ حسین پاشا کو جس نے جاں نثاروں کا صفایا کیا تھا الکزنڈریتا اور انطاکیہ کے درمیان بیلن میں شکست ہوئی اور وہ بمشکل

دس ہزار آدمی جمع کر سکا۔ (۲۹ ؍ جولائی)

اب محمد علی نے شام کے چاروں صوبوں کی ولایت کا مطالبہ کیا۔ سلطان نے اس کے مطالبے کو نامنظور کر کے رشید پاشا کو نئی فوج بھیجی۔ نیا سر عسکر بہادر معاملہ فہم، مستعد، اور اعلےٰ درجے کی فوجی قابلیت رکھتا تھا لیکن اس کو اپنی نئی فوج پر بھروسا نہ تھا۔ جو ناتجربہ کار، نااہل، اور حالیہ ہزیمتوں سے شکستہ دل ہو گئی تھی۔ تیس ہزار عثمانی لاشوں سے قونیہ کا میدان جنگ پٹا پڑا تھا۔ رشید اپنے سپاہیوں کی لڑائی سے ناامید ہو کر تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے دشمن کی صفوں پر پل پڑا لیکن موت اس سے بھاگ گئی تھی۔ وہ قید ہوا اور ابراہیم کے پاس پیش کیا گیا جو اس کے ساتھ نہایت ملاطفت سے پیش آیا (۲۱ ؍ دسمبر) فاتح کی قسطنطنیہ پر پیش قدمی میں کوئی امر باقی نہ تھا۔ ابراہیم کے ساتھ جو یورپین تھے انھوں نے پیش قدمی کی بہت کچھ ترغیب دی۔ اب ملک شام کے قبضے کا سوال نہ تھا بلکہ ایک خاندان کی جگہ دوسرے خاندان کی حکمرانی اور سلطنت عرب کی ترتیب نو کا سوال تھا۔ محمد علی کے مطمح نظر اتنے بلند خیالات نہ تھے اور نہ اس کا یہ ارادہ تھا۔ وہ صرف خود مختاری اور صوبجات میں اضافے کا خواہاں تھا۔ یہ جھگڑا جو دو قوموں کی لڑائی میں متبدل ہو سکتا تھا صرف بادشاہ اور رعیت کی جنگ تک ہی محدود رہا۔

بہر صورت ابراہیم نے بروصہ تک پیش قدمی کی۔ اس کے اب سقوطری پر بڑھنے کا اندیشہ تھا۔ محمود کو فکر دامنگیر ہوئی۔ اس نے جنرل مورویف کی تجویز معاونت کو جو زار کی طرف سے کی گئی تھی قبول کیا لیکن فرانسیسی سفیر موسیو دے وارن نے بابعالی کو محمد علی سے تجدید گفتگوئے صلح پر آمادہ کیا۔ محمد علی کے مطالبات اور زیادہ بڑھ گئے تھے۔ وہ اب ملک شام پر ہی قانع نہ تھا بلکہ عدنہ کا علاقہ بھی مانگ رہا تھا۔ محمود نے روسیوں سے مدد لی جن کے پندرہ ہزار آدمی قسطنطنیہ پر جہازوں سے اترے اور محافظت کی تیاری کی۔ اس مداخلت سے گھبرا کے فرانس اور انگلستان کے سفرا نے سلطان کو اس خطرے سے متنبہ کیا جو روسیوں کے

دارالخلافت میں آنے سے اس کی سلطنت کو لاحق تھا اور یہ واضح کیا کہ صلح کر لینا اس سے بہت بہتر ہے۔ سلطان نے بات مان لی۔ ۵ ؍مئی ۱۸۴۳ء کو ایکر، حلب، طرابلس اور دمشق کے صوبجات حاصل کر کے نائب سلطان نے ایشیائے کوچک کا تخلیہ کیا ابراہیم حاکم علاقہ بنایا گیا۔

مغرب نے ترکی کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ صرف روس سے ہی بظاہر بے لاگ ہمدردی ظاہر ہو رہی تھی۔ محمود نے انتقام سے اندھا ہو کے اور سینٹ پیٹرزبرگ کے وعدوں میں آ کے نکولس سے جارحانہ اور مدافعانہ اتحاد کیا۔ اس معاہدۂ انکیار اسکیلیسی سے بابعالی کی سیاسی آزادی کا خاتمہ اور ایک سلطنت غیر کو اس کے اندرونی جھگڑوں میں دخل دہی کا حق حاصل ہو گیا۔ ترکی نے آپ کو تمام روس کے مطلق العنان فرمانروا کے حوالے کر دیا۔

مصر اور ترکی کا جھگڑا طے نہ ہوا تھا بلکہ عارضی طور پر دب گیا تھا۔ اور فریقین لڑائی کی پیش بینی کر کے خاموشی کے ساتھ جنگی تیاریوں میں مصروف تھے۔ آغاز ۱۸۳۴ء میں فلسطین کے بعض پہاڑی باشندوں نے جنھیں ابراہیم نے غارتگری اور لوٹ پر سخت سزا دی تھی جنگ کا آغاز کیا۔ شام کے مسلمان باشندے ابراہیم کے اس اعلان کو نہیں بھولے تھے جس میں مسلمانوں اور عیسائیوں کو ایک ہی پلے میں رکھا گیا تھا اور اس بارے میں اس کا عملی ثبوت بھی انھیں کھٹک رہا تھا۔ سلطان نے اس موقع کو حریف سے انتقام کے لیے مناسب سمجھ کے شام میں ایک عثمانی فوج روانہ کی۔ ابراہیم نے بغاوت کا استیصال کر کے فرات پر پڑاؤ کیا اور اپنے دشمن کی نقل و حرکت کو دیکھتا رہا۔ ان ہر دو کی لڑائی میں یورپین سیاست دخل انداز ہوئی۔ روس اور انگلستان نے سلطان المعظم کو لڑائی پر اکسایا۔ فرانس نے کھلم کھلا نائب مصر کی طرفداری کی۔ محمد علی نے مطالبہ کیا کہ اس کے صوبجاتی علاقوں کو موروثی قرار دیا جائے گا۔ بابعالی نے اس مطالبے کو مصر، ایکر، طرابلس کی حد تک منظور اور بقیہ شام کے علاقے کی واپسی کا دعویٰ کیا۔ امیر مصر نے

کشتیوں میں آگ لگا دی۔ خراج موقوف اور اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ سفرائے یورپ نے صلح کے لیے بہت کچھ کوشش کی مگر روم کے شورے سے محمود نے حافظ پاشا کو جنگ کا حکم دیدیا۔

۲۱۔ اپریل ۱۸۳۹ء کو ترکی فوج کے پہلے دستے نے بیر کے قریب دریا کو عبور کیا۔ ادھر ابراہیم نے اپنا مستقر حلب کو قرار دیا اور نزیب پر قبضہ کیا جو بیر سے تین فرسنگ پر تھا۔ سرعسکر کا ارادہ نہ تھا کہ ابراہیم سے حلب کے قریب برسرپیکار ہو بلکہ وہ دمشق پر کوچ کرنا چاہتا تھا۔ جہاں کے باشندے شرق کے تمام بلاد اسلامیہ کے باشندوں سے زیادہ متعصب تھے اور جہاں ایک عام بغاوت کی امید تھی اور نبلس کے پہاڑی باشندوں اور لبنان کے متوالیوں کی کمک کا بھروسا تھا۔ دروزی اور امیر بشیر کے بارونیتی جلد ابراہیم کی مدد کو بڑھے۔ محمد نے قبائل عرب کی اس نفرت سے جو انھیں عثمانیوں سے تھی فائدہ اٹھانے کی غرض سے صحرائی قبائل سے استمداد کی۔ بدوی شیوخ نے بیس ہزار سوار روانہ کیے اور شریف مکہ نے حجاز کے تمام قابل شخصوں کو پیش کیا۔

۲۹۔ جون کو دونوں فوجیں نزیب پر ٹوٹ پڑیں۔ عثمانی فوج کا صفایا ہو گیا۔ حافظ پاشا ایک سو ساٹھ توپیں چھوڑ کے مراش پر ہٹ آیا۔ ابراہیم نے اپنے باپ کو لکھا کہ "دشمن کا اسباب، توپیں، بہت سا مال غنیمت اور بہت سے قیدی ہمارے ہاتھ آئے ہیں۔ میرا ارادہ تھا کہ دشمن کا تعاقب کروں لیکن کوئی دشمن ہی نہیں۔ دو ہی گھنٹے کی لڑائی میں عثمانی فوج منتشر ہو گئی اور اس میں ایسی بھاگڑ مچی کہ ہم ان کا تعاقب نہیں کر سکتے تھے۔"

باغی کی فتح اور اپنی شکست کی منحوس خبر سننے سے قبل محمود کا یکم جولائی کو یکایک انتقال ہو گیا۔

محمود کا کارنامہ

اگر محمود کو اصلاحات میں پطرس اعظم کے مثل کامیابی نصیب نہ ہوئی تو اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ پطرس اعظم کا معاملہ ایسی قوم سے تھا جو نئی نئی وجود میں آئی تھی اور ناشائستہ تھی اور اس اعتبار سے اس کو ہر سانچے میں ڈھالا جاسکتا تھا۔ برخلاف اس کے محمود کو ان قدیم قوانین وضوابط سے مقابلہ کرنا تھا جو سلطنت کے ساتھ پیدا ہوئے تھے اور سلطنت کے ساتھ ساتھ جنھوں نے نشو ونما پائی تھی اور جو سابق میں سلطنت کی قوت وعظمت کا باعث تھے۔ وہ تلوار سے قائم ہوئے۔ فتوح سے مقدس ٹھیرے اور مذہب سے برگزیدہ ہوئے تھے۔ روس ایک نوزائیدہ ملک تھا اس کی قومی تاریخ بھی نوزائیدہ تھی اس لیے وہاں نئے آئین اور نئے ضوابط کی ترویج خطرناک نہ تھی۔ وہ دو صدی سے منگولوں کی باجگزار سلطنت رہی تھی۔ ان سے رہا ہونے کے بعد یورپ سے ڈرنے کی اس کو کوئی وجہ نہ تھی۔ جو یورپ کا مذہب تھا وہ اس کا مذہب تھا اور اس لیے یہاں ان ضوابط کے خلاف مذہبی ہنگاموں کا خدشہ نہ تھا جو خود اس کے ہم مذہب عیسائی اقوام سے لیے گئے تھے۔ اور نہ وہ ماضی کے شاندار یادگار کارنامے تھے جن کے خلاف معرکہ آزمائی کی جاتی۔ محمود کو ان جاہل اور مغرور لوگوں سے سابقہ تھا جو یورپین اقوام کی دماغی، جنگی، اور سیاسی برتری کو تسلیم کرنے تیار نہ تھے اور انھیں نفرت سے دیکھتے تھے۔ اسے ترکوں کو ان لوگوں کے عادات واطوار آرا پر مجبور کرنے میں جنھیں ترک سگ نصاریٰ کہتے تھے ہر اس چیز سے مقابلہ کرنا پڑا جو مسلمانوں کی نظروں میں محترم اور مقدس تھی۔ اور پھر وہ صرف دنیاوی بادشاہ ہی نہ تھا بلکہ مذہبی اعتبار سے اسلامی دنیا میں اس کے مثل کوئی ہستی نہ تھی، خلیفۃ الرسول اور ظل اللہ کا جیسا مرتبہ رکھتے ہوئے قانون شریعت کے مسلمہ اصول سے منحرف ہونا اور اس مقدس کتاب

سے روگردانی کرنی جو وحی کے ذریعے پیغمبر پر نازل ہوئی کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس قدر کٹھن اور اس قدر دشوار مرحلے کو محمود نے بغیر تامل کے اپنے سر لے لیا۔

اس کو الزام دیا جاتا ہے کہ وہ اصلاحات کی تعمیل کے لیے بہت سختی اور مطلق العنانی کو کام میں لایا لیکن ایک قوم کے اعتقادات اور آئین وضوابط کو مسمار کرنا اور پھر اسی سے اس کا صلہ طلب کرنا تھا اگر وہ ایسا نہ کرتا تو کیا کرتا۔ یہاں پارلیمنٹ کی چالاکیوں سے کام نہیں چل سکتا تھا بلکہ مطلق العنانی کی ضرورت تھی۔ اگر شائستگی بنت الوقت ہے اور زور و جبر سے اس کا ملاپ نہیں ہو سکتا تو اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ محمود نے قدیم عقائد میں رسوم پر حملہ کرکے ترقی کے لیے میدان صاف کیا اب ایک اسی کے جیسے مستقل مزاج بادشاہ کی ضرورت تھی جو اس کے کام کی تکمیل کرتا اور رہے سہے موانعات پر فتحیاب ہوتا۔ سوال یہ ہے کہ کوئی اس کے مقاصد بھی تھے اور اگر تھے تو ان کی بجا آوری میں اس نے کوتاہی تو نہیں کی؟ بیشک اس کے مقاصد تھے جن کی بجا آوری میں اس نے بالکل کوتاہی نہیں کی۔ اندرونی بدنظمیوں، خراب نظم ونسق، اور آئین وضوابط کی عام ابتری سے ملک تباہ ہو رہا تھا۔ اور اس کی حیات چند ہی روزہ کی معلوم ہوتی تھی شدید امراض کا شدید علاج ضروری تھا۔ سلطنتوں کو سیاسی دستوروں سے نہیں بچایا جا سکتا۔ اور محمود کو اپنے اصلاحات میں ہرگز کامیابی نہ ہوتی اگر وہ ان اصلاحات کو ایک انتخابی مجلس کے سپرد کرتا۔

اس کے اصلاحات کو کوئی کسی نقطۂ نگاہ سے بھی دیکھے اور ان کے مناسب وقت اور مفید ہونے کے متعلق کچھ بھی فیصلہ کیا ہو اور ان کے طریقۂ تکمیل پر کچھ بھی کہا جائے محمود موجودہ ترکی میں نہایت بلند پایہ اور نہایت اولو العزم شخص ہے۔

چودھواں باب

عبد المجید (۱۸۳۹ء تا ۱۸۶۱ء)

اتحاد اربعہ۔ لبنان اور قتل ۱۸۴۵ء۔ "تنظیمیت"۔ اجلاس بالٹالیمن ۱۸۴۹ء مسئلۂ مقامات مقدسہ۔ جنگ روس (۱۸۵۳ء) دریائے طونہ پر جنگی نقل و حرکت۔ یونان کا طرز عمل۔ مہم قرم۔ معاہدۂ پیرس (۱۸۵۶ء) ۱۸۵۶ء کا خط ہمایوں۔ جدۂ لبنان اور شام کے عیسائیوں کا قتل ۱۸۶۰ء مصالحت لبنان۔ فواد پاشا اور بین الاقوامی کمیشن۔ وفات عبد المجید (۱۸۶۱ء)۔

اتحاد اربعہ۔ لبنان اور قتل ۱۸۴۵ء

محمود کے بعد اس کا سب سے بڑا بیٹا عبد المجید تخت پر بیٹھا۔ اس کا پہلا کام یہ تھا کہ اس نے خوشرو پاشا کو صدر اعظم بنایا اور فوجی نقل و حرکت میں نئی جان ڈال دی۔ لیکن بابعالی کے پاس کوئی فوج نہ تھی جس سے ابراہیم کا مقابلہ کیا جاتا۔ اور قپودان پاشا احمد کی بیوفائی سے جو صدر اعظم کی مخالفت پر اپنے بیڑے کے ساتھ دشمن سے جا ملا تھا رہی سہی امید بھی ٹوٹ گئی تھی۔ مجلس ترکی نے محمد علی کی ضرورتوں کے آگے سر دید یا اور سلطان سے بھی استدعا کی کہ وہ بغیر اس کے مشورے کے کوئی تصفیہ نہ کرے۔

مسئلۂ شرقی سرکاری طور سے معرض بحث میں آیا۔ ایک زمانے میں

تو اس مسئلے سے تمام عالم میں ایک کھلبلی سی پڑ گئی تھی۔ انگلستان، روس، اور پروشیہ نے ۱۵؍ جولائی ۱۸۴۰ء کو بابعالی کے ساتھ معاہدہ کیا جس کی رو سے خدیو کا مصر پر موروثی اور ایکر پر تاحیات قبضہ اس شرط پر تسلیم کیا گیا کہ وہ دس دن کے اندر عرب شام، اکریت وغیرہ کا تخلیہ کر دے گا۔ بصورت انکار محمد علی کے تمام علاقے ضبط کر لیے جائیں گے اور دول اربعہ پر فرض ہو گا کہ اس کی تعمیل کرائے۔ فرانس میں عوام الناس مصر کے طرفدار تھے۔ وزیر تھیرس نے دریائے رہائن اور بحر متوسط پر بڑی جنگی تیاریاں کیں اور جنگ کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن لوئی فلپس نے فرانس میں حال ہی میں انگریزی اتحاد کا افتتاح کیا تھا چنانچہ اس کا نقطۂ نظر برطانیہ عظمیٰ کا نقطۂ نظر تھا۔ اور گو اس انگریزی اتحاد کا افتتاح "تین شاندار روز" کی گولہ باری میں ہوا تھا لیکن حکومت نے جولائی میں تمام جنگی تیاریوں کو اس وجہ سے منع کر دیا تھا کہ ملک کی مرفہ الحالی پر اس کا اثر پڑے گا۔ چونکہ بادشاہ کا فیصلہ عدم دخل ہی پر تھا تھیرس نے استعفا پیش کیا اور فرانس نے محمد علی کا ساتھ چھوڑ دیا جس کو ہر طرح اس کی امداد کی توقع کا حق تھا۔

ان تمام مشکلات کے باوجود خدیو نے اتحادیوں سے مقابلے کی کوشش کی لیکن فوجی توازن میں بہت بڑا فرق تھا۔ ایک انگریزی دستے نے بیروت پر بمب باری کی مصری بیڑے کو جلا دیا اور نو ہزار آدمی ساحل پر اتارے جنھوں نے مارونیتیوں کی مدد سے ابراہیم پاشا کو لبنان سے بالکل بیدخل کر دیا۔ انطاکیہ، اور توسہ، طرابلس، سعیدہ اور ٹائر یکے بعد دیگرے اتحادیوں کے ہاتھ آئے۔ ایکر نے کچھ مقابلہ کیا لیکن بمب باری سے اس کا صفایا کر دیا گیا۔ مخزن میں آگ لگا دی گئی۔ تین چوتھائی تباہ ہو چکا تو ایکر نے ہتیار ڈال دیئے۔ ابراہیم کا جنگی مستقر یہی تھا اور اس کا تمام اسباب اور جنگی ذخائر یہیں تھے۔ اس کی تسخیر کے بعد اس کو مراجعت کرنی پڑی۔ ساتھ ہی امیر البحر نپیر اسکندریہ میں آدھمکا اور محمد علی کو مجبور کر کے ایک معاہدہ کرایا جس کی رو سے صرف مصر ہی اس کے علاقے میں رہ گیا۔

(۲۷ نومبر ۱۸۳۸ء) حکومت ترکی اپنے اتحادیوں کی فتح سے خاطر خواہ فائدہ حاصل کرنا چاہتی تھی اس لیے مفتوح خدیو کی جگہ ایک دوسرے خدیو کو مقرر کیا لیکن انگلستان نے اسے سرپیمبرسے کے معاہدے کو تسلیم کرنے پر مجبور کیا (۲ جون ۱۸۴۱ء) اور بالآخر معاہدۂ ۱۵ جولائی ۱۸۴۱ء سے ایڈریانوپل اور انکیار اسکیلیسی کے معاہدوں کی ترمیم ہوئی اور درۂ دانیال میں تمام اقوام کے جنگی جہازوں کا داخلہ ممنوع قرار دیا گیا۔

ابراہیم کی فوجوں کے تخلیے سے ملک شام کو بدنظمی اور افراتفری سے نجات ملی۔ ابراہیم کے سخت انصاف سے چھوٹ کے مسلمان عیسائیوں پر ٹوٹ پڑے اور ان سے اس وقت کا بدلہ لیا جب کہ خدیو کے زمانے میں وہ مسلمانوں پر حاوی ہو گئے تھے۔

اٹھارھویں صدی کے اخیر میں خاندان معان گل ہو جانے کے بعد لبنان میں خاندان شہاب حکمراں ہوا۔ امیر شہاب سیدا و رخاندان معان کے آخری فرمانروا کا داماد تھا۔ جب وہ لبنان کا فرمانروا ہوا تو تمام پہاڑی سرداروں اور والی ایکر نے اس کی حکومت کو تسلیم کیا۔ لبنان کے تمام امرا خاندان شہاب کے تحت تھے اور اس لیے جب امیر تخت پر بیٹھا تو ان بڑے بڑے امرا کو بطور معاوضہ جنھوں نے لڑائیوں میں اس کی مدد کی تھی لبنان کے مختلف اضلاع کا حاکم بنایا۔ اس مسولم شہاب خاندان کے علاوہ ایک اور دروزی خاندان جمبلت بھی تھا جن کے اسلاف میں کئی ولاۃ گزرے تھے اور اسی بنا پر یہ خاندان علانیہ مسلمان ہو گیا تھا کیونکہ سوائے مسلمانوں کے کوئی اس عہدے کا مستحق نہیں ہو سکتا تھا۔ اس خاندان کے سردار شیخ بشیر جمبلت کے انتقال سے جس کا عبداللہ پاشا کے حکم سے ایکر میں گلا گھونٹ دیا گیا بشیر شہاب کا اقتدار مسلم ہو گیا۔ جب محمد علی نے شام پر قبضہ کر لیا تو امیر بشیر نے اس کی طرفداری کی لیکن پہاڑی باشندوں کو ابراہیم بے اسلحہ کرنا چاہتا تھا اس لیے وہ اس کے مخالف ہو گئے تھے۔ مصریوں کے خلاف ان کو بھڑکانے کے لیے انگریزوں نے

مارونیتیوں سے سازش کی اور یہ افواہ اڑائی کہ ابراہیم جبری فوجی قانون نافذ کرنے والا ہے۔ ان تمام سازشوں کی روح رواں کابینہ سینٹ جیمس کا ایلچی مسٹر ووڈ تھا۔ اس نے اپنی گورنمنٹ کی طرف سے وعدہ کیا کہ ان کی مدد کئے صلے میں وہ ان کے لبنانی حقوق کی باضابطہ تصدیق کرائے گا۔ ۲۹ مئی کو دمشق میں پلیگ پھیل جانے سے بیروت کے اطراف قرنطینے قائم کیے گئے۔ اب تو پہاڑی باشندوں کو بالکل یقین ہو گیا کہ یہ دراصل ان کے بے اسلحہ نہ ہونے کی سزا ہے۔ جلد بغاوت ہو گئی۔ چند ہی دن میں بیروت طرابلس اور سیدہ کا مارونیتیوں نے محاصرہ کر لیا۔ گو ان پہاڑی باشندوں کو عثمان پاشا نے شکست دی لیکن زیادہ تر نا امیدی محمد علی کو انھیں کی وجہ سے ہوئی جھنوں نے مصریوں کو بہت کچھ دق کیا تھا۔ ان کے جہاز لوٹ لیے تھے۔ انگریزوں اور آسٹریوں کو بغیر مقابلے کے خشکی پر اتار لیا تھا اور رگھاٹیوں میں سے جانے کی اجازت دی تھی۔ فرانس نے بہت کچھ کوشش کی کہ مارونیتی اپنے اصل اغراض و مقاصد سے آگاہ ہوں مگر بے سود تھی۔ ایسا ہی امیر بشیر نے بھی اپنی قوم میں ایک اعلان شائع کیا جس میں انگریزوں سے خبردار رہنے کی ہدایت دیگئی تھی لیکن اس کا بھی وہی حشر ہوا۔ مارونیتی اندھے بنے رہے۔ امیر بشیر کو انگریزوں نے دغابازی سے گرفتار اور ترکی کے ہاتھ بیچا چنانچہ قادکوئی میں اس کا انتقال ہوا۔

امیر بشیر کے بعد اس کا بھتیجا بشیر القاسم والی ہوا جسے باب العالی نے ۳ ستمبر ۱۸۴۰ء میں حکومت دیدی تھی۔ نیا امیر مجہول اور ناقابل اور اس منصب کا اہل نہ تھا۔ انگریزوں نے جنھیں شام میں فرانسیسی اقتدار کو زک دینے کا تاؤ لگا ہوا تھا۔ اب وہاں فساد پھیلانے کا بیڑا اٹھایا تاکہ اپنے قدم جمائیں۔ انھوں نے مذہبی اور قومی اختلافات سے کام لیا۔ اور دروزیوں کو مارونیتیوں اور مسلمانوں کو عیسائیوں کے خلاف بھڑکایا۔ یہی پھوٹ پہاڑی علاقوں میں بھی ڈالی جہاں پھوٹ کا مطلق نام و نشان نہ تھا۔ مارونیتی رومن کیتھولک فرانس سے وابستہ اور ان کے دام میں تھے

نہ آسکتے تھے اس لیے ان کی خرابی کے درپے ہو گئے۔ اور دروزیوں کو جن کا ایک مذہب نہ تھا بلکہ جو دراصل کوئی مذہب ہی نہ رکھتے تھے اپنی سازش کا کھلونا بنایا حالانکہ یہ مارونیتی وہ تھے جنھوں نے ابراہیم کے مقابلے میں جنگ کی تھی اور برعکس ان کے دروزیوں نے ابراہیم کا ساتھ دیا تھا اور نیز انگریزوں نے ان سے معاہدہ بھی کیا تھا لیکن انگریز اہل سیاست کب ان امور کو خاطر میں لاتے تھے۔ انگریزی کارندوں کی اشتعالکیں بار آور ہوئیں۔ دروزیوں نے بغاوت کی اور امیر کو معزول کر دیا۔ شیخ حمود ابو نقد کی خاص اشتعالک سے دروزیوں نے بیدا اور حدت کے قریوں میں آگ لگادی جو بیروت کے بالمقابل تھے اور دیر القمر پر حملہ کر دیا لیکن اس شہر کے بازاروں میں چار دن تک لڑنے کے بعد وہ ایک دم سے پسپا ہو گئے (اکتوبر ۱۸۴۱ء)۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ مسٹر وڈ نے مارونیتیوں سے بہت کچھ وعدے کر کے انگریزی اور ترکی فوجوں کے لیے مدد حاصل کی تھی یا مصلحت وقت اب اس میں تھی کہ دروزیوں کی حمایت کی جائے چنانچہ مسٹر وڈ نے جسارت کو کام میں لا کے ترکی جنرل کو لکھا "عیسائی اپنی جگہ سے نہیں ہٹتے اور جبل لبنان میں ان کا اقتدار بڑھا ہوا ہے۔ ان وجوہ سے خانہ جنگی طول کھینچے گی اور بابعالی کے دشمنوں کو موقع ملے گا کہ وہ ان علاقوں میں بابعالی کی سیادت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیں۔"

سلیم پاشا نے دو عہدہ داروں کو دیر القمر روانہ کیا۔ دروزیوں نے ان کی ہتک اور ان کے ساتھ بدسلوکی کی۔ ناجائز طور پر بے اسلحہ اور شہر حوالے کرنے کی مجلس میں یہ لوگ صدر بنائے گئے۔ ان کی موجودگی میں ہی شہر میں غارتگری کی گئی۔ امیر کے ساتھ برا برتاؤ ہوا اور اس کے ہتھیار چھین لیے گئے۔ نجیب پاشا والی دمشق نے دروزیوں کی رسد اور سامان حرب سے مدد کی۔ بیقاعدہ فوجوں نے جو دمشق سے بھیجی گئی تھیں پہاڑوں میں پڑاؤ کیا اور جبر و تعدی میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ آخر ماہ اکتوبر ۱۸۴۱ء میں شیخ شبلی الحنان جو نجیب پاشا کی بیقاعدہ فوج کا

سردار تھا ایک مارونینی گاؤں ہسبیہ میں داخل ہوا اور سلیم پاشا کے نام سے پہلے اس نے یہاں کے باشندوں کو نہتا اور بعد میں سب کو قتل کر دیا۔ فحش کاری، غارتگری اور آتش زنی سے دروزیوں نے اپنا غصہ ٹھنڈا کیا۔ حاملہ عورتیں قتل کی گئیں اور بچوں کے چار چار ٹکڑے کیے گئے۔ بابعالی نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کے امیر بشیر کو معزول کیا اور سرعسکر مصطفیٰ پاشا کو ایک فوج کا دستہ دے کے روانہ کیا اور عمر پاشا کو دیر القمر کا حاکم بنایا جس کی عدل و انصاف اور عمدہ انتظام کی بدولت عیسائیوں نے بہت آؤ بھگت کی۔ ان حکومتوں نے جنھوں نے معاہدہ ۱۸۴۰ء پر دستخط کیے تھے ترکی کی لبنان میں بلا واسطہ حکومت قائم ہونے پر اعتراض کیا اور اُدھر فرانس نے خاندان شہاب کی بحالی کا مطالبہ کیا۔ ترکی پہلے مسئلے کو تسلیم کر لینے پر اپنی آمادگی ظاہر کی۔ سریم افندی وزیر خارجہ نے لکھا کہ "عمر پاشا کو تو چھوڑ دو وہ ایک بیکار آدمی ہے"۔ دوسرے مسئلے کے متعلق اس نے مصطفیٰ کو ایک اسسٹنٹ کمشنر بھیجنے کی تجویز پیش کی جو لبنان کی صورت حال کے متعلق تحقیقات کرے گا۔ یہ اسسٹنٹ ولی پاشازادے سلیم بے مقرر ہوا جو علی تبلیبنی کا پوتا تھا اور جو اپنے خاندان کے قتل کے وقت بھاگ گیا تھا۔ (۱۷ مارچ ۱۸۴۲ء) اپنی تمام مدت انصرام کار میں سلیم بے بیروت سے باہر نہیں نکلا۔ اور مصطفیٰ پاشا کی منظوری کے بغیر خاندان شہاب کی بحالی کے عرائض لینے سے انکار کر دیا اس نے اپنی حکومت کو رپورٹیں بھیجیں جن میں خاندان شہاب کی بحالی سے رعایا کی سخت ناراضی اور ترکی پاشا کے تقرر کی استدعا ظاہر کی گئی تھی۔ اس کے لئے اس نے جعلی مہریں بنائیں اور جعلی عرضیاں بھیجیں۔ ۱۵ ستمبر کو بابعالی نے دول کے سامنے عمر پاشا کی معزولی اور دروزیوں اور عیسائیوں کے بجائے مسلمان قائم مقاموں کے تقرر کی تجویز پیش کی۔ یہ عمر پاشا ہی ایک ایسا ترک تھا جو اسد پاشا کے ساتھ لبنانیوں میں ہر دلعزیز تھا اور جن کی معزولی پر لبنانیوں نے اظہار تاسف کیا تھا۔ مجلس ترکی نے ایک لمحے کے لیے بھی اپنے اس مدعا کو نظر انداز نہیں کیا جو اس کے پیش نظر تھا یعنی یہ کہ لبنان کو بلا واسطہ بابعالی کے

تحت کیا جائے۔ نو ماہ کی پیچیدہ اور طول طویل مراسلت کے بعد دو قائم مقام ایک دروزی اور ایک عیسائی عارضی طور پر مقرر کیے گئے۔ سفرا اپنی فتح پر نازاں تھے لیکن بابعالی کا جو خیال تھا وہ نہ بدلا چنانچہ سریم افندی نے سفرا کو ایک یادداشت میں صاف لکھ دیا کہ یہ انتظام ٹھیک نہیں۔ رفعت پاشا کے نزدیک یہ انتظام باضابطہ خانہ جنگی تھا۔ بابعالی نے اپنے مقاصد کی تعمیل کے لیے جبل ضلع کو لبنان سے علیحدہ کر کے طرابلس کے صوبے میں شریک کر دیا۔

مارونیتیوں نے اس فیصلے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی جو ان کے حقوق اور ترکوں اور متحدین کے وعدوں کو پامال کر رہا تھا جو ۱۸۴۰ء میں کیے گئے تھے اور ۱۸۴۲ء کے انتظام کے مخالف تھا۔ علاقۂ جبل پر جس میں سات اضلاع تھے خاندان شہاب کا قبضہ تھا۔ چنانچہ سلطنت عثمانیہ کے اس کو صوبۂ طرابلس میں شریک کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔ اس طریقے سے پہاڑوں میں جو عیسائی خاندان شہاب کے طرفدار تھے کمزور ہو گئے اور ان کی تعداد گھٹ گئی۔

شام کی حکومت ایک بوڑھے شخص اسد پاشا نامی کے سپرد کی گئی تھی جو نہایت معاملہ فہم، متحمل، ہمدرد اور انصاف پسند آدمی تھا۔ شروع سے ہی وہ مشترکہ اضلاع قائم کرنے کے خلاف تھا جس میں دشواریاں ہی دشواریاں تھیں۔ استامبول میں دو طریقے رائج تھے ایک تو جغرافیائی جس سے دروزی اور مارونیتی علاقوں میں حدبندی کر دی جاتی تھی اور ایک دروزی نائب قائم مقاموں اور مارونیتی رزیڈنٹ کے تقرر کا دروزی نائب قائم مقام عیسائی امیر کے علاقے میں اور رزیڈنٹ دروزی سردار کے علاقے میں مقرر ہوتا تھا۔ پہلے طریقے میں یہ بات تھی کہ عیسائی اضلاع دروزی علاقے کے تحت آتے تھے حالانکہ ایک ہزار دروزی بھی بمشکل مارونیتیوں کے تحت رہتے تھے۔ اس لحاظ سے مارونیتی اپنے دشمنوں کے حوالے کر دیئے گئے تھے گویا شکار خود شکاری کے منہ میں دے دیا گیا تھا۔ اس طریقے کا بانی جبانی شام کا انگریزی قونصل عام تھا جس کی تائید انگریزی سفیر نے کی تھی۔ دوسرے

طریقے میں یہ بات تھی کہ ایک کم درجہ حریف امیر کے تحت میں رکھا گیا تھا اور دروزیوں کے جاگیرداری طریقے کے خلاف اس میں عملدرآمد تھا۔ یہ فرانسیسی قونصل متعینۂ بیروت کی تجویز تھی۔ اور یہی ایک ایسی تجویز تھی جس سے مارونیتیوں کے مفاد کی حفاظت ہوتی تھی اور جس سے دیانتدار اور محنتی مارونیتی جن کا شمار دروزیوں سے بہت کم تھا ان کی غارتگری، غضب اور ہٹ دھرمی سے مصئون رہ سکتے تھے۔

اسد پاشا نے بابعالی پر بخوبی واضح کر دیا کہ جو احکام اس کو ملے ہیں ان کی بجا آوری جبر و اسلحہ کو کام میں لائے بغیر نہیں ہو سکتی اور آخر میں امیر بشیر کے بحال کیے جانے کے متعلق تجویز پیش کی تھی۔ اس رپورٹ کو دیکھنے کے بعد بابعالی نے ایک نئے کمشنر خلیل پاشا کو بھیجنے کا تصفیہ کیا جو سلطان کا بھتیجا، مقرب اور وزیر بحری تھا۔ سفیر فرانس کو بابعالی نے لکھا کہ اس کا خلیل پاشا جیسے بڑے رکن سلطنت کو بھیجنے سے یہ مقصد ہے کہ آیا خلیل پاشا کی موجودگی سے یہ مشکل حل نہیں ہو سکتی جس کو اسد پاشا نے ناممکن بتایا ہے۔ بابعالی نے خاندان شہاب کی بحالی پر اس صورت میں رضامندی ظاہر کی جب کہ واقعات کی تحقیق کے بعد خلیل پاشا کی بھی وہی رائے ٹھیرے جو اسد پاشا کی تھی۔ خشکی پر اترنے کے بعد پہلا کام خلیل پاشا نے جو کیا وہ اس امر کا اعلان تھا کہ خاندان شہاب کی بحالی کسی صورت سے ممکن نہیں۔ اور وہ شخص سزا کا مستوجب ہوگا جو ذرا بھی امیر بشیر یا خاندان شہاب کی طرفداری میں صدائے بے ہنگام بلند کریگا۔ اس نے اسد پاشا کی رائے کی سخت تردید کی۔ اور یہ صاف واضح کر دیا کہ صرف سدن کے سپہ سالار اعظم کا (امیر) مقرر کردہ گورنر ہی لبنان کا باقاعدہ انتظام کر سکتا ہے۔ (جولائی ۱۸۴۲ء)۔

شام میں فرانس کی سیاسی اور تجارتی برتری انگلستان کو شروع ہی سے کھٹک رہی تھی۔ اور جب کبھی موقع ملتا گیا اس نے فرانس کو تباہ کرنے اور اپنا اثر بڑھانے کی کوشش میں کمی نہ کی۔ خاندان شہاب کی بحالی سے انگلستان کی تمناؤں کا خون ہو جاتا اس لیے اس نے دیوان میں اسد پاشا کی

مخالفت اور خلیل پاشا سے اتفاق کیا اور دیوان کو بھی خلیل پاشا کے ہموار کرنے کی کوشش کی حالانکہ ارکان دیوان پہلے سے ہی خلیل پاشا کے ہم خیال تھے۔ لبنان کے عیسائی رومن کیتھولک تھے فرانس کو ان کے حامی کار ہونے کا بھروسا تھا۔ ضرورت اس کی تھی کہ اس کا تولیت کا صفایا کیا جائے۔ انگلستان نے پروتستانتی تبلیغ شروع کی لیکن مارونیتیوں کی مذہبی محبت کو انگلیزی، کالوینی، باپٹسٹ اور میتھوڈسٹ مبلغین دور نہ کر سکے۔ اور انھیں اپنی کوششوں میں بالکل ناکامی ہوئی۔ دروزی مذہب کے کچے اور بظاہر ہر مذہبی تعلیم کو قبول کر لیتے تھے۔ ان میں کے بہت سے آسانی کے ساتھ پروتستانتی ہو گئے۔ شروع سے ہی ان لوگوں نے آپ کو برطانیہ کے ہاتھ دے ڈالا تھا۔ چنانچہ حکومت برطانیہ نے انھیں اپنی حفاظت میں لے لیا تھا۔ اور اس کا خیال تھا کہ لبنان میں دروزیوں کے تسلط سے شام میں اس کا تسلط ہو جائے گا۔ فرانسیسی اثر اور کاتولیت کے مقابلے میں اسقفی انگلستان، لوتھیری پروشیہ، کالوینی امریکہ، اور افتراقی روس متحد ہو گئے۔ ان میں سے بعض کا جھگڑا مذہبی اور بعض کا سیاسی تھا۔ کرنل روز اس زمانے میں شام میں برطانوی قونصل عام تھا۔ ۱۸۵۳ء میں وہ قسطنطنیہ میں ایلچی ہوا۔ اس کے بعد قرم میں ملکہ کی طرف سے فرانسیسی فوج کا کمشنر، لارڈ اسٹراتھنین کے خطاب سے سرفراز اور آئرلینڈ میں انگریزی افواج کا سپہ سالار اعظم مقرر ہوا۔ اس نے علانیہ اپنی دروزیوں کی طرفداری کا اظہار کیا۔ ان کی وکالت اور ان کے دعووں کی تائید کی۔ ان کے مطالبات کو پیش کیا۔ ان کے جرائم سے درگزر کیا۔ ان کو اچھا ثابت کیا اور ان کے دشمنوں کو بدنام کیا۔ جب فرانسیسی قونصل نے اس سے کہا کہ دول یورپ نے مارونیتیوں کی طرفداری کی تو اس نے جواب دیا کہ "وہ آپ جو چاہیں کہیں میں اس میں شریک نہ تھا۔"

جب بابعالی نے حکم دیا کہ اضلاع مشترکہ کے عیسائی دروزیوں کے تحت رہیں تو کرنل روز نے اسد پاشا کو مجبور کیا کہ وہ اس حکم کی بجبر

تعمیل کرائے حتیٰ کہ اس نے اسعد پاشا کو اس بارے میں دھمکی بھی دی۔ اس کی رائے تھی کہ تمام مارونیتیوں کو مشترکہ اضلاع میں منتقل کرکے سفرا کی کانفرنس سے اس اصول کو باضابطہ قرار دیا جائے لیکن بابعالی نے اس انقلابی انتظام پر کاربند ہونے سے انکار کر دیا۔

آخر فرانسیسی وکیل قسطنطنیہ کی کوششوں کی بدولت فرانسیسی سفارت کو کامیابی ہوئی اور بابعالی نے فرانسیسی قونصل متعینہ بیروت کے خیالات کو عملی جامہ پہنایا۔ مشترکہ اضلاع میں دو وکیل مقرر کیے گئے۔ ایک عیسائیوں کے لیے اور دوسرا دروزیوں کے لیے۔ عیسائی وکیل عیسائی قائم مقام کے تحت اور دروزی وکیل دروزی قائم مقام کے تحت رکھا گیا (ستمبر ۱۸۴۴ء) انگریزی سفارت کی طرف سے پوری کوشش کی گئی کہ بابعالی کو اس مساویانہ انتظام سے روک دیا جائے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ اس واقعے کے بعد میں سر اسٹراٹفورڈ ڈریڈ کلف نے بابعالی کے احکامات میں یہ اضافہ کرایا کہ عیسائی وکلا دروزی قائم مقام کے تحت رہیں۔ انھوں نے سپہ سالار (امیر) سدن کی ماتحتی کو دروزیوں کی ماتحتی پر ترجیح دی۔ بابعالی نے اس تجویز کو قبول نہ کیا۔ دروزیوں نے دیکھا کہ شکار ہاتھ سے نکل رہا ہے۔ انگریزی اثرات کا عروج نہ تھا اور اس ناکامی سے پراٹسٹنٹوں کی محنت دروزیوں کو پراٹسٹنٹ بنانے کی برباد ہو رہی تھی۔ کرنل روز کے اغوا سے اور قپودان پاشا کی تائید اور عثمانی حکام کی لینت پر بھروسا کرکے دروزی اپنے مخالفین کو پریشان اور انھیں متفرق طور پر قتل کرنے لگے گویا یہ مقدمہ تھا ان خونریزیوں کا جن کی بدولت ۱۸۴۵ء کا سال اس قدر مشہور ہوا۔ خلیل پاشا نے بظاہر غیر جانبداری اور انتظام قائم رکھنے کے ارادے سے اپنی فوجوں کو عیسائی دیہات میں جمع کیا لیکن جب کبھی موقع ملا اس نے مارونیتیوں کو بے اسلحہ کیا اور ان شیوخ کی واپسی کا حکم دیا جو ۱۸۴۱ء کے قتال کے بعد جلاوطن کر دیے گئے تھے۔ ۳۰ اپریل کو دروزیوں نے لبنانی عیسائیوں کے قتل کا آغاز کیا۔ اور گو دروزی تھوڑے تھے

لیکن ان کی ترتیب قدیم جنگی اسلوب پر ہوئی تھی اور بہادر اور تجربہ کار سرداران کے افسر تھے اور جب کبھی ضرورت پڑتی ترکی فوج بھی ان کی مدد کو پہنچتی تھی۔ اس لیے انھوں نے مارونیتیوں کو باوجود ان کی بہادرانہ مدافعت کے تہس نہس کر دیا۔ دروز پاشا ترکی فوج کا افسر علانیہ دروزیوں کا طرفدار تھا۔ وہ اس جوشیلی جماعت سے تعلق رکھتا تھا جس کے نزدیک ایک عیسائی کا قتل ایک نیک کام اور جنت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ شیخ سید جمبلت نے جسے انگریز دروزیوں کا قائم مقام بنانا چاہتے تھے تمام شیوخ کو عثمانی امداد کا بھروسا دلایا تھا۔

۵ رجئی کو حاسود ابو نقد جس نے ۱۸۴۱ء میں دیر القمر کو تباہ کیا تھا اور شیخ عطار خانقاہ میں داخل ہوئے جس پر عثمانی فوج کا قبضہ ہو گیا تھا۔ سخت امتناعی احکام دیئے گئے تھے کہ انگریز اور امریکن مشنریوں کی جائداد کو جو گاؤں میں ہیں ہاتھ نہ لگایا جائے۔ صرف فرانسیسی قیوشی خانقاہ ہی بے سایہ تھی۔ دروزیوں نے ترکی فوج کی کمک سے خانقاہ پر حملہ اور خانقاہ کے افسر فادر چارلس لی لوریٹ اور دو مارونیتی پادریوں کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد گرجا میں آگ لگادی اور جتنے گرفتار بلا تھے انھیں جلا دیا۔ ان عیسائیوں نے جنھوں نے اسد شہاب کے محل میں پناہ لی تھی جو بہت مستحکم اور مضبوط مقام تھا بڑی بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا۔ آخر آرمینی مشنریوں نے مداخلت کی اور مصطفیٰ پاشا کو بقیہ عیسائیوں کے چھوڑ دینے پر راضی کیا۔ پروتستانتی مبلغین کی کارسازیوں کو سمجھنے کے لیے ممالک متحدہ کے قونصل کی گفتگو کو یہاں لکھنا کافی ہوگا۔ فادر چارلس کے قتل کے ایک روز پہلے قونصل مذکور نے بیروت کی ایک دعوت میں کہا تھا۔

"ہماری مشنریوں کو ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ دروزی ہی عیسائی دیہات کو جلا رہے ہیں۔"[1]

---

[1] "شام ولبنان" از پوجادے فرانسیسی قونصل مقیم بیروت۔

باوجود اس کے کہ انگریزی عمال نے دروزیوں کی حمایت میں پوری کوشش کی تھی اور باوجود کرنل روز اور انگریزی مشرقی سفارتخانہ کے سکرٹری مسٹر الیزن کے جس نے دروزیوں کی مذہبی رواداری کی بڑی تعریف کی تھی سفرائے قسطنطنیہ نے دروزیوں کے طرز عمل کی سخت شکایت کی۔ بظاہر خلیل پاشا کو معزول کر کے جو وزیر زراعت بنایا گیا ان کی تشفی کی گئی۔ اور خود وزیر خارجہ نے بڑے تپاک سے اس امر کا اعلان کیا کہ وہ موقع واردات پر جا کے یورپ کے مطالبات کا اطمینان کرے گا۔

فرانسیسی قونصل بیروت نے مارونیتیوں کو بچانے میں ایسی ہی سرگرمی اور مستعدی دکھائی تھی جیسی کرنل روز نے ان کی ایذارسانی میں لیکن موسیو پوجادے کی کوششوں میں ہمیشہ اس کے افسر ایم گیوزٹ کے احکام دخل انداز ہوتے تھے جو اپنی بزدلی سے اس آفت سے ڈرتا تھا جو انگلستان کی ناراضی کی صورت میں پیدا ہونے والی تھی۔ کرنل روز کو یہ رکاوٹیں نہ تھیں بلکہ ہمیشہ اس کو سر اسٹرا فورڈ کی تائید کا بھروسا تھا۔

آخر موسیو پوجادے کی کوششوں سے ابونقد جس نے فادر شارل دے لورت کو قتل کیا تھا اور لبنان میں تباہی پھیلائی تھی گرفتار ہوا۔ اس ڈاکو نے طرح طرح کے مظالم برپا کئے تھے۔ پادریوں کو قتل کیا تھا۔ بچوں کی کھال کھینچی تھی۔ عورتوں سے فحش کاری کا مرتکب ہوا تھا اور انھیں برہنہ گھوڑوں کے پیچھے کھنچوایا تھا۔ شقیب افندی وزیر خارجہ نے اس کو ایک مسلمان عدالت کے سپرد کیا تاکہ وہ ٹھنڈے دل سے اور بغیر جانبداری کے شریعت اسلام کے موافق گواہ کے بیانات پر فیصلہ کرے"۔

اس کا جرم ثابت نہ ہوا اور وہ بیروت سے سواروں کی جمعیت کے ساتھ شقیب افندی کی محافظت میں روانہ ہوا جس نے دیر القمر تک اس کی مشایعت کی۔ مارونیتیوں پر یہ ظاہر کرنے کہ فرانس سے ان کی امید بیکار ہے اور اس سے ان کا جھگڑا نہیں چک سکتا حکام عثمانی ایک قدم

اور آگے بڑھے اور خود فرانسیسی دارالقونصل پر حملہ کر دیا۔
۱۴ ستمبر کو شکیب افندی بیروت پر جہاز سے اترا اور دوسرے روز تمام قونصلوں کی ایک مجلس منعقد کی اور انھیں حکم دیا کہ اپنے ہموطنوں کو ایک مدت معینہ میں وہاں سے رخصت کرنے کا انتظام کریں۔ پولیس کمشنر کی اس ہدایت کی تعمیل سے ان تمام خانقاہوں، مدرسوں، گرجوں اور کتبخانوں کی حوالگی لازم تھی جو فرانس کی سرپرستی میں تھے اور تمام دیر راہبات اور مارونیتی اور ملکیتی مذہبی عمارتوں کی یقینی تباہی تھی جو تمام لبنان میں پھیلی ہوئی تھیں۔ شکیب افندی نے اعلان کر دیا کہ وہ ان لوگوں کو بچا نہیں سکتا جو اس کے احکام کی خلاف ورزی کریں گے۔ تمام پہاڑ میں بے اسلحہ ہونے کا حکم دیدیا گیا۔ ماںک پاشا بھی جو عربستان کی فوج کا افسر تھا۔ داؤد پاشا کی کمک کو آپہنچا۔ لیکن یہ حکم خاص طور پر مارونیتیوں کے لیے تھا۔ عموماً جو اسلحہ عیسائیوں سے لیے گئے وہ دروزیوں کے حوالے ہوئے۔ عثمانی فوجوں نے کسی چیز کا بھی لحاظ نہیں کیا۔ انھوں نے خانقاہوں کو اپنا ٹھکانا بنایا۔ گرجوں کو لوٹا اور ان کی بے حرمتی کی۔ غازر کی جیسوٹ خانقاہ کو ابراہیم پاشا کے سپاہیوں نے تاخت وتاراج کیا۔ انتہا یہ کہ حلیل مداوعر فرانسیسی سفارت کے ترجمان کو جو عیسائیوں کے قتل کی مخالفت کرنے بھیجا گیا تھا سوگ میں جو بیروت سے پانچ گھنٹے کی راہ ہے گرفتار اور قید خانہ بھیجا گیا۔ موسیو پوجادے نے سپہ سالار اعظم سے اس طرز عمل کے متعلق بہت کچھ شکایات کیے۔ جواب میں قونصل خانہ کے مترجم کو زدوکوب کی گئی۔
"خوش قسمتی سے" اس معاملے میں موسیو پوجادے کو صدر سے "کوئی ہدایات نہیں ملی تھیں[1]"، اس نے فرانس کی عزت اور نام کو دیکھا۔ اور جنگی جہاز "لابیل پول" سے جو بیروت کی بندرگاہ میں تھا فوجوں کو اترنے اور قیدی کو رہا کرنے کا حکم دیا۔ رئیس فوج نے بمباری کی تیاری کی کشتیاں

[1] ایم ڈی میلول کے الفاظ جو انھوں نے جلسۂ نیابت پیرس میں کہے تھے۔

دریا میں ڈالدی گئیں۔ خشکی کی فوج نے ساحل پر مورچہ بندی کی۔ اور جہازنے گولہ باری کی تیاری کی۔ ابراہیم پاشا نے ڈر کے جلیل مداو عز کو فرانسیسی افسر کے حوالے کردیا۔

شیخ حمود ابو نقد کی رسوائن بریت فرانسیسی سفیر موسیو دے پور کو ہنی سے دیکھی نہ گئی۔ ۲۶ اکتوبر ۱۸۴۵ء کو اس نے ایک آخری یادداشت علی افندی کو بھیجی جس کی رو سے شیخ حمود کو سیاسی اغراض سے جلاوطن کردیا گیا اور آب لے کے افسر کا مقدمہ جنگی کونسل میں پیش کیا گیا۔

پانچ برس تک لبنان افراتفری کا شکار رہا۔ ترکی کو جب براہِ راست حکومت میں ناکامی ہوئی تو وہ پہاڑی علاقے کی تنظیم میں ہمہ تن مصروف ہوگئی۔ ہر دو اقوام کی تفریق دو جدا جدا سرداروں کے تحت عمل میں آئی مشترکہ اضلاع میں وکلا مقرر کئے گئے۔ دروزی قائم مقام کے تحت ایک مجلس تھی جس کا صدر دروزی امیر تھا۔ ایسا ہی عیسائی قائم مقام کے تحت بھی ایک مجلس تھی جس کا صدر عیسائی امیر تھا۔ ہر مجلس میں پانچ منصف اور پانچ مشیر تھے۔ اور ہر ایک میں دو دو ممبر (ایک منصف اور ایک مشیر) دروزیوں، مارونیتیوں، ملکیتوں، یونانیوں اور سلمانوں کے تھے۔ ان ہر دو مجلسوں کو تعین محاصل کا اختیار دیا گیا جنہیں قائم مقام مکیتہ جی اور وکیل جمع کرتے تھے۔ ہر مجلس میں منصف عدالتی مقدمات فیصل کرتے تھے۔ لیکن استغاثے کی سماعت کا اختیار قائم مقام کو تھا۔ اگر محصول کے معاملے میں ایک فرقے کے مشیر اور منصف کی رائے خلاف ہوتی اور وہ اپنی قوم کے حق میں مضر ہونے کی حیثیت سے اسے منظور نہ کرتے تو قائم مقام کے پاس اس معاملے کو پیش کیا جاتا جو اس کا آخری فیصلہ سناتا۔ تمام سزاؤں پر قائم مقام کے دستخط ضروری تھے۔ اراکین مجلس کی تنخواہ سالانہ پندرہ سو، نائب قائم مقام کی اٹھارہ ہزار، اور قائم مقام کی اڑتالیس ہزار فرانک مقرر کی گئی تھی۔ جب تک ان ہر دو مجلسوں کو ترکی کا زور رہا۔ قائم مقام ان کے پاس کوئی چیز نہ تھے جن کی وقعت میر منشی مجلس سے زیادہ نہ تھی۔ چونکہ مجلس میں عیسائی تعداد میں زیادہ تھے (چھ بمقابلہ چار)

اس لیے اس مجلس سے ان کے منافی اغراض امور کی گوشگزاری ہو سکتی تھی لیکن کوئی چیز اگر دروزی امیر اور مکیتہ جی کے جاگیرداری نظام کو توڑ سکتی تھی تو وہ میونسپل طریقے کی اجرائی تھی۔ دروزیوں نے خاموشی سے اس بندوبست کو قبول نہیں کیا جو ان کے شکار کو ان سے چھین رہا تھا۔ لبنان میں یہ شورشیں عیسائیوں کے اس قتل عظیم تک ہمیشہ ہوتی رہیں جس میں بالآخر فرانسیسی فوج نے مداخلت کی۔

تنظیمات (۱۸۳۹ء)

معاہدۂ بالٹا لیمن ۱۸۴۹ء

معکوس جماعت کی مخالفت کے باوجود اصلاحات کی کوشش سرگرمی کے ساتھ جاری رہی تخت نشینی کے پہلے دن سے ہی عبد المجید نے ظاہر کر دیا تھا کہ اس نے اپنے باپ کے نقش قدم پر ثابت قدمی کے ساتھ چلنے کا تہیہ کر لیا ہے۔ ۳۔ نومبر ۱۸۳۹ء کو تمام سفیروں کے سامنے وزیر خارجہ نے گلہین کا مشہور خط شریف پڑھا۔ اس خط شریف میں خصوصیت کے ساتھ حسب ذیل باتیں تھیں:۔ ۱۔ رعایائے سلطنت کی جان و مال اور عزت و آبرو کی ذمہ داری۔ ۲۔ محاصل کی جمعبندی کا ایک باضابطہ طریقہ۔ ۳۔ فوجی بھرتی اور مدت ملازمت فوجی کی ذمہ داری۔ ٹھیکوں کا انسداد۔ ہر شخص کی آمدنی کے اعتبار سے محاصل کا تعین۔ چار یا پانچ سال تک کی میعاد ملازمت فوجی۔ بری و بحری جنگی اخراجات کی تنقیح کے لیے ایک محاسب کا تقرر۔ تمام قانونی کارروائیوں کی اشاعت۔ قانونی رو سے عوام و خواص سب کا ایک ہی درجہ[1]۔ اراضی کی خرید و فروخت کی

[1] جب تک عدالتوں میں انصاف کی عملداری رہے کسی کو مجال نہیں کہ زہر یا کسی اور ذریعے سے کسی شخص کو خفیہ یا علانیہ مار ڈالے۔

آزادی[1]۔ ضبطی جائداد مجرمین کی موقوفی اور قانونی ورثا کو اس کی واپسی۔ یہ تھا نئے سلطان کے اصلاحات کا پروگرام جس کا تنظیمات نام تھا۔ (تنظیمات جمع ہے عربی لفظ تنظیم کی جس کے معنے قاعدہ اور انتظام ہیں) ان اصلاحات کا سلسلہ عبدالمجید اور اس کے جانشینوں کے عہد حکومت تک جاری رہا۔ چند پر عملدرآمد ہوا اور چند کاغذ کی حد تک ہی محدود رہے۔ قدیم ترکوں نے اب اپنا پرانا طریق حکومت بدل دیا اور گورنمنٹ کی بغاوتوں سے مخالفت کرنے کی بجائے عدم پابندی شروع کردی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ باب عالی کے بہترین قوانین بیکار اور بے عمل رہے۔ اس بارے میں کستینجی اور سالونیکا کے قونصلوں کی تحریر حسب ذیل ہے جو ۱۸۶۷ء میں انھوں نے لکھی ہے۔

"گورنمنٹ کے مقاصد کچھ بھی ہوں مقامی حکام اس کے قوانین سے گریز کر جاتے اور انھیں اپنی عدم پابندی سے باطل ٹھیراتے ہیں۔"

"عدالت میں اگر ترک مدعی یا مدعیٰ علیہ ہو تو ایک عیسائی کی شہادت تسلیم نہیں کی جاتی۔ گو وہ پچاس عیسائی گواہ بھی پیش کرے۔ اس کو دو مسلمان گواہ خریدنے پڑتے ہیں[2]۔" "اگر مستغیث صدر عدالت میں استغاثہ کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے بہت سی دقتیں اور دشواریاں اس کو اٹھانی پڑتی ہیں۔ جن کی وجہ سے مجبوراً اسے اپنا استغاثہ واپس لینا پڑتا ہے۔ اور وہ بھی بہت زیر باری اور تمام قسم کی تکلیفیں اٹھانے کے بعد[3]۔"

"عیسائیوں کی بڑی شکایت یہ تھی کہ ان کی گواہی عدالت میں ناقابل تسلیم متصور ہوتی تھی۔ گو اس کا ازالہ کیا گیا ہے مگر صرف ظاہری طور پر۔ جو

---

[1] لیکن اس اصول پر ۱۸۱۱ء سے عملدرآمد شروع ہوا اور غیر ملکی ترکی میں زمینات خریدنے کے قابل ہو سکے۔

[2] دیکھو اس مضمون کے لیے تذکرہ بیرون دے توت۔

[3] رپورٹ ایم اسٹینکی نائب قونصل کستینجی جو انگریزی سفیر قسطنطنیہ کو بھیجی گئی تھی۔

مشترکہ عدالتیں قائم ہوئی ہیں ان میں مسلمانوں اور عیسائیوں کا تناسب اس طرح پر ہے کہ فیصلے کا دارومدار ترکوں پر ہی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ تحصیل کی رقم زیادہ نہیں ہے لیکن ساتھ ہی اس کا بار اگر انصاف اور بغیر طرفداری کے ڈالا جائے تو یہ ناقابل برداشت نہیں معلوم ہوگی مگر بدقسمتی سے تمام بار غریبوں خصوصاً عیسائی کاشتکاروں پر پڑتا ہے[1]۔"

صرف عیسائیوں پر ہی یہ مصیبتیں نہ تھیں اور صرف انھیں کے ساتھ غلامانہ سلوک نہیں کیا گیا تھا بلکہ ان کے ساتھ مسلمان بھی اسی ظلم و تعدی کا شکار تھے۔

"اہل یورپ خیال کرتے ہیں کہ ترکی میں صرف عیسائیوں پر ہی تمام قسم کے مظالم اور مصائب برپا کئے جاتے ہیں۔ یہ بات نہیں ہے بلکہ مسلمان ان سے زیادہ سختی میں ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی ان کا پرسان حال نہیں۔ عیسائیوں سے بڑھ کر انھیں لوٹا جاتا ان کی تذلیل کی جاتی اور ان پر ظلم کیا جاتا ہے۔"

"آپ کی مختلف مذہب رعایا کے دو طبقے ہیں۔ ایک وہ جو مطلق العنانی کے ساتھ ظلم کرتے ہیں اور ایک وہ جو ان مظالم کو سہتے ہیں۔ پہلی قسم کے لوگوں کے لیے وہ وسیع اختیارات برائیوں کا موجب ہیں جو آپ کو حاصل ہیں اور جن کا وہ اپنے آپ کو حقدار سمجھتے ہیں۔ دوسری قسم کے لوگ اپنے آقاؤں کی زہریلی صحبت سے آپ کو ذلیل کرتے ہیں۔ بیچاروں کو ہمیشہ ان کی متلون مزاجی کے آگے سر جھکانا پڑتا ہے۔ وہ اپنے واجبی شکایات آپ تک نہیں پہنچا سکتے کیونکہ ان کے ظلم کرنے والے ان کی معقول فریاد کو بدترین بغاوت پر محمول کرتے ہیں نتیجہ یہ ہے کہ ان میں ناقابل یقین اخلاقی بزدلی کی عادت پڑ جاتی ہے۔"

---

[1] رپورٹ مسٹر ولکنسن بہ لارڈ اسٹینلی رئیس خارجہ۔

مندرجۂ بالا الم انگیز سطور کس نے لکھے ہیں۔ یہ اس شخص نے لکھے ہیں جس کی فضیلت اور قابلیت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ اور یہ مصطفیٰ فاضل پاشا ہے۔

فوجی بھرتی کے قانون (۱۸۴۴ئہ) سے البانیا میں بغاوت ہوگئی جسے فوراً رشید پاشا نے فرد کیا۔

عثمانیہ یونیورسٹی اور ایک صدر مجلس تعلیم کے قیام، اور تحتانیہ اور وسطانیہ مدارس کی درجہ بندی سے جس میں تحتانیہ مدارس تو پہلے سے ہی قائم تھے اور وسطانیہ مدارس از سرِ نو قائم کرنے تھے، تعلیمات کی تنظیم ہوئی۔ (۱۸۴۵ئہ)۔ ۱۵ جون ۱۸۵۰ئہ میں ایک فرمان شائع ہوا جس میں حکم تھا کہ وہ صوبجات میں شخصی محصول کی جمعبندی کا کام چاروں قوموں کے روسائے اساقفہ کریں گے۔ ہر شخص کی جائداد اور تمول کے اعتبار سے یہ ٹکس عائد اور جمع کرنے کے بعد بطریرک یا قاقم باشی کے حوالے کیا جائے گا جو اسے خزانۂ شاہی میں بھیجدے گا۔

ہم نے سابقہ حوالوں سے دیکھ لیا ہے کہ بابعالی کے حکام اس کے احکام کی کس طرح سے تعمیل کرتے تھے۔ عوام الناس کی بغاوت فرد کردی گئی تھی مگر طبقۂ خواص کی فتنہ سامانی اب بھی باقی تھی۔ یہ لوگ وزرا اور صدر اعظموں کی عدول حکمی کرتے تھے۔ چنانچہ ملک کو ایسے اولو العزم شخص کی ضرورت تھی جو اس سالہا سال کی نجاست کو یکلخت پاک کرتا۔

فرانس کے ۱۸۴۸ئہ کے واقعات کا اثر تمام یورپ میں محسوس ہوا۔ ہر جگہ مظلوم رعایا آزادی اور قومیت کی طلبگار ہوئی۔ اور ہر جگہ انقلاب کے صدموں سے تخت متزلزل ہوئے۔ افلاق و بغدان بھی اس امر میں دوسری قوموں سے پیچھے نہ رہے۔ وائنا کی بغاوت کی خبر پر تمام ملک میں بغاوت ہوگئی۔ پرنس بیبسکو بھاگ گیا اور ایک عارضی گورنمنٹ قائم ہوئی جس نے بوکووینا، ٹرانسلوینیا اور ہمیس اریبیا کو بغاوت پر آمادہ اور

رومانوی سلطنت قائم کرنے کا خوش آیند خواب دیکھا۔ روسی فوراً بغدان میں داخل ہوئے۔ ۲۰۔ جون ۱۸۴۸ء عارضی حکومت کو بھاگتے بنی۔ ساٹھ ہزار روسیوں نے افلاق پر قبضہ کیا۔ ایسے موقع پر جب کہ زار اور سلطان میں کشیدگیاں پیدا ہو رہی تھیں معاہدۂ بالٹالیمن خلل انداز ہوا۔ بابعالی نے ہسپودار (امیر افلاق و امیر بغدان) کو نامزد کرنے کا حق واپس حاصل کیا۔ ہر دو صوبوں کی نگرانی کے لیے مشترکہ دستے رکھے گئے۔ (۱۸۴۹ء)

مقامات مقدسہ کا مسئلہ

ترک اپنے اندرونی انتظامات میں مصروف تھے کہ مقامات مقدسہ کا قدیم جھگڑا تازہ ہو گیا جو بعد میں جنگ قرم کا باعث ہو گیا مقامات مقدسہ کے قبضے کے متعلق لاطینیوں، یونانیوں اور آرمینیوں میں ہمیشہ سے جنگ چلی آ رہی تھی۔ فلسطین کے قاعدے کے بموجب اگر ایک عیسائی فرقے کا کنیسہ پر پورا قبضہ ہوتا تو دوسرے فرقوں کو انصرام کار کی ممانعت نہ تھی لیکن کنجیاں اسی فرقے کے قبضے میں رہتیں جو کنیسے پر قابض رہتا اور اسی کو اختیار تھا کہ کنیسہ کی مرمت کرے اور اس کو درست حالت میں رکھے، چراغ بتی اور جاروب کشی کرے (جاروب کشی سے بڑھ کر مسلمانوں کے پاس کوئی قبضے کی علامت نہیں) از منۂ قدیم سے مقامات مقدسہ کی حفاظت فرانس کی صیانت میں کاتھولیوں کے ہاتھ میں تھی۔ اس بارے میں ۱۵۶۱ء کا فرمان حسب ذیل ہے۔

"اس حجرے کی کنجیاں جہاں حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے اہل فرانس کے قبضے میں ہیں۔ ان کا یہ قبضہ سلطان سلیم اول کے اس شہر کو فتح کرنے کے بہت پہلے سے اب تک مسلسل چلا آ رہا ہے۔ کسی قوم نے اس بارے میں ان سے پرخاش نہیں کی اور نہ انھیں اپنے قبضے میں لیا۔ قدیم زمانے سے آج تک وہ ان پر بلا شرکت غیرے و بلا انفصال وقت قابض و متصرف

رہے ہیں۔"

اسی مضمون میں عثمان دوم کا ایک فرمان یہ ہے۔

" فرنسیسکانیوں نے جو بیتلہیم کے بڑے گرجا اور مدفن عذرا کے کنیسے پر پورے طور پر قابض ہیں، اپنی خوشی سے دوسرے عیسائی فرقوں کو گرجا کے بالائی حصے میں عبادت گاہیں بنانے کی اجازت دی ہے۔ لیکن گرجا کے حصۂ تحتی میں جہاں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پیدا ہوئے فرنسیسکانی عبادت گاہ ہے۔ اس کی کوئی قوم دعویدار نہیں ہو سکتی۔ اس فرمان کے ذریعے سے مطلع کیا جاتا ہے کہ کوئی قوم مقام مذکور کے غصب کا ارادہ نہ کرے۔" آگے چل کر فرمان میں فرنسیسکانیوں کے سوائے دوسری قوموں کو رسم قربانی ادا کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔

۱۶۳۳ء کا فرمان بھی ایسا ہی صاف و صریح ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ قدیم اور اصلی دستاویزات کی رو سے خلیفہ عمرؓ کی فتح بیت المقدس سے اب تک مقامات مقدسہ پر فرنسیسکانیوں کا قبضہ چلا آ رہا ہے اور یہ قبضہ اصلیت پر مبنی ہے۔" آگے یہ حکم ہے کہ "فرنساوی مثل سابق کے بیتلہیم کے حجرے پر قابض رہیں گے۔ جس پر یونانیوں نے دھوکے سے جعلی دستاویزیں پیش کر کے قبضہ کر لیا تھا۔ .... مختصر یہ کہ وہ تمام مقامات جن پر وہ اب تک قابض چلے آئے ہیں انھیں کے تصرف میں رہیں گے۔ نہ تو یونانی، نہ آرمینی اور نہ کوئی اور عیسائی قوم ان میں مداخلت اور نہ انھیں دق کرے گی .... فرائض عبادت کی ادائی میں مثل سابق کے فرنساویوں کو اور دوسری قوموں پر ترجیح رہے گی۔" مگر دوسرے سال ہی باب عالی اور فرانس کی کشیدگی سے فائدہ اٹھا کے یونانیوں نے فرنسیسکانیوں کو بے دخل کرنے کی کوشش کی۔ مجلس ترکی کو رشوت دی گئی اور اس نے ان کی طرف فیصلہ کیا۔ ۱۶۷۳ء تک یونانیوں کا غاصبانہ قبضہ رہا۔ ۱۶۷۳ء میں فرانس کا حق مقامات مقدسہ کی حفاظت کا از روئے قانون قطعی طور پر تسلیم کیا گیا۔ یونانیوں نے

اس پر بھی اپنی کوشش جاری رکھی اور ان چالبازیوں کو میدان میں لائے جن میں وہ پہلے یکتائے زمانہ تھے۔ بابعالی کے مترجمین نے جو قوم و مذہب کے اعتبار سے یونانی تھے ان رپورٹوں کی تبدیل و تحریف میں کمی نہیں کی جنھیں دیوان نے بھیجا۔ انھوں نے عیاری سے فرنسیسکانیوں کو فرانسیسی جاسوس اور ایک نئی جنگ صلیبی کی فتنہ انگیزیوں کے محرک ٹھیرایا۔ یونانی پادری کوشش میں ان سے بھی بڑھ گئے اور ان باثر لیکن ذلیل ذرائع سے کام لیا جو عیسائی کہلائے جانے والوں کے شایان نہ تھے۔ انھوں نے ٹیکس کے علاوہ مساجد کو سالانہ رقم باندھنے کا ذمہ لیا۔ اس طریقے سے ۱۶۷۶ئہ میں انھوں نے محمود اول سے بیت المقدس کی عبادت گاہ کی کنجیاں اور غالباً حاصل کیے۔ انھوں نے مسجد سلطان احمد کی ضرورتوں کے لیے ایک ہزار قرش کی رقم دی تھی۔ سلیمان ثانی نے فرنسیسکانیوں کو ان کی جملہ چیزیں واپس دلادیں۔ (۱۶۹۰ئہ) یونانی اس سے کچھ مایوس نہیں ہوئے اور اپنی چالبازیوں کو نہ چھوڑا۔ آخر ۱۷۵۷ئہ میں ایک بڑے مکر سے کامیاب ہوئے۔ "یونانی زائرین نے جب جافہ کی کاتولی خانقاہ کو تباہ کیا تو سب طرف حملے شروع ہوئے۔ چند دن بعد تفرقین (Schisnatic) نے بیت المقدس کے راہبوں پر حملہ کر دیا۔ جب کاتولی ویر مرقد مقدس میں مقید ہو گئے تو انھوں نے جھاڑ فانوس توڑ دیے اور ان کے شیشوں کو پراگندہ کر دیا۔ یونانیوں نے پھر زبانی حکم کی بنا پر جو زر کثیر سے حاصل کیا گیا تھا ظاہر کیا کہ ان کی تذلیل کی گئی اور دیوان کے سامنے لاطینیوں کے حملہ آور ہونے کا فرضی مقدمہ پیش کیا۔ جب دیکھا کہ صدر اعظم اپنا طرفدار ہے تو ظاہرداری کو بالائے طاق رکھ کے علانیہ یہ درخواست کر دی کہ فرانسیسی پادریوں کو بیت المقدس سے یکلخت نکال دیا جائے۔ صدر اعظم نے ایک خط شریف شائع کیا جس میں ہمارے حقوق پر پہلی مرتبہ کاری حملہ کیا گیا تھا۔ اس حکم سے لاطینی مریم عذرا کے گرجا اور بیتلہیم کے بڑے کنیسا سے نکالے گئے۔ مرقد مقدس اور دوسری عبادت گاہوں پر یونانیوں کا قبضہ ہوا۔ فرانسیسی سفرا نے

کئی بار اس قزاقی کے متعلق صدائے احتجاج بلند کی لیکن کامیاب نہ ہوئے"[1] یہ دست درازیاں بڑھتی گئیں خصوصاً انقلاب فرانس میں ان میں بہت اضافہ ہوا۔ آخر ۱۸۰۸ء میں روس کی مسلسل اور ان تھک کوششوں سے تمام مقامات مقدسہ یونانیوں کے قبضے میں آگئے۔

یہ حالت پہلی نصف انیسویں صدی تک رہی۔ مئی ۱۸۵۱ء میں فرانس نے ۱۷۴۰ء کے معاہدات کو پیش کر کے بابعالی سے مطالبہ کیا کہ ایک مشترکہ کمیشن لاطینی اور یونانی حقوق کی دریافت کے لیے مقرر کیا جائے۔ کابینہ ٹوٹلریز (فرانس) کو حسب ذیل اشیا کا دعوےٰ تھا "کلیسائے مرقد مقدس" میں مرقد مقدس کے اوپر کا گنبد۔ سنگ رحمانی، فرانسیسی بادشاہوں کے گنبدوں۔ مریم عذرا کی سات کمانیں۔ گیتھیمین کا گرجا اور مریم عذرا کا گنبد۔ بتیلہیم کا بالائی گرجا مع تمام لوازمات' اور کیلواری کی قربانگاہ۔

روس نے فرانس کے مطالبات کو نامنظور کیا چنانچہ روس کے دباؤ سے کمیشن نے ان مطالبات کو واجب تسلیم کر کے موجودہ صورت کو علی حالہ رکھنے کی تجویز پیش کی۔ صرف اتنی تبدیلی کی کہ لاطینیوں کو مریم عذرا کے گرجا اور یونانیوں کو ویرصعود میں داخلے کی اجازت دی۔

مقامات مقدسہ کا یہ مسئلہ جو ابتدا میں آپس کے مذہبی جھگڑے کی شکل رکھتا تھا بعد میں اہم ترین سیاسی مسئلے کی صورت میں مبدل ہو گیا جس سے خود ترکی کا وجود خطرے میں پڑ گیا تھا۔ زار کے نزدیک اب وقت آگیا تھا کہ "مرد علیل" کا وارث بنے۔ آسٹریا جس کو نکولس کے قوی بازو نے بچایا تھا۔ روس کا مطیع تھا۔ جرمنی اور پروشیہ کی حالت ۱۸۴۸ء کے انقلاب سے ابھی تک سدھری نہ تھی۔ فرانس اندرونی جھگڑوں میں الجھا ہوا تھا۔ بہت جلد روس نے اپنے مطالبات کا

[1] یادگار یونان از بکٹ ڈی مارسیلس۔

نہایت توضیح کے ساتھ اظہار کیا۔ ۵ ۔ مئی ۱۸۵۳ء کو پرنس مینشیکوف نے صلح نامۂ کنیارجی سے جبری استنباط کر کے یونانی گرجا کی حفاظت کے لیے ایک راسخ اور دوامی کفالت کا مطالبہ کیا۔ دراصل یہ کفالت اس عثمانی رعایا کی حمایت تھی جو یونانی گرجا کی پیرو تھی۔

بابعالی کو جواب کے لیے پانچ دن کی مہلت دی گئی تھی۔ جس حد تک زائرین اور روسی رعایا کا تعلق تھا بابعالی نے اطمینان کرانے پر آمادگی ظاہر کی۔ "اب رہی یونانی گرجا سے رعایت تو بابعالی نے ہمیشہ اپنی عیسائی رعایا کی دلدہی سے ان کے حقوق کا لحاظ کیا ہے۔ اس بارے میں روس کے مطالبے کی تکمیل گویا اپنی خودمختاری کا ابطال ہے۔"

اٹھارہ تاریخ کو دونوں سلطنتوں کے سفارتانہ تعلقات منقطع ہو گئے۔ ۲۱ ۔ کو کمٹ ڈی نیسلروڈ نے بابعالی کو مطلع کیا کہ روسی فوجیں ترکی کی تحت ریاستوں پر اس وقت تک قابض رہیں گی جس وقت تک کہ آخری شرائط طے نہ ہو لیں۔

اگر ترکی نے ایک ایسی جنگ پر اپنی آمادگی ظاہر کی جس میں شکست یقینی تھی تو اس کی وجہ فرانس اور انگلستان کی مداخلت کی امید تھی معاہدۂ انکیراسکیلیسی کے بعد سے برطانوی سیاست میں تبدیلی ہو گئی تھی۔ چنانچہ اغراض و مصالح انگلستان کے لیے سلطنت عثمانیہ کی بقا ضروری تھی۔ لیکن کابینہ سینٹ جیمس ہی تنہا اپنے غیر عیسائی موکل کی مدد نہیں کر سکتی تھی۔ ایک بر اعظمی حلیف کی بھی ضرورت تھی جو اپنی بڑی فوج کے ساتھ روس کا مقابلہ کرتا۔ لارڈ پامرسٹن نے اپنی توجہ فرانس کی جانب مبذول کی چنانچہ خاص البیان (Albion) کے فائدے کے لیے فرانس کا روپیہ اور فرانس کا خون بہایا گیا۔ نپولین سوم نے بھی اپنے خاندان کے مفاد کو مد نظر رکھ کے جیسا کہ جولائی کی گورنمنٹ نے بھی کیا تھا انگریزیت اختیار کر لی تھی۔ اس کی ایک وجہ اور یہ تھی کہ لارڈ پامرسٹن نے ہی یورپ میں سب سے پہلے اس حکومت کو تسلیم کیا تھا جو دسمبر کے سیاسی وہلے سے

پیدا ہو رہی تھی۔ اس کے علاوہ فرانس کی رائے عامہ بلا وجہ روس کی مخالف تھی۔ پادریوں کا خیال تھا کہ فرانس ترکی کی حمایت سے کیتھولک مذہب کو عروج اور ترقی دے رہا ہے۔ حالانکہ انھوں نے اس بات کو نظر انداز کر دیا تھا کہ یہ سراسر اغراض مسیحیت کے منافی ہے۔ فرقۂ احرار نے خیال کیا کہ اس سے شخصی حکومت اور مطلق العنانی کو سخت صدمہ پہنچے گا لیکن یہ نہ سمجھے کہ ترکی کی حمایت سے وہ تمدن و تہذیب سے جنگ اور بربریت کی طرفداری کر رہے ہیں۔

روس سے جنگ۔ دریائے طونہ (ڈینوب پر)

جنگی نقل و حرکت

۲۔ جولائی کو پرنس گارشگوف نے اکانوے ہزار فوج کے ساتھ دریائے پروتھ کو عبور کیا۔ سوارہ فوج میں سترہ ہزار چھ سو چالیس آدمی تھے۔ اور چھ ہزار دو سو توپخانے میں۔ ۲۴۰ ہلکی توپیں اور ۹۲ محاصرے کی توپیں تھیں۔ گیارہ دن بعد روسی مقدمۃ الجیش نے بخارسٹ پر قبضہ کیا اور اخیر ماہ پر پوری فوج غلتز سے گیورگیو کو پہنچ گئی۔ بارہ ہزار کا ایک علیحدہ دستہ ودن پر نگرانی کر رہا تھا۔ ترکی روس کے بس میں تھا۔ اگر روسی ایک بہادرانہ حملہ کرتے تو اس کا فیصلہ ہو گیا تھا۔ اس کے پاس بلغیریا میں ماشین سے ودن تک کل اٹھارہ ہزار فوج تھی۔ رسچک، سائٹسٹریا، شوملا اور وارنا کے قلعے بے مرمت پڑے ہوئے تھے۔ ۱۸۲۹ء سے دیوان نے ان کی کچھ خبر ہی نہ لی تھی۔ صرف ودن کے تمام مورچوں پر توپیں چڑھی ہوئی تھیں شوملہ میں چھ مورچوں میں پندرہ توپیں تھیں۔ رسچک میں گولہ بارود تھی مگر توپوں کا پتہ نہ تھا۔ وارنا کے اسلحہ خانے میں صرف پچاس (توپیں)

تھیں۔[1] جو کچھ سبق ماضی سے ملا تھا اسے بھلا دیا گیا تھا۔ ناعاقبت اندیشی بے پروائی اور ناقابلیت کا سرائے میں دور دورہ تھا۔ ملک کی خوش قسمتی تھی کہ اس کی تمام خامیوں اور کمزوریوں کے مقابلے کے لیے اس کو ایک نہایت قابل افسر ملا تھا۔ یہ عمر پاشا کروشی تھا۔ سپہ سالاری حاصل کرکے اس نے رسچک اور سائلسٹریا کے مورچوں پر آناً فاناً توپیں چڑھادیں۔ شوملہ میں مورچہ بندی کی۔ اور کرنل گمنن کی مدد سے جو ایک قابل فرانسیسی افسر تھا بلغیریا میں ستمبر تک ساٹھ ہزار فوج سرحد پر بھیجنے کے لئے مرتب کرلی۔

حقیقت یہ ہے کہ روس نے دریائے طونہ پر پڑاؤ کرکے بہت بڑی غلطی کی۔ اس کے بجائے اگر وہ دشمن کی ہیبت سے فائدہ اٹھاکے ایک دم حملہ کردیتا تو معرکہ فتح ہونے میں شبہہ نہ تھا۔ اس عدم حرکت، بیماری اور ذخائر حرب کی تباہی میں پرنس گارشگوف کی فوجیں ایک تہائی گھٹ گئیں۔ مسقووی فوجوں کا مطمح نظر ودن تھا۔ اس کے قبضے سے صربستان سے رسل و رسائل کا سلسلہ جاری رہ سکتا تھا۔ نیش سے صوفیا تک آمد و رفت ہو سکتی تھی۔ اور وسط بلقان کو طے کیا جا سکتا تھا تاکہ مقدونیہ والوں کو بغاوت پر آمادہ کیا جائے۔ عمر پاشا نے ان نامعقول احکام کا کچھ لحاظ نہ کرکے جو سرائے سے افندی لوگ بھیج رہے تھے، جرأت سے جارحانہ پہلو اختیار کیا۔ اور ہالٹیٹسٹر اکی خونریز جنگ کے بعد کلافت پر قبضہ کیا جو رومانیا کی سمت پر واقع تھا۔ (۲ ر نومبر) اس طرح سے روسیوں کو صربستان سے تعلق باقی نہ رہا اور ساتھ ہی عثمانی فوج کا میسرہ بھی سلامت بچ گیا۔ لیکن ایشیا میں ترکوں کو آربیلین میں شکست ہوئی اور انھیں ارپتشاہی کے پیچھے پسپا ہونا پڑا۔ اس کے سوا ان کی خاص فوج احشالزک میں تباہ ہوگئی (۲۴ ر نومبر)۔ چند دن بعد

---

[1] مشرق کی سیاسی اور فوجی زندگی کے واقعات و مناظرانہ پوچاوے۔

امیر البحر مشینوف نے عثمانی بیڑے کو سینوپ میں جلا دیا (۳۰۔ نومبر)۔
آغاز جنگ کے ساتھ ہی فرانس اور انگلستان ہر ایک نے ایک دستہ درۂ دانیال میں روانہ کیا تھا اور سرگرمی کے ساتھ زار اور سلطان سے خط و کتابت جاری رکھی تھی۔ سائنوپ کے حادثے کی خبر پر دونوں بیڑے ہیلسپانٹ سے گزر کے استامبول کے مقابل آئے، اور یہاں سے بحر اسود میں داخل ہوئے۔ روس نے صدائے احتجاج بلند کی۔ اور اعلان کیا کہ دول مغرب کا یہ طرز عمل سراسر اشتعال انگیز ہے۔
۲۱۔ فروری ۱۸۵۴ء کو شہنشاہ نکولس نے ایک بیان اپنی رعایا میں شائع کیا جو بمنزلۂ اعلان جنگ تھا۔ ادھر استامبول میں علمانے دھڑا دھڑ فتوے شائع کئے جن میں مشرکین سے معاملت کو ناجائز قرار دیا تھا۔ غرض کہ دونوں طرف بڑے زور و شور کے ساتھ مذاہب کی جنگ تھی۔
۲۷۔ فروری کو فرانس اور انگلستان نے کابینہ سینٹ پیٹرز برگ کو لکھا کہ اگر طونہ کی ریاستوں سے روسی فوجیں نہ ہٹالی جائیں گی تو اعلان جنگ کر دیا جائے گا۔ زار نے جنگ قبول کی۔ ۱۲۔ مارچ کو جارحانہ اور مدافعانہ اتحاد لندن، پیرس، اور استامبول میں طے ہوا جس سے سلطنت عثمانیہ کی خود مختاری کی ذمہ داری کی گئی تھی۔ اس کے معاوضے میں بابعالی نے حسب ذیل اصلاحات کی تعمیل کا ذمہ لیا، تمام عثمانی رعایا کا قانونی حیثیت سے مساوی درجہ اور انھیں بغیر امتیاز مذہب تمام خدمات دیئے جانے کا حق عیسائیوں کی شہادت عدالتوں میں تسلیم کرنے کا حق مشترکہ عدالتوں کا تمام سلطنت میں افتتاح اور خراج کی موقوفی۔
۱۸۵۴ء کے موسم بہار میں عمر پاشا کے پاس ایک لاکھ تیس ہزار باقاعدہ فوج تھی اور پچاس ہزار باشی بزوک تھے لیکن اس کی فوج کی بہت خراب حالت تھی۔ چھ ماہ کی تنخواہ چڑھی ہوئی تھی۔ سامان رسد کی کمی تھی۔ حفظان صحت کا مطلق انتظام نہ تھا۔ اور قسطنطنیہ

سے کے دواساز مجوزہ نسخوں کے بجائے واہیات دوائیں بھیج رہے تھے۔ عمر کے ماتحت حکام نے اپنے افسر کے خلاف علانیہ سازش کی جو گو مسلمان تھا لیکن ان کی نظر میں اب بھی غیور تھا۔ وزیر فوج کو سپہ سالار کے مزاحم ہونے کے طریقے خوب یاد تھے اور جب عمر نے اپنے آدمیوں کے واسطے لباس کی درخواست کی تو رضا پاشا نے طنزاً جواب دیا کہ بلغیریا میں کپڑے کی کمی نہیں! حالات اس درجے کو پہنچ گئے تھے کہ عمر پاشا نے سرعسکر کو اپنی جنگی نقل وحرکت سے مطلع کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر تنگ آکے اور بیدل ہو کے اس نے خود سلطان کے پاس عرضداشت پیش کی اور براہ راست تمام واقعات بیان کر کے اپنا استعفا پیش کیا۔ بغیر کسی مشورت کے عبدالمجید نے عمر پاشا کو تمام اختیارات عطا کئے اور پانچ کرور قرش روانہ کئے تاکہ فوج کا بقایا ادا ہو۔

اس اثناء میں روسی فوج کو کمک پہنچ گئی تھی اور اب کل فوج پرنس باسکیوک کے تحت ایک لاکھ نو ہزار تھی۔ گارشگوف کے منصوبے کو چھوڑ کے اس نے اپنی فوج کو دریائے طونہ کے تحتی حصے پر مجتمع کیا۔ ۲۳ مارچ کو اس نے ڈوبروجا کو تین طرف سے عبور ا ور سائلسٹریا کا محاصرہ کیا۔ اس مقام کی مدافعت موسیٰ پاشا نے جو ”عثمانی اعلے حکام میں راستبازی اور بلند ہمتی کا نمونہ تھا“ اور کرنل گریچ نے جو ایک پروشی افسر اور ترکی کا ملازم تھا بڑی بہادری سے کی۔ اور دشمن کے تمام حملوں کو رد کر دیا لیکن یہ مدافعت اب اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھی کہ روسیوں نے محاصرہ اٹھا لیا۔ کچھ تو آسٹریا کی معاندانہ غیر جانبداری سے اور کچھ باسکیوک کے مشورے پر زار نے اپنی فوجوں کو واپس طلب کر لیا اور ایشیا میں جنگ جاری رکھی۔ یہ آسٹریا کی غیر جانبداری کا نتیجہ تھی ۱۵ جون ۱۸۵۴ئہ کے معاہدے کا جس کی رو سے ہر دو فریق کو دریائے طونہ کے علاقوں کو تماشا گاہ جنگ بنانے کی ممانعت کی گئی تھی۔ اور جس سے آسٹروی افلاق و بغدان پر قبضے کے مجاز گردانے گئے تھے۔ روسیوں کی مراجعت

کے بعد عمر پاشا نے دریائے پرتھ کو عبور کرنے کی تیاری کی لیکن جنگ الما سے باب عالی کے منصوبے بدل گئے اور سردار اکرم کو حکم ملا کہ وہ قرم میں انگریزی اور فرانسیسی فوج کی کمک پر روانہ ہو۔

یونان کا طرز عمل۔ مہم قرم

معاہدۂ پیرس ۱۸۵۶ء

روسیوں نے یونان کی طرف اپنے حریفوں کی توجہ پھیرنے کی کوشش کی۔ روس کا اس مقدس جنگ سے منشا یونانی گرجا کو عروج دینا اور بائزنٹیم کا یونان کو دلانا تھا۔ اس کا منشا جو کچھ بھی ہو مگر اس کے عمال تو یہی کہتے تھے اور سلطنت عثمانیہ کی یونانی رعایا بھی یہی سمجھے ہوئے تھی۔ کاہنوں نے خبر دی تھی کہ اس سال مسلمانوں کی حکومت کا خاتمہ ہوگا اور سینٹ صوفیہ میں جہاں پھر صلیب آویزاں ہوگی پطریرکوں کا بول بالا ہوگا۔

یونانی صوبوں میں ابتری چھائی ہوئی تھی۔ اپیرس، ایٹولیا، اور اکارنینیا میں بغاوت ہوگئی اور لریسا پر باغیوں نے قبضہ کیا۔ تھسالونیا نے بھی باغیوں کا ساتھ دیا۔ ساتھ ہی کابینۂ ایتھنس نے جنگی انتظامات کئے اور رضاکاروں کی جماعتوں کو اکسایا جو باقاعدہ افسروں کے تحت باغیوں سے مل گئیں۔ باب عالی کے اعتراضات جن کی فرانس اور انگلستان نے تائید کی بیکار تھے۔ پھر تو ایک فرانسیسی دستے نے ایتھنس، اور پائریس پر قبضہ کیا اور دول نے اعلان کیا کہ یونان محصورانہ حالت میں ہے۔ اس اعلان کے بعد وزیر یونان نے غیر جانبدار رہنے کا ذمہ لیا۔ ارکانیا کے باغیوں کو جو زولس کی سرکردگی میں تھے ارطہ میں اور تھسالیے کے باغیوں کو جو گریوس کے تحت تھے منزیوو میں شکست ہوئی۔

انگریزی فرانسیسی فوج گیلیپولی اور قسطنطنیہ میں داخل ہوئی جنگی طریقۂ کار پر بہت کچھ مباحثہ ہونے کے بعد یہ تصفیہ ہوا کہ قرم پر فوجیں اتاری جائیں اور سواستاپول کا محاصرہ کیا جائے۔ ایک محاصرے کے بعد جو سال بھر تک رہا اور جس میں روسیوں کو اتحادیوں نے الما' بلکلاوا' انکرمان' اور ٹراکٹیر میں اور عمر پاشا نے یوپٹوریا میں شکست دی فرانسیسیوں نے ملاکف ٹاور کو جو دشمن کا سب سے بڑا قلعہ تھا دھاوے سے فتح کر لیا۔ اس خونریز جنگ میں دس ہزار فرانسیسی کام آئے۔ ۸۔ ستمبر ۱۸۵۵ء۔ اتحادی بیڑوں نے ان تمام بندرگاہوں پر بمباری کی جو بحر اسود پر تھیں۔ اور بامرسنڈ کو جو بالٹک پر واقع تھا فتح کیا۔ آخر کارس کے قبضے نے اس قدر کثیر نقصانات کی تلافی کی (۲۸۔ نومبر ۱۸۵۵ء)۔ ان پیاپے ہزیمتوں سے مجبور ہو کر روس نے صلح کی گفت وشنید کی۔ مجلس وائنا میں آسٹریا' فرانس' برطانیہ عظمیٰ' ترکی اور روس کے نمائندوں نے ابتدائی شرائط صلح پر دستخط کیے (یکم فروری ۱۸۵۶ء) پیرس کانفرنس (۲۵۔ فروری) سے صلحنامۂ پیرس طے ہوا (۳۰۔ مارچ) جس میں فرانس' انگلستان' سارڈینیا اور ترکی ایک طرف تھے اور روس دوسری طرف۔ پروشیہ اور آسٹریا نے اس صلحنامے میں ثالثی قبول کی۔

اس صلحنامے نے سلطنت عثمانیہ کی خودمختاری کو تسلیم اور اس کے وجود کو محترم گردانا۔ اور دول یورپ کو معاملات ترکی میں مداخلت کی ممانعت کی۔ (دفعہ ۹)۔

دسویں دفعہ سے درہ دانیال تمام جنگی جہازوں کے لیے بند کر دیا گیا۔

لہ۔ کونٹ کیوور کی قابلیت سے سارڈینیا بھی اتحاد ثلاثہ میں شریک ہوا تھا اور جنرل اڈیلا مارمورا کے تحت پندرہ ہزار ہائیڈ ملیٹیوں سے انگریزی فرانسیسی فوجوں کی مدد کی تھی چنانچہ جنگ ٹراکٹیر میں اس فوج نے بہت کارہائے نمایاں کیے۔

تیرھویں اور چودھویں دفعہ سے روس اور بابعالی کو دریائے اکزین پر آئندہ جنگی گودامیں بنانے کی ممانعت کی گئی۔

بیسویں اور اکیسویں دفعہ سے بخدان، بیس اربیا کا کچھ حصہ، اور دریائے طونہ کے دہانوں کی سرزمین روس کو تفویض ہوئی اور ایک یورپین کمیشن ان کی تنقیح کے لیے مقرر ہوا۔

صربستان، افلاق اور بخدان پر روس کی صیانت باقی نہ رہی۔ بابعالی کی سیادت اور یورپ کی نگرانی میں ان کے حقوق قائم رہے۔ اور انھیں قومی نظم ونسق کا اختیار، اور مذہب، وضع قوانین، تجارت اور جہازرانی کی آزادی حاصل رہی۔

اس جنگ کریمیا سے صرف ترکی اور انگلستان ہی فائدے میں رہے جن میں سے ایک نے تو صرف معمولی مدد دی تھی اور دوسرا تو برائے نام شریک تھا۔ فرانس نے اس جنگ میں اپنے سپوتوں کا خون بہایا اور پیسہ خرچ کیا تھا تاکہ لارڈ پامرسٹن کے اس بار سے سبکدوش ہو جائے جو نپولین سوم پر تھا جس کی حکومت کو باوجود کوئن وکٹوریہ کے اختلاف کے پامرسٹن نے تسلیم کر لیا تھا۔ یہ سب کچھ فرانس نے ڈان کیو گزوٹ کے مثل کیا اور صلے میں کیا پایا؟ کچھ بھی نہیں۔ نپولین کی اس سیاسی غلطی کا خمیازہ فرانس کو بہت بری طرح بھگتنا پڑا۔ کیونکہ ۱۸۷۰ء میں جب جرمنی اور فرانس میں ہولناک جنگ چھڑ گئی تو روس نے جرمنی کا ساتھ دیا۔

۱۸۱۵ء کے بعد سے سلطنت فرانس ترکی کی حمایت سے دست کش ہو گئی تھی چنانچہ اس کا بہترین ثبوت کابینۂ سینٹ جیمس کے طرزعمل کی تبدیلی سے ملتا ہے جیکس دوم کی معزولی سے جس کا بانی اس کا داماد ولیم نسو تھا، انیسویں صدی تک انگلستان ترکی کی لڑائیوں میں ہمیشہ روس کو مدد دیتا رہا۔ برطانیہ عظمی کے اس طرزعمل کا باعث فرانس سے اس کی دیرینہ مخالفت تھی جو ایک صدی سے چلی آرہی تھی

اور جس کی وجہ سے زمانہ امن میں بھی وہ دوستی کے پردے میں ہمیشہ اپنے مخالفانہ طرزِ عمل کو قائم رکھے ہوئے تھا۔ تقسیم لہستان کے بعد جس کو فرانس اور ترکی روک نہ سکتے تھے، اور یورپ میں ایک تمام تبدیلی پر جو انقلاب فرانس اور نپولین اول کی وجہ سے ہوئی تھی فرانس کا مقابلہ شاہان آسٹریا سے نہ تھا بلکہ پروشیہ سے تھا جس کی تائید پر سلطنت انگلستان تھی۔ اس فرانسیسی طرزِ عمل کے نئے دور میں روس ہی اس کا فطری حلیف تھا۔

اس بات کو فرانس کی عوشاہی اس کو اچھی طرح سے سمجھے ہوئے تھی لیکن "انقلاب جولائی" کے بعد فرانس کو ایک دم انگلستان سے متفق ہو جانا پڑا جس نے اپنے حریف کی اس میانہ روی سے فائدہ اٹھا کے ترکی میں اپنا تسلط جمایا۔ پھر تو عامۂ انگلستان کی نظر میں ترکی برطانوی مقبوضہ تھا۔ چنانچہ لارڈ اسٹرانفورڈ ڈی ریڈ کلف ترکی میں اپنے وسیع اختیارات کی بدولت "چھوٹے سلطان" کے خطاب کا مستحق ٹھیرا۔ جن ذاتی اغراض سے حکومت جولائی کو انگلستان کی رضاجوئی کرنی پڑی تھی انھیں اغراض کی بنا پر حکومت دسمبر کو فرانس کے اس قدیم دشمن سے شیر و شکر ہونا پڑا۔ فرانس نے اس دھوکے کو سمجھا مگر دیر سے۔ انگلستان اور ترکی نے روس کی جنگ کا تمام بار اسی پر ڈالا۔ اور جب سواستاپول فتح ہوا تو نپولین سوم کے نیک اتحادی چاہتے تھے کہ فرانسیسی فوجیں روس میں گھس کے خود مسقووی پایۂ تخت پر حملہ آور ہوں۔ انگریز امیر البحروں اور استامبولی خواجہ سراؤں کے پاس فرانسیسی فوج کا دریائے اوکرین کو عبور کرنا اور لیتھونیا اور دوسری ایسی صوبجات کو بغاوت پر ابھارنا کوئی بڑا کام نہ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ لہستان کی نئی تنظیم فرانس کے حق میں بہت مفید ثابت ہوتی لیکن لہستانی قوم کو بغاوت پر آمادہ کرنے میں صرف روس سے ہی لڑنا نہ پڑتا تھا بلکہ آسٹریا اور پروشیہ سے بھی جنگ ناگزیر تھی جو پیاسٹ اور جیگیلن کے ملک کی لوٹ کو یوں آسانی

کے ساتھ نہ چھوڑتے۔ ایسی صورت میں فرانس کو کہستان میں روسیوں سے ہی مقابلہ کرنا نہ پڑتا بلکہ آلپس اور رہائن میں آسٹریوں اور پروشیوں سے بھی معرکہ آرائی کرنی پڑتی۔ ترکی اور انگلستان کی طرف سے مدد کی کچھ زیادہ توقع نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ انگلستان کو در اصل کہستان کی نئی تنظیم سے سروکار نہ تھا۔ کابینۂ ٹوئلریز کا ارادہ ہوا تھا کہ فرانسیسی افواج کو روس میں روانہ کیا جائے لیکن مارشل پیلیزیر نے صاف طور پر کہہ دیا کہ اس منصوبے کی بجا آوری محال ہے۔

اس جنگ قرم کا نتیجہ یہ ہوا کہ قدیم ترکی جماعت کی امیدیں لہلہا ئیں۔ اور اس کے اثرات میں اضافہ ہوا اور ساتھ ہی مشرکین سے مسلمانوں کی نفرت بڑھانے کا بھی اس کو موقع ملا۔ ترک خوش تھے کہ یورپ ان کی چال میں آگیا۔ اور انھوں نے اپنی رجمنٹوں کو فرانسیسی اور انگریزی فوجوں کے پلہ بہ پلہ کھڑا کرکے اور یورپین طریقے پر ان کو مرتب اور مینیتی ساخت کی قرابینوں سے مسلح کرکے یورپ کو حیرت میں ڈال دیا اور اپنی شائستگی کا ثبوت دیا لیکن جیسا کہ شاٹوبریاں[1] نے محمود کے اصلاحات کے وقت ۱۸۲۸ء میں لکھا تھا "فوجی تربیت میں کونسی شائستگی ہے؟" اور اصل بات تو یہ ہے محمود کی اس فوج کی بدولت اس کے جانشین ان اصلاحات کی تعمیل نہ کرسکے جس کا انھوں نے یورپین دباؤ میں وعدہ کیا تھا۔

---

[1] شاٹوبریان ترکوں کی نفرت پر مزید یہ اضافہ کرتا ہے "یہ بہت بڑی غلطی بلکہ قریب قریب جرم تھا کہ ہم نے ترکوں کو اپنے فن جنگ سے واقف کیا۔ ہم نے ان سپاہیوں کو عیسائی بنایا ہوتا جنھیں ہم نے تعلیم دی۔ اس صورت میں ہم نے جان بوجھ کر ان لوگوں کو نہ سکھایا ہوتا جو سوسائٹی کو تباہ کرتے ہیں۔"

۱۸۵۶ء کا خط ہمایوں۔ قتل جدہ ولبنان وشام۔ ۱۸۶۰ء

صلحنامہ پیرس سے چند روز قبل (۱۸ فروری ۱۸۵۶ء) کو ایک خط ہمایوں شائع ہوا جس میں گلہین کے خط شریف کے وعدوں کی توثیق کی گئی تھی۔ یہ خط ہمایوں جس کے نفاذ کو سلطان کی ذات سے محمول کیا گیا تھا دراصل فرانس، انگلستان اور آسٹریا کی ہدایت سے جو دیوان کو دیگئی تھی وجود میں آیا تھا۔ اور قریب قریب اسی یادداشت کی نقل تھی جو ان ہرسہ دول کے سفرانے ۱۶، ۱۸، ۱۹ اور ۲۰ جنوری کو مرتب کی تھی۔ یہ خط ہمایوں مذہبی آزادی، تمام عثمانی رعایا میں مساوات، نئے اصول پر محصول بندی، اور غیر مسلموں کے فوجی خدمات پر تقررکے متعلق تھا۔ اس میں اس قانون کو منسوخ کیا گیا تھا جس کی رو سے ہر ایسے شخص کو جو اسلام لانے کے بعد پھر عیسائی ہو جاتا سزائے موت مقرر تھی۔ اور وہ بھی قانون منسوخ ہوا جس سے مشترکہ ازدواج میں بچے مسلمان رہتے۔ آٹھویں دفعہ سے عیسائیوں کو تمام خدمات کا مستحق تسلیم کیا گیا تھا۔ دفعہ ۶ سے ممانعت کی گئی تھی کہ سلطنت کی رعایا کے کسی طبقے کی ذلت آمیز اور ایذا رساں طرز سے ہتک نہ کی جائے۔

گو خط شریف گل حنانے مسلمانوں اور رعایا (عیسائیوں کی تفریق کو اٹھا دیا تھا لیکن اس پر بھی یہ تفریق موجود تھی۔ اور ہمہ قسم کے تحقیرانہ کلمے ان کے حق میں ادا ہوتے تھے۔ مثال کے طور پر توافندی کی رپورٹ کا کچھ اقتباس یہاں دیا جاتا ہے جو محمود ثانی کو اس نے ۱۸۲۹ء میں لکھی تھی۔

"اس سور کے قواعد کے متعلق جو پوپ کہا جاتا ہے......

ان ہزاروں الزاموں اور بہتانوں کی بدولت جو ان سوروں کی فوج کی فطرت ہیں ...."

قاضی مردین ۱۸۵۵ء میں ایک آرمینی پادری کو دفن کی اس طرح سے اجازت دیتا ہے۔

"قسیس مریم کو ناپاک ونجس شداد کی لاش دفنانے کی جو آج فی النار والسقر ہوا اجازت ہے" راقم سعید محمد فیضی۔

عبدالمجید کے عہد حکومت میں مفید انتظامات کا سلسلہ جاری رہا۔ عدالت اور تعلیمات کی وزارت کے عہدے، قائم ہوئے (۱۸۵۱ء)۔ قانون تجارت اور دستورالعمل تجارت کے ضمیمے شائع ہوئے۔ اس کے آخری سال ناگوار واقعات میں گزرے جن سے ایک وقت سلطنت اور یورپ کے تعلقات میں کشیدگی پیدا ہوگئی اور قریب قریب ترکی اور دول مغرب میں جنگ کی نوبت آگئی تھی۔

۱۸۴۵ء میں موسیو گیزو نے ٹریبون کو لکھا تھا کہ ترکی میں دو جماعتیں ہیں۔ ایک وہ روشن خیال اور اعتدال پسند جماعت ہے جو سلطنت عثمانیہ کے استحکام، امن وامان اور مضبوطی کے لیے وسیع اصلاحات کو ضروری سمجھتی ہے لیکن دوسری طرف قدیم ترکوں کی وہ متعصب جماعت ہے جو جبر و تعدی، خونریزی اور مکاری کے قدیم طرز عمل پر کاربند رہنا چاہتی ہے۔ تمام صوبجات اور قسطنطنیہ میں ان دونوں جماعتوں میں جھگڑا چلتا رہتا ہے خصوصاً قسطنطنیہ میں تو بہت شدومد سے یہ جنگ جاری ہے۔"

صورت حال میں تبدیلی نہ ہوئی تھی۔ معکوس جماعت نے محمود کی اپنی قوم میں ایک نئی روح پھونکنے کی کوشش کو ناکام بنانے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ ان کی جاہل طبقۂ عوام میں شورش اور مذہبی تعصب پر برانگیختگی کی کوشش ضرورت سے زیادہ کامیاب ثابت ہوئی۔ چنانچہ جدہ اور دمشق کی خونریزیوں سے یورپ کے مقابلے میں خم ٹھونکے گئے تھے۔

جنگ کریمیا سے مسلمانوں کی نفرت اہل یورپ سے بیحد ترقی کر گئی تھی چنانچہ جمہور رعایا نے اپنی اپنی حکومتوں کے اتحاد کو نہیں تسلیم کیا تھا۔ گو متحدین نے روسیوں سے نبرد آزما ہوئے تھے، اور سلطنت ترکی کے عیسائیوں کو مسلح ہونے سے روک دیا تھا اور یونان کو غیر جنبہ دار رہنے پر بزور مجبور کر دیا تھا لیکن اس پر بھی ان کی ہمدردی ترکوں کے مخالفین سے، جن سے کہ وہ لڑ رہے تھے، علانیہ تھی۔

۱۵ر جولائی ۱۸۵۸ء کو درویشوں کی اشتعالک سے حاجیوں کے زیر اثر شورش پسندوں کی ایک جماعت نے جدے کے عیسائیوں پر حملہ کر دیا۔ فرانسیسی قونصل اور انگریزی نائب قونصل اپنے ہموطنوں کو بچانے کی کوشش میں مارے گئے۔ خود ترکی عنشیر کے آنکھوں کے سامنے جو اپنی فوجوں کے ساتھ اس خونریزی کا چپ چاپ، تماشا دیکھتا رہا جدے میں خون کی ندی بہ گئی۔

لیکن انتقام بھی ساتھ ہی ساتھ لیا گیا۔ ۲۵ر کو ایک انگریزی فرانسیسی دستے نے جدے پر بمباری کی اور ہر دو سلطنتوں کے افسروں نے دس چیدہ قاتلوں کو پھانسی پر لٹکایا۔ جدے پر ہل چلا دینے کی سزا سوچی گئی تھی۔ چند گمنام بدمعاشوں کی موت سے ان مذہبی شورہ پشتوں کی آگ فرو نہ ہوئی۔ نفرت کے ساتھ ساتھ ان کے حوصلے بڑھتے گئے۔ چنانچہ جدے کا معاملہ شام میں بھی بہت بڑے پیمانے پر پیش آیا۔

دروزیوں نے ۱۸۴۵ء کے قانون سے لبنان کا جو تصفیہ کیا گیا تھا اس کو کبھی تسلیم نہیں کیا تھا۔ اور انھیں امید تھی کہ مشترکہ اضلاع کے عیسائی ان کے حوالے کئے جائیں گے اور وہ ان کو جس طریقے سے چاہیں گے رکھیں گے۔ مسلمانوں کی نفرت سے فائدہ اٹھا کے جو ان کو عیسائیوں سے تھی اور عثمانی حکام کی تائید کا بھروسا کر کے انھوں نے مارونیتیوں کو ستانا نہ چھوڑا۔ بیروت کے گورنر جنرل خورشید پاشا اور عربستان کی فوج کے مشیر احمد پاشا ان دونوں کا تعلق قدیم ترکی جماعت سے تھا جس کا ذکر

ایم گیوزوٹ نے کیا ہے دروزیوں کو روکنے کی بجائے انھوں نے ان کو شہ دی اور تمام فرقے کے قتل پر ابھارا۔ دروزیوں کو اشتعال کی ضرورت ہی نہ تھی۔ وہ تو چاہتے ہی تھے کہ مارونیتیوں کو تباہ اور بالکل تہس نہس کر دیں اور یہ کام ان کی خونریزی، غارتگری اور بدمستی کی محبت کے موافق بھی تھا۔

مئی ۱۸۶۰ء میں فساد کا آغاز ہوا۔ اور بہت جلد لبنان اور غیر لبنان میں خون کی ندیاں بہ گئیں۔ حسبیہ اور راشیہ کے علاقوں میں جہاں شہاب خاندان کی مسلمان ریاستیں تھیں اور زحلہ میں جس کی تمام آبادی عیسائی باشندوں کی تھی دروزیوں نے اس وقت تک ہاتھ نہ روکا جس وقت تک کہ تمام باشندے قتل اور غارتگری کی گنجائش باقی نہ رہی۔ شیخ ابو محمود نقد جو ۱۸۴۱ء اور ۱۸۴۵ء کا قاتل اور آدرودہ شیخ افندی تھا، اور شیخ سعید جمبلت جو انگریزوں کا رفیق تھا[1] اور اسد خاں کے شیوخ یہ سب دیر القمر پر مثل گدھوں کے ٹوٹ پڑے۔ جو جو سفاکیاں اور بے رحمیاں کی گئیں وہ بیان میں نہیں آ سکتیں۔ عیسائیوں سے خونبہا لیا اور انھیں ترکی فوجی حکام کے حوالے کیا گیا۔ اس طرح سے یہ لوگ خود جلادوں کے تفویض ہوئے۔ مرض قتال متعدی ہے۔ مسلمان اور بدوی اس شکار میں شریک ہو گئے اور دمشق بھی جو سلطنت میں متعصب ترین شہر تھا اس فساد میں شامل ہو گیا۔

"یہاں نہ تو یورپین پادریوں کی ہی اور نہ قونصلی افسروں کی ہی جانیں بچیں۔ صرف انگلستان اور پروشیہ کے قونصل خانے ہی محفوظ تھے۔ تلوار نے آدمیوں، بچوں اور عورتوں کو کاٹ کے رکھ دیا اور آگ نے گھروں کو تباہ کر دیا جنھیں قاتلوں نے ترکی فوجوں کی مدد سے پہلے ہی لوٹ لیا تھا[1]"۔ دمشق میں اگر عبدالقادر نہ ہوتا تو

لہ۔ پوجادے۔

ایک عیسائی کی بھی صورت نہ دکھائی دیتی۔ یہ عرب بہادر جس نے سولہ سال تک فرانسیسیوں سے نہایت بے دردی سے جنگ کی تھی دمشق میں تنہائی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ آگ کے شعلے پہلی دفعہ ہی بھڑکے تھے اور درماندوں کی صدا پہلی دفعہ ہی بلند ہوئی تھی کہ اس نے بلا کسی پس وپیش کے عیسائیوں اور ان کے قاتلوں کے درمیان آپ کو ڈال دیا۔ ایک چھوٹی سی فوج کے ساتھ اس نے عیسائیوں کو عوام الناس سے چھڑایا اور اپنا محل انھیں رہنے کو دیا جو ہزاروں سے آکے پناہ لینے لگے۔ اور عیسائیوں کے سکونتی مقام پر عرب سواروں کی پہرہ بندی کر دی۔ اس شخص نے جو مسلمان اور اولاد پیغمبر اسلام اور فرانس کا قدیم دشمن تھا ایک سے زیادہ مرتبہ اپنی جان کو خطرے میں ڈال کے ان خونخوار ٹولیوں کو پسپا کیا جو اسلام اور ترکی کے لیئے باعث ننگ تھیں۔ اس نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ ان بدقسمتوں پر پوشاک کے لیے بیدریغ روپیہ خرچ کیا جنھیں اس نے موت کے پنجے سے رہائی دی تھی۔ اس نے خود اپنی نگرانی میں عیسائی محافظین کو بیروت پہنچایا جہاں انھیں کسی قسم کا خطرہ نہ تھا۔ اس کا یہ ایثار اس کی یہ شرافت' اور اس کی یہ شریفانہ بہادری ایک لمحے کے لیے بھی کم نہ ہوئی اُس کی زندگی کا یہ صفحہ ایسا شاندار ہے جس کے آگے ایک صدی کا کارنامہ بھی مدھم پڑ جاتا ہے۔

اس ہولناک خبر کو سن کے تمام یورپ میں سنسنی پھیل گئی۔ رائے عامہ کا زور حکومتوں پر ایسا تھا کہ سیاست کا کچھ داؤ گھات نہ چل سکا۔ سبھوں نے اس ظلم کو باتفاق برا ٹھیرایا جو چنگیز خاں (چنگیز خاں کی خرابی) اور تیمور کے عہد کو تازہ کر رہا تھا۔ خود لارڈ پامرسٹن نے پارلیمنٹ میں عثمانی حکام کی طرفداری پر لعنت ملامت کی۔ اور "ٹائمس" میں ان کے "رویے" کی مخالفت میں مضامین شائع ہوئے۔ لیکن بعض ایسے بھی تھے جو دروزیوں کے اس طرز عمل کو قابل درگزر سمجھتے تھے۔ ایک شخص مسٹر ہردی نامی کو جو "کلے مور" کشتی کا مالک تھا یہ جتا دا تھا کہ کیوں اس نے

چند بیچاروں کی جان بچائی۔

وہ لکھتا ہے کہ " دروزیوں کے پاس ہماری بہت عزت اور وقعت ہے۔ اس خوف سے کہ مبادا ایں نے جو کچھ کیا ہے وہ ان کی انگریزوں سے مخالفت کا باعث نہ ہو اور جس سے آئندہ لبنان کے انگریز مسافر خطرے میں نہ پڑیں ایں نے اپنے دوست سعید بے جمبلت مختاروی دروزی رئیس کو یہ لکھدیا ہے کہ ہیں نے صرف عورتوں اور بچوں کی جان بچائی ہے"۔

فرانس میں ان خونریزیوں پر جمہور کے غصے کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جمہور کے غصے اور چیمبرز کی وجہ سے فرانسیسی حکومت کو مداخلت پر مجبور ہونا پڑا۔ اور اس نے صلحنامۂ پیرس میں جن حکومتوں کے دستخط ہوئے تھے ان سے شام میں ایک مشترکہ فوجی دستہ بھیجنے کی تجویز پیش کی کیونکہ امن قائم رکھنے کے لیے ایک ایسی فوجی طاقت کی ضرورت تھی جو ان قاتلین کا زور توڑے جو عثمانی افواج کی حمایت میں خونریزی کررہے تھے۔ باوجود انگلستان کے نفرت انگیز درپردہ اختلافات کے فرانس نے شامی حملوں کے بدلے کی اجازت یورپ سے حاصل کی۔ رسالہ "سیٹرڈے ریویو" میں دمشق اور لبنان کی خونریزیوں کو ان زیادتیوں کا سبب گردانا گیا تھا "جو خاندان بوناپارٹ میں فوجی مطلق العنانی کی بدولت وراثۃً چلی آرہی ہیں"۔ نپولین سوم کو یہ الزام کسی طرح نہیں دیا جاسکتا بلکہ وہ اس وجہ سے ملزم قرار دیا جاسکتا ہے کہ اس نے معاہدے کی پوری پوری پابندی کی اور "عدم مداخلت" پر کاربند رہا۔ برخلاف اس کے بابعالی نے انگلستان کی اشتعالک سے تمام قول و قرار توڑ دیے۔ یہی وجہ تھی کہ اپنے حلیف انگلستان کو ناراض نہ کرنے کے لیے نپولین سوم نے ان تجاویز پر کوئی لحاظ نہیں کیا جو فرانس کی حمایت میں ترکوں کے عوض عربوں کی سلطنت قائم کرنے کے متعلق پیش کئے گئے تھے۔

اصل میں تو بابعالی نے یورپ کی جنگی مداخلت کو قبول کرلیا لیکن انگلستان کی پوشیدہ تحریک پر اس نے اس کے خلاف صدا بلند کرنے کی

کوشش کی۔ ۲۷ جولائی کو فناری موریس ترکی سفیر مقیم لندن نے لارڈ پامرسٹن کو ایک طویل یادداشت لکھی جس کا خاتمہ ان الفاظ پر ہوا تھا۔ "بابعالی کو اس انتظام (فرانسیسی دستے کی روانگی) کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی جس سے آئندہ سخت خطرات کا سامنا ہو سکتا ہے اور جو اعلیحضرت سلطان المعظم کے حقوق شاہانہ پر ایک قسم کا حملہ ہے" لیکن یورپ پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ ۳ اگست ۱۸۶۰ء کو معاہدے پر دستخط ہو گئے اور فرانس کو مداخلت کا اختیار دیا گیا۔ ایک دستہ جنرل ڈی بوفورٹ ڈھاپول کے تحت بیروت پر اترا۔ پھر تو ایک دم خونریزیوں میں انقلاب ہوا۔ جن ڈلیویں کو ترکی مدد کا بھروسا تھا اور جو اس وجہ سے اپنے قدم جمائے رکھنا چاہتی تھیں، انھیں فرانسیسی دستوں نے پراگندہ کر دیا۔ اب سہ رنگی فرانس کے قومی جھنڈے کی پناہ میں عیسائیوں کو امن نصیب ہوا۔

دمشق میں سنسنی پھیل گئی۔ بدقسمتی سے بابعالی نے انگلستان کی تائید سے حکومت فرانس سے یہ وعدہ حاصل کر لیا کہ مقامات مقدس اسلام پر قبضہ نہ کیا جائے گا۔ اس کے بعد پھر شوریدگان مذہب نے سر اٹھایا۔ اور وہ سپاہی جن کی تلواریں ابھی تک خونچکاں تھیں، ان افسروں کے تحت جنھوں نے خونریزیوں کی آگ پر تیل چھڑکا تھا شہر میں پھرتے اور عیسائیوں کو مضطرب کرتے تھے۔ خود انگریزی قونصل نے اپنی ۸ اکتوبر کی مراسلت میں اس خطرے کا ذکر کیا تھا۔ ایک پرسبیٹیری فرقے کے پادری نے ایک عرضداشت میں لارڈ رسل کو لکھا تھا کہ "یہ ظاہر ہے کہ ان خونریزیوں کا اصل منشا ہر مرد عیسائی کا مٹانا، عورتوں کو حاصل اور انھیں بجبر مسلمان کرنا اور بچوں کی طریقۂ اسلامی پر تربیت کرنا اور عیسائیوں کے مقامات سکونت کا ہمیشہ کے لیے صفایا کرنا تھا۔ باشندوں کو اچھی طرح سے یقین تھا کہ یہ سب مظالم ان پر عثمانی حکام، اور شہر کے خاص خاص لوگوں اور مذہبی مقتداؤں کے حکم سے ہو رہے ہیں۔" بالآخر انگلستان نے اس بارے میں بابعالی کو سختی سے لکھا۔ فواد پاشا کے نمائندے عبدہ افندی نے تو اور غضب کر دیا

اور بیوقوفی سے بین الاقوامی کمیشن کو یہ باور کرایا کہ "موجودہ کوائف کی رو سے دمشق کی نہایت اطمینان بخش حالت ہے۔"

لبنان میں قیام امن۔ وفات عبدالمجید

سنہ ۱۸۶۱ء

فرانسیسی مہم کے ساتھ ہی یورپ کی طرف سے ایک بین الاقوامی کمیشن بھیجا گیا تھا تاکہ عثمانی حکام کی کارروائیوں کے متعلق تحقیقات کرے، اور مظلوموں کے نقصانات کی تلافی کے لیے ان کا صحیح اندازہ لگائے اور ان تدابیر پر غور کرے جن سے پھر آئندہ ایسے حوادث وقوع میں نہ آئیں۔ بابعالی نے اپنی جانب سے فواد پاشا کو جو سلطنت کے نہایت قابل اور ہشیار افراد میں سے تھا، وکیل مطلق بنا کے روانہ کر دیا تھا جہاں تک بن پڑے بین الاقوامی کمیشن کی کوششوں کو ناکام کرے اور سلطنت کے ان کارپردازوں کو بچائے جو دغدغے میں تھے۔ فواد پاشا نے بابعالی کی امیدوں کو پورا کیا۔ اس نے یورپین کمیشن کو ایک بازیچہ بنا دیا اور مجرموں کی ایک بڑی تعداد کو سزا سے بچا لیا۔ اس کو سب سے بڑی فکر اس بات کی تھی کہ جہاں تک ہو سکے مجرموں کی تھوڑی سی تعداد کو سزا دلوا کے یورپ کا اطمینان کر دے۔ خورشید پاشا اطمینان سے بیروت میں ہی تھا۔ اور مجلس ترکی کے خفیہ پیامات اس کی تسلی کر رہے تھے۔ اس کی گرفتاری اسی وقت عمل میں آئی جب کہ امیرالبحر مارٹن کی توپوں کی دھمکی اسے دی گئی لیکن ساتھ ساتھ گرفتار ہونے کے بعد اس کو استامبول بھیجنے کا انتظام بھی کر دیا گیا۔ احمد پاشا ایسا خوش نصیب نہ تھا۔ یہ سفاک سپاہی ہر کس و ناکس سے کہتا تھا کہ "شام میں دو وبائیں ہیں ایک عیسائی اور دوسرے دروزی۔ اور جب ان میں سے ایک جماعت دوسری جماعت کو قتل کرتی ہے تو

ہر صورت سے بابعالی کا بھلا ہوتا ہے۔" اس کا معاملہ ایسا نہ تھا کہ سزا سے بچ جاتا لیکن قتل کی صورت میں اس کی طرف سے ان راز سربستہ کے افشا کا اندیشہ تھا جن سے خود سلطنت ترکی لپیٹ میں آتی اس لیے فواد نے اس عربستان کے فوجی افسر اعلےٰ کو خفیہ طور سے قتل کرا دیا۔ نو [۹] ڈاکو جنھیں ان کے جرائم کی وجہ سے پہلے ہی موت کی سزا سنائی گئی تھی اور جو قتل کے ہنگاموں میں قید خانے میں تھے بڑے کرّوفر کے ساتھ پھانسی پر لٹکائے گئے[۱] آخر میں ستاون قاتلوں کو جو صرف دروزیوں میں سے ہی منتخب کئے گئے تھے قتل کیا گیا۔ میجر فریزر لکھتے ہیں کہ "صرف ستاون آدمی ہی قاتل قرار نہیں دیے جا سکتے بلکہ قاتلوں کی ایک بڑی جماعت بری کر دی گئی ہے کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ آٹھ ہزار آدمیوں کو ستاون آدمیوں نے قتل کیا ہو۔ اور پھر ان عورتوں کا تو حساب ہی نہیں جو بھگائی اور بے حرمت کی گئیں۔" لارڈ ڈفرن جو ترکوں کے بہت بڑے حامی اور فرانسیسی قبضے کے سخت مخالف تھے ۱۸ نومبر ۱۸۶۰ء کو لکھتے ہیں کہ "اس میں شک نہیں کہ لبنان کی ان آخری خونریزیوں اور ان پچیس سال کے جھگڑوں اور لڑائیوں کا باعث ترکی حکومت ہے۔ جب کبھی موقع ملا ترکوں نے مارونیتیوں اور دروزیوں کی قدیم عداوت کو بھڑکایا۔ اور دروزیوں کو اپنا آلہ بنا کے عیسائیوں کو مٹانے کی کوشش کی۔ جو کچھ حسبیہ، رشیہ، اور دیر القمر میں پیش آیا وہ گویا اس منصوبے کی بڑے پیمانے پر تکمیل تھی۔ خورشید پاشا اور اس کے شرکا اس نازک کام کو انجام نہیں دے سکتے تھے لیکن جس طریقے سے بھی ہو یہ شکار کھیل لیا گیا تھا اور بدنامی ہو چکی تھی"۔ ایک مراسلت میں جو انگریزی سفیر قسطنطنیہ کے نام تھی اس نے لکھا تھا کہ "میرے پاس یہ باور کرنے کے معقول وجوہ ہیں کہ فواد کو بابعالی سے پہلے کچھ اور بعد میں کچھ ہدایات دیئے گئے۔ اور یہ قسطنطنیہ

---

[۱] ۔ مراسلت میجر فریزر بنام لارڈ جان رسل۔

کی ہی تجویز تھی جو خورشید پاشا اور کئی ترک رہا کر دیئے گئے اور ان کی بجائے تیس دروزی شیوخ کو قتل کیا گیا۔"

خورشید اب بیروت میں اپنی جواب دہی کے لیے بھیج دیا گیا تھا لیکن جو عدالت اس کے مقدمے کی سماعت کے لیے مقرر کی گئی تھی وہ کچھ عجیب سی تھی۔ ججوں میں خود خورشید کے شرکا مثل کرنل حسنی بے افسر بعلبک موجود تھے۔ مقدمے کا جو کچھ نتیجہ نکلنے والا تھا ظاہر تھا۔ تمام ترکی حکام اور عمائد بری کر دیئے گئے یا ان پر معمولی جرمانہ کیا گیا۔ اب دروزی رہ گئے تھے۔ فواد نے فیاضی کے ساتھ مارونیتیوں کو اجازت دی کہ انھیں قتل کریں۔ لیکن اگر ادھر حکومت ترکی اپنے متوسلین کو بچانا چاہتی تھی تو ادھر انگلستان اپنے وفادار دروزیوں کو بچانے کے لیے فکر مند تھا۔ لارڈ ڈفرن نے سعید جمبلات کی وکالت کی اور اس طرح امیر مختارہ پھانسی پانے سے بچ گیا۔ کرنل عثمان بے اور کرنل عبدالسلیم بے جو حسبیہ اور دیر القمر کی فوجوں کے افسر تھے میجر محمد آغا اور میجر علی آغا جو رشیہ اور بیت الدین کی فوجوں کے سردار تھے ان سب کو سزائے موت دیگئی تھی۔ خورشید پاشا حاکم بیروت طاہر پاشا قائد الجیش، نوری بے اسٹاف کرنل، عبداللہ الجبی رئیس علمائے دمشق، مفتی عمر افندی، اور صوبے کے اراکین مجلس جنھوں نے "مضبطہ" سے عیسائیوں کے قتل کا حکم دیا تھا ان لوگوں کو بھی قید بامشقت اور قید کی سزا دیگئی تھی لیکن ان سزاؤں میں سے کسی سزا کی بھی تعمیل نہ ہوئی۔ بین الاقوامی کمیشن نے بیکار اعتراض کیا۔ فرانسیسی افواج نے شام کا تخلیہ کیا۔ ان فوجوں کی روانگی کے بعد کمیشن بے دست و پا رہ گیا تھا۔ فواد نے اس کو غیر معمولی عدالت کے طور پر رکھا۔

مظلومین کے نقصانات کی پابجائی کے معاملے میں بھی فواد نے کمیشن کو شکست دی۔ یہ معاوضہ پندرہ کروڑ قرش ٹھیر گیا اور فواد نے بھی بغیر کسی رد و قدح کے اس کو تسلیم کر لیا تھا۔ لیکن باب عالی نے قول و قرار

کو بالائے طاق رکھ کے اس رقم کو گھٹا کے سات کروڑ پچاس لاکھ قرش منظلومین کو واجب الادا اقرار دیا۔ اور یہ تصفیہ کیا کہ یہ رقم لبنان کی مالگزاری سے تین تین مہینے کے اقساط سے مجرا کر لی جائے۔ اس طریقے سے عیسائیوں کو مسلمانوں کی خونریزیوں کی تلافی کرنی پڑی۔ اور اس پر طرہ یہ ہوا کہ فواد پاشا کے کارندے ان آفت رسیدوں سے اگر ضرورت پڑے تو اداشدہ رقم کی بجبر رسید حاصل کر سکتے تھے چنانچہ عمرو افندی ان لوگوں کو جو ذرا بھی شکایت کے لیے زبان کھولتے حکومت کے انتقام سے ڈراتا تھا۔

ان عظیم فسادات سے جو شام کی خونریزیوں سے ظہور میں آئے اور سرائے کی سازش کا حال معلوم کرنے کے بعد سلطان چند دن کا ہی مہمان رہا۔ ۲۵ رجون ۱۸۶۱ء کو عبدالمجید کا انتقال ہوا۔ اس کا بھائی عبدالعزیز اس کا جانشین ہوا۔ عبدالمجید نے آپ کو اپنے باپ کا خلف الصدق اور اس کے اعلےٰ خیالات کا وارث ثابت کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اگر اس میں جملہ اوصاف جو ایک آدمی میں ہونے چاہئیں موجود تھے تو ایک بات کی کمی تھی جو ایک بادشاہ کے لیے بہت ضروری ہے اور خصوصاً ایسے بادشاہ کے لیے جو مصلح بننا چاہے نہایت ضروری ہے۔ اس میں قوت ارادہ نام کو نہ تھی اور وہ قدیم ضوابط کو توڑنے کی ہمت نہ رکھتا تھا۔ وہ بہت رحمدل اور بہت روادار بادشاہ تھا جسے اپنی رعایا کی بہبودی کی بہت فکر تھی۔ وہ سمجھے ہوئے تھا کہ یورپ کی اتباع کے بغیر سلطنت کو عروج حاصل نہیں ہو سکتا لیکن اس کے تمام نیک ارادے اور منصوبے اس کی نرم دلی سے کمزوری کی حد تک پہنچ گئی تھی ناکام اور ناتمام رہے۔ گو اس کو عدل و انصاف اور میانہ روی کا بہت کچھ احساس تھا لیکن باوجود اس کے عہد میں بے انتہا مظالم ڈھائے گئے۔ عورتوں سے اس کو بہت محبت تھی اور بہت جلد ان کے فریب میں آجاتا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ وہ محل سرا کی عیش و عشرت کی زندگی میں سلطنت کے کاروبار سے غفلت برتتا تھا۔ خواصیں، خواجہ سرا،

اور ایسے ہی حرم سرا کے لوگ سلطنت کے سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ وہ بہت مسرف تھا اور سلطنت کا روپیہ بے دریغ لٹایا کرتا تھا۔ اسی کی فضول خرچیوں سے ان مالی مشکلات کا آغاز ہوا جن سے آج ترکی کشمکش میں ہے۔ جب اس نے اپنی بیٹی فاطمہ کی شادی رشید پاشا کے بیٹے علی غالب سے کی تو چار کروڑ فرانک جہیز اور رسموں میں خرچ کر ڈالے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس سے بڑھ کر حلیم اور متحمل بادشاہ ترکی میں نہیں گزرا۔ اس کے قتل کے لیے کئی سازشیں ہوئیں لیکن سازشیوں کو اس نے ہمیشہ معاف ہی کر دیا۔ اس کی وفات پر اس کی رعایا نے افسوس کیا۔ اور یورپ والے بھی اس کے اوصاف کی وجہ سے اس کے ماتم میں شریک رہے۔ شام اور جدے کی افسوسناک خونریزیوں کے باوجود اس نے محمود کے انتظامات قائم رکھے بلکہ اس میں اضافہ کیا اور جہاں تک اس کے امکان میں تھا انھیں مستحکم بھی کیا۔

تمت

صحت نامہ

تاریخ دولت عثمانیہ جلد اوّل

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۱۲	۶	محاریبن	محاربین
۲۷	۱۶	مذہب	مذہب
"	۲۰	دما	دیا
۳۳	۵	خوشی حوشی	خوشی خوشی
۳۴	۱۹	غذاری	غداری
۳۸	۴	رویین تن	روئین تن
۶۲	۱۵	اوامر وتواہی	اوامر ونواہی
۶۶	۱۲	مقاتلہ	مقابلہ
۷۰	۲۱	افہ حصار	اقہ حصار
۷۹	۸	ایا سوفیہ	آیا سوفیہ
۱۳۰	۲۳	فتوے	فتویٰ
۱۳۸	۱۹	متمول	متمول
۱۶۲	۲۴	لے	کے
۱۷۱	۱۳	لے	کے
۱۷۱	۱۵	ـیین	زیین
۱۸۶	۶	لے	کے
۱۹۳	۱۸	فرڈی فنڈ	فرڈی ننڈ
۲۲۵	۱۶	آذربانجان	آذربائجان
۲۲۷	۱۰	اسنے	اپنے
۲۶۲	پیشانی	آٹھواں بات	آٹھواں باب
۲۷۱	۱۹	اکرنیت	اکریت
۳۰۶	۹	یطریمں	پطرس
۳۰۷	۱۸	تھوری	تھوڑی
۳۴۸	۱۸	ثنکست	شکست
۳۵۲	۸	ایر	پر
۳۶۴	۱	آزادے	ارادے
۴۴۲	۵	کپنان	کپتان
۴۵۰	۲۳	قوج	فوج

JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY
LIBRARY
Ac. No. 456940
Date 31-5-03
SRINAGAR

THE UNIVERSITY OF KASHMIR
ALLAMA
IQBAL LIBRARY
UNIVERSITY OF KASHMIR
HELP TO KEEP THIS BOOK
FRESH AND CLEAN